READER BURAQ

سہارا کون بنتا ہے
تحریر: تنزیل الرحمٰن عریش

"دیباچہ"

کہاں سے تحریک ملی؟ کیوں اور کیسے لکھنا شروع کیا؟ ان سوالوں کے جواب میرے پاس بھی نہیں ہیں۔ بس اچانک ہی ایک دن خیال آیا، کچھ لکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بس لکھنا شروع کر دیا۔ البتہ اتنا ضرور ہے، جب لکھنے کا سلسلہ جاری تھا تو یہ بات ذہن میں پختہ ہوتی چلی گئی کہ منفرد لکھنا ہے۔ ایسا لکھنا ہے جو میرے لیے صدقہ جاریہ بن سکے۔ ناول صرف تفریح کا ذریعہ نہ ہو بلکہ لوگوں کو تفریح کے ساتھ کچھ حاصل بھی ہو جو ان کے کام آئے، نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی۔ میں نے پوری کوشش کی ہے، زندگی کی ان حقیقتوں کو سامنے لا سکوں جو سامنے ہونے کے باوجود ہمیں نظر نہیں آتیں۔

دین اسلام، دنیا، زندگی، موت، مزاح، سائنس، سسپنس، پیار، محبت، ان تمام پہلوؤں کا ایک حسین امتزاج بنا کر ناول کی شکل دی ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں ماضی کی یادوں سے سفر شروع کر کے مستقبل کی جھلکیوں پر ختم کیا ہے۔ ان سب چیزوں کو مربوط کر کے ایسے پیش کرنا کہ قاری کو اکتاہٹ نہ ہو کافی مشکل تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ سب ایسے ہوتا چلا گیا، میں خود حیران ہوں۔ مختصر بس یہی کہوں گا یہ سب اللہ کا کرم اور عطا ہے جس کی وجہ سے میں یہ تحریر لکھ سکا۔

یہ میری پہلی تحریر ہے اور لکھنے کے بعد احساس ہو رہا ہے کہ اس میں بہت سی غلطیاں ہیں جو اپنے طور پر دور کرنے کی کوشش بھی کی، لیکن یہ ایک فطری بات ہے، انسان سیکھتے سیکھتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سے لوگوں کو اس میں موجود کچھ اسلوب سے اتفاق نہیں ہوگا۔ کچھ ایسے ادبی لوگ بھی ہوں گے جن کو بہت سی خامیاں نظر آئیں گی۔ لیکن، لیکن یہ سوچ کر معاف کر دیجیے گا کہ ایک نو آموز لکھاری ہے آہستہ آہستہ سیکھ جائے گا۔ ایسے لوگوں سے گزارش ہے کہ وہ عملاً قدم اٹھاتے ہوئے میری اصلاح کیجیے گا۔ میں اس اصلاح کا خوشی سے خیر مقدم کروں گا۔

ان شاء اللہ، یہ میرا دعویٰ کہہ لیں یا اللہ کی ذات سے امید، جو بھی اس ناول کو پڑھے گا، اسے بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا۔ بہت سے نئے پہلو عیاں ہوں گے جو پڑھنے والے کے دل کو چھو جائیں گے۔ اگر آپ کو کوئی چیز اچھی نہ لگے تو اسے نظر انداز کر دیں، جو اچھی لگے اسے اپنا لیں۔

مفہوم قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہے، اچھی بات جہاں سے ملے لے لو۔

میں عبد الرافع (جو آر اے احمد کے نام سے جانے جاتے ہیں) انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنے قیمتی وقت سے وقت نکال کر پروف ریڈنگ میں میری مدد کی۔ حیرت بھی ہوتی ہے اور خوشی بھی، اللہ نے عبد الرافع کو کم عمری میں ہی ایک بہترین راہ پر گامزن کر دیا ہے۔ وہ نہ صرف خود لکھاری ہیں بلکہ لکھنے کے فن کی باریکیوں کو سمجھنے کے لیے باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے بعد میں شکر گزار ہوں ناولز کی دنیا پلیٹ فارم کی اونر زویا طالب اور ساری ایڈمن ٹیم کا جنہوں نے میری ہر جگہ ہر ممکن مدد کی۔ سب سے آخر میں انتہائی عاجزی سے ممنون ہوں ان تمام ریڈرز کا جنہوں نے ایسی حوصلہ افزائی کی، جس نے اس ناول کو مکمل کرنے کے لیے ایندھن سا کام دیا۔ میری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دے اور ہم سب کو اپنے دین اسلام کی سربلندی کے لیے قبول فرما لے۔ اپنا ایسا قرب عطا فرمائے جس کے بعد دوری نہ ہو۔ اپنی ایسی رضا عطا فرمائے جس کے بعد ناراضگی نہ ہو۔ اپنی ایسے اطاعت کرنا نصیب فرمائے جس کے بعد نافرمانی نہ ہو۔ زندگی شان والی، موت ایمان والی عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

"تنزیل الرحمن عریش"

سہارا کون بنتا ہے؟

اگلے بینچوں پر بیٹھی رنگ برنگے لباس پہنے لڑکیوں میں، عبایا پہنے نقاب پوش لڑکی نمایاں نظر آ رہی تھی۔

عمار نہ جانے کب سے پیچھے بیٹھا اس لڑکی کی پیٹھ کو گھور رہا تھا۔ وہ لڑکی جس کا نام تھا خولہ۔

عجیب سا نام تھا۔ اس سے پہلے عمار نے یہ نام کبھی نہیں سنا تھا۔ وہ مائیگریشن کروا کر آئی تھی اس یونیورسٹی میں۔ اسکے آنے سے پہلے پورے ڈیپارٹمنٹ میں عمار کی دھوم مچی تھی لیکن جب سے یہ لڑکی آئی تھی وہ سیکنڈ پوزیشن پر جا رہا تھا۔

پریزنٹیشن ہو، ٹیسٹ ہو یا پراجیکٹ ورک ہو، وہ پہلے نمبر پر جا رہی تھی ویسے تو عمار کو پہلے کبھی اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ سیکنڈ آئے یا فرسٹ لیکن جب ہر میدان میں خولہ آگے بڑھنے لگی تو نہ جانے کیوں اسے چڑ سی ہونے لگی تھی۔ بہت بار کوشش کی لیکن آگے نکلنے میں اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

فطرتاً بھی وہ لڑکی عجیب تھی۔ کسی لڑکے سے بات تک نہیں کرتی تھی۔ اگر کرے بھی تو لہجہ ایسا ہوتا ہے کہ اگلا بندہ مطلب کی بات کے سوا کچھ کہہ ہی نہیں پاتا۔

عمار انہیں سوچوں میں گم تھا اور ادھر سر راشد اپنا لیکچر ختم کر چکے تھے لیکن ہمیشہ کی طرح ابھی بھی پندرہ منٹ باقی تھے۔

اس لیے وہ روٹین کی طرح کلاس سے سوال جواب کرنے لگے اور کہہ رہے تھے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اگر دیکھا جائے تو اسلام ایک مذہب ہی نہیں پوری سائنس ہے۔ اسلام سے زیادہ کوئی انسان کا خیر خواہ نہیں۔ جو چیز بری ہے اس سے روکتا ہے۔ جو چیز انسان کے لیے بہتر ہے اس کو کرنے کا حکم دیتا تھا۔

ہمیشہ کی طرح عمار کے ساتھ بیٹھے قاسم نے اپنی ٹانگ اڑائی اور کہنے لگا۔

"سر! یورپ والے، چائنہ والے بچھو تک کھا جاتے ہیں۔ شراب وغیرہ پیتے ہیں۔ خنزیر کھاتے ہیں، جس کا گوشت بہت ہی لذیز ہوتا ہے اور الٹا اس سے انہیں انرجی ملتی ہے اور وہ ترقی کرتے جا رہے ہیں۔ ہم پر یہ حرام ہے لیکن ہمارے لیے یہ کیوں حرام ہے؟ اسے چھوڑنے کا کیا فائدہ؟ اس کی کیا لاجک بنتی ہے؟"

پوری کلاس مڑ کر قاسم کو دیکھ رہی تھی سوائے اس ایک خولہ کے وہ بس پنسل اپنی انگلیوں میں گھما کر اس سے کھیل رہی تھی۔ نہ جانے یہ لڑکی عام لڑکیوں کی طرح کیوں ری ایکٹ نہیں کرتی؟ عمار نے چڑ کر سوچا۔

سر راشد گلا کنکھار کر بولے۔

”جہاں حکم اللہ اور اسکے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا آجائے وہاں ہر بات، ہر لاجک ختم ہو جاتی ہے۔“

”لیکن سر، میں۔“ قاسم نے اتنا کہا ہی تھا کہ سر راشد نے ٹوک کر کہا۔

”قاسم میری بات پوری ہونے دیں۔“ اور پھر ایک لمبا سانس لے کر بولے۔

”جیسے میں نے پہلے کہا اسلام نہ صرف ایک مذہب ہے بلکہ پوری سائنس ہے۔ میں صرف لاجک سے سائنس کے حوالے سے آپکے سوال کا جواب دیتا ہوں، قاسم آپ ایک کام کرنا ایک بچھو کو پکڑ کر اس کے ارد گرد دائرے میں آگ لگا دینا اور پھر مشاہدہ کرنا کہ وہ کیا کرتا ہے اور مجھے بتانا۔ یہ آپ کا ہوم ورک ہے۔“

”سر آپ ابھی بتا دیں سسپنس کیوں پیدا کر رہے ہیں؟“ پوری کلاس نے احتجاج شروع کر دیا۔

عمار کو بھی اس ٹاپک پر اتنی دلچسپی پیدا ہو گئی کہ وہ باقی سب بھول کر سر راشد کو دیکھنے لگا۔

”اوکے...... اوکے۔“ کہہ کر سر راشد گویا ہوئے۔

”جب آپ ایسا کریں گے تو بچھو گھبرا کر وہاں سے بھاگ نکلنے کے لیے اپنا راستہ تلاش کرے گا لیکن جب اسے راستہ نہیں ملے گا تو مایوس ہو کر اپنے آپ کو ڈنگ مار کر خودکشی کر لے گا۔“

”اب قاسم آپ ریسرچ کر لیجیے گا اور نوٹ کیجیے گا۔ جس علاقے اور ملکوں میں بچھو سب سے زیادہ کھائے جاتے ہیں۔ وہاں کا خودکشی ریٹ باقی ملکوں کی نسبت زیادہ ہے۔ اس بات پر سائنس بھی متفق

ہے کہ انسان جو کھاتا ہے۔اس چیز کی فطرت اور اس کا اثر دونوں کھانے والے کی جسم میں ٹرانسفر ہو جاتی ہیں' اب کون بتائے گا کہ پورک (خنزیر) کیوں حرام ہے کیا وجوہات ہیں؟"

عمار سوچنے لگا۔لو بھلا سائنس کی کلاس میں اس کا ذکر کیوں آ گیا لیکن اف! اس خولہ کا ہاتھ بلند تھا۔سر راشد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایز آئی ایسپکٹڈ' جی مس خولہ۔" ایک باوقار سی آواز کلاس میں گونجنے لگی۔

"سر! اس کی ایک وجہ نہیں کئی وجوہات ہیں۔" اس نے ہاتھ بلند کیا اور پہلی فنگر کھول کر کہا۔

"نمبر ایک' یہ چند ان غلیظ ترین جانوروں میں شمار ہوتا ہے۔جو پیشاب و پاخانہ سمیت ہر چیز کھا جاتا ہے۔"

"نمبر دو۔" دوسری انگلی کھولی۔

"اسکے گوشت میں زہریلے مادے جذب کرنے کی صلاحیت عام گوشت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔اس لیے اس کا گوشت 30% زیادہ

Toxic

ہوتا ہے۔"

"نمبر تین۔" تیسری انگلی کھولی۔

"اسکے اندر جنسی اشتہا بہت زیادہ ہوتی ہے۔"

"نمبر چار۔" خولہ کے ہاتھ کی چوتھی انگلی کھلی۔

"یہ دنیا کا ایسا بے غیرت ترین جانور ہے۔ جو جنسی تسکین کے لیے نر یا مادہ کا فرق نہیں دیکھتا۔ میرا خیال ہے اتنا کافی ہے۔ اس سب کے باوجود کوئی یہ لذیذ ترین گوشت کھانا چاہے تو کھا سکتا ہے۔"

واضح ترین قاسم پر طنز کرتے ہوئے وہ بیٹھ گئی۔ پوری کلاس میں سنسنی اور خاموشی پھیلی تھی۔ باتیں ایسی تھیں کہ سب اس میں کھو کر پلکیں جھپکنا بھول چکے تھے۔

اپنے اوپر طنز کیا گیا سن کر قاسم میرے پہلو میں بیٹھا پیچ و تاب کھانے لگا اور دھیمی آواز میں غصے سے بولا۔

"چھوڑوں گا نہیں اس کو۔" اتنے میں سر راشد کی آواز گونجنے لگی۔

"ویل ڈن مس خولہ آپ نے کمال کر دیا۔ تو اب اگر آپ لوگ نوٹ کریں جہاں یہ سب سے زیادہ کھایا جاتا ہے۔ وہاں بے حیائی، جنسی بے راہ روی اور ہم جنس پرستی عروج پر ہے۔" اتنا ہی کہا تھا کہ پیریڈ کا وقت ختم ہو گیا اور سر راشد باہر چلے گئے۔

ساری کلاس نے بھی باہر کا رخ کیا۔ یہ آخری پیریڈ تھا۔ عمار پھر سوچنے لگا کہ یہ خولہ چیز کیا ہے۔

اسکے پاس اتنی نالج کہاں سے آتی ہے؟ اتنے میں کسی کلاس فیلو نے کمنٹ پاس کیا۔

"لاہور میں کھوتے ایتھے۔" اتنا کہہ کر وہ تو چپ ہو گیا لیکن قہقہوں سے راہداری گونج اٹھی۔

"چھوڑوں گا نہیں اس خولہ کی بچی کو۔" قاسم دانت پیستے ہوئے کہنے بولا۔

”چھوڑ یار ہو تا رہتا ہے۔“عمار نے اسے کہا۔ مگر قاسم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عمار کو حسد ہونے لگا تھا خولہ سے۔

وہ اسے پیچھے چھوڑنے کے طریقوں پر غور کرنے لگا۔ عمار بس یہ چاہتا تھا کسی طریقے سے اس لڑکی پر بھی کمنٹس پاس ہوں۔ اس پر بھی کلاس ہنسے۔ یہ سوچ ہی عمار کے سینے میں ٹھنڈک سی پیدا کر رہی تھی۔

کچھ دنوں بعد شاید عمار کو موقع مل گیا۔

ایک اسائنمنٹ پر ڈسکیشن کے لیے جب وہ سر راشد کے دفتر کے باہر پہنچا تو اسے اندر سے باتوں کی آواز آئی اور وہ خولہ کی درد بھری
آواز سن کر حیران رہ گیا۔ خولہ کہہ رہی تھی۔

”سر میں یہ ذلت برداشت نہیں کر سکوں گی اور کچھ الٹا سیدھا کر لوں گی۔ میں نے پہلے آپ کو انفارم کرنا بہتر سمجھا تا کہ آپ کو بعد میں گلا نہ ہو۔“

اس سے پہلے وہ کچھ اور بولتی عمار ایکسائٹمنٹ میں اتنا کھویا ہوا تھا کہ اسے پتہ ہی نہ چلا کب اس سے زور سے دروازہ کھل گیا۔

اندر خولہ دروازے کی طرف پیٹھ کیے سر راشد کی طرف منہ کیے بیٹھی تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونکی اور فورا نقاب کر لیا۔ خولہ نے اتنی تیزی دیکھائی کہ عمار اسکے چہرے کی ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکا۔

وہ ششدر رہ گیا۔ جو لڑکی میل سے بات کرنا گوارا نہیں کرتی تھی وہ سر راشد کے سامنے بے نقاب بیٹھی تھی۔ کیا رشتہ تھا دونوں کا آپس میں؟ کیا پیار؟ نہیں سر راشد کی عمر تو بہت زیادہ ہے۔

وہ پریشان کیوں تھی؟ اسکی آواز میں اتنا درد کیوں تھا؟ یہ سب خیال ایک سیکنڈ میں عمار کے ذہن میں آئے لیکن پھر سر راشد کی تلخ کی آواز اسے ہوش میں لے آئی۔

" تمیز نہیں ہے اندر آنے کی آپ کو؟ یہ کیا طریقہ ہے۔"

"رئیلی سوری سر' دستک دینی تھی مگر غلطی سے دروازہ اوپن ہو گیا۔" عمار نے گڑبڑا کر سرخ ہوتے سر راشد کے چہرے کو دیکھ کر کہا۔

اتنے میں خولہ کرسی دھکیلتی ہوئی کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔

"اوکے سر میں چلتی ہوں' جو کہنا تھا کہہ دیا۔" یہ کہہ کر وہ آفس سے باہر چلی گئی۔

"جی فرمائیے۔" سر راشد کے لہجے میں ابھی بھی تلخی باقی تھی۔

"سر وہ ایک اسائنمنٹ ڈسکس کرنا تھا۔" یہ کہہ کر عمار اسائنمنٹ کے پوائنٹس کو ڈسکس کرنے لگ گیا لیکن اس کا ذہن بدستور ان ہی الجھنوں میں الجھا تھا کہ خولہ اور وہ بھی بے نقاب سر راشد کے سامنے کیوں بیٹھی تھی۔ وہ کیسی وارننگ دے رہی تھی۔ اسکے لہجے میں دکھ کیوں تھا۔

ڈسکشن کے بعد وہ آفس سے نکلا اور کینٹین کی طرف چلنے لگا۔ بہت سوچنے کے بعد بھی وہ اس گتھی کو سلجھا نہ سکا۔

کینٹین سے باہر سیڑھیوں پر قاسم اور جواد بیٹھے تھے۔ عمار بھی ان کے پاس بیٹھا تھا کہ خولہ اپنی سہیلی رمشا کے ساتھ آتی دکھائی دی۔ اسے دیکھ کر قاسم پر جوش ہو گیا اور جواد کو کہنے لگا۔

"جلدی ویڈیو بنانا شروع کر' ایک فنی کلپ تیرے ہاتھ آنے والا ہے۔" جواد نے جلدی سے کیمرہ آن کیا اور ویڈیو بنانے لگا۔

جیسے ہی خولہ پاس سے گزر کر اندر جانے لگی۔ قاسم نے فوراً اپنی ٹانگ آگے کر دی۔

مقصد یہی تھا کہ خولہ الجھ کر گر جائے۔ ایک لمحے کو تو لگا جیسے ایسا ہونے والا ہے کیونکہ خولہ رمشا سے باتیں کرنے میں مصروف تھی لیکن جیسے ہی قاسم نے اپنی ٹانگ آگے کی تو عمار کی نظر خولہ کے پاوں پر مرکوز تھی۔

ایک سیکنڈ کے کچھ ہی لمحے میں اس نے پاؤں کو اٹھتے دیکھا اور وہ تھوڑا سا ٹانگ کے اوپر سے آگے گزرا ہی تھا کہ فوراً واپس ہوا۔ جیسے دانستہ واپس لایا گیا ہو اور پاؤں میں موجود کٹن

(kitten heel)

جوتے کی ہیل قاسم کی پنڈلی پر آ کر ٹکی اور عمار نے صاف دیکھا کہ اس پاؤں پر واضح دباو ڈالا گیا اور ہیل قاسم کی پنڈلی کے گوشت میں گڑ سی گئی۔

قاسم نے تڑپ کر پاؤں پیچھے کھینچا لیکن جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ پنڈلی پر واضح نیل پڑ چکا تھا اور کچھ بوندیں خون کی نظر آ رہیں تھیں۔
تکلیف کی شدت سے قاسم نے ہونٹ بھینچ لیے۔

”اواو ویری ویری سوری میں نے دیکھا نہیں۔“ شان بے نیازی سے کہتی ہوئی وہ آگے چلی گئی۔

قاسم اٹھا اور چلنے کی کوشش کی لیکن ہڈی پر ہیل کا اتنا دباؤ پڑا تھا کہ قاسم مشکل سے لنگڑا کر چل رہا تھا۔ عمار نے اسے سہارا دیا تو اس نے قاسم کو کہتے سنا۔

”اب بس بہت ہو گیا۔“ اور ایک گالی دے کر کہنے لگا۔

”اب اس کا میں وہ حشر کروں گا کہ اس کی نسلیں تک عبرت پکڑیں گے۔“ عمار جانتا تھا قاسم ایک امیر گھرانے کا بگڑا لڑکا ہے اور لوز کریکٹر کا مالک ہے۔ عمار نے بات رفع دفع کرنے کی خاطر کہا۔

”چھوڑ نا یار‘ یہ مصیبت بھی تم نے خود مول لی ہے۔“ مگر قاسم نے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔

”بس چپ کر‘ تجھے بھی اس سے پریشانی ہے۔ تمہاری جگہ وہ لیتی جا رہی ہے۔“ عمار نے ہنس کر کہا۔

”ایسا تو چلتا رہتا ہے۔“ مگر قاسم نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ نہ جانے کس سوچ میں گم تھا۔ عمار کو خولہ کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی کیونکہ وہ قاسم سے اچھے طریقے سے واقف تھا۔

۔*****************۔

کبھی کبھی انسان پر ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ کچھ کرنے کو دل نہیں کرتا۔ بس اکیلے رہنے کا دل کرتا ہے۔ لیٹا رہے نہ کوئی بلائے کوئی نہ چھیڑے۔ ایک بلاوجہ سی اداسی چھائی رہتی ہے۔

آجکل عمر پر بھی ایسی ہی کیفیت طاری تھی۔ ایک عام سے کمرے میں جیسے عام طور پر مڈل کلاس طبقے کے ہوتے ہیں۔ وہ چارپائی پر لیٹا تھا۔

دل پر انجانا سا بوجھ تھا۔ بہت کوشش کے بعد بھی وہ اس کیفیت سے نہیں نکل پا رہا تھا۔ تنگ آکر اٹھا بائیک کی چابی اٹھائی اور گاؤں سے باہر جانے والی سڑک پر بائیک بھگانے لگا۔

چند میل بعد ویرانے میں چند گھر نظر آنے لگے جن کے درمیان ایک چھوٹی سے پکی مسجد تھی۔ اس نے بائیک باہر کھڑی کی۔ اندر گیا وضو کیا اور مسجد میں جاکر منبر کے نزدیک بیٹھ گیا جہاں ایک سفید ریش بزرگ بیٹھے تھے۔ جو امام مسجد بھی تھے۔

"السلام وعلیکم بابا۔" عمر نے سلام کیا۔ بابا نے سر اٹھا کر عمر کو دیکھا اور مسکرا کر کہنے لگے۔

"بہت کنجوس ہو۔"

"وہ کیسے بابا۔" عمر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"سلامتی بھیج دی' کیا جاتا تمہارا اگر رحمتیں اور برکتیں بھیجنے کی دعا بھی دے دیتے۔" بابا نے سادہ سے لہجے کہا تو عمر شرمندہ ہو کر کہا۔

"السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکتہ۔"

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکتہ۔" بابا نے شگفتگی سے جواب دیا۔

"کیسے ہو بیٹا؟" بابا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بہت پریشان ہوں بابا، عجیب سی اداسی ہے۔ کوئی وجہ بھی نہیں اداسی کی۔ بس اپنی زندگی سے مطمئن نہیں ہوں۔ ویسے تو سب ٹھیک ہے۔ لگی بندھی روٹین سے زندگی گزر رہی ہے لیکن پھر بھی زندگی سے خوش نہیں ہوں۔ کوئی حل بتا دیں۔" عمر نے بے بسی سے بات کرتے ہوئے کہا۔

جب بھی کوئی پریشانی ہوتی وہ بابا کے پاس آجاتا تھا۔ یہاں آکر اسے لگتا تھا جیسے ساری پریشانیاں ختم ہو گئی ہیں۔ ایک عجیب سا سکون ملتا تھا۔

"بھوکے ہو کھانا کھاؤ۔" بابا نے کہا۔

"نہیں نہیں بھوک نہیں ہے۔ تھوڑی دیر پہلے ہی کھانا کھایا تھا۔" عمر نے جلدی سے کہا۔

"بیٹا تمہاری روح بھوکی ہے اسے کھانا کھلاو۔" بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"روح کو بھی بھوک لگتی ہے؟" عمر کو حیرت ہوئی۔

"ہاں، لگتی ہے۔ اب یہ بندے کی مرضی ہے کہ وہ اس کا پیٹ کیسے بھرتا ہے ذکر، ایمانداری، حلال روزی اور ہر نیکی سے روح کی صحت اچھی ہوتی ہے اور ہر گناہ سے روح کی صحت بگڑتی چلی جاتی ہے لیکن پیٹ دونوں غذاوں سے بھر جاتا ہے روح کا۔" بابا تھے تو سادہ سے لیکن باتیں بہت گہری کرتے تھے۔

"بابا میں ولی بننا چاہتا ہوں۔" عمر نے حسرت سے کہا۔

"او یہ تو بہت آسان ہے۔" بابا نے ہنس کر کہا۔

"وہ کیسے؟ اتنا آسان ہوتا تو ہر کوئی نہ بن جاتا۔" عمر نے حیرانگی سے کہا۔

"سب کو میں پسند ہوتی ہے۔ اس لیے سب نہیں بن پاتے۔ بس میں ماردو بن گئے ولی۔" بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ میں کیسے ماریں۔" عمر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اپنی مرضی چھوڑ کر رب کی مرضی ماننے سے میں ختم ہو جاتی ہے۔" بابا نے کہا۔

"یہ بات تو سب کو پتہ ہے مگر کر نہیں پاتے بابا' آپ میری مدد کریں ناں میری میں مارنے میں۔" عمر نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے جتنا مجھ سے ہو سکا میں کروں گا۔ ایک کام آج سے شروع کرو بس ایک کام، نظر کی حفاظت کرو بس، جاؤ ایک مہینہ یہ کام کرو پھر مجھے آ کر بتانا۔" بابا نے شفقت سے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

"جی بابا یہ تو میں کر لوں گا۔" عمر نے بہت خوشی سے کہا۔

"بیٹا یاد رکھنا نظر کی حفاظت جاندار چیزوں سے ہی نہیں بے جان چیزوں سے بھی کرنا۔" بابا نے زور دے کر کہا۔

"جاندار چیزوں کی تو سمجھ آ گئی۔ بے جان چیزوں سے نظر کی حفاظت؟ اسکا کیا مطلب بابا۔" عمر نے حیرت کی شدت سے کہا۔

"جاو بیٹا یہ کام شروع کرو تمہیں سمجھ آ جائے گی۔" بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عمر ضد نہ کر سکا۔ وہ جانتا تھا کہ بابا کی ہر بات کے پیچھے کوئی حکمت ہوتی ہے اور یہ عمر بہت بار دیکھ چکا تھا۔ وہ چپ رہا اور سلام کر کے واپس ہو لیا۔

وہ دل میں ارادہ کر رہا تھا کہ جیسے بابا نے کہا ہے ویسا کروں گا۔ دیکھتے ہیں کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ بعد میں جو نتیجہ نکلا وہ عمر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

۔****************۔

خولہ اپنے کمرے میں بیٹھی لیپ ٹاپ پر اسائنمنٹ بنانے میں مصروف تھی کہ دروازہ کھلا اور اس کی 10 سالہ بھتیجی اندر آئی۔ تھی تو وہ خولہ کی آپی کی بیٹی لیکن دس سالہ ام ہانی اسے آپی کہہ کر ہی پکارتی تھی۔ ام ہانی نے معصوم سے لہجے میں کہا

"آپی ایک سوال پوچھنا تھا۔"

"ہاں ہاں پوچھو۔" خولہ نے لیپ ٹاپ بند کر کے اسے گود میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

"آپی وہ کونسا پرندہ ہے جس کے سر پر ٹانگیں ہیں؟" ہانی نے سادگی سے پوچھا۔

"یہ سوال کس نے پوچھا ہے؟" خولہ نے ہنسی دباتے ہوئے پوچھا۔

"بھائی نے پوچھا ہے' وہ کہہ رہا تھا کہ تم نالائق ہو۔ تمہیں کچھ نہیں آتا۔ میں نے بھی غصے سے کہا جو مرضی سوال پوچھ لو' اس نے یہ سوال پوچھا ہے۔ میری کتاب میں اسکا جواب نہیں ہے اور مجھے ثابت کرنا ہے میں نالائق نہیں ہوں۔" ہانی نے پریشان ہو کر کہا۔

"او یہ تو کوئی مشکل سوال نہیں ہے۔" خولہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"او آپی کیا آپ نے ایسا پرندہ دیکھا ہے؟ کہاں دیکھا؟ کیسا دیکھتا ہے؟ میں نے بھی دیکھنا ہے۔" ہانی نے پرجوش ہو کر ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

"پگلی ہر پرندہ کے سر پر ٹانگیں ہوتی ہیں۔" خولہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپی آپ کیوں جھوٹ بول رہی ہیں۔ ہمارے طوطے کے سر پر ٹانگیں نہیں ہیں۔ اسکی ٹانگیں تو نیچے ہیں۔" ہانی نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

خولہ کی اس معصومیت پر ہنسی چھوٹ گئی اور جب دیکھا ہانی کی صورت رونے والی ہو گئی ہے۔ وہ شاید یہ سمجھ رہی تھی کہ خولہ اس کا مذاق اڑا رہی ہے۔ خولہ نے جلدی جلدی کہا۔

"دیکھو طوطے کا سر ہے۔"

"ہاں۔" ہانی نے کہا۔

"پر اور ٹانگیں بھی ہیں۔" خولہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ہانی نے کہا "ہاں ہیں۔" پھر ایک لمحہ چپ ہو کر بڑی پر جوش ہو کر خوشی سے چیخی۔

"او آپی آ گئی سمجھ' ہر پرندے کے سر، پر اور ٹانگیں ہوتی ہیں۔ پلیز بھائی کو نہ بتانا کہ آپ نے بتایا ہے۔" ہانی نے خولہ کی منت کرتے ہوئے کہا اور گال پر "پاری" دے کر باہر بھاگ گئی۔

ہانی گئی ہی تھی کہ اندر ایک لڑکی جس کے چہرے پر اداسی چھائی تھی اور آنکھیں سرخ تھیں جیسے بہت دیر روئی ہو۔ یہ صدف تھی جو خولہ کے پڑوس میں رہتی تھی۔

قریب آ کر صدف خولہ کے پاس گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی اور روتے ہوئے کہنے لگی۔

"آج اس نے لاسٹ وارننگ دی ہے کہ اگر میں کل اسے نہ ملنے گئی تو وہ ویڈیو نیٹ پر وائرل کر دے گا۔"

پیار کے جذبے میں بڑے بڑے عقل مند بھی اندھے ہو جاتے ہیں یہی کچھ صدف کے ساتھ ہوا کہ پیار ہوا تو لڑکے کے اصرار پر وہ اسے ملنے ایک کیفے شاپ چلی گئی۔

جہاں ایک فیملی کیبن میں اس لڑکے نے پیار کا تھوڑا سا 'عملی' اظہار کیا مگر صدف کی لاعلمی میں ان چند لمحوں کی ویڈیو بنالی۔

صدف وہاں زیادہ دیر تو نہ ٹھہری لیکن یہ تھوڑی دیر اسکی زندگی میں کتنا اندھیر مچادے گی یہ اس نے سوچا تک نہ تھا۔

اب وہ لڑکا اس سے تنہائی میں ملنے کی ضد کر رہا تھا۔ اسکے انکار پر اس نے دھمکیاں دی کہ وہ اس ویڈیو کو اس کے گھر والوں کے نمبر پر بھیج دے گا اور وائرل کر دے گا۔ صدف نے اس مسئلے کو خولہ کے سامنے رکھا تھا خولہ نے اس سے مدد کا وعدہ کیا تھا۔

"پرسوں تک کا ٹائم دیا ہے اس نے۔" صدف روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اسکا نام کیا ہے؟ کون ہے کہاں رہتا ہے؟" خولہ نے پوچھا۔

"اسکا نام قاسم ہے۔" صدف نے جواب دیا۔ یہ نام سن کر خولہ تھوڑا چونکی اور پوچھا اس کی کوئی تصویر ہے تو دکھاؤ۔ صدف نے پرس سے موبائل نکالا اور قاسم کی تصویر نکال کر جب خولہ کو دکھائی تو خولہ حیرت سے دنگ رہ گئی۔ یہ تو اسکا کلاس فیلو قاسم تھا۔

صدف مسلسل رو رہی تھی۔

"تم صبر کرو' میں اس مسئلے کا حل نکال لوں گی۔ ٹرسٹ می۔" خولہ نے قاسم کی تصویر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"وہ ویڈیو وائرل کر دے گا۔ میرے پاس صرف پرسوں تک کا وقت ہے اور اگر ایسا ہوا تو پرسوں ہی میری لاش ملے گی۔ خودکشی کر لوں گی میں۔" صدف نے روتے ہوئے کہا۔

"ایسا موقع ہی نہیں آئے گا۔" خولہ نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"میری زندگی اور عزت دونوں تمہارے ہاتھ میں ہے' میں یہ بات کسی اور سے شیئر نہیں کر سکتی۔" صدف نے اٹھتے ہوئے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

خولہ سوچ میں ڈوب گئی۔

اسے اپنا روپ بدلنا پڑے گا۔ اسے اسی روپ میں آنا ہو گا۔ جس روپ میں نہ آنے کی اس نے اپنے والد کو یقین دہانی کروائی تھی مگر سوال تھا کسی کی عزت کا۔ کسی کی زندگی کا۔ وہ الجھ رہی تھی خود سے۔

آخر اس نے اپنے اصلی روپ میں آنے کا ارادہ کر لیا۔ اس کا جسم تن گیا اور چہرے کے عضلات سخت ہو چکے تھے۔

ہے عجب چیز یہ شرافت بھی

اس میں شر بھی ہے اور آفت بھی

-**************-

دونوں بچے گتھم گتھا تھے۔ ایک کے ہونٹوں سے خون بھی بہہ رہا تھا جبکہ دوسرا اسے آرام سے پیٹ رہا تھا۔ عمر میں واضح فرق نظر آرہا تھا۔

حیرت کی بات تو یہ تھی مار کھانے والا چھوٹا بچہ بری حالت میں ہونے کے باوجود بڑھ چڑھ کر مارنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جتنا آگے بڑھتا اتنی ہی اسے مار پڑ رہی تھی۔

آس پاس تین بچے کھڑے تھے جو اس کی پٹائی پر ہنس رہے تھے۔ جب کبھی مار کھاتے کھاتے وہ بچہ ان کے پاس آتا ایک دولات گھونسا مار کر وہ بچے بھی اپنا حصہ ڈال رہے تھے۔

اسکول کے باہر گیٹ پر وہ اس کھیل میں اتنا مصروف تھے کہ انہیں پتہ ہی نہیں چلا کب ایک ٹیچر ان تک پہنچ گیا۔

"اف اللہ یہ توحید رہے۔" ٹیچر نے بھاگ کر پٹنے والے بچے کو پکڑا اور غصے سے آگ بگولا ہو کر دو دو تین تین ہاتھ وہاں کھڑے مارنے والوں کو بھی لگادیے۔

"ظالموں کیا حال کر دیا اس کا۔ اف خدایا اس کا باپ نہیں چھوڑے گا تم سب کو۔" سر عارف نے ان بچوں پر چیختے ہوئے کہا۔

حیدر نہ صرف کلاس کا سب سے لائق بچہ تھا بلکہ اس کے والد بھی شہر کے مشہور تاجر تھے۔ جن کا اٹھنا بیٹھنا ہی بیوروکریٹس اور سیاست دانوں میں تھا اور اسکول میں اچھی خاصی فنڈنگ انہی کی طرف سے ہوتی تھی۔

”چلو بیٹا میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ تمہارا ڈرائیور نہیں آیا آج۔“ سر عارف نے پریشان ہو کر حیدر سے کہا۔

”پتہ نہیں کیوں آج وہ لیٹ ہو گیا ہے سر۔“ حیدر کو بولتے ہوئے بھی تکلیف ہو رہی تھی۔

”آؤ بیٹا یہاں سے چلو۔“ سر عارف تھوڑا آگے چلے۔ حیدر اپنی بکس اور بیگ سمیٹنے لگا تو اسے کمال کی طنز بھری آواز سنائی دی۔

”اپنے اندر تو اتنی ہمت ہے نہیں، ہمیشہ باپ کے سر پر ہی اڑتا ہے۔“

حیدر کے اندر ایک طیش کی لہر اٹھی مگر بڑی مشکل سے اس نے خود کو قابو کیا اور کمال وہی لڑکا تھا جس سے وہ مار کھا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حیدر بولا۔

”میری ہمت بھی تجھے پتہ چل جائے گی۔“ یہ کہہ کر اس نے کلائی میں پہنی گھڑی اتار کر سڑک پر دے ماری اور پھر گھڑی اٹھا کر کمال مخاطب ہوا یہ دیکھ وقت رک گیا وقت یہاں رک گیا ہے کسی دن میں اسی وقت اکیلا یہاں آؤں گا تم اپنے ان کتوں کو بھی لے آنا پھر دیکھیں گے کس میں کتنی ہمت ہے۔ حیدر نے کمال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

وہ بچہ چھوٹا تھا مگر اس کا لہجہ پتھر کی طرح سخت تھا۔ کمال نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا حیران تو وہ پہلے ہی تھا یہ کیسا بچہ ہے جو مار کھا کر بھی رونے کی بجائے آگے بڑھ کر پھر گلے پڑ جاتا ہے۔

کمال حیدر کو سر عارف کے ساتھ جاتا حیرانگی دیکھتا ہی رہا۔

_**************_

کہنے کو تو عمر نے بابا جی سے کہہ دیا تھا کہ یہ تو بہت آسان کام ہے مگر اب اس کو بہت مشکل ہو رہی تھی۔

کہاں تک نظر کی حفاظت کرتا ہر جگہ تو وہ صنف نازک موجود تھی۔ وہ بس میں سفر کر رہا تھا اور بس میں رش بھی بہت تھی۔ سیٹ نہ ملنے کی وجہ سے وہ ڈرائیور والی جگہ سے تھوڑا پیچھا کھڑا تھا۔ ڈرائیور سے پیچھے والی سیٹ پر ایک لڑکی بیٹھی تھی جس کے طور اطوار سے لگ رہا تھا کہ وہ دیہات سے شہر پڑھنے آئی ہوئی ہے۔

رش اتنا تھا کہ سب کھڑے مسافر بھی ایک دوسرے میں گھسے جا رہے تھے۔ عمر کے آگے ایک ماڈرن سا کوئی منچلا کھڑا تھا کانوں میں ہینڈ فری، لمبے سٹائلش بالوں والا لڑکا لڑکی کی سیٹ کے قریب ہی کھڑا تھا۔

عمر کی ایک نظر ہی پڑی تھی اس لڑکی پر لیکن وہ دل ہی دل میں اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا کہ لڑکی واقعی بہت خوبصورت ہے۔ غالباً گاؤں کی دودھ مکھن کی رنگت اس کے گالوں سے ابھر رہی تھی۔ ایک نظر پڑتے ہی عمر نے فوراً نظریں جھکا لیں لیکن ایک ہی نظر میں جو مشاہدہ ہوا وہ دل میں سما گیا تھا۔

اب عمر نظریں اپنے پاؤں پر جمائے کھڑا تھا۔ بس والا بھی کوئی گھاگ ڈرائیور معلوم ہوتا تھا۔ ایسے بس لہرا کر کراسنگ کر رہا تھا جیسے کسی سے ریس لگی ہو۔ بس اب کافی دیر سے ہموار سڑک پر گامزن تھی۔

اچانک "چٹاخ"..... "چٹاخ" کی دو گونج دار آوازوں سے بس گونج اٹھی۔ آواز اتنی زیادہ تھی کہ بس کی آخری سیٹوں پر بیٹھے مسافر بھی اٹھ اٹھ کر دیکھنے لگے۔

آوازیں عمر کے اتنے قریب سے آئیں تھیں کہ عمر اچھل سا گیا۔ گبھرا کر اوپر دیکھا تو وہ لڑکی اپنی سیٹ سے اٹھ کر کھڑی تھی اور اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اس کی غضب ناک نظریں اس لڑکے پر تھیں جو عمر سے آگے کھڑا تھا اور وہ لڑکا دونوں ہاتھ گالوں پر رکھے خوف زدہ سا اس لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ غالباً یہ غصے کی شدت تھی کہ لڑکی اردو بولنا بھول گئی اور اپنی مادری زبان میں وہ سنانا شروع کی جو اس لڑکے نے کبھی خواب میں بھی نہیں سنی ہوں گی۔

"وے بیغیرتا۔ تنوں شرم نی آوندی' ایک واری ہتھ لگا دو واری لگا تن واری لگا میں اپنی جاہ توں پری وی ہویاں کہ ہن ترا ہتھ نہ لگے۔ تینوں فیر سمجھ نی آئی۔ کی سمجھا سی تو میں چپ کر کے بیہ کے برداشت کر دی رواں گی۔ کوئی اپنے خاندان دی سمجھیا سی مینوں' میں ترا او حشر کر دینا تیرے کول بیہ وی نی ہونا۔"

وہ لڑکا ششدر سا نظریں جھکا کر کھڑا رہا اور پوری بس یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے بعد لعن طعن شروع ہو گئی۔ وہ تو شکر ہے کنڈکٹر نے بس رکوا کر اس لڑکے کو اتار دیا ورنہ شاید سب موقع غنیمت جان کر اس پر پل پڑتے۔

یہ واقعہ اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ عمر اپنا ارادہ اور بابا سے کیا معاہدہ بھول گیا تھا اور بے ساختگی سے لڑکی کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ جو اب ایسے آرام سے اپنی سیٹ پر بیٹھی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

چند ثانیے بعد عمر کو یاد آیا کہ اس نے کیا کرنا تھا اور کیا کر رہا ہے۔ فوراً عمر نے اپنی نظروں کو جھکا لیا۔

تھوڑی ہی دیر میں بس اڈے پر پہنچ چکی تھی۔ عمر سے پہلے وہ لڑکی اتری۔ جب عمر اتر کر روڈ کراس کرنے لگا تو پیچھے سے اس لڑکی نے آکر مخاطب کیا۔

"اتنے شریف بھی نہ بنو کہ دنیا میں موجود بدمعاش بھی نظر نہ آنیں لگے۔" عمر نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور ممنایا۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ لڑکی دھیرے سے مسکرائی اور کہنے لگی۔

"ایک لڑکی حیا سے سمٹی بیٹھی بھی رہے، تب بھی اس کی چھٹی حس ہر طرف دیکھ لیتی ہے۔ وہ ہر نظر کی پہچان کر لیتی ہے۔ کون کس نظر سے دیکھ رہا ہے۔" یہ کہہ کر لڑکی آگے بڑھ گئی۔

عمر اس کی باتوں پر غور کرنے لگا اور پھر اپنے آپ کو کوسنے لگا کیونکہ بات کرتے وقت اس کی نظریں بھی لڑکی پر تھیں۔ حالانکہ وہ نظریں جھکا کر بھی بات کر سکتا تھا۔

جو کام بہت آسان سمجھا تھا وہ کافی مشکل لگ رہا تھا۔

برسوں کی عادت کہاں ایک دن میں چھوٹتی ہے۔

۔****************۔

سر راشد کا لیکچر دینے کا انداز سب سے الگ تھا۔ وہ ہمیشہ لیکچر کے آخری دس پندرہ منٹ بچا کر مختلف موضوعات پر بات کرتے تھے۔ آج بھی وہ لیکچر کے آخر میں سیرت نبیؐ کے موضوع پر بات کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"ہمارے نبی ﷺ قیامت تک کے رہبر اور رہنما ہیں۔" انہوں نے جب اتنی بات کی تو قاسم اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس کا تعلق لبرل اور میرا جسم میری مرضی جیسے نظریات رکھنے والے طبقے سے تھا۔ اسے ہمیشہ ہی ایسے موضوعات سے چڑ تھی۔ سر راشد نے قاسم کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"بولو کیا بات ہے۔" قاسم کہنے لگا۔

"دیکھیں میں صرف دلیل اور حجت کے طور پر کلیر کرنا چاہ رہا ہوں کہ آج کا دور سائنسی دور ہے راکٹ ٹیکنالوجی ہائڈروجن بموں کا دور ہے۔ آج پراکسی وارز کا دور ہے۔ تلواروں سے جنگیں وغیرہ لڑنے کا دور گزر چکا ہے۔ آج اب اس وقت موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں حضورؐ کیسے رہنمائی کر رہیں ' کیا ہدایات دے رہے ہیں؟"

'قاسم چالاک تھا۔ بات بھی اس انداز میں کی کہ اسے گستاخ بھی نہ سمجھا جائے اور اعتراض بھی ہو جائے۔

اس کی بات سن کر ساری کلاس میں خاموشی چھا گئی اور اس بار تو خولہ نے بھی مڑ کر قاسم کی طرف دیکھا مگر عمار نے اسکی آنکھوں میں دیکھا تو اسے عجیب سا احساس ہوا۔

قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے خولہ کی نظروں میں عجیب سی کیفیت اور چمک تھی۔ جیسے شکار کی طرف بڑھتے درندے کی آنکھوں میں چمک ہوتی ہے۔

سر راشد بھی کچھ لمحوں کے لیے چپ ہو گئے۔ پوری کلاس کی نظریں اب سر راشد پر تھیں۔

"کیا کوئی ہے جو قاسم کی بات کا جواب دے سکے۔" سر راشد نے استفسار کرتے ہوئے پوچھا۔

لیکن کلاس میں سب خاموش رہے غالباً رٹے رٹائے جواب تو سب دے سکتے تھے مگر دلیل کے ساتھ موجودہ عالمی حالات کے مد نظر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کیسے رہبری کر رہے ہیں۔ اس کا جواب چند لوگ ہی دے سکتے ہیں۔

ساری کلاس پر خاموشی چھائی تھی۔ سوال ہی ایسا تھا جس کا مسلمان ہو کر بھی جواب نہ دینے پر شرمندگی واجب تھی۔

”قصور ہمارا ہے۔ آج کے نوجوانوں کو فرصت ہی نہیں کہ ان چیزوں کے بارے میں تحقیق کر سکیں۔ خیر میں آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں قاسم۔“ سر راشد نے ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئے اور پھر کہنے لگے۔

”آپ نے کہا کہ موجودہ عالمی حالات کے پیش نظر سائنسی اور ٹیکنالوجی دور میں حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم ہماری رہنمائی کیسے کر رہے ہیں؟ تو سنیں' وہ آج بھی رہبری کر رہے ہیں مگر انکی جو راہبری چاہتے ہیں۔“

”آج کے موجودہ عالمی حالات کیسے ہیں؟ مصر، عراق، شام، ایران، سعودیہ، افغانستان وغیرہ میں جنگی حالات ہیں۔ لاکھوں مسلمان مارے جا رہے ہیں تو قاسم ہمارے نبی ؐ نے یہ سب پہلے ہی بتا دیا تھا۔ آپ ؐ نے فرمایا؛

”مصر میں جب خرابی پیدا ہو جائے گی تو پورے جزیرہ عرب میں خرابی شروع ہو جائے گی۔“(کتاب الفتن، جامع ترمذی) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔“

”جب مصر میں پیلے جھنڈے نمودار ہو جائیں تو شام والوں کو چاہیے کہ زمین دوز سرنگیں بنالیں۔“

”2010 میں مصر میں پیلے جھنڈے نمودار ہونا شروع ہوئے۔ جو وہاں کی عوام ہاتھوں میں لے کر سڑکوں پر آگئی اور مغرب کی جمہوریت لانے کا مطالبہ کرنے لگی۔ احتجاج اتنا بڑھ گیا کہ حکومت گرادی گئی۔ جمہوریت آگئی۔ اس کے بعد پورے عرب میں انقلاب آنا شروع ہو گیا۔ کرنل قذافی جیسا طاقتور شخص بھی ان سے نہ بچ سکا اور اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ آج حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ملک سعودیہ میں نائٹ کلب کا افتتاح ایک فاحشہ قرآن پاک کی تلاوت سے کرتی ہے۔ سینما گھر کھل چکے ہیں وہاں اور ہاں دوسری بات کیا کہی تھی‘ جب پیلے جھنڈے نمودار ہوں مصر میں تو شام کے لوگوں کو زمین دوز سرنگیں بنا لینی چاہئیں۔“ سر راشد جذباتی ہو گئے تھے ان کی آواز بتدریج بلند ہوتی جا رہی تھی۔

”اقوام متحدہ کی ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی سائٹ پر جا کر سرچ کریں‘ فضائی بمباری سے کیسے بچا جا سکتا ہے تو وہ یہی کہیں گے جو چودہ سو سال پہلے حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کہا تھا۔“

”زمین دوز تہہ خانے یا سرنگیں‘ مصر میں جب یہ پیلے جھنڈے نکلے تو ٹھیک اس سے ایک سال بعد شام پر فضائی بمباری شروع ہو گئی تھی۔ کبھی امریکہ, کبھی روس, کبھی بشارالاسد کبھی, ایران تو کبھی کسی ملک کا جہاز آتا۔ بمباری کے نتیجے میں لاکھوں مسلمان جان سے گئے مگر یہ بات ہمارے رہبر بتا چکے تھے اور کیا کرنا ہے وہ بھی بتا چکے تھے‘ مزید بتاؤں تو سنیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مفہوم ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی‘ جب تک دریائے فرات کے کنارے سونے کا پہاڑ نمودار نہ ہو جائیں‘ پھر لوگ اس پر آپس میں اس قدر لڑیں گے کہ سو میں سے ننانوے آدمی اس لڑائی میں مارے جائیں گے۔ اگر تم ایسے حالات کو پالو تو ان لڑنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔“(مسند احمد، 12945)

”سن رہے ہیں۔“ سر راشد جذباتیت کی انتہا پر پہنچ چکے تھے۔

”آپ ابھی جا کر گوگل پر سرچ کر کے دیکھو بلیک گولڈ کسے کہتے ہیں‘ تیل کو آج بلیک گولڈ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ سونے کی طرح اس کی ویلیو بھی مستحکم ہے۔ عراق، شام اور ترکی کے جتنے بھی تیل کے ذخائر ہیں وہ سارے دریائے فرات کے آس پاس ہی ہیں۔“

”1912 میں یہاں تیل دریافت ہوا تھا۔ اس کے بعد سے آج تک وہاں جنگ چل رہی ہے۔ بظاہر جو بھی مقاصد ہوں لیکن پس پردہ یہی خزانہ حاصل کرنا مقصد ہے۔ چاہے لاکھوں لوگ مارے جا چکے ہوں اور مارے جا رہے ہیں مگر ان حالات میں کیا کرنا ہے؟ وہ حضرت محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بتا رہے ہیں آج بھی۔ تم تو آج کے حالات کی بات کر رہے ہو‘ قیامت تک ہر ہر دور کے بارے میں انؐ کی ہدایات موجود ہیں مگر ان کے لیے جو یہ لینا چاہتے ہیں‘ میں نے صرف ایک حوالے سے مثال دے دی ورنہ یہ موضوع کھولا جائے تو سارے حیران ہو جائیں کہ کیسے وہ رہبرؐ آج بھی رہبری کر رہے ہیں۔“ جوش سے سر راشد کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ پیریڈ کا وقت کب کا ختم ہو چکا تھا مگر پوری کلاس ایسے سن بیٹھی تھی جیسے سانس بھی نہ لے رہا ہے کوئی۔

سر راشد نے فائلز اٹھائیں اور جلدی سے باہر چلے گئے۔ عمار بھی آج کی باتیں سن کر حیرت کے سمندر میں گم تھا۔

اف اللہ بالکل پرفیکٹ کہا تھا۔ جیسا کہا تھا ویسا ہی ہو رہا ہے آج صحیح معنوں میں۔ عمار کو حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی رہبری صحیح معنوں میں آج سمجھ آئی تھی۔ اس نے تو اس طرح سے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ آج اسکے دل نے مانا۔ بے شک حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم قیامت تک کے نبی ہیں۔ پتہ نہیں اتنے کیسے اور رموز باقی تھے جس سے وہ ہی نہیں اکثر مسلمان ناواقف تھے۔

لگ بھگ ساری کلاس ہی اس طرح کی سوچوں میں گم تھی۔

۔***************۔

خان غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ کس نے اس کے اکلوتے گیارہ سالہ بیٹے حیدر کا مار مار کر اتنا برا حال کر دیا۔ تڑپ کر بار بار وہ حیدر سے پوچھ رہا تھا۔

"بتا یہ کس نے کیا ہے؟ ان کی کھال کھینچ لوں گا۔" مگر حیدر چپ تھا۔ اسکے چہرے اور ماتھے پر پٹیاں لگی ہوئیں تھیں مگر ہونٹوں پر چپ چسپاں تھی۔

"میں کل اسکول جا کر سارے سکول کی ایسی کی تیسی کر دوں گا۔" اسد اللہ خان غصے سے گرج رہا تھا۔

"آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔" آخر حیدر نے اپنی زبان کھولی۔ خان نے حیدر کی طرف حیرت سے دیکھا۔

"کیوں"

”آپ کب تک میری اس طرح سے مدد کرتے رہیں گے؟ آپ مدد کریں گے لیکن اس کا مجھے کوئی وقتی فائدہ ہو گا۔“ خان حیرت اور پریشانی سے حیدر کا چہرہ دیکھتا رہ گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہیں اس کا دماغ تو نہیں چل گیا۔ آج سے پہلے اس طرح حیدر نے کبھی بات نہیں کی تھی۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ خان نے اچنبھے سے پوچھا۔

”اگر آپ میری مدد کرنا چاہتے ہیں تو پھر مجھے اس قابل بنائیں کہ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہ پڑے‘ مجھے مارشل آرٹس سکھوائیں۔ مجھے ایسی بھٹی میں ڈالیں جہاں سے کندن بن کر نکلوں۔“ حیدر نے اتنی سنجیدگی سے کہا جس کی توقع ایک بچے سے نہیں کی جاسکتی۔

حیدر نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے گویا ہوا۔

”بابا! آج کی دنیا میں سہارا کون بنتا ہے؟ والدین کا سہارا ہوتا ہے لیکن میں چاہتا ہوں‘ میں اپنا سہارا بھی خود بنوں اور اپنے والدین کو جتنا ہو سکے سہارا دے سکوں۔ کیا یہ آپ کا سہارا لینے سے بہتر نہیں ہے؟“

حیدر کی بات سن کر خان کا سینہ خوشی سے پھول گیا۔ یہ تو خان مانتا تھا حیدر کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے اسے بہت بڑی نعمت سے نوازا ہے۔ آئے دن اس کی کوئی نئی بات, کوئی خوبی سامنے آتی رہتی تھی۔

”او جیندا رہ میرے شیرا۔ دل خوش کیتا اے‘ تو دیکھ اب تیرا باپ تیری مدد کرے گا۔ تجھے ایسی شخصیت بنانے میں مدد دے گا جو نہ صرف اپنا سہارا بنے بلکہ اوروں کو بھی بھی سہارا دے پھر میرے بیٹے! تجھے مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“ خان نے فوراً جذبات سے حیدر کو اپنے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

۔*********

عمر کو کافی مشکلوں کے بعد اب آسانی ہونے لگی تھی۔ اب وہ نظریں جھکا کر چلتا تھا۔ یونیورسٹی بھی کھل چکی تھی۔ نیا ٹرم سٹارٹ ہو چکا تھا لیکن اس نے اپنی روٹین بنالی تھی نظریں جھکا کر چلنا, نظریں جھکا کر بات کرنا۔

اپنی دلچسپی کی خاطر وہ سفر کرتے ہوئے ہینڈ فری لگا لیتا اور تلاوت ترجمے کے ساتھ سنتا رہتا یا کبھی کبھی فیس بک استعمال کر لیتا تھا ایک ہفتہ ایسا کرنے کے بعد اس کو ایسا کرنے کا پہلا پھل ملا۔۔۔

۔**********

عمار یونیورسٹی سے فری ہو کر قاسم اور جواد کے ساتھ کینٹین چلا گیا۔ وہاں ایک گھنٹہ گپ شپ لگا کر وہ گھر جانے کے لیے رخصت ہوئے۔ ان کی تقریباً روز کی یہی روٹین تھی۔

وہ اپنی گاڑی پر گھر کی طرف جا رہا تھا۔ قاسم کی گاڑی کافی آگے جا چکی تھی۔ اس نے یوٹرن لے کر واپس ہونا تھا کیونکہ اس کا اور عمار کا گھر مخالف سمتوں میں تھا۔ قاسم کی گاڑی یوٹرن لے کر واپس دوسرے روڈ پر آ چکی تھی۔ قاسم نے بائے کا اشارہ کیا تو عمار نے بھی ہاتھ ہلا کر بائے کا اشارہ کیا لیکن اچانک اسی وقت ون وے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک بائیک قاسم کی گاڑی سے آ ٹکرائی۔

یہ تو شکر ہے قاسم کی گاڑی اور بائیک کی رفتار آہستہ تھی ورنہ بائیک والے کا شاید کچومر نکل جاتا لیکن پھر بھی بائیک ٹکرا کر گری اور سوار بھی نیچے گر پڑا اور اٹھ نہ سکا اور زمین پر ہی لیٹ گیا۔

حیرت کی بات یہ تھی بائیک سوار نے گرمی ہونے کے باوجود کافی موٹی جیکٹ پہنی رکھی تھی۔ سر پر بلیک ہیلمٹ، سیاہ جیکٹ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ پوش لگ رہا تھا۔

قاسم گالیاں دیتا ہوا نیچے اترا اور غصے سے بائیک سوار کی پاس جا پہنچا جیسے ہی قاسم سیاہ پوش کو کندھے سے پکڑ کر اٹھانے کے لیے جھکا اچانک سیاہ پوش کا جسم تڑپا اور جو منظر حیرت اور سراسیمگی سے عمار نے دیکھا۔ اس نے عمار کو بریک لگانے پر مجبور کر دیا تھا۔

سیاہ پوش نے تڑپ کر قاسم کے چھونے سے پہلے ہی ایک زوردار ہاتھ گھمایا اور اسکا مکا جھکتے ہوئے قاسم کی کنپٹی پر لگا۔ قاسم کا سر زور سے جا کر بونٹ سے لگا۔

سیاہ پوش اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جیسے ہی قاسم کا سر ٹکرایا اسی لمحے سیاہ پوش نے دوسری بار مکا لہرایا اور زور سے کنپٹی پر رسید کر دیا۔ قاسم لہرا کر زمین بوس ہو گیا۔

عمار پیچھے کھڑی گاڑیوں کی پرواہ کیے بغیر کار کا دروازہ کھول کر بھاگا۔ یوٹرن لے کر آنے میں وقت لگنا تھا۔ جنگلا پھلانگتے ہوئے اس نے دیکھا سیاہ پوش قاسم کی گاڑی میں سے کچھ اٹھا کر بائیک سیدھی کر رہا تھا۔

عمار نے دوڑتے ہوئے بائیک والے سیاہ پوش کو پکڑنے کی کوشش کی مگر جنگلا پھلانگنے سے لے کر بائیک تک پہنچنے تک کا وقت سیاہ پوش کے لیے کافی تھا۔

اس نے بائیک سٹارٹ کی اور تیز رفتاری سے آگے نکل گیا۔ عمار نے قاسم کی گاڑی سے اس کا پیچھا کرنے کا سوچا مگر پھر اس کی نظر قاسم پر پڑی جو بے سدھ لیٹا تھا اور اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔

عمار نے جلدی سے اس کو اسے اٹھایا اور گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا۔ جلدی سے اپنی گاڑی کو سائیڈ پر لگا کر قاسم کی گاڑی کو نزدیکی ہسپتال کی طرف دوڑا دیا۔

ہسپتال پہنچتے ہی قاسم کو ایمرجنسی میں لے جایا گا جبکہ عمار نے فوراً قاسم کے والد کو فون کر کے ہسپتال پہنچنے کا کہا اور خود ڈاکٹر کی طرف بڑھ گیا۔

”ڈاکٹر صاحب کوئی گہری چوٹ تو نہیں آئی۔“ عمار نے تشویش سے پوچھا۔

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں‘ بس نازک حصے پر ضرب لگائی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے بیہوش ہو گیا۔ سر کا زخم بھی گہرا نہیں۔ بینڈج کر دی ہے اور انجکشن بھی لگا دیا ہے۔ پانچ منٹ تک ہوش آ جائے گا۔“ ڈاکٹر نے کہا اور باہر چلا گیا۔

عمار سیاہ پوش کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ کون تھا؟ جان بوجھ کر ٹکرایا اور کیا لے کر گیا؟ عمار باہر آیا اور قاسم کی کار کا معائنہ کرنے لگا۔ قاسم کا موبائل اور لیپ ٹاپ دونوں غائب تھے۔

عمار واپس آیا جب تو قاسم کو ہوش آ رہا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد قاسم پہلے خالی خالی نظروں سے عمار کو دیکھتا رہا پھر جب شعور کی چمک آنکھوں میں نمودار ہوئی تو چونک کر خود کو دیکھنے لگا پھر گڑبڑا کر پوچھا۔

”کون تھا وہ؟“ عمار نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”کوئی چور تھا۔ تمہارا موبائیل اور لیپ ٹاپ لے گیا۔“ قاسم نے دہراتے ہوئے کہا۔

”کیا میرا لیپ ٹاپ لے گیا۔“ قاسم کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ گبھرایا ہوا اور خوفزدہ نظر آرہا تھا۔

”او گاڈ لیپ ٹاپ لے گیا۔“ عمار اس کا ردعمل دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔

”کیا ہوا؟ لیپ ٹاپ ہی لے گیا ہے نیا لے لینا۔“ قاسم کے پاس اتنا پیسہ تھا کہ اس کے تو دس لیپ ٹاپ بھی چلے جاتے پھر بھی پرواہ نہ ہوتی لیکن اب ایسے پریشان نظر آرہا تھا جیسے ساری جمع پونجی کوئی لے گیا ہو۔

اس سے پہلے عمار اسکی پریشانی کی وجہ پوچھتا کمرے کا دروازہ کھلا اور قاسم کے ابو سیٹھ علیم اندر داخل ہوئے۔

”کیا ہوا اور یہ کیسے ہوا؟“ قاسم کی طرف دیکھ کر پوچھتے ہوئے وہ پریشان سے نظر آرہے تھے۔ بجائے واقعہ بتانے کے قاسم فوراً افسردگی سے کہنے لگا۔

”پاپا وہ چور میرا موبائل اور لیپ ٹاپ لے گیا۔ جلدی کچھ کیجیے۔“

”کیا لیپ ٹاپ لے گیا۔“ سیٹھ علیم بھی پریشان نظر آنے لگے۔

”یہ تو بہت برا ہوا۔“ علیم اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ اور فوراً فون نکال کر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگے۔

"قاسم کا موبائل اور لیپ ٹاپ کوئی چھین کر لے گیا ہے۔ سارے کام چھوڑ دو فوراً تلاش شروع کرو اور کیا کرنا ہے تمہیں پتہ ہے' موبائل اور لیپ ٹاپ دونوں میں اسپیشل جی پی ایس لگا ہوا ہے جتنی جلدی ہو سکے یہ کام کرو۔" قاسم کے والد فون پر کسی کو ہدایات دیتے ہوئے کہنے لگے۔

عمار حیرانگی سے دونوں باپ بیٹے کو دیکھ رہا تھا۔ ایک لیپ ٹاپ کے پیچھے اتنی پریشانی اور کیا مطلب تھا اس بات کا تمہیں پتہ ہے کیا کرنا ہے اور یہ سب کس سے کہہ رہے تھے۔

قاسم نے مختصراً اپنے والد کو بتا دیا کہ کیا ہوا تھا۔

"چلو بیٹا گھر چلتے ہیں۔" علیم صاحب نے قاسم کو کہا تو قاسم فوراً بیڈ سے نیچے اتر آیا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹا لیکن معاف کرنا تھوڑی ایمر جنسی ہے گھر پر تو جانا پڑے گا۔" علیم صاحب نے عمار سے کہا اور عجلت میں باہر چلے گئے۔

"بعد میں ملتے ہیں۔" قاسم نے بھی تیزی سے باہر جاتے ہوئے عمار سے کہا۔

عمار احمقوں کی طرح کمرے میں اکیلا کھڑا رہ گیا۔ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی یہ ہو کیا رہا ہے۔

اس کی گاڑی تو حادثے کی جگہ کھڑی تھی۔ قاسم نے بھی ادھر ہی جانا تھا لیکن اس نے بھی نہیں کہا کہ آؤ تمہیں وہاں ڈراپ کر دیں گے۔

وہ باپ بیٹا تو بس لیپ ٹاپ کے بارے میں پریشان تھے۔

عمار نے سر جھٹکتے ہوئے باہر کا رخ کیا۔ یہ گتھی فی الحال وہ سلجھا نہیں پا رہا تھا۔

_*****************_

خان نے حیدر کے کہنے پر اسکا اسکول تبدیل کروا دیا تھا اور اسکے لیے بڑی مشکل سے ایک ایسا ٹرینر ڈھونڈا تھا جو اس کے بیٹے کی خواہش کے مطابق اسے لڑنے کا فن سکھا سکے اور مارشل آرٹس میں ماہر بنا سکے۔

لیکن مسئلہ یہ بنا کہ وہ شخص عجیب تھا۔ اسکا کہنا تھا وہ اسی شرط پر سکھائے گا کہ اسے پورا اختیار ہو گا۔ وہ جو چاہے کرے اور حیدر کو اس کے ساتھ ہی رہنا ہو گا۔ جب تک اس کی ٹریننگ مکمل نہیں ہو جاتی۔ گھر جانے کی اجازت نہیں ہو گی۔

مہینے میں ایک دن بس وہ گھر جا سکے گا اور نہ حیدر سے ملنے کی کسی کو اجازت ہو گی۔ یہ شرطیں سن کر خان کا تو دماغ ہی گھوم گیا۔ پہلے تو وہ یہ پروگرام ہی کینسل کر کے گھر آیا لیکن حیدر نے شرطیں ماننے پر اصرار کیا تو مجبوراً حیدر کو لے کر دوبارہ اس شخص کے پاس پہنچ گیا جو ماسٹر کے نام سے مشہور تھا۔

اس نے یقین دہانی کروائی تھی کہ حیدر کی پڑھائی بھی چلتی رہے گی۔ اسکا معاوضہ بھی اچھا خاصا تھا جو عام متوسط طبقے کا بندہ شاید ادا نہ کر پاتا۔

حیدر کو ماسٹر کے پاس چھوڑ کر خان افسردہ سا واپس چلا گیا۔ اسکی ماں بھی بہت پریشان تھی لیکن حیدر کی خوشی کی خاطر انہوں نے دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔

حیدر کا پہلا دن تھا اور وہ سر جھکائے ماسٹر کے سامنے کھڑا تھا۔

"آگ کی بھٹی سے گزر کر کندن بننا نہایت مشکل ہے۔ بہت تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے۔ کیا یہ بات تم جانتے ہو۔ ماسٹر نے پہلی بار حیدر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"جی ماسٹر مجھے پتہ ہے مگر میں اس کے لیے تیار ہوں۔" حیدر نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"چلو دیکھتے ہیں۔" ماسٹر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

حیدر کے سامنے سے گزرتے ہوئے ماسٹر کی لات آہستہ سے گھومی اور حیدر کی پنڈلی سے ذرا نیچے پتہ نہیں کون سی رگ پر لگی۔ شدید درد کی لہر حیدر کی ٹانگ میں دوڑ گئی۔ وہ بے اختیار لڑکھڑایا۔ اگر کرسی کا سہارا نہ لیتا تو زمین پر گر پڑتا۔

حیدر ہونٹ بھینچ کر درد ضبط کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اسے حیرت ہوئی ماسٹر نے ضرب تو بہت ہلکی سی ضرب لگائی تھی مگر درد اتنا شدید کیوں ہوا۔ اس سے پہلے وہ کچھ اور سوچتا ماسٹر کی لات ایک بار پھر گھومی اور اسی جگہ دوبارہ لگی۔ اس بار حیدر اپنے منہ سے نکلنے والی چیخ نہ روک سکا اور ساتھ ہی زمین پر گر گیا۔

درد اتنا شدید تھا کہ اس کا پورا جسم اینٹھ سا رہا تھا۔

اتنے میں دوسرے کمرے میں فون کی بیل بجی اور ماسٹر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

درد کی شدت سے حیدر کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

چند لمحوں کے بعد ماسٹر کمرے میں آیا اور آتے ہی کہنا لگا۔

"یہاں سے جاتے ہوئے تمہارے ابو کا شدید ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ انتہائی سیریس حالت میں ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔" حیدر تڑپ کر اٹھا۔ درد کی لہر تو اٹھی مگر اس نے پرواہ نہ کی۔ درد تکلیف سب بھول چکا تھا بس دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر اپنے ابو کے پاس چلا جائے۔

"پلیز مجھے جلدی ان کے پاس لے چلیں۔" حیدر نے گڑ گڑاتے ہوئے کہا۔

"چلو۔" یہ کہتے ہوئے ماسٹر باہر کی طرف چلے تو حیدر دوڑتے ہوئے ان کے پیچھے جانے لگا۔ درد کی لہریں مسلسل اٹھ رہیں تھیں لیکن حیدر کا ذہن اپنے ابو کی طرف الجھا تھا۔

پارکنگ میں کار کے پاس پہنچ کر ماسٹر اچانک مڑا اور حیدر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"چلو واپس کمرے میں۔" حیدر نے ہراساں ہو کر کہا۔

"مگر میرے ابو۔" ماسٹر نے اطمینان سے کہا اور واپس کمرے کی طرف چل پڑا۔

" تمہارے ابو کو کچھ نہیں ہوا۔ میں نے جھوٹ بولا تھا کیونکہ تمہیں پہلا سبق سکھانا تھا۔"

یہ کیسا سبق ہے پریشان و حیران حیدر بھی ان کے پیچھے کمرے کی طرف چل پڑا۔

کمرے میں پہنچ کر ماسٹر ایک کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ حیدر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"ایک بات بتاؤ ایمانداری سے' اگر میں تمہیں تمہارے ابو کے بارے میں یہ حادثے والا جھوٹ نہ بولتا تو کیا اس حالت میں تم دوڑتے ہوئے باہر جاتے؟ سوچ کر بتاؤ۔" ماسٹر مسکرا رہا تھا۔

حیدر سوچنے لگا درد شدید تھا اس وقت لیکن اپنے ابو کے بارے میں سن کر وہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ پہلے تو یہ حالت تھی کہ شاید وہ کھڑا نہ ہو پاتا لیکن ابو کا سن کر نہ جانے کہاں سے اتنی قوت ارادی اور برداشت آگئی تھی کہ وہ درد کو نظر انداز کر کے بھاگنے لگا تھا۔

ہاں اگر ایسی بات نہ سنتا تو وہ ایسی قوت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔

”نہیں سر میں اگر وہ بات نہ سنتا تو شاید اس طرح کا ردعمل ظاہر نہ کرپاتا۔“ حیدر نے آہستہ سے جواب دیا۔

”کیوں نہیں کرپاتے! تم وہی...... درد وہی پھر کیوں نہیں ایسا کرپاتے؟“ ماسٹر نے پوچھا تو حیدر کوئی جواب نہ دے سکا۔

”اوکے میں بتاتا ہوں۔ اکثر نوٹ کیا ہوگا کہ بعض اوقات ہمیں سر، ٹانگ یا جسم کے کسی اور حصے میں درد ہوتا ہے تو وہ محسوس ہوتا رہتا ہے۔ تکلیف ہوتی رہتی ہے لیکن اگر اس وقت بے دھیانی میں کوئی ایسی چیز سامنے آجائے جس میں بہت زیادہ دلچسپی پیدا ہو جائے‘ تو ہم اس میں کھو جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی دلچسپ سی فلم یا کسی بچے کی کوئی کیوٹ سی حرکتیں یا اسی طرح کا کوئی اور دلفریب منظر سامنے آجائے تو جب تک وہ منظر یا چیز سامنے رہتی ہے تب تک ہم درد کو بھولے رہتے ہیں لیکن جیسے ہی وہ منظر یا چیز سامنے سے ہٹ جائے یا ختم ہو جائے تو پھر سے درد کا احساس ہونے لگ جاتا ہے۔“ ماسٹر خاموش ہو گیا۔

حیدر نے دل ہی دل میں اعتراف کیا کہ ماسٹر بالکل درست کہہ رہے ہیں۔

”کیا اس وقت درد ختم ہو جاتا ہے جب ہم اپنی دلچسپ چیز میں کھوئے ہوتے ہیں؟ نہیں درد ہوتا ہے مگر ہم اپنے ذہن کو دوسری طرف اتنا الجھا لیتے ہیں کہ وہ درد کا احساس محسوس نہیں کرپاتا۔ یہی ہم عام روٹین میں بھی کرسکتے ہیں درد کو کنٹرول کرسکتے ہیں۔ اپنے سوچ اور ذہن پر قابو پا کر عموماً درد اتنا ہوتا نہیں جتنا ہم محسوس کرتے ہیں‘ یہ درد کا خوف اور احساس ہوتا ہے جو درد کی شدت میں تقریباً دس

فیصد اضافہ کر دیتا ہے۔ ہم اگر چاہیں تو درد کی اصل شدت سے درد کو دس فیصد کم محسوس کر سکتے ہیں۔" ماسٹر نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"یہیں سے تمہاری ٹریننگ کا آغاز ہو گا' درد پر قابو پانا۔" ماسٹر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

حیدر کے دل میں ماسٹر کے لیے اچانک بہت زیادہ عزت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ عقیدت سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

۔*************۔

عمر کو بابا کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ایک ہفتہ پورا ہو چکا تھا۔ وہ مکمل طور پر نظر کی حفاظت کر رہا تھا اور شاید یہ اسی کا صلہ تھا کہ سوتے سوتے اس کی اچانک آنکھ کھلی۔

اس نے ٹائم دیکھا تو ابھی اذان ہونے میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ وہ حیران تھا کہ آج اچانک آنکھ کیسے کھل گئی۔ وہ بہت گہری نیند میں سونے کا عادی تھا۔ بڑی مشکل سے گھر والے اسے فجر کی نماز کے لیے اٹھاتے تھے۔

آنکھ کھلنے کے بعد اس نے لاکھ سونے کی کوشش کی۔ کروٹیں بدلتا رہا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آخر تنگ آکر اس نے سونے کی کوشش چھوڑ دی اور لیٹے لیٹے آسمان کو تکنے لگا لیکن جب بیکاری ہو تو وقت کاٹنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

تنگ آکر وہ اٹھا اور ٹہلنے لگا پھر اچانک ایک خیال آیا اس کے ذہن میں کیوں نہ تہجد ہی پڑھ لوں ویسے بھی بیکار ٹہل رہا ہوں۔

اس نے وضو کیا اور چھت پر جا کر مصلا بچھایا اور نیت باندھ لی۔ اک عجیب سا سکون اس کی رگوں میں اترتا چلا گیا۔

چاندنی رات تھی۔ ہر سو خاموشی۔ دھیمی دھیمی سی ہوا ایسا سکون اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے دنیا میں کوئی پریشانی نہیں۔ ہر طرف سکون ہی سکون ہے۔

نیت باندھتے ہی اس کے ذہن میں آیا کہ نظر کی حفاظت کرنے میں اس نے جو محنت کی ہے۔ اس کا صلہ ملنا شروع ہو گیا ہے لیکن ابھی بھی کچھ کمی سی محسوس ہو رہی تھی۔

کیا کمی ہے؟ یہ عمر پتہ نہیں لگا پا رہا تھا۔ تہجد سے فارغ ہو کر اس کے ذہن میں بابا کی آواز گونجی۔ بے جان چیزوں سے بھی نظر کی حفاظت کرنا مگر یہ بات وہ ابھی تک نہیں سمجھ پایا تھا کہ کیسی بے جان چیزیں؟ کیسی حفاظت؟ سوچ سوچ کر بھی وہ یہ گتھی نہیں سلجھا پا رہا تھا۔

۔**************۔

بائیک ایک متوسط سے مکان کے صحن میں آ کر رکی۔ جس پر سیاہ پوش سوار تھا۔

بائیک سے اتر کر سیاہ پوش اندر کی جانب بڑھا۔ کمرے میں آ کر اس نے اپنا ہیلمٹ اتارا اور پیٹھ پر سے بیگ اتارا۔

بیگ میں سے ایک موبائل اور لیپ ٹاپ نکال کر ٹیبل پر رکھا۔ وہ ایک 26 سالہ خوبرو جوان تھا۔ اس کے بال مڑ کر گردن تک آ رہے تھے صاف پتہ چل رہا تھا اس نے زلفیں رکھی ہوئی ہیں۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی۔

اس نے لیپ ٹاپ کھولا ہی تھا کہ اچانک موبائل کی بیل بجنے لگی۔ سیاہ پوش نے ہاتھ ڈال کر موبائل جیب سے نکالا۔ موبائل کی سکرین پر ایک نام جگمگا رہا تھا۔

"مائی لائف۔" اس نے مسکراتے ہوئے کال اٹینڈ کی اور کہنے لگا۔

"اف ایک چڑیل پیچھے لگ جائے تو پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"چڑیل بھی نیک بندوں کے پیچھے نہیں لگتی بلکہ ان سے دور بھاگتی ہے۔" دوسری طرف سے خولہ کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

اف اس کے پاس ہر بات کا جواب ہوتا ہے۔ ذہانت بھرا جواب سن کر وہ سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچنے لگا۔

"کہاں ہو تم؟" اس نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"تم اپنے میدان جنگ سے لوٹے ہو' میں اپنے مورچے پر موجود ہوں کیونکہ میری چھٹی حس مسلسل خطرے کا الارم بجا رہی ہے۔" خولہ کی فکرمند سی آواز آئی۔

"جیسا قاسم کے گھر کا حساب کتاب ہے۔ اس حساب سے تو کوئی فکر کی بات نہیں ہونی چاہیے۔ ایک لیپ ٹاپ ہی تو ہے۔" اس نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"جانتی ہوں مگر پھر بھی نہ جانے کیوں گڑبڑ کا احساس ہو رہا ہے۔ تم جلدی سے پلان کے مطابق ہر چیز وائنڈ اپ کرو جتنی جلدی ہو سکے۔" خولہ نے تیزی سے کہا۔

"تم بھی یہیں آ جاؤ۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"نہیں جب تک مطلع صاف نہیں ہوتا میں اپنے مورچے پر موجود رہوں گی۔" خولہ نے جواب دیا اور کال کاٹ دی۔

وہ دونوں نہیں جانتے تھے مطلع صاف ہونے کی بجائے خراب ہونا شروع ہو گیا ہے کیونکہ ان سے کچھ میل دور ایک کمرے میں کمپیوٹر پر بیٹھا شخص اچانک مڑا اور کہنے لگا۔

"سر لوکیشن ٹریس ہو گئی ہے۔" اس کے سامنے سیٹھ علیم اور قاسم کھڑے تھے جو نہ جانے کیوں ایک لاپ ٹاپ کے لیے اپنی نیندیں حرام کر رہے تھے۔

سیٹھ علیم اور قاسم اپنے سیکورٹی انچارج نعمان کی بات سن کر آگے بڑھے اور تفصیل پوچھنے لگے۔ وہ انہیں تفصیل بتانے لگا۔

"قاسم تم نعمان کے ساتھ جاؤ اور نعمان تم چار پانچ بندے ساتھ لے لو اور فوراً موقع پر پہنچو' جو بھی ہو اگر راز ہمارا ہی ہے تو ٹھیک' ورنہ تم جانتے ہو تمہیں کیا کرنا ہے۔" علیم صاحب نے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

"یس سر آپ بے فکر ہو جائیں' میں سب ہینڈل کر لوں گا۔" نعمان نے پسٹل بیلٹ میں اڑستے ہوئے اور سائیڈ پر رکھی گن اٹھاتے ہوئے تیزی سے کہا پھر قاسم کے ہمراہ باہر نکل گیا۔

خولہ ایک جوس کارنر میں کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی۔ اس کے نظریں سڑک کے پار ایک بنگلے کے گیٹ پر تھیں۔ اچانک گیٹ کھلتا ہوا دکھائی دیا تو خولہ چونکی۔

گیٹ سے باہر ایک کار آئی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر قاسم بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر ایک آدمی جو کہ حلیے سے کوئی گارڈ لگ رہا تھا وہ بیٹھا تھا۔

اس آدمی کے ہاتھوں میں ایک لیپ ٹاپ تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے ایک سمت کی طرف اشارہ کیا اور گاڑی اس سمت کی طرف روانہ ہونے لگی۔ اس کار کے پیچھے ایک اور کار نظر آئی جس میں بھی گارڈ سوار تھے۔ وہ کار بھی قاسم کی کار کے پیچھے چل پڑی۔

خولہ تیزی سے اٹھی بل پہلے ہی پے کر چکی تھی۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی پارکنگ میں آئی اور بلیک کلر کی سیوک ہونڈا کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھی پھر تیزی سے اسی سمت روانہ ہوئی جس طرف قاسم کی گاڑی روانہ ہوئی تھی۔

ایک ہاتھ سے سٹیرنگ سنبھالتے ہوئے وہ دوسرے ہاتھ سے فون پر ایک نمبر ڈائل کرنے لگی۔ سکرین پر ڈیئر نام جگمگانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے کال اٹینڈ ہوئی تو خولہ نے موبائل کان سے لگا لیا اور کہنے لگی۔

"کتنا کام باقی ہے؟ قاسم یہاں سے گارڈز کے ساتھ نکلا ہے ابھی اور لگتا ہے وہ تمہاری طرف ہی آ رہے ہیں۔"

"پاسورڈ توڑنے میں تھوڑا وقت لگا اور بہت سی فائلز بھی سیکورٹی کوڈز میں سیو ہیں، میں ساری ہی فائلز اپنے لاپ ٹاپ میں ٹرانسفر کر رہا ہوں کیونکہ سیکورٹی توڑنے میں وقت لگے گا مجھے کم سے کم بیس منٹ اور چاہیے ہوں گے۔ اگر درمیان میں ہی کنکشن کٹ گیا یا کچھ اور ہوا تو تمام فائلز کرپٹ ہو جائیں گی پھر

ان کو ری کور کرنا بہت ہی مشکل ہو جائے گا۔ تقریباً ناممکن سمجھو کیونکہ چند فائلز ریکور ہو بھی گئیں تو تمام فائلز ریکور نہیں ہو سکیں گی۔" سیاہ پوش جس کا نام ضرار تھا تفصیل بتاتے ہوئے بولا۔

"اوہ یہ تو معاملہ گڑبڑ ہو گیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ دس سے پندرہ منٹ میں تمہارے پاس ہوں گے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے لیپ ٹاپ یا موبائل میں جی پی ایس کام کر رہا ہے۔" خولہ نے کہا تو نارمل انداز میں مگر ہلکی سے پریشانی اس کے الفاظ سے نمایاں تھی۔

"میں دیکھ لوں گا ان کو آنے دو۔" ضرار کے لہجے میں بے خوفی اور انتہا درجے کی پر اعتمادی تھی۔

"نہیں میں نہ مڈ بھیڑ چاہتی ہوں اور نہ یہ چاہتی ہوں کہ تم کسے کے سامنے آؤ اور یہ بھی نہیں چاہتی کہ ڈیٹا ہمارے ہاتھ نہ لگے۔ قاسم کی تیزی سے لگتا ہے کوئی بہت ہی اہم بات ہے جس سے ہم بے خبر ہیں اور یہ موقع بار بار نہیں ملتا۔" خولہ نے تیزی سے کہا۔

"تم ایسا کرو کہ باہر مین گیٹ کھول دو اور اپنی جیکٹ اور ہیلمٹ دروازے کے باہر رکھ دو' باقی تم اندر رہ کر اپنا کام کرو۔ باہر چاہے کچھ بھی ہو تم نے باہر نہیں آنا۔" خولہ نے ایک ثانیے چپ رہنے کے بعد کہا۔

"کیا کرنے والی ہو؟" ضرار نے تجسس سے پوچھا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا خولہ ایسی بلا کا نام ہے کہ جب وہ ایکشن میں آتی ہے تو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کرنے والی ہے اور جب تک پتہ چلتا ہے وہ بازی جیت چکی ہوتی ہے۔

”یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔ جو بھی ہوا تمہیں پتہ لگ جائے گا۔ تم کام مکمل کرو اور پلان کے مطابق وہاں سے نکل کر گھر پہنچو۔“ خولہ نے یہ کہتے ہی کال کاٹ دی اور دوبارہ سے فون پر مصروف ہو گئی۔

اس کی گاڑی کافی فاصلے سے قاسم اور گارڈز کا تعاقب کر رہی تھی۔

۔***************۔

حیدر کو پہلے دن ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اب کی زندگی ایک مشکل ترین مرحلے میں داخل ہو چکی ہے مگر کسی سے کیا شکوہ یہ راہ اس نے خود چنی تھی۔

اسے صبح فجر کی اذان سے پہلے اٹھایا گیا۔ تہجد پڑھائی گئی پھر کچھ ایکسر سائز پھر اذان ہوئی تو تلاوت پھر نماز اس کے بعد پھر چند ایکسر سائز اور ان ایکسر سائزوں کے لیے مشینوں کا استعمال نہیں بلکہ قدرتی انداز کو اپنایا جا رہا تھا۔

درخت سے الٹا سیدھا لٹکنا، دوڑ، پش اپس اور نہ جانے کیا کیا کروایا گیا۔ ابھی وہ چھت پر بیٹھا تھا۔ منہ مشرق کی جانب کیا ہوا تھا ساتھ ہی ماسٹر بیٹھا تھا جس کا منہ بھی مشرق کی جانب تھا۔

دور آسمان کے کونے سرخی مائل ہو کر سورج کی آمد کی اطلاع دے رہے تھے۔ ماسٹر نے اسے چوکڑی مار کر بیٹھنے کو کہا اور بس ایک ہی ہدایت کی کہ ابھرتے ہوئے سورج کو اس وقت تک دیکھنا ہے جب تک آنکھیں آسانی سے اسے دیکھ سکیں۔

حیدر افق پر نظریں جمائے بیٹھا تھا کہ سورج کا کونہ دیکھائی دیا۔ اس نے اپنی نظریں ابھرتے سورج پر مرکوز کر دیں۔ آہستہ آہستہ ایک سرخ گول ٹکیہ سامنے آنے لگی اور حیدر اس کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ ماسٹر کی آواز سنائی دی۔

"ناک سے گہرا سانس لو اور منہ کے راستے خارج کرو' آنکھیں سورج پر رکھو اور انتہائی گہرائی سے تصور کرو کہ سورج کی روشنی تمہاری آنکھوں سے گزر کر تمہارے جسم کے ہر حصے تک پہنچ رہی ہے اور اسے منور کر رہی ہے۔" ماسٹر نے سورج کو گھورتے ہوئے کہا۔

حیدر نے اس ہدایت پر عمل کرنا شروع کیا تو اسے حیرت کا جھٹکہ لگا کیونکہ اس چیز کا تجربہ اسے پہلے نہیں تھا۔

جیسے ہی اس نے گہرائی سے تصور کیا کہ سورج کی روشنی اس کے جسم میں جذب ہو رہی ہے۔ ایک سنسنی سی لہر اس کے بدن میں دوڑ گئی۔

اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ صرف اسکا تصور نہیں بلکہ واقعی ابھرتا سورج اس کی رگ رگ میں اترتا جا رہا ہے۔ جب سورج کی روشنی کچھ تیز ہوئی ماسٹر اٹھا اور حیدر کو نیچے آنے کا اشارہ کیا۔

نیچے کمرے میں پہنچ کر ماسٹر کہنے لگا۔

"سارا کمال دماغ کا ہوتا ہے۔ جب کبھی بے دھیانی میں اچانک ہمارا ہاتھ کسی گرم چیز سے چھوتا ہے تو ایک سیکنڈ کے کچھ حصے تک ہمیں اندازہ نہیں ہوتا کہ ہمارا ہاتھ کسی گرم شے سے چھو گیا ہے پھر اچانک درد کا احساس ہوتا ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ جسم کا جو حصہ گرم چیز سے ٹچ ہوتا ہے وہ حصہ فوراً

دماغ کو پیغام بھیجتا ہے کہ یہاں کوئی گرم چیز ہے جس سے میں چھو گیا ہوں۔ دماغ فوراً جلن کا احساس پیدا کرتا ہے اور اس حصے کو فوراً وہاں سے ہٹنے کا کہتا ہے۔ یہ سب پر اسس انتہائی تیز رفتاری سے ہوتا۔"

"جو شخص اپنے دماغ پر قابو پالے' وہ ایسے حیرت انگیز کارنامے سر انجام دے سکتا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جب ڈاکٹر کسی کے جسم کا کوئی حصہ سن کرتے ہیں وہ دراصل پیغام رساں سیلز کا راستہ روک دیتے ہیں کیمیکلز سے' جس سے پھر درد کا احساس نہیں ہوتا۔" ماسٹر اتنا کہہ کر چپ ہوئے۔

"اب میں تمہیں بتاؤں گا سورج کی طرف اس طرح کیوں دیکھا جاتا ہے۔" ماسٹر نے کہا تو حیدر ہمہ تن گوش ہو کر ماسٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

۔*************۔

عمر تیز تیز قدموں سے یونیورسٹی کی ایک راہدری میں چل رہا تھا جب اچانک ایک کلاس روم کا دروازہ کھلا اور عمر اپنی رو میں نظریں جھکائے کلاس روم سے باہر نکلتی ایک ماڈرن اور جدید فیشن سے آراستہ لڑکی سے جا ٹکرایا۔ تصادم کافی سخت تھا دونوں زمین پر جا گرے۔

عمر کا سر دروازے کی چوکھٹ سے تھوڑا باہر نکلے لوہے کے ایک کونے سا جا لگا۔ درد کی شدید لہر اسکے جسم میں دوڑ گئی۔ لڑکی انتہائی غصے سے اٹھی اور اونچی آواز سے چلائی۔

”یو ایڈیٹ تم ان۔۔۔۔“ لڑکی نے اتنا کہا ہی تھا کہ اچانک اس کی نظر عمر پر پڑی جس کے سر سے خون بہہ کر اس کے رخسار تک آ پہنچا تھا۔ اسکا خون دیکھ کر لڑکی فوراً چپ ہو گئی۔

”آر یو اوکے، لگتا ہے زیادہ گہری چوٹ لگ گئی ہے۔“ لڑکی نے گبھرا کر آدھی انگلش آدھی اردو میں عمر کی خیریت دریافت کی۔

”معاف کرنا مس میری غلطی ہے۔“ نظریں جھکائے عمر نے کہا۔

لڑکی آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی کیونکہ واضح غلطی اسی کی تھی۔ وہ موبائل میں اتنا مصروف تھی کہ ٹانگ مار کر اس نے دروازہ کھولا تھا اور بغیر سامنے دیکھے سیدھا عمر سے ٹکرا گئی اور وہ اسے اپنی غلطی مان رہا تھا۔ کچھ عمر کا بہتا خون دیکھ کر اسے شرمندگی اور تاسف ہو رہا تھا۔

”نہیں غلطی میری تھی۔“ لڑکی نے شرمندگی سے کہا۔

”چلیں غلطی جس کی بھی ہے' ہم ایک دوسرے کو معاف کرتے ہیں۔ اوکے...... اللہ حافظ۔“ عمر نے سادگی سے کہا اور آگے چل پڑا۔

”جی بالکل بالکل' اللہ حافظ۔“ وہ بوکھلا سی گئی۔

یہ کیسا لڑکا ہے ایک بار دیکھا تک نہیں کہ ٹکرایا کس سے ہوں۔ خون بہہ رہا ہے پرواہ نہیں۔ دوسرے کی غلطی بھی اپنے سر مونڈھ رہا ہے۔ وہ سر جھٹکتی ہوئی آگے بڑھنے ہی لگی تھی کہ عمر کے کچھ الفاظ اس کے کانوں میں پڑے۔ وہ بے اختیار اس کے پیچھے چل پڑی۔

پتہ نہیں درد کی وجہ سے اس کے الفاظ منہ سے نکلے یا بے خودی تھی جو وہ اپنے آپ سے مخاطب تھا۔

"استغفر اللہ یا اللہ میں گنہگار ہوں اور اس سے زیادہ سزا کا حقدار تھا۔ الحمد اللہ..... اللہ تیرا شکر ہے یہ تکلیف اگر سزا ہے تو میرے گناہ معاف ہوں گے اگر آزمائش ہے تو جزا ملے گی۔"

وہ شاید اللہ سے مخاطب ہو کر اب خود سے خود کلامی کرتا چلا جا رہا تھا۔ کپڑے تبدیل کرنے ہوں گے جلدی ورنہ جماعت نکل جائے گی۔

اس لڑکی کے قدم اسی جگہ جم گئے۔ کیا ایسے بھی نوجوان پائے جاتے ہیں یونیورسٹی میں؟ وہ حیرت سے سوچ رہی تھی۔

یہ عائزہ کبیر اور عمر فاروق کی پہلی ملاقات تھی۔

۔*************۔

ضرار کے سامنے دو لیپ ٹاپ کھلے پڑے تھے اور ایک لیپ ٹاپ سے دوسرے لیپ ٹاپ میں ڈیٹا ٹرانسفر جاری تھا۔

وہ خود کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار کھڑکی سے باہر گیٹ کی طرف جا رہیں تھیں جو اس نے خولہ کے کہنے پر کھول دیا تھا۔

وہ لاہور میں تھا جب اسے خولہ کی کال آئی اور خولہ نے اسے فوراً اسلام آباد آنے کا کہا تھا۔ وہ اسلام آباد آیا تو خولہ نے اسے اپنی ایک سہیلی صدف کی سٹوری سنائی جس پہ اس نے جوش سے کہا کہ وہ قاسم کو سبق سکھا دے گا مگر خولہ نے طنزیہ انداز میں کہا کہ یہ نیک کام وہ بھی کر سکتی تھی لیکن اس صرف

اس لیے بلایا گیا ہے کیونکہ وہ سافٹ ویئر اور آئی ٹی میں ماہر تھا اور خولہ نے کہا تھا کہ اسے صرف وہی کام کرنا ہے۔

اس نے بضد ہو کر خولہ کو منایا تھا کہ لیپ ٹاپ اور موبائل وہ اڑا کر لائے گا جس کی اجازت خولہ نے بڑی مشکل سے ایک شرط پر دی تھی کہ اسے خولہ کے پلان کے مطابق کاروائی کرنا ہوگی۔

ضرار نے ہامی بھر لی تھی لیکن اس وقت اسے اندازہ نہیں تھا کہ یوں معاملات اس رخ کو چل پڑیں گے۔

وہ یہ سوچ سوچ کر پریشان تھا کہ خولہ کیسے اس معاملے کو نمٹائے گی۔ اس کے کہنے پر وہ اپنی جیکٹ ،بیگ اور ہیلمٹ دروازے کے باہر رکھ آیا تھا۔

اس نے وقت دیکھا ابھی بھی اسے پندرہ منٹ چاہیے تھے اپنا کام نمٹانے میں۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھا کہ اسے ایک کار گیٹ کے اندر آتی دیکھائی دی اور اس کے عضلات سخت ہو گئے۔

ضرار کھڑکی کے قریب آیا اور اندر داخل ہونے والی کار کو دیکھنے لگا۔ کار پورچ میں آکر رکی اور اس میں سے ایک شخص اترا جسے ضرار نہیں جانتا تھا۔

وہ شخص آگے آیا اور باہر ضرار کی رکھی جیکٹ پہنی اور ہیلمٹ پہن کر دوبارہ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا پھر کار کو ریورس کرنے لگا۔

ضرار حیرت سے اس شخص کو تکنے لگا۔ عجیب بیوقوف بندہ ہے جو ہیلمٹ پہن کر گاڑی چلا رہا ہے۔ اس شخص نے اتنی تیزی سے گاڑی ریورس کر کے روڈ پر سیدھی کی کہ گاڑی کے ٹائروں کی چیخیں فضا میں گونج اٹھیں۔

جیسے ہی اس کی گاڑی روڈ پر آگے بڑھی۔ روڈ کی دوسری جانب سے دو کاریں روڈ پر کھڑی دکھائی دیں۔ ان کاروں کو دیکھتے ہی اس شخص نے سپیڈ تیز کی اور گاڑی گرج کر آندھی طوفان کی طرح آگے بڑھنے لگی۔

خولہ کی کار مسلسل ان دو کاروں کے پیچھے تھی جس میں قاسم اور اس کے گارڈز سوار تھے۔ اس کوٹھی سے تھوڑا پہلے جس میں ضرار تھا آگے قاسم والی کار آہستہ ہوئی اور روڈ کے کنارے کھڑی ہو گئی۔

اس میں سے قاسم کا ہاتھ باہر آیا اور گارڈز والی کار کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔ جیسے ہی گارڈز کی کار قاسم کی کار کے برابر آئی قاسم انہیں نہ جانے کیا ہدایات دینے لگا۔ وہ ابھی ہدایات دے ہی رہا تھا کہ اس کی نظر کوٹھی سے تیز رفتاری سے نکلتی کار پر پڑی۔

اس کو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص کی صرف ایک جھلک دکھائی دی۔ وہ فوراً چلا اٹھا اور گارڈز کو اس گاڑی کا پیچھا کرنے اور اسے روکنے کا کہا۔

گارڈز کی کار انتہائی تیز رفتاری سے اس کار کے پیچھے دوڑی اور ساتھ ہی قاسم نے اپنی گاڑی بھی تیز رفتاری سے تعاقب میں ڈال دی۔ تینوں کاریں تیز رفتاری سے شہر سے باہر جانے والی سڑک پر رواں دواں تھیں۔

اور پیچھے اپنی گاڑی میں بیٹھی خولہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی جیسے اسے اس صورتحال کو دیکھ کر مزا آرہا ہو۔ جیسے ہی وہ کاریں نظروں سے اوجھل ہوئیں خولہ نے کار آگے بڑھائی اور کوٹھی کے پورچ میں جا کر روکی دی۔

گاڑی سے اتر کر خولہ بنا گیٹ بند کیے اندر کمرے کی طرف بڑھی۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے دیکھا ضرار کھڑکی سے لگ کر کھڑا تھا۔ ٹیبل پر دولاپ ٹاپ رکھے ہیں جن کی سکرین پر ڈیٹا ٹرانسفر ہوتا دیکھائی دے رہا تھا۔

"چچ چچ بچے کو ڈر لگ رہا تھا۔" خولہ نے طنز کرتے ہوئے تپانے والی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر ضرار کو مخاطب کیا۔

"ڈروں میں اور ان سے' ڈرے میری جوتی۔ وہ اندر آتے تو سہی یہاں سے ایمبولینس پر ہی جاتے۔" توقع کے مطابق ضرار نے بپھر کر کہا۔

"یہ خوش فہمی اور جلنے کی بو کہاں سے آرہی ہے؟" خولہ نے اوپر منہ کر کے ناک سکیڑتے ہوئے کہا۔ چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے واقعی وہ فضا میں کوئی بو سونگھ رہی ہو۔

ضرار کا دل چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر خولہ کی ناک ہی مسل ڈالے۔ بڑی مشکل سے ان خود پر قابو پایا اور فوراًبات کارخ تبدیل کر دیا۔

"یہ ابھی کیا ہوا ہے؟ وہ گاڑی والا کون ہے؟ وہ بیچارہ تو مارا جائے گا فضول میں۔" ضرار کے لہجے میں واقعی حیرت تھی۔

"میں نہیں بتاؤں گا' ایسی باتیں بتائی نہیں جاتیں نظر لگ جاتی ہے۔" خولہ نے مردانہ لب ولہجے میں نقل اتارتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی کھکھلا کر ہنس پڑی۔

ضرار کا دل چاہا کہ وہ اٹھ کر خولہ کا سر پھاڑ دے لیکن اس سے پہلے وہ کچھ کرتا یا کہتا خولہ کے سیل فون پر کال آنے لگی۔ خولہ نے کال اٹینڈ کی اور سپیکر اوپن کر دیا۔

"ہیلو! خولہ تم کہاں ہو؟ کیا ضرار بھی تمہارے ساتھ ہے؟" دوسری طرف سے آپی کی تیز آواز سنائی دی۔

"کیوں آپی خیریت تو ہے۔" خولہ نے ضرار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بابا جانی آئے ہوئے ہیں کب سے تمہارا پوچھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں ضرار بھی غائب ہے لاہور سے۔" آپی نے بم گراتے ہوئے کہا۔

"ہم ابھی آرہے ہیں؟" خولہ نے گھبراتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ دوسری طرف ضرار بھی جو اطمینان سے کرسی پر بیٹھا تھا یہ بات سن کر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بھی پریشان نظر آنے لگا۔

خولہ نے فوراً کال کاٹی اور ضرار سے کہنے لگی۔

"جلدی کرو' اف اللہ بابا جانی کہاں سے آگئے اس وقت' آج ہماری خیر نہیں۔" خولہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہماری نہیں تمہاری خیر نہیں، میں تو کہہ دوں گا مجھے تم نے ایمرجنسی کا کہہ کر بلوایا تھا۔" ضرار نے چیزیں سمیٹتے ہوئے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"ہم تو ڈوبے صنم تمہیں بھی لے ڈوبیں گے۔" ان حالات میں بھی خولہ شرارت سے باز نہ آئی حالانکہ خود اس کی اپنی حالت پتلی تھی۔ وہ ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔

ٹرانسفر مکمل ہو چکی تھی۔ ضرار نے قاسم کے لیپ ٹاپ اور موبائل کو فرش پر رکھا اور ہتھوڑی سے توڑنے لگا اور ایسی توڑ پھوڑ کی کہ کسی بھی چیز سے نہ کچھ حاصل کیا جا سکے نہ ریکور۔ اسکے بعد اس نے پٹرول ڈال کر دونوں چیزوں کو آگ لگا دی۔

خولہ اس دوران نہ جانے کون کون سے بہانے سوچ رہی تھے جو بابا جانی سے کرنے تھے اگر انہیں پتہ چل گیا کہ خولہ نے ان کی بات پر عمل نہیں کیا تو کیا ہو گا۔ اف اللہ وہ ایسا سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

دونوں تیزی سے باہر نکلے خولہ نے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور ضرار نے اپنی بائیک دونوں تیز رفتاری سے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

گھر پہنچ کر جب وہ ٹی وی لاونج کی طرف بڑھے تو راستے میں آپی نے خشمگیں نظروں سے خولہ کو گھورا۔

اندر داخل ہوئے تو بابا جانی سامنے کرسی پر بیٹھے جھول رہے تھے۔ دونوں مجرموں کی طرح ان کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔

"رات ہو گئی ہے اتنی۔ کہاں تھے تم دونوں اور کیا کرتے پھر رہے ہو؟" بابا نے گھمبیر اور بارعب لہجے میں پوچھا۔

خولہ نے گلا کھنکھار کر بہانہ بنانے کی کوشش کرنے کے لیے بولنے ہی والی تھی کہ بابا جانی نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہنے لگے۔

”سچ گھٹے یا بڑھے تو سچ نہ رہے اور جھوٹ کی کوئی انتہا نہیں۔“ بابا جانی جہاں دیدہ انسان تھے خولہ کے چہرے کو دیکھتے ہی اس کا ذہن پڑھ لیا تھا۔

اف اللہ میرے بابا کتنے تیز ہیں ابھی تو صرف سوچا تھا اور تو اور بابا بھی ایسے موقعوں پر پتہ نہیں کہاں سے ایسے فقرے ڈھونڈ لاتے ہیں جو اگلے بندہ کو شرمندہ کر دیتے ہیں۔ بندہ جن کا کوئی جواب بھی نہیں دے پاتا۔

آخر خولہ نے سب کچھ سچ سچ بتانے کا فیصلہ کیا اور صدف کی کہانی سے لے کر اب تک ہونے والے سارے واقعات بابا کے سامنے دہرا دیے اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

بابا ساری داستان سن کر کچھ دیر چپ رہے اور پھر دھیمی آواز میں بولے۔

”مطلب یہ کہ خولہ نے تم نے اپنی زبان کی لاج نہیں رکھی‘ میں نے تم سے کہا تھا صرف اپنی پڑھائی پر دھیان دو گی اور کوئی پنگے نہیں لو گی۔ جن میں اپنی ٹانگ ڈالنا تمہاری پرانی عادت ہے۔ اسی لیے پرانی یونیورسٹی سے تمہاری یہاں مائیگریشن کروائی تھی اور تم نے یقین دہانی کروائی تھی اب ایسی کوئی شکایت نہیں آئے گی۔“ بابا نے میٹھے لہجے میں جو سرزش کی تو خولہ کا چہرہ شرمندگی سے سرخ ہو گیا کیونکہ پہلے بھی وہ اپنی انہیں عادات کی وجہ سے بابا کو کافی پریشان کر چکی تھی۔ وہ نظریں زمین پر گاڑے چپ چاپ کھڑی رہی اور کچھ نہیں بولی۔

تھوڑے سکوت کے بعد بابا ضرار کی طرف دیکھ کر بولے۔

”اور جناب آپ کو تو موقع چاہیے ہیرو گری کا‘ مار کٹائی میں دو چار ہاتھ چلانا کیا سیکھ لیا ہیرو سمجھنے لگ گئے ہو۔ اگر یاد ہو تو دو کالجز ایک یونیورسٹی سے جناب اسی ہیرو گری کے چکر میں نکالے جا چکے ہیں۔ کہیں دوستی کی خاطر‘ کہیں لڑکی کی ہمدردی کی خاطر ایک اور موقع ملا ہیرو گری کا تو جناب اڑتے ہوئے لاہور سے اسلام آباد آپہنچے۔“

ضرار تو یوں کا رخ اپنی طرف دیکھ کر بوکھلا گیا اور کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا مگر پھر فوراً منہ بند کر کے نظریں زمین پر گاڑ دی۔ اس بار خولہ کی نقل کرنے میں ہی اسے بہتری نظر آئی۔

”اصول و ضوابط بنائے جاتے ہیں تا کہ انسان اپنی زندگی عزت اور سکون سے گزار سکے لیکن جب سکون اور عزت ہی اصول و ضوابط توڑ کر ملے تو ایسی جگہ تمام اصول و ضوابط اپنی قدر و قیمت کھو دیتے ہیں اور عزت بچانا فرض ہو جاتا ہے‘ مجھے خوشی ہے تم دونوں یہ باریکیاں سمجھتے ہو اگر تم یہ قدم نہ اٹھاتے تو مجھے اپنی تربیت پر شرمندگی ہوتی۔“ بابا نے دھیمی آواز میں مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

خولہ اور ضرار کو لگا جیسے ان کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا ہو دونوں نے گہرا سانس لیا۔

”مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تم دونوں جو چاہے کرتے پھرو اور کوئی کچھ بھی نہ کہے‘ ہر بات کے لیے جواب دہی دینی اور سزا بھی بھگتنی ہو گی اگر غلط قدم اٹھایا تو۔“ بابا کا لہجہ پھر سخت ہو گیا۔

اف بابا بھی نا ایک منٹ کے لیے بھی خوش نہیں ہونے دیتے۔ خولہ نے بے بسی سے بابا جانی کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

"بیٹھ جاؤ۔" بابا نے نرمی سے کہا۔

دونوں بیٹھ گئے تو بابا جانی خلا میں تکتے ہوئے نہ جانے کن سوچوں میں گم ہو گئے۔ کافی دیر خاموشی کے بعد بابا جانی کہنے لگے۔

" تمہاری بڑی بہن کے بعد تم دونوں جڑواں پیدا ہوئے۔ تم دونوں کو جنم دیتے ہوئے تمہاری ماں گزر گئی۔" بابا جانی کی آواز میں اداسی در آئی۔ خولہ اور ضرار دونوں افسردگی اور حیرت سے بابا جانی کو دیکھ رہے تھے۔

وہ بڑے مضبوط تھے۔ اس طرح دھیمے لہجے اور اداسی سے انہوں نے آج تک بات نہیں کی تھی۔

اتنے میں ان کی آپی اور چھوٹی ام ہانی اور اسکا بھائی بھی پاس آکر بیٹھ گئے تھے۔ ان تینوں کو اپنے بابا پر فخر تھا۔ انہوں نے نہ صرف باپ بلکہ ماں بن کر بھی ان کی پرورش کی تھی۔

خولہ اور ضرار تو اس وقت پیدا ہوئے تھے جب ان کی آپی بھی ابھی تین سال کی تھیں۔ وہ صرف اندازہ ہی کر سکتے تھے۔ وہ وقت بابا جانی نے کیسے گزارا ہو گا۔ رشتے داروں کی تو انہوں نے کبھی شکل تک نہ دیکھی تھی اور نہ بابا جانی نے کبھی بتایا تھا کہ ان کے کوئی رشتے دار بھی ہیں۔

ایک بار پوچھنے پر انہوں نے بس اتنا کہا تھا آئندہ یہ سوال مت کرنا۔

"پتہ ہے تمہارا نام خولہ کیوں رکھا اور ضرار کا نام ضرار کیوں رکھا؟" بابا جانی نے خولہ اور ضرار سے مخاطب ہو کر کہا تو دونوں نے نفی میں سر ہلا دیے۔

بابا جانی نے کرسی سے ٹیک لگائی اور ٹھنڈا سانس بھر کر بتانے لگے۔

”ایک شخص تھا جسے دنیا ضرار بن ازورؓ کے نام سے جانتی تھی۔ یہ ایک ایسے انسان تھے کہ اس دور میں دشمن ان کے نام سے کانپ اٹھتے تھے اور ان کی راہ میں آنے سے کتراتے تھے۔“

”جنگ ہوتی تھی تو سارے دشمن اور فوجیں زرہ اور جنگی لباس پہن کر جنگ لڑتے تھے لیکن آفریں حضرت ضرارؓ زرہ تو درکنار اپنا کرتا بھی اتار دیتے تھے۔ لمبے بال لہراتے چمکتے بدن کے ساتھ جب میدان میں اترتے تھے تو ان کے پیچھے دھول نظر آتی تھی اور ان کے آگے لاشیں۔ اتنی پھرتی، تیزی اور بہادری سے لڑتے تھے کہ دشمن کے صفیں چیر کر نکل جاتے تھے۔ ان کی بہادری نے بے شمار مرتبہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو تعریف کرنے اور انعام و کرام دینے پر مجبور کیا۔“

”دشمنوں میں وہ ننگے بدن والا جنگجو

(Naked Warior)

کے نام سے مشہور تھے۔ رومیوں کے لاکھوں کی تعداد پر مشتمل لشکر سے جنگِ اجنادین جاری تھی۔ حضرت ضرارؓ حسب معمول میدان میں اترے اور صف آراء دشمن فوج پر طوفان کی طرح ٹوٹ پڑے' اتنی تیزی اور بہادری سے لڑے کہ لڑتے لڑتے دشمن فوج کی صفیں چیرتے ہوئے مسلمانوں کے لشکر سے بچھڑ کر دشمن فوج کے درمیان تک پہنچ گئے۔ دشمن نے انہیں اپنے درمیاں دیکھا تو ان کو نرغے میں لے کر بڑی مشکل سے قید کر لیا۔"

”مسلمانوں تک بھی خبر پہنچ گئی کہ حضرت ضرارؓ کو قید کر لیا گیا ہے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنی فوج کے بہادر نوجوانوں کا دستہ تیار کیا اور حضرت ضرارؓ کو آزاد کروانے کے لیے ہدایات وغیرہ دینے لگے۔“

”اتنے میں انہوں نے ایک نقاب پوش سوار کو دیکھا جو گرد اڑاتا دشمن کی فوج پر حملہ آور ہونے جا رہا ہے۔ اس سوار نے اتنی تند خوہی اور غضب ناکی سے حملہ کیا کہ اس کے سامنے سے دشمن پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔ حضرت خالدؓ اس کا وار کرنے کا انداز دیکھ کر اور شجاعت دیکھ کر عش عش کر اٹھے اور ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ سوار کون ہے؟ لیکن سب نے لاعلمی ظاہر کی کہ وہ نہیں جانتے۔ حضرت خالدؓ نے جوانوں کو اس سوار کی مدد کرنے کو کہا اور خود بھی مدد کرنے اس سوار کی جانب لپکے۔“

”گھمسان کی جنگ جاری تھی کبھی حضرت خالد بن ولیدؓ اس سوار کو نرغے سے نکلنے میں مدد کرتے اور کبھی وہ سوار حضرت خالدؓ کی مدد کرتا۔ حضرت خالدؓ اس سوار کی بہادری سے متاثر ہو کر اس کے پاس گئے اور پوچھا کون ہو تم؟ اس سوار نے بجائے جواب دینے کے اپنا رخ موڑا اور دشمنوں پر جارحانہ حملے اور وار کرنے لگا۔“

”موقع ملنے پر دوسری بار پھر حضرت خالدؓ نے پوچھا اے سوار تو کون ہے؟ اس سوار نے پھر جواب دینے کی بجائے رخ بدل کر دشمن پر حملہ آور ہوا۔ تیسری بار حضرت خالدؓ نے اس سوار سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا کہ اے بہادر تو کون ہے؟ تو نقاب کے پیچھے سے نسوانی آواز آئی کہ میں ضرارؓ کی بہن خولہ بنت ازورؓ ہوں اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گی جب تک اپنے بھائی کو آزاد نہیں کروا لیتی۔ پھر مسلمانوں اور حضرت خولہؓ نے مل کر حضرت ضرارؓ کو آزاد کروا کر دم لیا۔“

بابا جانی تو یہ بتا کر چپ ہو گئے لیکن کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ خولہ تو خولہ ضرار کے آنکھوں میں نہ جانے کیوں نمی سی آ گئی۔ دونوں عقیدت سے بابا جانی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"تم دونوں کے نام عظیم ہستیوں کے نام پر ہیں اور مجھے امید ہے تم دونوں اپنے ناموں پر حرف نہیں آنے دو گے۔" بابا جانی نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"انشاءاللہ بابا جانی۔" دونوں نے بیک زبان ہو کر کہا۔

"اچھا تو پھر کیا ملا لیپ ٹاپ میں۔" بابا نے ضرار سے پوچھا۔

"پتہ نہیں بابا ابھی ڈیکوڈ کرنا باقی ہے۔بس کافی فائلز ایک ہی نام سے سیو ہیں۔ عجیب سا نام ہے 'بلیک ہنٹ۔" ضرار نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"کیا بلیک ہنٹ؟ تم نے بلیک ہنٹ کہا؟" بابا جانی اچانک اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ان کے چہرے پر حیرت اور جوش ثبت ہو کر رہ گیا۔

"جی بابا۔" کمرے میں موجود ہر شخص حیرت سے بابا کو دیکھنے لگا کہ بابا کو کیا ہو گا یہ نام سن کر۔

"ابھی جتنی جلدی ہو سکے ڈی کوڈ کرو ان فائلز کو۔" بابا نے کندھوں سے پکڑ کر ضرار کو جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

وہ اچانک بہت بے چین نظر آنے لگے تھے۔بابا جانی نے فون نکالا اور جلدی سے کسی کو کال کرنے لگے۔کال اٹینڈ کرتے ہی انہوں نے فوراً کہا۔

"جلدی سے ادھر میری بیٹی کے گھر پہنچو بلیک ہنٹ۔" اتنا کہہ کر انہوں نے کال کاٹ دی۔

خولہ اور ضرار حیرت سے بابا جانی کو تکے جا رہے تھے کہ اچانک بابا جانی کو کیا ہو گیا۔

_**********************_

تینوں کاروں میں جیسے ریس لگی تھی۔ آگے والی گاڑی کا ڈرائیور بھی کافی تاک معلوم ہوتا تھا جو انتہائی مہارت سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ قاسم نے تنگ آکر نعمان کو کہا۔

"فائرنگ کا آرڈر دو۔"

"نہیں سر ہم پوش علاقے اور شہر میں موو کر رہے ہیں' اگر ایسا کیا تو یہ قدم الٹا ہمارے گلے پڑ جائے گا۔ آپ فکر نہ کریں آگے شہر کی حدود ختم ہو رہی ہیں' وہاں اسے گھیر لیا جائے گا۔" نعمان نے اپنے جذباتی باس کو نرم لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

قاسم کے پاس بھی چپ ہونے کی بجائے کوئی چارہ نہ رہا۔

جیسے ہی اگلی کار شہر سے باہر ویرانے میں پہنچی تو نعمان نے آگے والی گاڑی میں بیٹھے گارڈز کو فائرنگ کا حکم دے دیا۔ انہوں نے فوراً فائرنگ شروع کی۔ آگے والی کار کے ڈرائیور نے گبھرا کر گاڑی سائیڈ پر لگا دی۔

گارڈز نیچے اترے اور اسلحہ تھامے اس کار کا گھیراؤ کر لیا۔ قاسم بھی تیزی سے نیچے اترا اور آگے کھڑی کار کی طرف بڑھنے لگا۔

نعمان نے چلا کر گاڑی والے کو وارننگ دی۔ وہ ہاتھ اوپر کر کے باہر آجائے ورنہ اس کی کار کو اس سمیت چھلنی کر دیا جائے گا۔

گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھلا تو ایک ہیلمٹ پہنے شخص ہاتھ اوپر کیے نیچے اترا۔ اسے ہیلمٹ اتارنے کا کہا گیا۔ جب اس نے ہیلمٹ اتارا تو قاسم جو ایک کار کی آڑ لے کر کھڑا تھا اچھل کر اچانک سامنے آ گیا۔

"تم، یہاں مگر کیسے۔" قاسم چلا کر بولا۔

"تم تھے میرے پیچھے او خدایا۔" عمار بھی حیرت سے اپنی جگہ اچھل پڑا۔

عمار اور قاسم حیرت سے بیوقوفوں کی طرح ایک دوسرے کا منہ تک رہے اور قاسم کے گارڈز بھی بیوقوں کی طرح ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

"تم میرے ساتھ چلو میری گاڑی میں' تمہاری گاڑی یہ گارڈ لے آئے گا۔" قاسم نے ایک گارڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

قاسم، عمار اور نعمان تینوں قاسم کی کار میں بیٹھے اور تیز رفتاری سے واپس اسی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ قاسم ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا اور وقفے وقفے سے عمار کو ایسی نظروں سے دیکھتا کہ جیسے اسے کھا جائے گا اسے عمار پر بے پناہ غصہ آ رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ سب اس کوٹھی میں پہنچ کر تیزی سے اندر داخل ہوئے۔ کمرے میں پہنچ کر انہیں کمرے کے وسط میں موبائل اور لیپ ٹاپ کا جلا ہوا ڈھانچہ نظر آیا قاسم نے قریب سے جا کر دیکھا اور نفی۔ میں سر ہلا کر کہا۔

"یہ اب کسی کام کے نہیں۔" قاسم نے کرسی پر گر کر عمار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم وضاحت دو گے تم نے یہ سب کیوں کیا؟ اس چور کی جیکٹ اور ہیلمٹ میں کیوں تھے تم' اس طرح اس کوٹھی سے کیوں بھاگے؟"

"مجھے ایک کال آئی تھی' کوئی بھاری سی آواز میں بول رہا تھا۔ لگتا ہے اس نے وائس چینجر لگایا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تمھارے دوست کا لیپ ٹاپ اور موبائل میں نے چرایا ہے لیکن اب احساس ہو رہا ہے کہ یہ چیزیں ہمارے کسی کام کی نہیں کیونکہ اگر اسے ہم بیچنے جائیں گے تو ہمارا پکڑے جانے کا خدشہ ہے اور یہ ہماری پہلی چوری تھی پھر ہم نے سوچا جس کی چوری کی ہے اسے واپس کر دیتے ہیں لیکن اس میں بھی رسک تھا کہ وہ الٹا ہمیں ہی نہ پکڑ لیں۔"

"تمہارا نمبر اس موبائل میں سیو تھا اور تم اس کے دوست ہو اگر تم چاہو تو ایک چھوٹی سی شرط پر تمہیں یہ واپس کر دیتے ہیں ورنہ ہم ضائع کر دیں گے۔" عمار قاسم کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"میں تمہاری اور تمہارے ابو کی پریشانی ہسپتال میں دیکھ چکا تھا کہ تم دونوں لیپ ٹاپ کے لیے انتہائی پریشان تھے' میں سمجھ گیا تھا کہ لیپ ٹاپ میں بہت ہی اہم ڈیٹا ہے۔ جس کے لیے تم اتنے پریشان دیکھائی دے رہے تھے۔ اس لیے میں نے تمہارے اور انکل کی خاطر رسک لینے کا فاصلہ کیا۔ میں نے اس سے شرط پوچھی تو اسے نہ جانے کیسے پتہ تھا کہ مجھے کار ریسنگ کا شوق ہے اور میں اس میں حصہ بھی لیتا رہتا ہوں' اس نے کہا کہ مجھے بس ایک ریس لگانی ہے۔ شہر سے باہر نہر تک ٹوٹل تین گاڑیاں ہوں گی۔ اگر میں جیت گیا تو وہ مجھے موبائل اور لیپ ٹاپ دے دے گا۔"

"میں نے حامی بھر لی' ساتھ ہی اس نے شرط رکھی کہ مجھے وہ جیکٹ اور ہیلمٹ پہن کر ریس لگانی ہو گی۔ میرے لیے یہ کوئی بڑی شرط نہیں تھی۔ یہ کوٹھی ہماری ہی ہے۔ تم جانتے ہو یہاں سے چند قدم دور ہی میرا گھر ہے۔ یہ کوٹھی کل ہی کرائے دار خالی کر کے گئے تھے اسی لیے آج یہاں کوئی نہیں تھا۔ بس ایک تالہ لگا تھا جو شاید توڑ دیا گیا ہے۔ میں یہاں آیا وہ جیکٹ اور ہیلمٹ یہاں باہر رکھے تھے۔ میں نے پہن لیے اور جیسے ہی گاڑی لے کر باہر نکلا تو پیچھے دو گاڑیاں نظر آئیں میں نے یہی سمجھا کہ ان سے ہی ریس لگانی ہے۔"

"اسی لیے میں تیزی سے گاڑی بھگا لے گیا۔ جب وہ دو گاڑیاں بھی میرے پیچھے تیزی سے آنے لگیں تو مجھے اس وقت بھی یہی تھا کہ وہ ریس میں آگے نکلنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اس لیے میں آگے ہی بڑھتا گیا وہ تو جب فائرنگ ہوئی تو مجھے احساس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اتنے میں تم وہاں پہنچ گئے۔ یہ ہے وہ نمبر جس سے کال آئی تھی۔" عمار نے ایک کاغذ پر نمبر لکھ کر قاسم کو دیتے ہوئے تفصیل بتائی۔

"میرے لیپ ٹاپ اور موبائل میں جی پی ایس لگا ہوا تھا۔ ہم نے لوکیشن ٹریس کی تو یہاں کے لوکیشن سامنے آئی' جب ہم یہاں پہنچے تو تمہاری گاڑی تیزی سے نکلتے دیکھی میری نظر تم پر پڑی وہی ہیلمٹ وہی جیکٹ مجھے لگا کہ چور یہاں سے بھاگ رہا ہے۔ اس لیے میں نے گارڈز کو بھی کہا اور خود بھی تمہارے تعاقب میں نکل پڑا۔

قاسم نے عمار کو تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

قاسم کے چیف سکیورٹی آفیسر نعمان نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہم سے بیوقوفی ہوئی جلد بازی میں ہم اس چور کے جھانسے میں آگئے‘ ہمیں کم از کم ایک دو گارڈ اس کوٹھی میں چھوڑنے چاہیے تھے اور اس کے علاوہ مسٹر عمار تمہاری پوزیشن بھی مشکوک ہے۔ جہاں سے چوری ہوتی ہے وہاں بھی تم موجود تھے۔ جہاں چور آکر ٹھہرتا ہے وہ جگہ بھی تمہاری۔ چور بھاگ کر نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ بھی تمہاری وجہ سے۔“نعمان تو اتنا کہہ کر چپ ہو گیا مگر عمار کا ذہن تو جیسے بھک سے اڑ گیا وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا اور چلانے لگا۔

”تمہیں لگتا ہے کہ یہ سب میں نے کروایا ہے؟ میں جو قاسم کا بچپن کا دوست ہوں ہر مشکل میں اسکے ساتھ کھڑا رہا تمہاری اتنی ہمت کیسے ہوئی۔“

”کول ڈاون عمار، مگر یہ بھی تو دیکھو نعمان کی باتوں میں وزن ہے۔“ قاسم نے آہستہ سے کہا تو عمار کو لگا جیسے کسی نے اس کے سر پر لٹھ مار دی ہو۔ وہ بے یقینی سے قاسم کی طرف دیکھتا چلا گیا۔ اس کی نظروں میں اتنی تپش تھی کہ قاسم بے اختیار نظریں چرانے لگا۔

”میرا خیال ہے ہماری دوستی یہیں تک تھی قاسم جب اعتماد ہی اٹھ جائے تو دوستی کہاں رہتی ہے۔ میری کوشش ہو گی کہ آئندہ میری وجہ سے تمہارا کوئی نقصان نہ ہو۔“ عمار نے زخمی لہجے میں کہا اور مڑ کر باہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

جاتے جاتے قاسم کو اس کی آنکھوں میں نمی نظر آئی تو بے اختیار قاسم نے آگے بڑھ کر عمار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”یار سنو تو تم‘ تم برا مان گئے رکو تو۔“ مگر عمار قاسم کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد عمار کی گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور عمار وہاں سے چلا گیا۔

آج ان کی بچپن کی دوستی کے رشتے میں بہت گہری دراڑ آچکی تھی جو اب بھرنا بہت مشکل نظر آرہی تھی۔

اس ساری گفتگو کے درمیان نعمان کمرے کا جائزہ لینے میں مصروف رہا آخر کار وہ قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کوئی ثبوت نہیں، کوئی ایسی چیز نہیں جس سے چور کا پتہ لگایا جاسکے بس ایک یہ نمبر ہی ہے جس سے کچھ پتہ چل سکتا ہے۔"

مگر وہ نمبر بھی بیکار نکلا کیونکہ جب اس نمبر پر رابطہ کیا گیا۔ تو وہ کسی کھوکھے والے پی سی او کا موبائل نمبر تھا۔

جو اپنے موبائل سے پی سی او کا کام بھی لے رہا تھا۔ جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا۔

"صاحب پتہ نہیں کتنے آتے ہیں کال کرنے اب کیا پتہ کون تھا۔ میرا کھوکھا چوک میں ہے اور بہت چلتا ہے صاحب۔" کھوکھے والے نے فخریہ انداز میں بتایا۔

ناکام اور مایوس قاسم اور گارڈز جب واپس لوٹنے لگے تو بے اختیار اس تجربہ کار چیف سیکورٹی آفیسر کے منہ سے یہ الفاظ قاسم کو سنائی دیے۔

"کوئی انتہائی ذہین چور تھا۔ ہر پہلو کا خیال رکھا ہے اس نے۔ عام طور پر ایسی ذہانت اور بروقت منصوبہ سازی دیکھنے کو نہیں ملتی۔" قاسم کے دل نے بھی نعمان کی اس بات کی تصدیق کی کہ جو بھی تھا چور بے پناہ ذہانت کا مالک تھا اور ایسے بندے کے ہاتھوں میں اپنے راز جانے کا سوچ کر ہی قاسم کانپ اٹھا۔

اسے لگ رہا تھا جیسے ایک خونی طوفان اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔

۔*************۔

حیدر بڑی دلچسپی سے ماسٹر کی جانب دیکھ رہا تھا۔ماسٹر اس کی دلچسپی دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا۔

”اس طرح سورج کو ہم روزانہ دیکھا کریں گے‘ سورج کو دیکھنا محض ایک ٹوٹکا ہے اپنے دماغ پر قابو پانے کا اور ہم ایسے کئی ٹوٹکے آزمائیں گے۔ جس سے ہم اپنے دماغ پر قابو پا سکیں۔اب جب کبھی تمہیں درد محسوس ہو یا دکھ اور غم کی حالت ہو تو کچھ دیر کے لیے تصور کرنا اور اپنی توجہ ابھرتے سورج کی کرنوں پر مرکوز کر دینا اور سوچنا کہ یہ روشنی تمہارے اندر دکھ، درد اور غم کے اندھیرے کو دور کر رہی ہے۔جب تم ایسا کرو گے تو تم دیکھو گے اس غم اور درد کی شدت انتہائی کم ہو جائے گی۔بس جس چیز پر محنت کرنی ہے وہ ہے تصور کی طاقت‘ جتنی زیادہ طاقت اور شدت تمہارے تصور میں ہو گی اس قدر تمہاری گرفت اپنے دماغ پر مضبوط ہو گی۔“ حیدر بڑی دل جمعی کے ساتھ یہ باتیں ذہن نشین کرنے کو کوشش کر رہا تھا۔

”اب ایک مزید ار بات بتاتا ہوں۔“ ماسٹر مسکرا کر کہنے لگا۔

”تمہیں پتہ ہے انسان کی ہر خوشی یا غمی کی کیفیت کا دورانیہ کتنا ہوتا ہے؟“ حیدر نے اتنی گہری باتیں بھلا کہاں سنی یا سوچیں تھیں۔اس نے نفی میں سر ہلایا پھر اچانک کہنے لگا۔

”ماسٹر خوشی یا غمی کی کیفیت تو مختلف دورانیہ کی ہوتیں ہیں مثلاً اگر غم زیادہ ہے تو وہ کئی دنوں تک انسان پر چھایا رہتا ہے۔“ حیدر نے اپنی طرف سے تو بڑا معقول جواب دیا تھا لیکن ماسٹر آگے سے ہنس پڑا اور کہنے لگا یہی وہ رمز ہے جو اس کو سمجھ لے وہ کافی حد تک ان کیفیات پر قابو پا سکتا ہے۔

”اب سنو یہ بات تصدیق شدہ ہے کہ ہر کیفیت کی ٹوٹل زندگی 10 سے 15 منٹ ہوتی ہے' بس لیکن بعد میں بھی اگر وہی کیفیت رہتی ہے تو اس میں ہمارا اپنا قصور ہے۔“ حیدر نے حیران ہو کر پوچھا

”وہ کیسے ماسٹر؟“

”وہ اس طرح کہ جو بھی کیفیت ہے' وہ دس سے پندرہ منٹ کے بعد ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کے بعد ہم اپنے دماغ کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اس کیفیت کو اپنے اوپر طاری رکھے۔ مثلاً کسی دوست نے دھوکا دیا تو انتہائی دکھ کی کیفیت چھا جاتی ہے۔ اب اس کیفیت کی عمر دس سے پندرہ منٹ ہے مگر ہوتا کیا ہے' دس سے پندرہ منٹ کے بعد بھی ہم اس دکھ کو طرح طاری کیے رکھتے ہیں' جیسا کہ ہم سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں وقت میں نے اس کے ساتھ یہ اچھائی کی تھی, فلاں وقت میں نے یہ قربانی دی تھی, اس کے لیے فلاں وقت ہم اکٹھے کھیلا کرتے تھے۔۔۔ یہ سب وہ سوچیں ہیں جو دکھ کی کیفیت کی عمر پوری ہونے پر بھی دماغ کو اس کیفیت میں زندہ رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر دماغ کو آزاد چھوڑ کر دس پندرہ منٹ صبر کر لیا جائے اور اللہ کی رضا سمجھ لی جائے تو یہ کیفیت اپنی عمر دس سے پندرہ منٹ گزار کر خود ہی مر جائے گی۔“

حیدر کو یہ باتیں انتہائی دلچسپ اور حقیقت سے قریب ترین لگ رہیں تھیں۔

۔******************۔

عائزہ کبیر نے دوسری مرتبہ عمر کو ایک مباحثے کے پروگرام میں دیکھا جہاں عمر کو نعت پڑھنی تھی۔

تلاوت سے پروگرام شروع ہوا تو عمر کی باری آئی نعت پڑھنے کی۔

عمر نے جب نعت پڑھنا شروع کی تو ہر شخص گم صم سا ہو گیا۔ ایسا سوز تھا آواز میں اور کیوں نہ ہوتا بقول علامہ اقبال۔

"دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔"

اور عمر تو دل سے پڑھ رہا تھا۔

دربار رسالت کی کیسی وہ گھڑی ہو گی

حسانؓ کے ہونٹوں پہ جب نعت نبی ہو گی

بو بکرؓ و عمرؓ ہوں عثمانؓ و علیؓ ہوں گے

حسنینؓ کے ناناؐ کی کیا بزم سجی ہو گی

عائزہ کبیر کی نگاہیں اس چہرے پر گڑی ہوئیں تھیں جس چہرے کی نگاہیں جھکی ہوئیں تھیں اور کسی نے دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو مگر عائزہ نے دیکھا ایک قطرہ عمر کی آنکھوں سے ٹپک کر نیچے جا گرا شاید وہ حسرت آنکھوں سے ٹپکی تھی کہ کاش وہ بھی اس بزم میں ہوتا۔

اس ایک آنسو کے قطرے کا گرنا عائزہ کے دل کو اتھل پتھل کر گیا اور عائزہ کو یوں محسوس ہوا جیسے عمر اس ایک آنسو کے قطرے میں تیرتا ہوا اسکے دل کے سمندر میں اتر گیا ہو۔

۔*************۔

ضرار سیکورٹی کوڈز توڑنے میں مصروف تھا اور خولہ ساتھ بیٹھی چائے پی رہی تھی جبکہ بابا جانی ڈرائنگ روم میں نہ جانے کس کے انتظار میں ٹہل رہے تھے۔

"اچھا اب تو بتا دو وہ بندہ کون تھا جو جیکٹ اور ہیلمٹ لے گیا۔ کیا چکر چلایا تم نے۔" ضرار نے لاپرواہی سے کہا مگر حقیقت میں اسے بہت تجسس ہو رہا تھا۔ شکر ہے خولہ کا موڈ ٹھیک تھا اس لیے وہ بتانے پر آمادہ ہو گئی۔

"دنیا ایک تیر سے دو شکار کرتی ہے جبکہ خولہ ایک تیر سے چار شکار کرتی ہے۔" خولہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جب تم لیپ ٹاپ لینے گئے تو میں باقی پہلوؤں پر غور کر رہی تھی کیونکہ مجھے پتہ ہے آجکل جدید دور ہے۔ موبائل اور لیپ ٹاپ ٹریس کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس لیے ایک ایسی جگہ ڈھونڈنی تھی جو ٹریس ہو بھی جاتی تو ہمارا کچھ نہ بگڑتا۔ اس لیے قاسم کے گھر کی مخالف سمت چنی تاکہ ہمیں زیادہ سے زیادہ وقت مل سکے اتفاق سے عمار کے اس خالی گھر کا پتہ چلا جو میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔" پھر خولہ اسے ساری تفصیل بتا دی کیسے اس نے عمار اور قاسم دونوں کو بیوقوف بنایا۔

"چار شکار کیسے ہوئے ایک تیر سے۔" ضرار نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"نمبر ایک میرے اس پلان سے ہمیں وقت ملا جو ہمیں چاہیے تھا۔"

"نمبر دو قاسم اور اسکے گارڈز کو بغیر سامنے کیے اپنی ذہانت سے شکست دی۔"

"نمبر تین دشمن کو اکیلا کر دیا تاکہ آئندہ دوست بھی اس کی مدد نہ کرے۔"

”نمبر چار عمار کا بھلا کیا کیونکہ نیچر کے حساب سے عمار اچھا لڑکا ہے اگر وہ قاسم کے ساتھ رہتا تو نہ چاہتے ہوئے بھی غلط کاموں میں قاسم کا ساتھ دیتا اور بری طرح پھنس جاتا۔“

”تو ہو گئے نا ایک تیر چار شکار۔“ خولہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بس ایک انسان کو سمجھنے کی حسرت ہے۔ میری ساری ذہانت بھی ان کے آگے بیکار ٹھہری کیونکہ وہ مجھ سے بھی چار ہاتھ آگے ہیں۔“ خولہ نے افسردہ سے لہجے میں کہا۔

”ہاں مجھے پتہ ہے تم بابا جانی کے بارے میں بات کر رہی ہو۔“ ضرار نے خولہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ میں اپنے بابا کو بالکل نہیں جانتی' ان کا بس ایک باپ والا روپ ہمارے سامنے ہے اور وہ کون ہیں پتہ نہیں، تمہیں تو یاد ہی ہو گا کہ جب ہم چھوٹے تھے تو بابا کے پاس پتہ نہیں کون کون آتے تھے اور بابا جانی ان کو لے کر خاص کمرے میں چلے جاتے تھے' جہاں جانے کی ہمیں اجازت نہیں تھی پھر جب ہم کالج گئے تو بابا نے ہمیں ہاسٹل میں ڈالا اور خود ہفتوں غائب رہتے تھے اور اب بھی ہمیں کوئی پتہ نہیں وہ کہاں جاتے ہیں؟ کن سے ملتے ہیں؟ کیا کرتے ہیں؟“ خولہ نے پینسل انگلیوں میں گھماتے ہوئے کہا۔

”لیکن خولہ پھر بھی وہ ہمارے بیسٹ بابا ہیں' جیسی انہوں نے ہماری تربیت کی

تک خود پڑھایا ہوم سکولنگ کی۔ ہماری تربیت کی اور ہمارا بچپن جیسے گزرا ہے تم خود بتاو ایسا بچپن کسی اور کا گزرا ہے بھلا۔" ضرار کے لہجے میں بابا کے لیے بہت عزت تھی۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہمارا بچپن واقعی منفرد تھا۔" خولہ نے اقرار کرتے ہوئے کہا۔

اس سے پہلے وہ کوئی اور بات کرتے انکی بھانجی ام ہانی اندر داخل ہو کر کہنے لگی۔

"ضرار بھیا آپکو بابا جانی بلا رہے ہیں۔" اس کی زبان پر شروع ہی سے ضرار کے لیے بھیا اور خولہ کے لیے آپی کا لفظ نکلتا تھا۔

ضرار ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا اور جب ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو سامنے صوفے پر ایک اجنبی کو بیٹھے دیکھا جو تھا تو اس کا ہی ہم عمر سفید سوٹ پر کالی واسکٹ آنکھوں پر سیاہ چشمہ بارعب چہرہ کچھ ایسی شخصیت تھی جسے دیکھ کر خود بخود اگلا بندہ مرعوب ہو جاتا۔

اس نے سلام کیا اور ضرار سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ ہاتھ ملاتے ہوئے بھی ضرار کو اندازہ ہو گیا کہ نوادر کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں کھردری ہیں اور ہاتھ مضبوط ہیں۔ جس کا مطلب تھا ان ہاتھوں کو مشقت کی عادی ہے۔

"ضرار اپنا لیپ ٹاپ لے آو۔" بابا جانی نے کہا۔

ضرار الٹے پاوں واپس ہوا اور لیپ ٹاپ لے آیا۔

"جاو تم اپنے روم میں۔" بابا جانی نے اس اجنبی کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مگر بابا ابھی کچھ فائلز رہتی ہیں ڈی کوڈ کرنا۔" ضرار نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ وہ اس مختصر سی میٹنگ میں شامل رہنا چاہتا تھا تاکہ اس کا تجسس دور ہو سکے کہ آخر یہ چکر کیا ہے۔

"ضرار اب تم اب جاؤ بھلے۔" بابا نے اطمینان سے کہا اس دوران پاس بیٹھے منصور کی انگلیاں تیزی سے لیپ ٹاپ پر چلنا شروع ہو گئیں تھیں۔ جو اس بابا کی بات تصدیق کر رہیں تھیں۔

بابا کی بات میں ایسا تحکم تھا ضرار آگے کچھ نہ بول سکا اور مایوس ہو کر واپس ہو لیا۔ جب وہ دروازے کے پاس پہنچا تو اسے منصور کی آواز سنائی دی۔

"میتھڈ اچھا ہے لیکن یہ بہت پرانا ہو چکا ہے اور اس میں وقت لگتا ہے' اس سے زیادہ ماڈرن ٹیکنیکس موجود ہیں ڈی کوڈ کرنے کی جن میں وقت بہت کم لگتا ہے وہ سیکھو۔" ضرار نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ جناب لیپ ٹاپ پر مصروف لاپروہی سے اسے نصیحت کر رہے تھے۔

ضرار کا نہ جانے کیوں خون کھول اٹھا۔ یہ سمجھتا کیا ہے خود کو۔ اس نے دل میں سوچا۔

جب وہ روم میں پہنچا تو خولہ روم میں ٹہل رہی تھی۔ اس نے ضرار کو حیرت سے دیکھا اور کہا۔

"تم کیوں آ گئے۔"

"آیا نہیں نکال دیا گیا ہوں۔" ضرار نے جل بھن کر کہا۔

"او اب ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ یہ کیا چکر ہے۔" خولہ نے پریشانی سے کہا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" ضرار کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

”مجھے ہی کچھ کرنا ہو گا۔ چوری چھپے سننا ہو گا اور اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔“خولہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

”دیکھ لو بابا کو پتہ چلا نا تو ہماری خیر نہیں، پہلے ہی انہوں نے بہت رعایت دی ہے۔“ضرار نے پریشان ہو کر کہا۔

”نہیں پتہ چلے گا میں دروازے کے باہر کان لگا کر سنوں گی، جیسے ہی کوئی باہر آنے لگا تو ساتھ والے کمرے میں چلی جاوں گی۔ مجھ سے نہیں تجسس برداشت ہو رہا شاید اسی بہانے بابا کی سرگرمیاں بھی پتہ چل جائیں۔“ خولہ نے کہا اور ڈرائنگ کی طرف جانے لگی۔

”میں باہر کھڑکی کی طرف جارہا ہوں، میں وہاں سے سنتا ہوں۔“ ضرار نے پرجوش ہو کر کہا اور باہر کی طرف چل پڑا۔

خولہ ڈرائنگ روم کے دروازے کے باہر پہنچی اور دروازے کے بالکل ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اسے مدہم آوازیں سنائی دینے لگیں۔ مزید کلیئر سننے کے لیے اس نے کان دروازے سے لگا دیا۔ دوسری طرف ضرار کھڑکی سے کان لگائے کھڑا تھا۔ کھڑکی پر پردہ تھا اس لیے اسے کوئی ڈر نہیں تھا کہ کوئی اندر سے دیکھ لے گا پھر بھی احتیاطاً وہ کھڑکی کے آگے نہیں گیا بلکہ کھڑکی کے ساتھ دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

انہیں آواز سنائی دی منصور کی جو کہہ رہا تھا۔

”سر! بلیک ہنٹ کے حوالے سے یہ بہت اہم راز ہیں۔ اللہ کی مہربانی ہے جو اللہ نے یہ سیدھا ہماری جھولی میں ڈال دیا اب آپ۔۔۔۔“ یہاں تک کہہ کر منصور چپ ہو گیا۔

خولہ اور منصور نے کان اور زور سے چپکا دیے تا کہ غور سے سن سکیں۔

”سر! آپکا بیٹا اور آپکی بیٹی ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک دروازے کے پیچھے ہے اور ایک کھڑکی کے پیچھے۔“ انہیں منصور کی آواز سنائی دی تو ان دونوں کے تو دماغ ہی گھوم گئے۔

”خولہ‘ ضرار۔“ بابا جانی دھاڑے۔ ان کی دھاڑ سن ضرار اور خولہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ گبھرا کر واپس کمرے کی طرف بھاگے۔

خولہ کمرے میں پہنچی ہی تھی ضرار بھی بھاگتا ہو آ گیا۔

” اسے کیسے پتہ کہ میں دروازے کے پیچھے ہوں اور تم باہر دیوار کے ساتھ کھڑکی کے پاس کھڑی ہو۔“ خولہ نے حیرانی سے تیز سانسوں میں پوچھا۔

”شاید اسکے پاس دیواروں کے پار دیکھنے کی شکتی ہے اور اب تیاری کرو بہت زبردست کلاس ہونے والی ہے۔“ ضرار نے چڑ کر جواب دیا۔

۔****************۔

حیدر ماسٹر کے ساتھ دوڑ میں مصروف تھا اور پسینے سے حیدر کے سارے کپڑے بھیگ چکے تھے اور وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔

ماسٹر کا گھر شہر سے باہر تھا اور وہاں سے پانچ کلو میٹر دور ایک نہر بہتی تھی۔ وہ پانچ کلو میٹر کبھی تیز چل کر کبھی دوڑ کر یہاں تک پہنچے تھے۔

نہر کے کنارے پہنچ کر حیدر گھاس پر گر کر لیٹ گیا مگر دوسرے ہی لمحے ماسٹر کی ٹھوکر اس کی ٹانگ پر پڑی اور ماسٹر کہنے لگا۔

"اٹھو اور جمپنگ شروع کرو۔" حیدر نے احتجاجی نظروں سے ماسٹر کو دیکھا پھر ناچار کھڑا ہونا پڑا اور ماسٹر کے ساتھ جمپنگ کرنے لگ گیا۔

"یاد رکھو جب بھی کوئی مشقت کا کام کرو تو فوراً جسم کو اچانک ریسٹ نہ دو ورنہ اس کا اثر اعصاب پر پڑتا ہے' ہمیشہ دھیرے دھیرے اپنے جسم کو ریسٹ کی حالت میں لاو۔" ماسٹر نے ساتھ ہی لیکچر شروع کر دیا۔

"جی ماسٹر" اور حیدر کی تو یہ سوچ کر جان نکلی جا رہی تھی ابھی واپس بھی اسی طرح جانا ہو گا۔

اس کے ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ گھر تھا مگر اس کی حالت ابتر ہو چکی تھی۔

آدھے گھنٹے ملا حیدر کو ریسٹ کرنے کا اس کے بعد وہ پھر ماسٹر کے سامنے پیش تھا۔

" آج اگلا سبق ہے بے خوفی کا۔" ماسٹر نے اطمینان سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم نے غزوہ بدر، احد اور دوسری جنگوں کے بارے میں سنا ہو گا جو صحابہ کرامؓ نے لڑیں۔" ماسٹر نے استفسار کیا۔ حیدر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا جانتے ہو تم ان کے بارے میں؟" اگلا سوال آیا۔

"یہی کہ وہ بہت کم تعداد میں ہونے کے باوجود دشمن کو شکست دے دیتے تھے۔ انتہائی بہادر تھے۔ وہ زندہ رہنے کے لیے نہیں بلکہ مرنے اور شہادت کے لیے لڑتے تھے۔" حیدر نے جواب دیا۔

"تم بارہ سال کے ہو چکے ہو؟" ماسٹر نے غور سے اسے دیکھا۔

"جی" حیدر نے مختصر جواب دیا۔

ماسٹر نے پیچھے کرسی سے ٹیک لگائی اور چپ ہو گئے اور اتنی دیر خاموش رہے کہ حیدر کو بے چینی ہونے لگی۔ پتہ نہیں ماسٹر کن سوچوں میں گم ہو گئے تھے۔ پھر آخر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں لیکن ان کے ہونٹ ہلنے لگے اور وہ دھیمی آواز میں کہنے لگے۔

"غابہ مدینہ طیبہ سے چار پانچ میل پر ایک آبادی تھی۔ وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ اٰلہ وسلم کے کچھ اونٹ چرایا کرتے تھے۔ کافروں نے ان کو لوٹ لیا اور جو صاحب چراتے تھے' ان کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو لے کر چل دیے۔ لٹیرے گھوڑوں پر سوار تھے اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ اتفاقاً حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ صبح کے وقت پیدل تیر کمان لئے ہوئے غابہ کی طرف چلے جا رہے تھے کہ اچانک ان لٹیروں پر نگاہ پڑی۔"

"بچے تھے دوڑتے بہت تھے' کہتے ہیں کہ ان کی دوڑ ضرب المثل اور مشہور تھی۔ یہ اپنی دوڑ میں گھوڑے کو پکڑ لیتے تھے اور گھوڑا ان کو نہیں پکڑ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی تیر اندازی میں بھی مشہور تھے' حضرت سلمہ بن اکوع نے مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے ایک پہاڑی پر چڑھ کو لوٹ کا اعلان کیا اور خود تیر کمان ساتھ تھی ہی لیے ان لٹیروں کے پیچھے دوڑ لئے حتیٰ کے ان کے پاس پہنچ گئے اور تیر مارنے شروع کئے اور پھرتی سے مسلسل تیر برسائے کہ وہ لوگ سمجھے کہ کوئی بڑا مجمع آ گیا ہے اور

حضرت سلمہ بن اکوع خود تنہا تھے اور پیدل بھی تھے۔ اس لئے جب کوئی گھوڑا لوٹا کر پیچھا کرتا تو کسی درخت کی آڑ میں چھپ جاتے اور آڑ میں سے اس کے گھوڑے کے تیر مارتے جس سے وہ زخمی ہوتا اور وہ اس خیال سے واپس جاتا ہے کہ اگر گھوڑا گر گیا تو میں پکڑا جاؤں گا۔"

"حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غرض یہ کہ وہ بھاگتے رہے اور میں پیچھا کرتا رہا حتیٰ کہ کتنے اونٹ انہوں نے حضورؐ کے لوٹے تھے وہ میرے پیچھے ہو گئے اور اس کے علاوہ تیس برچھے، تیس چادریں وہ اپنی چھوڑ گئے۔ اتنے میں عینیہ بن حصن کی ایک جماعت مدد کے طور پر ان کے پاس پہنچ گئی اور لٹیروں کو قوت حاصل ہو گئی۔ یہ بھی ان کو معلوم ہو گیا کہ میں اکیلا ہوں۔ انہوں نے کئی آدمیوں کے ساتھ مل کر میرا پیچھا کیا۔ میں ایک پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہ بھی چڑھ گئے' جب میرے قریب ہو گئے تو میں نے زور سے کہا کہ ذرا ٹھہرو پہلے میری ایک بات سنو' تم مجھے جانتے بھی ہو کہ میں کون ہوں؟"

"انہوں نے کہا کہ بتا کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں ابن اکوع ہوں' اس ذات پاک کی قسم جس نے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزت دی۔ تم میں سے اگر کوئی مجھے پکڑنا چاہے تو نہیں پکڑ سکتا اور تم میں سے جس کو میں پکڑنا چاہوں وہ مجھ سے ہرگز نہیں چھوٹ سکتا۔"

"حضرت سلمہ بن اکوع کے متعلق چونکہ عام طور سے یہ شہرت تھی کہ بہت زیادہ دوڑتے ہیں حتیٰ کہ عربی گھوڑا بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لئے یہ دعویٰ کچھ عجیب نہیں تھا۔ لٹیروں نے بھی ان نے بارے میں سن رکھا تھا۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اسی طرح بات چیت کرتا رہا اور

میرا مقصود یہ تھا کہ ان لوگوں کے پاس تو مدد پہنچ گئی ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے میری مدد بھی آجائے کہ میں بھی مدینہ میں اعلان کر کے آیا تھا۔"

"غرض اسی طرح میں ان سے بات کرتا رہا اور درختوں کے درمیان سے مدینہ منورہ کی طرف غور سے دیکھتا رہا کہ مجھے ایک جماعت گھوڑے سواروں کی دوڑتی آتی ہوئی نظر آئی۔ ان میں سب سے آگے اخرم اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے آتے ہی عبد الرحمن فزاری پر حملہ کیا اور گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیے جس وہ گھوڑا گرا اور عبد الرحمن نے گرتے ہوئے ان پر حملہ کیا جس سے وہ شہید ہو گئے اور عبد الرحمن فوراً ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔"

"ان کے پیچھے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ تھے فوراً انہوں نے حملہ شروع کر دیا۔ عبد الرحمن نے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے پیر پر حملہ کیا۔ جس سے وہ گرے اور گرتے ہوئے انہوں نے عبد الرحمن پر حملہ کیا۔ جس سے وہ قتل ہو گیا اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فوراً اس گھوڑے پر جو اخرم اسدی رضی اللہ عنہ کا تھا اور اب عبد الرحمن سوار تھا سوار ہو گئے۔" (ابو داؤد)

"اکثر تواریخ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت صرف بارہ تیرہ برس کی تھی۔ بارہ تیرہ برس کا لڑکا گھوڑے سواروں کی ایک جماعت کو اس طرح بھگا دے کہ ہوش و حواس گم ہو جائیں اور جو کچھ لوٹا تھا وہ بھی چھوڑ کر اپنا مال بھی چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ یہ اسی اخلاص کی برکت تھی، جو اللہ جل شانہ نے نہیں عطا کیا تھا۔" ماسٹر نے آنکھیں کھولیں اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو رہیں تھیں۔ حیدر دم بخود ماسٹر کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"وہ تمہارے ہم عمر تھے حیدر۔" ماسٹر نے حیدر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا تم میں اتنی ہمت ہے؟ تم اتنی ہمت دیکھا سکو گ؟" ماسٹر نے پوچھا تو حیدر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اب آتے ہیں ان وجوہات کی طرف جن کی وجہ سے ان میں یہ خوبیاں تھیں' بے شک ان کا مضبوط ایمان ایک بنیادی اور بہت بڑی وجہ تھا لیکن اس کے علاوہ اور بھی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے یہ خوبیاں ان کے اندر تھیں۔ ہم ویسا ایمان تو نہیں پا سکتے جو حضورؐ کی موجودگی میں صحابہؓ کا تھا مگر ان دوسری وجوہات جن کی بنا پر ان میں یہ خوبیاں تھیں ان کو ضرور اپنا سکتے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے ایمان پر بھی محنت کریں گے اگر یہ دونوں کام تم کر پائے تو تم بھی سلمہ بن اکوعؓ کے نقش قدم پر چل سکتے ہو۔" ماسٹر نے یہاں پہنچ کر تھوڑا سا توقف کیا اور پھر کہنے لگے۔

"آؤ اب ان وجوہات کے بارے میں بات کرتے ہیں جن کی وجہ سے ان میں یہ خوبیاں تھیں۔" حیدر اپنی کرسی پر آگے کی طرف جھک گیا اور ماسٹر کے چہرے پر نظریں جمائے ہمہ تن گوش ہو گیا۔

۔*****************۔

عمر کو ایک مہینہ ہو چکا تھا بابا کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے۔ سارے کام چھوڑ کر وہ بابا کی طرف چل پڑا۔ پتہ نہیں کیا بات تھی بابا صرف مہینے کے پہلے ایک ہفتے میں ہی جمعرات اور جمعہ کے دن مسجد میں ملتے تھے۔

آگے پیچھے پتہ نہیں کہاں چلے جاتے تھے۔ اس بارے میں بابا نے کبھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ ایک دو بار عمر نے پوچھا تو ٹال گئے تھے۔ مسجد پہنچ کر عمر نے وضو کیا اور سامنے ایک کونے میں بیٹھے بابا کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

”السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکتہ“ عمر نے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکتہ“ بابا نے جواب دیا اور عمر کی طرف دیکھ کر شگفتگی سے مسکرانے لگے۔

”آؤ میاں کیا حال چال ہیں؟“ بابا نے حال دریافت کیا۔

”الحمد اللہ بابا شکر ہے اس پاک ذات کا۔“ عمر نے جواب دیا۔

”بتاؤ کیسا گزرا یہ مہینہ؟“ بابا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بہت اچھا‘ میری امید سے بھی اچھا۔ آپ کی ہدایت پر پورا مہینہ حتی الامکان نظر کی حفاظت کی‘ شروع شروع میں تو بہت مشکل ہوئی لیکن پھر اللہ کا بہت کرم ہوا۔ عادت بن گئی نظریں جھکا کر چلنے اور دوسروں سے بات کرنے کی۔“ عمر نے ادب سے جواب دیا۔

”اور نتیجہ کیا حاصل ہوا؟ کچھ ملا اسکے بدلے؟“ بابا نے غور سے عمر کو دیکھتے ہوئے نے پوچھا۔

”جی بابا بہت اچھا صلہ ملا ہے۔ پہلے فجر پر زبردستی اٹھائے جانے پر بھی نہیں اٹھتا تھا۔ اب تہجد پڑھنے کی توفیق بھی مل رہی ہے اور دل بھی خود بخود ہر نیکی کی طرف راغب ہونے لگا ہے۔“ عمر نے پرسکون لہجے میں کہا۔

”اور ان نمازوں کی کیسی حالت ہے؟“ بابا نے استفسار کیا۔

”کیا مطلب بابا جی؟“ عمر نے اچھنبے سے کہا۔

”کیا نمازوں میں دنیا کے خیال آنا بند ہو گئے؟“ بابا نے پوچھا۔

"بابا جی وہ کیسے ختم ہو سکتے ہیں' وہ تو آتے رہتے ہیں اور بہت زیادہ آتے ہیں۔" عمر کو مزید حیرانگی ہوئی۔

"ختم نہ بھی ہوں لیکن ان کو سنبھالا جاسکتا ہے۔ انتہائی کم کیا جا سکتا ہے۔ لگتا ہے تم نے ہوم ورک مکمل نہیں کیا۔" بابا نے آہستہ سے کہا۔

"کیا وجہ ہے کہ انسان اگر موویز دیکھے, گانے سنیں ناچ گانے کا فنکشن ہو تو ساری ساری رات بالکل نیند نہیں آتی لیکن جب عبادت کرنے لگے تو تھوڑی دیر بعد ہی نیند آنے لگ جاتی ہے۔ ساری رات عبادت تو دور کی بات۔" بابا کے سوال نے عمر کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ واقعی بابا کی بات سو فیصد درست ہے جب بھی عبادت کرنے لگیں تو نیند کیوں آنے لگ جاتی ہے۔

بابا خود ہی جواب دیتے ہوئے کہنے لگے۔

"یہی سوال کسی نوجوان نے ایک بزرگ سے کیا تھا تو ان بزرگ نے یہ جواب دیا کہ جب انسان گناہوں کی محفل میں ہوتا ہے تو روح کانٹوں پر ہوتی ہے اور روح کانٹوں پر ہو تو نیند کیسے آئے گی؟ اسی طرح انسان عبادت میں مشغول ہو تو روح کے لیے پھولوں کا بستر ہے۔ جس پر جاتے ہی نیند آجاتی ہے۔ بیٹا! روح کا جسم والا حساب نہیں ہوتا کہ چوٹ لگے تو درد ہو۔" بابا تھوڑی دیر کے لیے چپ ہوئے پھر پوچھنے لگے۔

"بے جان چیزوں سے نظر کی حفاظت کی تھی؟"

-**************-

”بابا مجھے سمجھ ہی نہیں آئی کہ بے جان چیزوں سے نظر کی حفاظت کا کیا مطلب ہے؟“عمر نے سادگی سے کہا۔ باباجی نے دیوار سے ٹیک لگائی اور عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے بھی نہیں پتہ تھا مگر ایک اللہ والے سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے ساتھ سفر کر رہا تھا وہ کار میں نظریں جھکائے بیٹھے تھے۔ کافی طویل سفر تھا مگر ان کی نظریں ایک بار بھی اٹھ کر شیشوں سے پار نہیں گئیں‘ سارے راستے وہ اسی طرح بیٹھے رہے۔ ایک مسجد میں کچھ علماء کرام نے انہیں فیض حاصل کرنے کے لیے بلایا تھا۔“

”مجھے تھوڑی حیرت ہوئی تو میں نے ان سے پوچھ لیا جب ہم منزل پر پہنچے کہ آپ سارے راستے نیچے کیوں دیکھتے رہے۔“ بابا اس بات کو درمیان میں چھوڑ کر کہنے لگے۔

”بیٹا جو اللہ والے ہوتے ہیں‘ ان کا ہر عمل نوٹ کیا کرو کیوں کہ ان کے ہر عمل کے پیچھے کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ ہاں تو میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا راستے میں بے شمار سائن بورڈز لگے ہوتے ہیں جن پر تصاویر ہوتی ہیں کچھ تو بے ہودہ اور نیم عریاں بھی ہوتی ہیں‘ ان پر نظر پڑ جاتی ہے اس لیے میں باہر دیکھتا ہی نہیں۔“ بابا تو خاموش ہو گئے لیکن عمر حیرت کی شدت سے بابا کو دیکھنے لگا اور بولا۔

”مطلب یہ کہ بے جان چیزوں سے نظر کی حفاظت کا مطلب سائن بورڈز وغیرہ ہیں۔“

”صرف سائن بورڈز ہی نہیں‘ اس کا مطلب ہے ہر ایسی چیز ٹی وی، موبائل، فیس بک، رسائل ہر وہ چیز جہاں آپ کی نظر صنف مخالف پر پڑتی ہو ان سے نظر کی حفاظت کرنی ہے۔ ایسے ہی تو تصویر حرام قرار نہیں دی گئی نا اسلام میں‘ یہاں تک کہا گیا ہے جس گھر میں تصویر ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔“ بابا نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر بابا یہ کیسے ممکن ہے؟ آج کے اس دور میں یہ ناممکن ہے۔ آپ کس دور کی باتیں کر رہے ہیں یہ باتیں اگر کسی کے سامنے کر بیٹھوں گا تو میرا تو مذاق بن جائے گا دقیانوس کہلاوں گا۔" عمر کو سمجھ نہیں آرہی تھی وہ کیسے بابا کو اپنی بات سمجھائے۔

" آج کے دور میں یونیورسٹی، کالج میں ایک انسان آخر کہاں تک ان چیزوں سے بچ سکتا ہے بابا۔" عمر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اور آج کے دور میں یونیورسٹی کے کتنے سٹوڈنٹس ہیں جو ولی بننا چاہتے ہیں اور ایسا بننے کے لیے کوشش کرتے ہیں؟" بابا نے یہ سوال پوچھا تو عمر کو چپ لگ گئی۔

"بیٹا تم میرے پاس آئے تھے میں نے کہا تھا میں جتنی مدد کر سکا کروں گا تو میں بس اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔" بابا یہ کہہ کر چپ ہو گئے۔

عمر سوچ میں پڑ گیا بابا جو کہہ رہے تھے وہ بہت مشکل تھا لیکن عمر نے سوچا اگر اتنا آسان ہوتا تو آج ہر کوئی ولی ہوتا۔

"لیکن بابا انسان جتنی بھی کوشش کر لے نظر تو پڑ ہی جاتی ہے۔" عمر نے سوال کیا تو بابا مسکرائے اور کہنے لگے۔

"بات تو نیت کی ہوتی ہے۔ انسان نیت کر کے عمل کرنے کی کوشش کرے، بس اگر نظر پڑ بھی جائے تو فوراً جھکا لو۔ یہ بھی اسی ضمرے میں آتا ہے۔"

"یہ تو عورت اور مرد دونوں کے لیے یہ فائدہ مند ہے' عورت تو زیادہ تر گھر ہی رہتی ہے۔" عمر کے ذہن میں ایک اور بات آئی تو اس نے پوچھ لیا۔

"عورت کو تو زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کہ نہ خود کسی کو دیکھے' نہ کسی کو خود کو دیکھنے کا موقع دے۔ ہاں اس کا فائدہ مرد اور عورت دونوں کو ہوگا۔ وہ فائدہ ہو گا جو کہیں کسی یونیورسٹی سے کسی کتاب سے نہیں ملے گا۔ وہ ذائقہ ملے گا جو کبھی نہ چکھا ہو گا۔" بابا نے دھیمے سے کہا۔

"بابا نظر کا پردہ ہے تو بہت مشکل کام مگر ایسا کر لیا جائے تو کیا فائدہ ملے گا اس کے بدلے۔ عمر نے تجسس سے پوچھا۔

"حلاوت ملے گی' ایمان کی حلاوت مل جائے گی۔" بابا نے ایسے کہا جیسے یہ کوئی بہت بڑی اور نایاب چیز ہو۔

"اور بابا یہ حلاوت کا کیا مطلب ہے۔" عمر کو سمجھ نہ آئی۔

"کئی لوگ نماز پڑھتے ہیں' کوئی زبردستی, کوئی فرض سمجھ کر, کوئی پریشانی ختم کرنے کی دعا کے لیے, کوئی جنت پانے کی خاطر تو کوئی دوزخ سے بچنے کے لیے, کوئی عادت بن جانے کی وجہ سے، یہ سب نماز پڑھنے والے نماز نہ پڑھنے والوں سے بہت زیادہ افضل ہیں مگر...... مگر صرف چند لوگ ہیں جو ایمان کی حلاوت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔"

"صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ' نے حلاوت عطا کی تھی۔ جو میں سمجھتا ہوں حلاوت اللہ کی سب سے بہترین عطاوں میں سے ایک عطا ہے۔ جو بہت کم لوگوں کو ملتی ہے۔" بابا وہ رمزیں باتیں بتانے کی کوشش کر رہے تھے جو عمر نے کبھی سنی بھی نہیں تھیں۔

"بابا میں اب بھی نہیں سمجھ پا رہا یہ حلاوت کیا ہوتی ہے۔" عمر نے بے بسی سے کہا۔

"میں سمجھاتا ہوں۔" بابا نے سیدھے بیٹھتے ہوئے کہا جیسے وہ کسی بہت بڑے خزانے کا پتہ بتانے لگے ہوں۔

عمر کے دل میں خیال آیا کاش اس کے سو کان ہوتے اور ایسی یاداشت ہوتی کہ وہ بابا کے ایک ایک حرف کو سن کر محفوظ کر لیتا۔

–****************–

" آج تو بہت بری ہونے والی ہے' بابا جانی کا رول توڑا ہے پتہ نہیں کیا ہو گا۔"خولہ نے ٹہلتے ہوئے کہا۔

"سب تمہارا قصور ہے' تمہاری وجہ سے میں بھی پھنستا ہوں۔ کتنے سکون سے بیٹھا تھا لاہور میں' تمہاری کال آئی میسنی کہیں کی۔ کیسے منتیں کر کے بلایا تھا۔ بڑی مشکل میں پھنس گئی ہوں' ایمر جنسی ہے' تمہاری سہیلی کے معاملے میں پڑا تھا اور لڑائی ہوئی۔ نتیجہ کالج سے باہر جب بھی تم ساتھ ہوتی ہو قسمت پھوٹ جاتی ہے میری اور کلاسیں شروع ہو جاتے ہیں اور وہ بھی یاد ہو گا تمہیں جب۔۔۔۔۔" ضرار دل کی بھڑاس نکال ہی رہا تھا کہ خولہ نے درمیان میں ٹوک دیا۔

"بس بس مجھے پتہ ہے کہ اب بچپن سے اب تک کی ساری ناکامیوں اور حالات کا ذمہ دار مجھے ٹھہراو گے۔ سارا نزلہ اب تم نے مجھ پر ہی گرانا ہے۔" خولہ نے جل بھن کر کہا۔

"تو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔" ضرار نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"میں نے بھی بہت کچھ کیا ہے تمہارے لیے' جب تم زخمی ہو کر آئے تھے پانی تک کا گلاس میں لا کر دیتی تھی۔" خولہ نے جتاتے ہوئے کہا۔

"زخمی بھی تمہارے چکروں میں ہی ہوا تھا۔ اپنا یہ احسان اپنے پاس رکھو۔" ضرار نے بھی بھڑک کر کہا۔

اس سے پہلے کہ ان کے درمیان مزید تکرار ہوتی بابا جانی اندر آتے دیکھائی دیے وہ دونوں فوراً اٹینشن ہو گئے اور منہ لٹک گئے۔

"آج تم دونوں نے انتہائی گھٹیا حرکت کی ہے۔ یہ سیکھایا تھا میں نے کہ دوسروں کی باتیں چھپ کر سنو۔" بابا نے آگ بگولہ ہو کر کہا۔

دونوں کے منہ پر چپ تھی۔

"تمہاری یہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے کی عادت کب جائے گی خولہ۔" بابا نے برہمی سے کہا۔

"میں معافی مانگتی ہوں بابا جانی لیکن یہ معاملہ ہم سے ہی شروع ہوا تھا اور آپ کا ردعمل دیکھا تو بہت زیادہ تجسس ہوا۔ ساتھ ہی اس بات کا یقین بھی ہے کہ قاسم کا تعلق یقیناً کسی برے کام یا برائی سے ہے

اور برائی سے لڑنا' حق پر ڈٹے رہنے کا سبق بچپن سے آپ ہی نے ہمیں دیا ہے نا۔" خولہ نے انتہائی دھیمے لہجے میں کہا۔

"میں نے یہ بھی سیکھایا تھا کہ بڑوں کی ماننی ہے۔ صرف اپنی مطلب کی باتیں یاد رہتی ہیں۔" بابا کے لہجے میں ابھی ناراضگی تھی۔

"اب تم دونوں کی سزا یہ ہے........" بابا اس سے پہلے کچھ کہتے روم کا دروازہ کھلا اور ام ہانی اندر داخل ہوئی۔ وہ بابا جانی کہتے ہوئے دوڑتے ہوئی آئی لیکن راستے میں کرسے کے پائے سے ٹکرا گر گئی۔

بابا جانی فوراً آگے بڑھے اور اس کو اٹھایا مگر ام ہانی سے ٹھیک سے کھڑا نہ ہوا گیا۔ وہ بابا کو پکڑ کر ان کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی۔ بابا نے اس کو کندھوں پکڑ کر سہارا دے کر کرسی پر بیٹھا دیا۔

"کیا کرتی ہو' دیکھ کر چلا کرو ننھی بچی۔" بابا نے پچکار کر کہا اور ام ہانی کو گود میں اٹھا کر کندھے سے لگا لیا۔ اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔ کندھے سے لگ کر روتی ام ہانی کا منہ خولہ اور ضرار کی طرف تھا۔ ام ہانی نے خولہ کی طرف دیکھ کر زبان نکال کر منہ چڑا دیا۔

خولہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور پھر اچانک خولہ نے بھی ام ہانی کی طرف زبان نکال کر منہ چڑا دیا۔

اور ام ہانی نے تھوڑا اور زور سے رونا شروع کر دیا۔

خولہ کو اتنی ہنسی آئی کہ اس نے بڑی مشکل سے ہاتھ منہ پر رکھ کر ہنسی ضبط کی۔ اس کوشش میں اسکا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ادھر ضرار ان دونوں کو دیکھ کر لال پیلا ہو رہا تھا۔

اگر بابا جانی نے دیکھ لیا تو۔ دل ہی دل میں وہ تہیہ کر رہا تھا کہ اس آفت کی پڑیا خولہ سے اب دور ہی رہے گا لیکن خولہ اور ام ہانی کے چہروں کے ری ایکشن دیکھ کر بے اختیار اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ رینگ گئی۔

بابا جانی نے ام ہانی کو کرسی پر بٹھا کر خود اس کا پاؤں دیکھنے لگ گئے اور کہنے لگے۔

"موچ بھی نہیں آئی اور اتنی زیادہ چوٹ بھی نہیں لگی پھر اتنا رو کیوں رہی ہو۔" ام ہانی کی طرف دیکھ کر بابا نے کہا لیکن پھر اچانک چونک گئے کیونکہ ام ہانی آوازیں تو نکال رہی تھی مگر آنسو ناپید تھے۔ وہ سارا معاملہ سمجھ گئے اور ام ہانی کو کان سے پکڑ لیا۔

"اچھا اب تم نے بھی شرارتیں شروع کر دیں۔" بابا شگفتگی سے ام ہانی کو کہنے لگے۔

"پلیز پلیز... پلیز بابا جانی بھیا اور آپی کو کچھ نہ کہیں۔" ام ہانی نے لاڈ سے کہا۔

"تو تم ان کی سائیڈ لینے آئی ہو؟" بابا نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"بابا کیا آپ کو اچھا لگے گا چھوٹوں کے سامنے بڑوں کو ڈانٹتے ہوئے؟" ام ہانی نے پینترا بدلتے ہوئے کہا

اس کی بات سن کر بابا کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آئی لیکن بابا نے فوراً دبالی۔

"تم پر بھی خولہ کا اثر ہونے لگ گیا ہے' جاؤ تمہاری سفارش مان لی۔" بابا نے ام ہانی کے کان ہلکے سے کھینچتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو بابا جانی۔" ام ہانی نے خوشی سے کہا اور باہر کی طرف بھاگ گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔" بابا جانی نے دونوں کو کہا اور خود بھی کرسی پر بیٹھ گئے۔

”پوچھو کیا پوچھنا ہے۔ جو ضروری ہوا بتادوں گا تاکہ تمہارا تجسس دور ہو سکے۔“

”باباجانی یہ کیا چکر ہے قاسم کس چیز میں انوالو ہے۔“ خولہ نے تیزی سے پوچھا۔

”نو آنسر نیکسٹ۔“ بابا نے اطمینان سے جواب دیا۔

”یہ منصور کون ہے؟“ ضرار نے پوچھا۔

”نو آنسر نیکسٹ' اس حوالے سے کچھ نہیں بتاؤں گا۔ جو میں چھپانا چاہ رہا ہوں۔“ بابا نے پھر اطمینان سے جواب دیا۔

”اوکے پھر یہی بتادیں کہ منصور کو کیسے پتہ چلا ہم باہر ہیں؟“ خولہ نے پوچھا۔

”وہ تم دونوں کو بچپن سے جانتا ہے اور بہت ذہین، ہوشیار بھی ہے۔ جب تم سے کوئی ایک دروازہ کے آگے آیا تو بے شک دروازہ بند تھا مگر کمرے میں روشنی کم تھی اور باہر راہداری میں زیادہ اس لیے اس کا سایہ دروازے پر پڑا تھا۔ اور دروازے کے نیچے درز سے اس نے سائے کی لہر دیکھ لی تھی۔ وہ سمجھ گیا خولہ ہو گی کیونکہ اس کی نیچر وہ جانتا ہے۔ اسے اندازہ تھا اگر خولہ یہاں ہے پھر ضرار بھی ضرور یہیں کہیں ہو گا اور دوسری واحد جگہ باتیں سننے کی کھڑکی تھی۔ اس لیے اس کے دماغ نے سو فیصد درست کام کیا۔“ بابا نے تفصیل بتائی تو وہ دونوں حیران رہ گئے۔

پھر بابا خولہ سے مسکراتے ہوئے کہنے لگے۔

”ایک تم ہی ذہین نہیں' تم سے زیادہ ذہین بھی موجود ہیں۔“

”وہ ہمیں کیسے جانتا ہے؟“ خولہ نے حیرانگی سے پوچھا۔

”نو آنسر۔“ بابا نے لاپرواہی سے کہا اور اٹھ کر باہر چلے گئے۔

خولہ کو چڑ سی ہونے لگی۔

”بابا کیوں نہیں بتا ہے؟“ ضرار نے حیرانی سے پوچھا۔

”کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ہم ان جھمیلوں میں پڑیں اور ہماری پڑھائی ادھوری رہ جائے۔“ خولہ نے تنک کر کہا۔

”کاش ہمیں پتہ چل سکتا۔“ ضرار نے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔

”پتہ لگ سکتا ہے اگر تم ساتھ دو۔“ خولہ نے مسکرا کر کہا۔

”وہ کیسے؟“ ضرار نے حیران ہو کر پوچھا۔

”میں ایک بندے کو جانتی ہوں اور مجھے یقین ہے وہ کچھ نہ کچھ جانتا ہو گا یا جاننے کی راہ دکھا دے گا۔“ خولہ نے بڑے یقین سے کہا۔

”پھر پتہ کرو۔" یہ کہہ کر ضرار باہر نکل گیا۔

خولہ دل ہی دل میں پلان بنانے لگی اور تصور میں منصور کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

دیکھتی ہوں تم میں کتنی ذہانت ہے اور یہ معاملہ بھی اور جو کچھ بابا کا مقصد ہے وہ تم سے پہلے پورا کروں گی۔

دو ذہین دماغوں کا ٹکڑاو جانے کیا گل کھلانے والا تھا۔

حیدر بغور ماسٹر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”عرب میں رواج تھا کہ جب بھی بچہ پیدا ہوتا تو اسے داعی کے حوالے کر کے شہر سے دور دیہات وغیرہ میں بھیج دیتے تھے' جہاں وہ اپنے بچپن کے ابتدائی سال گزار کر واپس آجاتا تھا۔ ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ ایک تو بچہ صحت افزاء مقام پر رہے اور دوسرا اس لیے تاکہ بچہ بچپن سے ہی سختیوں اور مشکلات کا عادی ہو جائے۔ تیسرا اس لیے تاکہ وہ خالص لب ولہجہ سیکھ سکیں۔“

”اس کے علاوہ وہاں لڑائیاں جھگڑے معمول کی بات تھیں۔ جس کی وجہ سے بچپن ہی سے بچہ کو لڑائیوں کے داؤ پیچ، تیر اندازی، تلوار بازی وغیرہ کی طرف عموماً شوق اور رغبت رہتی تھی اور اس طرف خصوصی توجہ بھی دی جاتی تھی۔ یہ وہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر ایک ایسی شخصیت سامنے آتی تھی جو بہادر، جنگجو اور سختیوں کی عادی ہوتی تھی۔“

”ایمان کو ملا کر ان سب خصوصیات کی طاقت بہت زیادہ ہو گئی اور ایمان خود ایک ایسی چیز تھی جس نے ان کی شخصیت کو مضبوط سے مضبوط تر بنا دیا۔ جس کی بنیاد پر صحابہؓ نے وہ کامیابیاں سمیٹیں کہ دنیا حیران رہ گئی۔“ ماسٹر یہاں پہنچ کر چپ ہو گیا پھر بولے۔

”آج ہم آسانیاں ڈھونڈتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں ہماری اولاد کو گرم ہوا تک نہ لگے حالانکہ بچوں کو سختیوں کا عادی بنانا چاہیے دوڑ، ورزش، لڑنے کا فن سیکھنا ان چیزوں کا تو خواب وخیال بھی نہیں رہا اب' لیکن مجھے پتہ ہے عنقریب وہ دور آنے والا ہے جب یہ سب کرنا مجبوری بن جائے گی۔“

”ماسٹر وہ کیسے ؟ کیا آپ کہہ رہے ہیں کیا تلواروں والا دور واپس آئے گا۔“ حیدر نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ تو مجھے نہیں پتہ لیکن یہ کنفرم ہے ایک نیا دور آنے والا جس میں بہت کچھ بدل جائے گا۔“ ماسٹر نے بڑے وثوق سے کہا۔

”ماسٹر اس بارے میں کچھ بتائیں۔“ حیدر نے تجسس سے پوچھا۔

۔ * * * * * * * * * * * * ۔

سیٹھ علیم بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہے تھے جبکہ قاسم سر جھکائے کرسی پر بیٹھا تھا۔

”برسوں کی کمائی نیک نامی داو پر لگ چکی ہے۔ اب پتہ نہیں وہ واقعی کوئی چور تھا یا کوئی ہمارے چہرے بے نقاب کرنے پر تلا ہے۔“ علیم نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ قاسم کا جھکا سر مزید جھک گیا کیونکہ وہ اس معاملے میں خود کو قصوروار سمجھ رہا تھا۔

”کیا بات ہے ؟ میں کل سے تم دونوں کو بہت پریشان دیکھ رہی ہوں۔“ قاسم کی ماں نیلم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں کچھ کاروباری مسائل ہیں جو تمہاری سمجھ سے باہر ہیں۔“ علیم صاحب نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

”ایسے بھی کون سے مسائل ہیں کہ تم دونوں کی نیندیں ہی اڑ گئیں ہیں۔“ نیلم نے جرح کرتے ہوئے کہا۔

”کھانا کچھ نہیں، ہم ہینڈل کر لیں گے۔“ علیم نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

اسی دوران انٹر کام بجا اور گارڈ نے ان کے سیکورٹی چیف نعمان کے آنے کی اطلاع دی۔
قاسم اور علیم تیزی سے نعمان کے کنٹرول روم کی طرف لپکے۔

کمرے میں داخل ہوئے تو سامنے نعمان کرسی پر بیٹھا پانی کی بوتل سے منہ لگائے پانی پینے میں مصروف تھا۔ اس کی حالت ابتر تھی آنکھیں سرخ جیسے ساری رات سویا نہ ہو۔

”کیا بنا کچھ پتا چلا؟“ علیم نے بے تابی سے پاس آکر پوچھا۔ نعمان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”میں نے موقع واردات کا جائزہ لیا ہے اور تحقیق بھی کی ہے مگر وہاں کوئی سی سی ٹی وی کیمرہ نہیں۔ آس پاس اس سے کچھ آگے دو کیمروں میں ایک سیاہ پوش جاتا نظر آیا ہے بس۔“

”بائیک کا ماڈل، کوئی پہچان؟ بائیک کا نمبر کچھ تو ملا ہوگا؟“ علیم نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔

”میں ان سارے پوائنٹس پر پہلے ہی کام کر چکا ہوں لیکن کوئی سراغ نہیں، وہ بہت ہوشیار تھا۔ بائیک کا انتہائی کامن ماڈل استعمال کیا گیا ہے اور نمبر پر کیچڑ اور مٹی وغیرہ لگی تھی۔ جس سے نمبر نہیں پڑھا جا سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جان بوجھ کر لگائی گئی ہو، ویسے تو بائیک بالکل صاف تھی۔“ نعمان نے جواباً کہا۔

قاسم اور علیم دونوں کے چہرے افسردہ ہو گئے۔

”پلان بنانے والا انتہائی ذہین ہے۔ اس نے کوئی بھی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جہاں سے اسکا کوئی سراغ مل سکے۔“ نعمان نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

”میں اس کھوکھے پر بھی گیا جس کے موبائل سے عمار کو کال کی گئی تھی۔ وہاں سے بھی کال کرنے والے کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ البتہ اس کے سامنے والی دکان کے باہر کیمرہ لگا تھا۔ جس کی سی سی ٹی وی فوٹیج میں لے آیا ہوں۔“ نعمان نے ایک یو ایس بی جیب سے نکالتے ہوئے کہا اور اپنے لیپ ٹاپ سے لگا کر اس میں ایک ویڈیو پلے کر دی۔

کھوکھے والے کے پاس کافی رش تھا۔ نعمان نے ویڈیو فارورڈ کر کے اس گھنٹے کی ویڈیو لگائی جس دوران عمار کو کال کی گئی تھی۔

جو بھی شخص کال کے لیے آ رہا تھا نعمان اس کی تصویر سیو کرتا جا رہا تھا۔

اس کا پلان یہ تھا کہ اب ان بندوں کو ایک ایک کر کے دیکھے گا اور تحقیق کرے گا۔ شاید ان میں کوئی ان کا مطلوبہ بندہ نکل آجائے۔ ویڈیو چل رہی تھی قاسم اور علیم کی متلاشی نظریں بھی سکرین پر تھیں۔

ایک عبایا پہنے نقاب پوش عورت کھوکھے پر آئی۔ کھوکھے والے نے اس کی بات سن کر موبائل اسے پکڑا دیا۔ لڑکی کافی دیر موبائل پر نہ جانے کیا کرتی رہی پھر جا کر اس نے کال کر کے فون کان سے لگایا تھا۔

کال کر کے اس نے فون واپس کیا۔ پیسے ادا کیے۔ جیسے ہی واپس جانے کے لیے مڑی تبھی کیمرہ کی طرف اس کا چہرہ ہوا تو نعمان نے تصویر سیو کرنے کے لیے ویڈیو سٹاپ کی۔ قاسم بے اختیار اپنی جگہ سے اچھلا۔

"ایک منٹ ایک منٹ۔" وہ چلایا اور سکرین کے قریب آ کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ تھوڑا زوم کیا اور اچانک چلا اٹھا۔

"یہ تو خولہ ہے میری کلاس فیلو۔"

"کیا؟" نعمان اور علیم دونوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ہاں یہ وہی لڑکی ہے۔ خولہ میری کلاس میں پڑھتی ہے۔" قاسم نے جوش بھرے لہجے میں کہا۔

"یا تو یہی چور ہے یا اس کا چور کے ساتھ کوئی لنک ہے۔" نعمان نے ویڈیو پر ر کا وقت دیکھ کر کہا۔

"کیونکہ تقریباً یہی وہ وقت ہے جب عمار کو کال کی گئی تھی۔" نعمان نے پر وثوق لہجے میں کہا۔

۔***************۔

آج سنڈے تھا اس لیے خولہ گھر پر تھی۔ ناشتے کے بعد ام ہانی دوڑتی ہوئی خولہ کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

"آپی کوئی ایسا کام بتاؤ جو میں بھائی کو کہوں اور وہ کر نہ سکے لیکن میں وہ کام کر لوں۔ بھائی مجھ سے عجیب عجیب سوال پوچھتا ہے۔"

خولہ نے تھوڑی دیر سوچا پھر مسکراتے ہوئے ام ہانی کے کان میں کچھ کہنے لگی۔ جسے سن کر ام ہانی کھلکھلا کر ہنسنے لگی اور دوڑتی ہوئی ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔

خولہ بھی اسکے پیچھے پیچھے چلی آئی کیونکہ سب ہی وہاں بیٹھے تھے۔ بابا جانی تو رات ہی کو کہیں چلے گئے تھے۔

ام ہانی کاپی اور بال پوائنٹ لے کر بیٹھ گئی اور تھوڑی دیر بعد خود سے دو سال بڑے بھائی عبید سے کہنے لگی۔

”ایک کام ہے جو تم نہیں کر سکتے مگر میں کر سکتی ہوں۔“ عبید ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

”ایسا کوئی کام ہی نہیں جو میں نہ کر سکوں اور تم کر لو۔“ ام ہانی نے خفگی سے کہا۔

”اگر ایسا ہے تو پکڑو یہ بال پوئنٹ۔“ عبید نے جب پکڑ لیے تو ام ہانی نے پوچھا۔

”بتاؤ یہ کس کلر میں لکھتی ہے؟“ عبید نے لکھ کر دیکھا۔

”یہ بلیو ہے۔“

”اب اس سے ریڈ لکھ کر دکھاو۔“ ام ہانی نے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

”بال پوائنٹ بلیو ہے تو اس سے ریڈ کیسے لکھا جا سکتا ہے۔“ عبید تھوڑا حیران ہوا۔ آپی، خولہ اور ضرار مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

”کوئی جادو کر لو کچھ بھی کر لو لیکن ریڈ لکھ کر دکھاو۔“

عبید کافی دیر لکیریں بناتا رہا پین سے مگر وہ بلیو تھی بلیو ہی رہی۔

”نہیں لکھا جا سکتا۔“ عبید نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

ام ہانی ہنسنے لگی اور پین اس کے ہاتھ سے لے کر بولی۔

”چچ چچ اتنا بھی نہیں کر سکتے۔“ ام ہانی نے کاپی پکڑی اور اس کے اوپر لکھنے لگی

D پھر E پھر R

یہ بن گیا ریڈ۔

"دیکھ لو میں نے اس بلیو پین سے ریڈ لکھ دیا۔ تم ہار گئے۔" عبید کھسیانی سی ہنسنے لگا۔

"لو یہ بھی کوئی بات ہے ہوئی۔"

"آپی تو بھائی جان کے بغیر بور ہو رہی ہیں۔" خولہ نے شرارت سے آپی کو کہا۔

"وہ بس پہنچنے ہی والے ہیں۔" آپی نے مسکراتے ہوئے کہا ہی تھی کہ بیل بجنے لگی۔

"لو آ بھی گئے۔" آپی باہر چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد اپنے شوہر کے ساتھ آئی اندر۔

ام ہانی اور عبید اپنے پاپا کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔

"کل کہاں چلے گئے تھے یونیورسٹی کے بعد؟ آپی کہہ رہی تمہاری کوئی میٹنگ ہے۔"خولہ نے پوچھا۔

"ہاں میٹنگ ہی تھی' یونی والوں نے مجھے اپنا ترجمان بنا کر بھیجا تھا۔ وہاں ایک دوست مل گیا اس نے زبردستی روک لیا تھا۔" راشد نے جواب دیا۔

راشد نہ صرف بہنوی تھے خولہ کے بلکہ سر بھی تھے۔ آپی اتنے میں ناشتہ بنانے چلی گئیں۔

"بھائی پلیز ایک کام تھا آپ سے۔" خولہ نے بے چینی سے کہا۔

"ہاں ہاں بولو۔" راشد نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"بھائی وہ پوچھنا تھا شاید آپ کو پتہ ہو بلیک ہنٹ کا کیا مطلب ہے۔" خولہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

بلیک ہنٹ نام سنتے ہی راشد نے چونک کر خولہ کی طرف دیکھا۔

عمر باادب ہو کر بابا کے سامنے بیٹھا تھا۔

بابا نے ٹیک چھوڑ دی اور سیدھے بیٹھ گئے۔ بابا دھیمے مگر پر اثر لہجے میں کہنے لگے۔

"حلاوت ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ مجھے نہیں پتہ کہ میں تمہیں ٹھیک سے سمجھا پاوں یا نہیں مگر اپنی پوری کوشش کروں گا۔" بابا لمحے بھر کے توقف کے لیے چپ ہوئے۔ پھر کہنے لگے۔

"جب ایک لڑکے اور لڑکی میں نئی نئی محبت ہوتی ہے تو شروع شروع میں کیا ہوتا ہے؟ محبوب کا نام لبوں پر تنہائی میں بھی لو تو نام لینے میں بھی مزہ آتا ہے۔ ہر وقت انسان محبوب کی سوچوں میں رہتا ہے۔ کوشش کرتا ہے جتنا ہو سکے اس سے رابطہ رہے۔ ساری ساری رات چھپ کر باتیں ہوتیں ہیں لیکن دل نہیں بھرتا۔ ایک دوسرے کے ساتھ وقت بتانے کو دل کرتا ہے۔ بلاوجہ ہنسی آتی ہے۔ ایک خوش ہو تو دوسرے کو بھی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ ایک کو کوئی غم ہو تو دوسرا ہر ممکن کوشش کرتا ہے اسکا غم دور کرنے کی' فیوچر پلاننگ ہوتی ہے اور ایسا کرنے میں وہ بے حد خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی تصاویر کو دیکھتے ہیں اور دل میں گدگدی سی محسوس ہوتی ہے اور ایسا بہت کچھ ہوتا ہے تمہیں معلوم ہیں نا؟" بابا نے پوچھا۔ عمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

”یہ جذبات صرف مرد و عورت کی محبت پر ہی نہیں‘ بلکہ ہر اس چیز کے متعلق ایسے ہی ابھرتے ہیں جو ہمیں پسند ہوتی ہے۔ چاہے بے جان چیزیں ہی کیوں نہ ہوں۔ مثلاً نئی کار یا کوئی اور نئی چیز۔“ عمر نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

”جی بابا ایسا ہی ہے۔“

”بیٹا جب ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے نا تب اسی طرح کے خالص جذبات اللہ کے لیے ابھرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ کیوں ہم ساری رات عبادت نہیں کر پاتے۔ کیوں ہم نماز کے لیے بھی خود کو زبردستی تیار کرتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس وہ حلاوت ہی نہیں اگر ہے بھی تو انتہائی کم۔“

”بیٹا سنا تو ہو گا رابعہ بصری، جنید بغدادی، وغیرہ اتنی عبادت کرتے تھے۔ فلاں نیک بندہ اتنی عبادت کرتا تھا۔ وہ مجبوراً نہیں کرتے تھے‘ نہ خود کو زبردستی یہ کرنے پر مجبور کرتے تھے بلکہ انہیں حلاوت ملتی تھی۔ انہیں اتنا مزہ آتا تھا کہ باقی ساری لذتیں انہیں محسوس ہی نہیں ہوتیں تھیں۔“ بابا سانس لینے کے لیے رکے اور تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئے پھر جب بولنے لگے تو نہ جانے کیوں ان کی آنکھیں نم ہو گئیں اور ان کی آواز بھرا گئی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے کچھ قطرے گالوں پر اتر آئے اور بھرائی آواز میں کہنے لگے۔

”میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں بیٹا۔ جس کو یہ حلاوت مل جاتی ہے نا اسے اتنا مزہ آتا ہے نماز پڑھنے میں‘ وہ دنیا بھول جاتا ہے۔ وہ بھرے مجمعے میں بھی دل میں اللہ سے باتیں کرتا ہے۔ اسے اللہ کے راستے میں تکلیف ملنے میں بھی اتنا مزہ آتا ہے کہ بے اختیار اللہ سے کہتا ہے تیری خاطر اور تکلیف آئے۔ اسے اللہ کہنے میں بھی سرور محسوس ہوتا ہے۔ وہ سولی چڑھ کر بھی مسکراتا ہے۔ وہ اپنے زخموں کو دیکھ کر قہقے

لگاتا ہے۔ جسے حلاوت مل جائے اس کا دل لگتا ہی مسجد میں ہے۔ دنیا سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ بیٹا جاو جاندار اور بے جان چیزوں سے نظر کی حفاظت کرو۔""

"اللہ دل کی آنکھیں کھول دے گا۔ جسم کے کانوں کو اللہ کو ناپسند کلاموں کو سننے سے روک دو' اللہ روح کے کان کھول دے گا۔ یہ دو کام کر لو بیٹا۔ حلاوت ملے گی' حلاوت مل گئی سمجھو ہر نیکی کی توفیق مل گئی۔" بابا بولتے بولتے تھک گئے تھے۔ انہوں نے پھر ٹیک لگالی اور آنکھیں موند لیں۔

عمر خاموشی سے اٹھا اور سلام کر کے واپس ہو لیا... بابا نے زیر لب سلام کا جواب دیا۔

جب عمر دروازے سے باہر نکلنے لگا تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ بابا سجدے میں پڑے تھے اور انکا جسم ہچکولے کھا رہا تھا۔

اس منظر نے ایسا دل پر اثر کیا کہ عمر کی آنکھوں میں بھی نمی آ گئی۔ مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے جھولی اٹھا کر دل ہی دل میں کہنے لگا۔

"یا اللہ میں نے آج تک کسی کے سامنے جھولی نہیں پھیلائی تو جانتا ہے۔ یا اللہ آج پہلی بار تیرے سامنے جھولی پھیلا رہا ہوں۔ میں منگتا ہوں، فقیر ہوں، تجھے تیری رحمت کا واسطہ دیتا ہوں' مجھے ایمان کی حلاوت نصیب فرما۔ مجھے ایمان کی حلاوت نصیب فرما۔"

بے اختیار اس کی آنکھوں سے دو آنسوؤں کے قطرے اس کی جھولی میں جا گرے۔

-**************-

اِدھر ایک نوجوان عشق حقیقی کی طلب میں تڑپ رہا تھا اُدھر عشق مجازی کی ابتدا ہو چکی تھی۔

عائزہ کبیر کوئی عام لڑکی نہیں تھی۔ لڑکی بہت خوبصورت نہ بھی ہو لیکن امیر ہو تو یہ امیری بھی عام سی لڑکی کو بھی بڑا دلکش بنا دیتی ہے مگر جب خوبصورتی بھی ہو اور امیری بھی یہ تو دو آتشہ والی صورتحال ہو جاتی ہے۔ یہی صورتحال عائزہ کی بھی تھی۔

شہر کے مشہور رئیس خاندان کی اکلوتی بیٹی اور اوپر سے حسین بھی۔ دونوں چیزوں نے اس کی شخصیت کو وہ چاند لگائے جسے پانے کو نہ جانے یونیورسٹی کے کتنے دیوانے خواب دیکھتے تھے۔

حسن ہو تو غرور آ ہی جاتی ہے مگر حسن بھی ہو دولت بھی پھر تو غرور کی انتہا کہاں۔ وہ بھی مغرور تھی۔

مگر پچھلے کچھ دنوں سے وہ بے چین تھی۔ وہ خود کو منفرد سمجھتی تھی مگر جس نے اس کو بے چین کر دیا تھا وہ بھی اتنا ہی منفرد تھا۔ اگر دونوں میں حسن اور دولت کی بنیاد پر موازنہ کیا جاتا تو ایک زمین تھی تو دوسرا آسمان۔ دونوں کے درمیان کوئی جوڑ نہیں تھا۔

مگر عمر کا سادہ سا چہرہ اسکے خیالوں میں ایسے چپکے سے آتا کہ وہ خود بھی چونک جاتی۔

کیا مصیبت ہے۔ وہ کلاس میں بیٹھے بیٹھے بڑبڑائی۔ کیا ہے اس میں۔ کیوں اسکا چہرہ آجاتا ہے خیالوں میں۔ اسے خود پر غصہ آرہا تھا مگر جتنا وہ اسے نظر انداز کرنا چاہ رہی تھی اتنی ہی شدت سے اسکا خیال آجاتا تھا۔

آخر بے بسی سے اس نے اپنا سر ڈیسک پر ٹکا دیا۔
کہیں قریب ہی کسی نے موبائل پر غزل لگا رکھی تھی۔

اے زندگی میں ڈھونڈوں کہاں،،

تجھے ڈھونڈوں کہاں..

ندیا کی لہروں میں،،

اپنوں میں غیروں میں،،

پھولوں میں کلیوں میں،،

سپنوں کی گلیوں میں،،

تتلی کے رنگوں میں،،

اُڑتے پتنگوں میں،،

کھِلتے گلابوں میں،،

بہتے چنابوں میں،،

سات_ آسمانوں میں سارے جہانوں میں..!!!

آواز دے.........

تو ہے جہاں....

اے زندگی میں ڈھونڈوں کہاں،،

تجھے ڈھونڈوں کہاں!!

دیکھا نہیں ہے پھر بھی تیری

صورت بُنتی رہتی ہوں...

تیری آنکھوں کی اپنے دل پر

دستک سنتی رہتی ہوں...

کوئل کی کُو کُو میں.....

صندل کی خوشبو میں...

بادل کے آنچل میں...

ہر لمحہ ہر پل میں...

گاؤں کے پنگھٹ پے،

گلیوں کی چوکھٹ پے،،

برفیلی راہوں میں...

پیڑوں کی بانہوں میں...

سات آسمانوں میں سارے جہانوں میں....

آواز__________دے....،،

آواز دے تُو ہے جہاں_______

اے زندگی میں ڈھونڈوں کہاں،،

عائزہ ان لفظوں میں کھو گئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے واقعی اس کی زندگی کھو گئی ہے اور اب اسے اپنی زندگی کو ڈھونڈنا ہے۔

۔*******************۔

سیٹھ علیم اور قاسم اپنے سیکوریٹی چیف کے ساتھ بیٹھے پلان بنارہے تھے کہ آگے کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے اپنے آپ کو بچا کر۔

نعمان کہہ رہا تھا۔

"جیسے اس چور نے ذہانت دکھائی ہے اب ہماری باری ہے اپنی ذہانت دکھانے کی۔ جو غلطی اس نے کی ہے' ہم وہ غلطی نہیں دہرائیں گے' میں نے جگہ کا تعین کرلیا ہے۔ وہ اپنی بہن کے گھر رہتی ہے۔ یونی سے اس گھر کے راستے میں شہر کا سب سے بڑا قبرستان پڑتا ہے۔ وہ جگہ بیسٹ ہے' آس پاس کوئی کیمرہ بھی نہیں' لنک روڈ ہونے کی وجہ سے ٹریفک بہت کم ہے۔ صرف دو گارڈز بہت ہوں گے اس کام کے لیے جو گن پوائنٹ پر اسے اغوا کر کے فارم ہاوس لے آئیں گے۔ جہاں ہم اس کے انتظار میں ہوں گے نقاب میں سامنے آئیں گے ضرورت پڑی تو وہیں دفنا دیں گے۔" نعمان نے بڑی سفاکی سے کہا۔

"ٹھیک ہے تفشیش کے بعد جو رزلٹ نکلے مجھے بتا دینا۔" علیم نے اٹھتے ہوئے کہا اور قاسم سے مخاطب ہو کر بولے اور باہر نکل گئے۔

"چلو قاسم۔"

قاسم نے باہر نکلنے سے پہلے نعمان کو سرگوشی میں کہا۔

"تفشیش کے بعد مجھے موقع دینا کچھ پرانے حساب چکانے ہیں۔" قاسم کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

"کیوں نہیں' کل پارٹی ہو گی۔" نعمان نے بھی معنی خیز لہجے میں کہا۔

ماسٹر نے ہنس کر کہا۔

"ابھی وقت نہیں آیا تمہارا۔ جب مجھے مناسب لگا پھر بتاوں گا۔" حیدر چپ کر گیا۔

ایک لڑکا لڑکی جو تقریباً حیدر ہی کی عمر کے تھے کمرے میں داخل ہوئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں کی پشت سے تھوڑا تھوڑا خون رس رہا تھا۔ دونوں کے چہروں پر تکلیف کے آثار تھے۔

"یہ میرا بیٹا اور میری بیٹی ہے۔" ماسٹر نے حیدر کو بتاتے ہوئے کہا۔

"جیسا سلوک یہ ہمارے ساتھ کرتے ہیں لگتا تو ایسا ہے جیسے ہمیں روڈ سے اٹھایا ہو۔" پاس سے گزرتے ہوئے لڑکی نے اپنے بھائی سے سرگوشی میں کہا۔

ماسٹر نے تو یہ بات نہ سنی مگر حیدر قریب تھا اس نے سن لی۔ حیدر نے بڑی حیرانی سے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔

"بابا اب بس ہو گئی ہے۔ تھوڑا رحم کریں۔ صبح صبح اچانک نئی اور ہارڈ ایکسرسائزز' اب یہ پنچنگ بیگ پر باکسنگ کر کے ہاتھ ٹوٹ چکے ہیں۔" لڑکی شاید اپنے بھائی سے تیز تھی مسلسل بولے جا رہی تھی۔

"ٹارگٹ پورا ہوا؟" ماسٹر نے کسی بات پر بھی کان دھرے بغیر مطلب کی بات کرتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں۔" لڑکے نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"دین گیٹ آوٹ اور ٹارگٹ پورا کرو' ورنہ آدھا گھنٹہ لگزاپ سزا بھگتو۔" ماسٹر نے سخت لہجے میں کہا۔ دونوں نے احتجاجی نظروں سے اپنے باپ نما ماسٹر کو دیکھا مگر فوراً واپس جانے کے لیے چل پڑے۔

"ٹھہرو۔" ماسٹر کی آواز سنائی دی۔ وہ دونوں واپس مڑے۔ ان کے چہروں پر خوشی کے آثار نظر آنے لگے شاید ہماری جان چھوٹ گئی۔

"یہ حیدر ہے۔ یہ بھی آج سے تمہارے ساتھ پریکٹس کرے گا۔" ماسٹر نے کہا تو حیدر چونکا مگر فوراً کھڑا ہو گیا لیکن ان دونوں کے منہ لٹک گئے۔

"چلو" حیدر بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

"بھائی تو کہاں سے اس جہنم میں پھنس گیا ہے۔" لڑکے نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"اس سے پہلے دیر ہو جائے اور تمہاری ہڈیاں ٹوٹ جائیں' نکل لو یہاں سے بیٹا۔ ورنہ اب کیا ہوئے جب چڑیاں چگ گئی کھیت کہنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔" اس سے پہلے وہ لڑکے کو جواب دیتا فوراً لڑکی نے یہ کہہ کر اپنا حصہ بھی ڈال دیا۔

حیدر حیرانی سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آئی وہ کیا جواب دے۔ اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا۔

"شکریہ۔"

تھوڑی ہی دیر میں وہ جمنازیم ٹائپ کے ایک بڑے ہال میں پہنچ گئے۔ حیدر حیرت سے ادھر ادھر لگی مشینوں اور سازوسامان کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ پنچنگ بیگز کے سامنے پہنچ گئے لیکن حیدر حیران رہ گیا۔

وہ موویز بھی دیکھتا تھا مگر ایسے پنچنگ بیگز اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ پورے کے پورے انسان نما تھے اگر وہ پہلے سے موجود دو ایسے بیگز پر پنچنگ کے نشان نہ دیکھتا تو وہ یہی سمجھتا یہ انسانوں کے پتلے ہیں۔

سامنے دیوار پر ایک بہت بڑا پوسٹر لگا ہوا تھا۔ جس پر ایک انسان کی بڑی تصویر بنی تھی مگر وہ ایسی تصویر تھی جیسے عموماً بیالوجی کی کلاس میں ہوتی ہے۔ اس تصویر میں انسان کی ہڈیاں، رگیں اور دوسرے سسٹم کو دکھایا گیا تھا۔ ہر چیز پر ایک ایرو کے نشان سے اس رگ اور ہڈی کی وضاحت کی گئی تھی کہ یہ رگ کیا کام کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

حیدر کو ایسا لگا جیسے وہ کسی بیالوجی کی لیب میں پہنچ گیا ہو۔

"شروع ہو جاو۔" حیدر نے ماسٹر کی آواز سنائی دی۔

حیدر نے دیکھا لڑکا اور لڑکی دونوں نے اپنے سامنے موجود بیگز پہ پنچنگ سٹارٹ کر دی ہے۔ مگر وہ دونوں پنچنگ کے ساتھ ساتھ اپنے پاوں اور گھٹنوں سے ضربیں بھی لگا رہے تھے۔

اس کی نظر پوسٹر کے ساتھ لگی سکرینز پر پڑی۔ دو سکرینز آن تھیں۔ وہ متحیر رہ گیا۔ اس پر بھی ایک انسان نظر آرہا تھا۔ اس نے نوٹ کیا جیسے ہی اس لڑکے یا لڑکی کا پنچ یا ٹھوکر بیگ کو لگتی سامنے سکرین

پر کچھ نمبرز لکھے ہوئے آتے اور ساتھ ہی اس انسان کے جسم پر ایک سرخ دھبہ سا ظاہر ہوتا۔ وہ تعجب سے اس طلسم ہوشربا کو دیکھ رہا تھا۔

”یہ نمبرز ظاہر کرتے ہیں کہ جو ضرب لگائی گئی ہے اس کی شدت کتنی ہے اور یہ جو سرخ دھبہ ظاہر ہوتا ہے' وہ ظاہر کرتا ہے کہ ضرب کس مقام اور کس جگہ لگ رہی ہے۔“ اسے ماسٹر کی آواز سنائی دی۔

حیدر نے حیرت سے ماسٹر کو دیکھا۔

”یہ سسٹم میں نے سپشلی بنوایا ہے۔ عام طور پر ایسا سسٹم نہیں ملتا۔“ ماسٹر نے مزید وضاحت کی۔

”اب ذرا ان بیگز کو چھو کر دیکھو۔“ ماسٹر نے حیدر سے کہا تو حیدر نے ان کو چھوا۔ اسے حیرت کا ایک اور جھٹکا لگا۔ انسان نما بیگز یا ڈھانچہ چھونے میں اسی طرح محسوس ہوا جیسے کوئی انسان ہو۔ ان کے اندر نہ جانے کیا کچھ ڈالا ہوا تھا لکڑیاں تھیں یا کچھ اور۔

حیدر نے اس انسان نما بیگ کا ہاتھ پکڑا تو بالکل انسان کی ہڈیوں کی طرح اسے ہڈیاں محسوس ہوئیں اور گوشت کی جگہ گوشت کی طرح محسوس ہوا۔ اگر کوئی آنکھیں بند کر کے اس کو پکڑتا تو اسے ایسا ہی لگتا جیسے کسی انسان کو پکڑ لیا ہے۔

سامنے ایک کمپیوٹر رکھا تھا۔ جس کے پیچھے ایک کرسی پر ماسٹر بیٹھ گیا اور بٹنوں,ماوس کے ساتھ کچھ چھیڑ چھاڑ کی تو ایک اور ایسا بیگ اوپر لگی تاروں کے ساتھ کھنچتا ہوا نیچے آ گیا۔ اس پر سرخ دائرے بنے ہوئے تھے۔ حیدر نے غور کیا کہ اس لڑکی اور لڑکے کے بیگز پر وہ دائرے نہیں بنے تھے۔

”تم اب شروع کرنے جا رہے ہو۔ اس لیے شروع سے شروع کرتے ہیں۔ ان دائروں کے عین بیچ تمہارا مکا جتنا زور ہے اس زور سے لگنا چاہیے۔ آج صرف تمہیں پنچنگ ہی کرنی ہے۔ ککنگ بعد میں سٹارٹ ہو گی‘ تم دونوں بیٹھ جاو۔“ ماسٹر نے ان تینوں کو ہدایات دی۔

وہ دونوں بیٹھ گئے لیکن حیدر اس بیگ کے سامنے آ گیا۔ اس نے دیکھا سامنے ایک نئی سکرین روشن ہو چکی ہے۔

تینوں اسے دیکھ رہے تھے۔ لڑکی اور لڑکے کے دیکھنے کے انداز میں دلچسپی تھی۔

حیدر نے دل ہی دل میں سوچا اسے بہت اچھی کارکردگی دکھانا ہو گی اگر ان دونوں سے بڑھ کر نہ بھی ہو تو ان سے کم بھی ہرگز نہ ہو۔

اس نے پوری طاقت سے مکا کنپٹی پر بنے دائرے میں مارا تو اس کا ہاتھ جھنجھنا اٹھ۔ ایک تیز درد کی لہر اپنے جسم میں محسوس ہوئی۔

*************۔

”بلیک ہنٹ‘ کہاں سے سنا ہے یہ؟“ راشد نے بڑی سنجیدگی سے خولہ سے پوچھا۔

”یہ نام صدف والے معاملے میں سامنے آیا ہے۔“ خولہ نے جواب دیا۔ خولہ نے پہلے راشد سے مشورہ کیا تھا صدف اور قاسم والے معاملے میں اس لیے انہیں پتہ تھا۔

”تم ان معاملوں سے دور رہو‘ سمجھی۔ اگر آئندہ اس معاملے میں دلچسپی دکھائی تو تمہارے بابا کو شکایت کر دوں گا۔“ راشد اچانک ہی ہتھے سے اکھڑ گیا۔

”بھائی پلیز میں جان بوجھ کر یہ نام سامنے نہیں لائی۔ قدرت مجھ سے کوئی کام لینا چاہ رہی ہے شاید اسی لیے میرے سامنے یہ نام آیا ہے‘ آپ کے بابا اور قاسم کے رد عمل سے اندازہ ہو رہا ہے یہ کوئی انتہائی پیچیدہ معاملہ ہے۔ جس کا برائی سے کوئی تعلق ہے اور آپ جانتے ہیں بچپن سے اب تک میری اور ضرار کی تربیت کیسے کی گئی ہے‘ میں اس معاملے کو نظر انداز نہیں کر سکتی اور آپ یہ بھی تو سوچیں کہ اگر مجھے پتہ چل گیا ہے تو شاید کل کو دشمنوں کو بھی میرے بارے میں پتہ چل جائے کہ میں نے ان کے راز چھینے ہیں۔ وہ کوئی بھی قدم اٹھا سکتے ہیں۔ مجھے اتنا تو پتہ ہو کہ میرے دشمن کون, کیوں اور کس لیول کے ہیں تاکہ میں اپنا دفاع تو کر سکوں‘ آپ سب تو مجھے ایسے ٹریٹ کر رہے ہیں جیسے میں دودھ پیتی بچی ہوں۔“ خولہ جذباتی ہو گئی تھی اس لیے بے تکان وہ بولے ہی چلے گئی۔

”خولہ یہ معاملہ بہت اونچے لیول کا ہے اور بہت خطرناک ہے۔“ راشد نے بے بسی سے کہا۔

”میں تو بس جاننا چاہ رہی ہوں‘ تجسس دور ہو جائے گا۔ میں کون سا ان سے لڑنے نکل پڑوں گی۔“ خولہ نے عاجزی سے کہا۔

”اوکے ٹھیک ہے۔“ راشد نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

” پہلے تمہیں سارا پس منظر سمجھانا پڑے گا۔“ راشد نے کہا

”2008 میں ایک معاشی بحران آیا تھا امریکہ میں؟“ راشد نے اتنا کہا ہی تھا خولہ بول پڑی۔

”جی یاد ہے۔ امریکہ کے کئی بڑے بینک اور ادارے دیوالیہ ہو گئے تھے‘ پوری دنیا میں معاشی بحران آ گیا تھا۔ جاپان چین کوئی بھی ملک اس سے نہیں بچ سکا تھا مگر امریکہ سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا۔ وہاں ایک کروڑ کے قریب لوگ بے روزگار ہو گئے تھے۔

3100 ارب ڈالر کا نقصان ہوا۔ امریکہ کی 40%

سالانہ آمدنی اس میں ڈوب گئی تھی اور........ “خولہ بولتے بولتے چپ ہو گئی راشد بھائی اسے گھور رہے تھے۔

”او سوری بھائی‘ اب نہیں بولوں گی۔“ خولہ کو غلطی کا احساس ہوا تو چپ کر کے بیٹھ گئی۔

”بحران اتنا شدید تھا جس نے امریکی حکومت کو ہلا کر رکھ دیا۔ امریکہ نے اس بحران سے نکلنے اور اس کے اثرات ختم کرنے کے لیے اپنے مشہور تھنک ٹینک رینڈ کارپوریشن کو رپورٹ بنانے کا کہا۔“

”اس کارپوریشن نے جو رپورٹ بنائی تو اس میں لکھا کہ اگر امریکہ کو اپنی اجارہ داری اور معیشیت کو مضبوط رکھنا ہے تو امریکہ کی سب سے بڑی انڈسٹری ملٹری انڈسٹریل کمپلیکس کو ایک بڑی مارکیٹ کی ضرورت دینی چاہیے۔ یہ اسلحہ بنانے والی وہ صنعت ہے۔ جس سے امریکہ سب سے زیادہ کماتا ہے۔ اس رپورٹ میں لکھا تھا ایک بڑی جنگ ہونا ضروری ہے۔ یہ جنگ ہو بھی ایسے ملکوں کے درمیان جن کی معاشی حالت بہت مضبوط ہو۔ جیسے روس چین انڈیا وغیرہ تاکہ وہ جنگ کے لیے اسلحہ خریدیں۔ یہ رپورٹ جنوری 2010 میں لیک ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد ایسی پالیسیاں بنائیں گئیں, رول پرانا تھا ڈیوائیڈ اینڈ رول لیکن حربہ نیا۔“ یہاں تک پہنچے تو آپی چائے لے کر آ گئی۔

ضرار بھی بیٹھا یہ سب غور سے سن رہا تھا۔ چائے کا سپ لیتے ہوئے راشد نے بات آگے بڑھائی۔

”تم 2008 کے بعد کے دنیا کے حالات دیکھو۔ امریکہ نے سب سے پہلے آسان ہدف چنا اور عراق، شام، یمن اور مشرق وسطیٰ میدان جنگ بن گیا۔ روس، ایران اور ترکی کو بھی اس جنگ میں دھکیل دیا گیا۔ نتیجہ اسلحہ کا کاروبار چل نکلا۔ سعودی عرب، قطر، ترکی سب کے سب اسلحے کے خریدار بن گئے۔ وہاں تاحال یہ صورتحال جاری ہے۔“ خولہ چپ نہ رہ سکی

”مگر ان باتوں کا اس معاملے سے کیا تعلق؟“

”میں نے کہا نا پس منظر سمجھنا ضروری ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں ان سب باتوں کا پتہ لازمی ہونا چاہیے۔ جاننا کیوں ضروری ہے یہ آگے پتہ چلے گا آنے والے وقت میں۔“

”ہاں تو امریکہ کا مقصد ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اس نے انڈیا میں اکھنڈ بھارت اور ہندتوا کے نظریات کو پروان چڑھایا۔ جس کے نتیجے میں 2014 میں وہاں متعصب مودی کی حکومت بن گئی۔ اسی حکومت کے دوران مذہبی ہندو قیادت اور متعصب ہندو کمیونٹی کو یہ یقین دلایا گیا کہ اب اکھنڈ بھارت کے قیام کا وقت آگیا ہے۔“

”بھارت کی عوام میں اس نفرت کے غبارے میں مزید ہوا بھر دی گئی۔ نعرہ یہ دیا گیا کہ اس ’یدھ‘ (جنگ) کے بعد پورے بھارت، بنگلہ دیش، پاکستان، برما، نیپال، سری لنکا، سکھم، بھوٹان یہاں تک افغانستان کے کابل و قندھار پر ’ہندوتوا‘ کا گیروی پرچم لہرائے گا۔ اس نعرے نے بھارت میں بسنے والے ہندوؤں کو اس قدر پرجوش کر دیا کہ پانچ سال بعد اگلے الیکشنوں میں مودی نے 30 مئی 2019 کو بے پناہ اکثریت کے ساتھ حلف اٹھایا۔“

”اس فضاء میں بھارت میں بسنے والے ہندوؤں کی اکثریت اس پوتر یدھ (مقدس جنگ) میں حصہ لینے کے لیے مکمل طور پر تیار ہے۔ ان کے پنڈت، یوگی، مہامنت اور کنڈلی نکالنے والے مہورت نکال رہے ہیں کہ اگر فلاں شبھ گھڑی میں بھارت لڑائی میں داخل ہوا، تو ہمالیہ کے پہاڑوں سے دیوتاؤں کی فوجیں ان کی مدد کو ویسے ہی اتریں گی جیسے راون کو شکست فاش دینے کے لیے تمام آسمانی و زمینی دیوتا اکٹھے ہو گئے تھے۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے نشے میں بھارت کا ہندو سرشار ہے اور سمجھتا ہے کہ اب دنیا پر اس کا زمانہ آنے والا ہے۔“

”اسی سلسلے میں وہ ہر کوشش کر رہا ہے جیسے کشمیر کی جداگانہ حیثیت کو ختم کرنا، مسلمان دشمن این آر سی بل منظور کرنا۔ لداخ، آسام کے مقام پر چائنہ کے ساتھ کشمکش وغیرہ۔ یہ سب اسی پروگرام کا حصہ ہے اور ان کی کوششیں دن بدن تیز ہوتی جا رہی ہیں۔“

”بلیک ہنٹ

(Black hunt)

دراصل اسی پروگرام کا ایک ذیلی پراجیکٹ ہے۔ جو ان کی خفیہ ایجنسیاں چلا رہی ہیں۔ اس کے مقاصد دشمن کو اندر سے کمزور کرنا، تخریب کاری کروانا وغیرہ جیسے ہیں۔ اب اگر یہ نام قاسم کے ساتھ جوڑا ہے تو اس کا مطلب ہے یا تو وہ دشمن خفیہ ایجنسی کا مقامی ایجنٹ ہے یا پھر مقامی ایجنٹ سے کوئی لنک ہے اور یہ بات تمہاری وجہ سے سامنے آئی ہے۔“ راشد بھائی کا بولتے بولتے منہ خشک ہو چکا تھا مگر آپی پہلے ہی پانی کا گلاس لا کر رکھ چکیں تھیں۔

”مطلب اس سب کے پیچھے امریکہ ہے جو ایک تیر سے دو شکار کھیل رہا ہے۔ چین کی راہ میں رکاوٹیں، انڈیا اسلحہ کی خریداری میں دنیا میں پہلے نمبر پر آچکا ہے۔“ ضرار نے گفتگو میں پہلی بار حصہ لیتے ہوئے کہا۔

”نہیں اس سب کے پیچھے اسرائیل اور یہودی ہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مسیحا کے آنے کا وقت ہو چکا ہے۔“ راشد بھائی نے انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

”لیکن اس سب کے چکر میں آج کا سب سے سستا خون مسلمان کا بہے گا اور تمام مسلمان حکمران عیاشیوں اور حکمرانی برقرار رکھنے کے چکروں میں ہیں۔“ خولہ نے بڑے دکھ بھرے لہجے میں افسوس سے کہا۔

”حکومت پاکستان کا تو پتہ نہیں‘ مگر ہم کچھ نہ کچھ کر رہے ہیں

راشد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”ہم سے مراد کون کون ہیں؟“ ضرار نے چونک کر پوچھا۔

”میں، تمہارے بابا، منصور اور نہ جانے کون کون‘ ان سب کا تمہارے بابا کو پتہ ہو گا۔ ہمارے ذمے جو کام لگتا ہے ہم بس وہی کرتے ہیں۔“ راشد نے جواب دیا۔

”مگر آپ لوگ کرتے کیا ہیں؟“ خولہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اگر تمہیں یاد ہو تو کلاس میں بتایا تھا ہمارے نبی ﷺ آج بھی ہماری رہبری کر رہے ہیں اور آج کے دور کے حساب سے جو انہوں نے رہبری کی ہے ہم اسی پر عمل کر رہے ہیں۔" راشد بھائی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب حضور ﷺ کیا راہبری کر رہے ہیں؟" خولہ نے الجھ کر پوچھا۔

"بس بہت ہو گیا۔ بہت راز بتا دیے' اب جو کچھ پوچھنا ہے اپنے بابا سے پوچھنا۔" راشد بھائی نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"مگر سنیں تو آپ........" خولہ نے کچھ کہنا ہی چاہا لیکن راشد نے بات کاٹ دی۔

"خولہ کہا نا بس اور کچھ نہیں۔" مجبوراً خولہ کو چپ ہونا پڑا۔

اگلے دن جب سورج کی کرنوں نے زمین کو چھوا تو خولہ اور ضرار پسینے میں شرابور تھے۔ دونوں لان میں اپنی روٹین کی ایکسرسائزز سے فارغ ہو کر ابھی آئے تھے۔

فریش ہو کر راشد اور خولہ تو یونیورسٹی کی تیاری کرنے لگے لیکن ضرار منہ بنائے بیٹھا تھا۔

"میرا نہیں دل کر رہا لاہور جانے کا۔ اس معاملے میں بہت دلچسپی محسوس ہو رہی ہے۔ دو تین چھٹی کر بھی لی تو خیر ہے۔" ضرار نے بے پرواہی سے کہا۔

"بابا جانی کو خود بھگت لینا۔" خولہ نے پرس اٹھا کر باہر نکلتے ہوئے کہا۔

راشد بھائی اور خولہ دونوں الگ الگ یونیورسٹی جاتے تھے کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے رشتے کا کسی کو پتہ چلے۔

یونی پہنچ کر سارا دن خولہ کا مصروف گزرا۔ سر راشد کا پیریڈ آج نہیں تھا۔ اس لیے وہ بوریت محسوس کر رہی تھی مگر ایک بات اس نے نوٹ کی۔ قاسم آج غائب تھا اور عمار بھی۔ خیر مجھے کیا اس نے دل میں سوچا۔

یونی سے فری ہوتے ہی وہ باہر نکلی اور اپنی کار میں بیٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ دل ہی دل میں وہ بابا سے ساری باتیں اگلوانے کا سوچ رہی تھی۔ اس نے نوٹ نہیں کیا اس کے کار کے چلتے ہی وہاں پہلے سے کھڑی ایک کار بھی اس کے پیچھے ہو لی تھی۔

جیسے ہی خولہ نے اپنی کار مین روڈ سے لنک روڈ پر ڈالی تو پچھلی کار کی رفتار تیز ہو گئی۔

خولہ کی گاڑی تھوڑی ہی دیر لنک روڈ پر چلی تھی کہ پچھلی سیاہ شیشوں والی کار نے خولہ کو کراس کیا اور بریکس کی آوازوں کے ساتھ خولہ کی گاڑی کے آگے ترچھی کھڑی ہو گئیں لنک روڈ کی چوڑائی اتنی زیادہ نہیں تھی کہ خولہ کی گاڑی وہاں سے نکل سکتی۔

خولہ نے بڑی سختی سے بریک لگاتے ہوئے اپنی گاڑی کو اگلی گاڑی سے ٹکرانے بچانے کی کوشش کی مگر پھر بھی گاڑی پھسلتی ہوئی آہستہ سے اگلی گاڑی سے جا ٹکرائی۔

اس سے پہلے خولہ کچھ کرتی۔ دفعتاً اگلی گاڑی سے دو نقاب پوش اسلحہ لیے تیزی سے اترے اور خولہ کی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر اسلحہ خولہ پر تان کر بولے۔

”خبر دار ہاتھ اوپر‘ ذراسی کوئی غلطی کی تو ایک منٹ میں ہم یہاں سے جا چکے ہوں گے مگر تمہاری لاش یہاں پڑی ہو گی۔“ ایک نقاب پوش کی کرخت اور سخت آواز سن کر خولہ نے فوراً دونوں ہاتھ اوپر کر لیے۔

”اب دروازہ کھولو اور نیچے اترو۔“ دوسری ہدایت ملی۔ خولہ نے دروزے پر ہاتھ ڈالا اور اتنی تیزی سے بھرپور طاقت کے ساتھ دروازہ کھولا کہ دروزہ کے پاس کھڑا نقاب پوش لڑکھڑا کر اپنے پیچھے کھڑے ساتھی سے جا ٹکرایا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کا سہارا دے ہی رہے تھے۔ جب خولہ کی ٹھوکر ایک نقاب پوش کی کمر پر پڑی اور وہ اپنے ساتھ اپنے ساتھی کو بھی لیتا ہوا زمین پر جا گرا۔

اس سے پہلے ان میں سے کوئی سنبھلتا۔ خولہ کی ہیل ایک نقاب پوش کی کلائی پر پڑی اور وہیں ٹک گئی۔ ایک زوردار چیخ اس نقاب پوش کے حلق سے نکلی۔ ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑی رائفل اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔

خولہ نے جھک کر گن کو نالی سے پکڑا اور دوسرا نقاب پوش جو کھڑا ہو رہا تھا گن سنبھالتے ہوئے اس کی کنپٹی پر زور سے بٹ مارا۔ وہ لہرایا اور بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

یہ ساری سچویشن صرف پندرہ سیکنڈ میں مکمل ہو چکی تھی۔ خولہ نے بیہوش ہونے والے کی گن کو ٹھوکر مار کر اپنی گاڑی کے نیچے کر دیا۔ اسنے دوسری گن بھی نیچے پھینکی اور اسے بھی گاڑی کے نیچے کر دیا۔

"وہ کیا ہے نا کہ مجھے ان کھلونوں سے کھیلنا پسند نہیں' مجھے ہاتھ اور ٹانگیں چلانا بہت پسند ہے۔ اللہ تیرا شکر ہے آج مجھے موقع ملا۔ ترس گئی تھی کسی پر ہاتھ پاوں چلانے کو۔" خولہ نے خوشی اور جوش بھرے لہجے میں اس نقاب پوش سے کہا جو اب اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ مگر اسکا دوسرا ہاتھ اپنی کلائی پر تھا۔ جس پر خولہ کی ہیل کی نشانی ثبت ہو چکی تھی۔

خولہ کی بات سن کر وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیرت سے اس نقاب والی پاگل، سر پھری لڑکی کو دیکھنے لگا جسے اغوا کرنے کا کہا گیا تھا۔

اسکے تو وہم و گمان میں نہیں تھا کہ انہیں ذرا سی بھی مزحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

"ارے کیا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہو۔ آگے آو' کرو اغوا۔" خولہ نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے کہا۔

اس عجیب سی صورتحال نے اس نقاب پوش کا دماغ ہی گھما دیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی وہ کیا کرے۔

"لگتا ہے تم نے نہیں اغوا کرنا میرے پاس وقت نہیں ہے' میں جا رہیں ہوں۔" یہ کہہ کر خولہ مڑنے لگی۔

غالباً نقاب پوش نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے بجلی کی تیزی سے خولہ پر جھپٹنا چاہا مگر اس کا یوں آگے آنا ہی اس کے لیے مصیبت بن گیا۔

خولہ کی ٹانگ گھومی اور سینڈل نما ہیل کی نوک اس کے جبڑے پر آ کر لگی۔ بے اختیار اس نے اپنا سلامت ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا۔

نقب پوش کو اپنے منہ میں خون کا ذائقہ محسوس ہوا اور زبان پر کوئی سخت چیز محسوس ہوئی۔ اس نے زمین پر تھوکا تو تھوک ملا خون ایک دانت کے ہمراہ زمین پر جا گرا۔ اپنے دانت اور خون کو دیکھ کر اسے خوف محسوس ہونے لگا۔

"اور اسے کہتا ہیں راونڈ کک۔" خولہ کی چہکتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ دل ہی دل میں وہ قاسم کو گالیاں نکالتے ہوئے سوچنے لگا کہ پتہ نہیں کس بلا کے پیچھے لگا کر قاسم نے نہ جانے کس بات کا اس سے بدلا لیا ہے۔

اس سے پہلے وہ کچھ اور کہتا یا کرتا۔ ایک مکا اس کی گردن پر آ کر لگا۔ وہ بے اختیار زمین پر گر گیا مگر اس سے برا ابھی یہ ہوا نہ جانے اس ظالم لڑکی نے کہاں مکہ مارا تھا۔ یکدم اس سے سانس لینے میں بہت مشکل ہونے لگی۔

سانس رک رک کر آ رہا تھا۔ اس نے منہ کھول کر لمبے لمبے سانس لینے کی کوشش کی مگر گردن پر لگنی والی ضرب نے اسے ادھ موا کر دیا۔ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دونوں ہاتھ روڈ پر رکھ کر منہ کھول کر وہ سانس لینے کی کوشش کرنے لگا۔ بڑی مشکل سے اسے رک رک کر سانس آ رہا تھا۔

"اور یہ ہوئی شہہ مات۔" خولہ کی آواز سنائی دی تو اس نے سانس لینے کی کوشش کرتے ہوئے تھوڑا سر اٹھا کر دیکھا۔ خولہ اپنی گاڑی کے کھلے دروازے میں اپنی سیٹ پر بیٹھی دکھائی دی۔ وہ بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”اوہو مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی۔ دوسرے کے بیہوش نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تھوڑا اور مزہ آتا۔“ خولہ نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

نقاب پوش کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی۔ خولہ کو اپنی سیٹ سے کھڑا ہوتے دیکھ کر گبھرا کر اس نے دونوں ہاتھ خولہ کے آگے جوڑ دیے۔ اسے سانس لینے میں اتنی دقت ہو رہی تھی کہ اسے کھڑا ہونا بھی دشوار لگ رہا تھا۔

خولہ نے اس کے معافی مانگتے ہاتھوں کو دیکھا۔ پھر دوبارہ سیٹ پر بیٹھ گئی اور پوچھنے لگی۔

”قاسم نے بھیجا ہے؟“ نقاب پوش نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اپنا اور اپنے ساتھی کا بقاب اتارو۔“ خولہ نے حکم دیا تو اس نے اپنا اور ساتھ پڑے ساتھی کا نقاب اتار دیا۔

خولہ نے دونوں کو غور سے دیکھا اور پھر اپنے رجسٹر پر کچھ لکھنے لگی۔ لکھ کر اس نے پیج کا تھوڑا سا حصہ پھاڑا پرس سے ایک یو ایس بی نکالی۔ جسے احتیاط سے اسے کھول کر پیج کا ٹکڑا اس میں رکھنے لگی اور رکھ کر اس نے یو ایس بی کو دوبارہ بند کر دیا۔

خولہ نے پرس سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکال کر یو ایس بی اس میں رکھی۔ گارڈ یو ایس بی دیکھ کر حیران ہوا۔ یہ کیسی یو ایس بی ہے جو اس طرح کھل جاتی ہے۔ خولہ گارڈ سے کہنے لگی۔

”قاسم بھی بیوقوف ہے۔ بھلا میرا پتہ چل ہی گیا تھا تو مجھ سے کہتا۔ میں اس کو سارا ڈیٹا دے دیتی۔ یہ لو یہ ڈبیہ قاسم کے ہاتھ میں دینا۔ اس میں اس کے لیے ڈیٹا ہے۔“ خولہ نے یو ایس بی اس گارڈ کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

گارڈ نے ہچکچاتے ہوئے ڈبیہ لے کر جیب میں ڈال لی۔

”اب اپنے ساتھی کو اٹھاو اور گاڑی میں ڈال کر گاڑی سیدھی کرو۔ جب میں چلی جاوں تو اپنی گنز بھی اٹھالینا۔“ خولہ نے اگلی ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ گارڈ چپ رہا۔

خولہ نے سٹارٹ گاڑی کو گئیر میں ڈالا اور ساتھ ہی گارڈ کو کہنے لگی۔

”قاسم کو کہنا کہ آئندہ کوئی آٹھ دس بندے بھیجے مجھے اغوا کرنے کے لیے‘ خولہ دو چار کے بس میں نہیں آنے والی۔ گاڑی سائیڈ پر کرو اب۔“

گارڈ آگے بڑھا۔ اب کچھ سانس آسانی سے آرہی تھی مگر ابھی بھی اسے سانس کے لیے بار بار منہ کھولنا پڑ رہا تھا۔

جیسے ہی اس نے گاڑی سائیڈ پر کی۔ زن سے خولہ کی گاڑی پاس سے گزر گئی۔ گارڈ نے اپنے ساتھی کو بڑی مشکل سے گھسیٹ کر اور گنز کو اٹھا کر پچھلی سیٹ پر ڈالا۔ گاڑی موڑ کر قاسم کے فارم ہاوس کی طرف روانہ ہو گیا۔

کلائی، جبڑے اور گردن میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہیں تھیں۔ بڑی مشکل سے وہ ڈرائیونگ کرتا ہوا فارم ہاوس پہنچا۔ جہاں سامنے پورچ میں ہی قاسم، نعمان اور علیم نقاب پہنے انتظار کر رہے تھے۔

گاڑی رکتے ہی وہ تیزی سے آگے بڑھے لیکن ڈرائیونگ سیٹ سے اترتے گارڈ کی حالت دیکھ کر وہ جہاں تھے وہیں رک گئے۔ منہ کے کپڑوں پر خون لگے ہوئے۔ لمبے لمبے سانس لینے کی کوشش کرتے ہوئے اس گارڈ نے پچھلا دروازہ کھولا تو دوسرا گارڈ پچھلی سیٹ پر محو استراحت نظر آیا۔

"یہ کیا ہوا؟ لڑکی کہاں ہے؟" علیم نے چلاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بڑکی بوئی بام بڑکی بہیں ہے۔(وہ لڑکی کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔" گارڈ کے جبڑے پر لگی ضرب کا نتیجہ تھا کہ اس کے منہ سے الفاظ کا تلفظ بھی صحیح ادا نہیں ہو رہا تھا۔

"یہ کونسی فارسی بول رہا ہے؟" قاسم نے جھلاتے ہوئے کہا۔ اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

نعمان غور سے گارڈ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"اس کے جبڑے پر کوئی چوٹ لگی ہے۔ جس وجہ سے بولنے میں مشکل اور الفاظ کا تلفظ درست ادا نہیں ہو پا رہا ہے اس سے۔ کیا ہوا ہے؟" نعمان نے گارڈ سے پوچھا۔

گارڈ نے اٹکتے اٹکتے رک رک کر ساری تفصیل بتانے لگا۔ اب قاسم اور علیم کو بھی سمجھ آنے لگی تھی کیونکہ گارڈ رک رک کر تھوڑے صاف الفاظ بول رہا تھا۔

"دھت تیرے کی' مجھے نہیں پتہ تھا گارڈ کے نام پر تم نے ہجڑے پال رکھے ہیں۔" پوری داستان سن کر علیم نعمان پر چڑھ دوڑا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا لڑکی مارشل آرٹس جانتی ہے۔ اگر پتہ ہوتا تو میں خود جاتا یا اس حساب سے بندے بھیجتا۔" نعمان نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”وہ یو ایس بی کہاں ہے؟“ قاسم نے گارڈز سے پوچھا۔

گارڈ نے جیب سے یو ایس بی والی ڈبیہ نکال کر قاسم کو دے دی۔ قاسم نے ٹرانسپیرنٹ پلاسٹک کی ڈبیہ میں یو ایس بی دیکھی اور اندر کی طرف چل پڑا۔

”میں اسے چیک کرتا ہوں۔“ اسے اپنی صدف والی ویڈیو کی فکر بھی تھی جو صدف کو پھانسنے کا واحد ذریعہ تھی۔

علیم اور نعمان وہیں رک کر گارڈ سے مزید پوچھ گچھ اور دوسرے گارڈز کو ان کی دیکھ بھال کرنے کا کہنے لگے۔

قاسم کمرے میں آیا اور نعمان کے لیپ ٹاپ میں یو ایس بی لگانے کے لیے اس نے ڈبیہ کھولی۔ یو ایس بی پکڑ کر لیپ ٹاپ میں لگانے ہی لگا مگر جیسے ہی اس نے لیپ ٹاپ میں یو ایس بی لگانا چاہی۔ تو یو ایس بی پر ہلکا سا دباو پڑا۔ ایک لمبی سرنج نما سوئی اس یو ایس بی سے نکل کر قاسم کے انگوٹھے میں گھس گئی۔ سی کی آواز ساتھ قاسم نے یو یس بی اور اپنے ہاتھ کو اٹھا کر دیکھا تو اسے ایک لمبی سی سوئی نکلی ہوئی نظر آئی۔ وہ حیرت سے یو ایس بی کو دیکھنے لگا۔

اس نے انگوٹھے پر نظر ڈالی جہاں سوئی لگی تھی وہاں آس پاس جگہ سرخ ہونا شروع ہو چکی تھی۔ قاسم کو سمجھ نہیں آئی یہ کیا ہو رہا ہے۔

مگر کچھ ہی سیکنڈز گزرے تھے۔ اس کو بے چینی ہونے لگی۔ اسے لگا جیسے اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی ہے۔ جو رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ گبھرا گیا۔

شاید اس کے جسم میں زہر اتر گیا ہے۔ یہ سوچ آئی ہی تھی کہ اس کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

اس کی چیخ سن کر نعمان اور علیم دوڑتے ہوئے اندر آئے۔

"کیا ہوا؟" علیم نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اس یو ایس بی سے کوئی سوئی چبھ گئی ہے' عجیب سی کیفیت ہو رہی ہے۔" قاسم نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

اچانک ایک شدید بے چینی کی لہر اٹھی اور دماغ میں سنسناہٹ بھی یکلخت بڑھ گئی۔ قاسم کو سمجھ نہیں آئی وہ اس کیفیت کو کیا نام دے۔ بے چینی، سنسناہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ بے چینی کے عالم میں قاسم نے ایک ٹانگ اور دونوں ہاتھوں کو جھٹکا۔ اسے حیرانی ہوئی کیونکہ جب اس نے ایسا کیا اسے بے چینی کم ہوتی محسوس ہوئی لیکن پھر فوراً ہی بڑھ گئی۔ اسے دماغ کی رگیں پھٹتی محسوس ہو رہیں تھیں۔

قاسم نے تیزی سے ہاتھ پاؤں جھٹکے۔ بے چینی اور دماغ پر دباو کچھ کم ہوا۔ بس پھر کیا تھا قاسم نے اچھل کود شروع کر دی۔ جب تک وہ یہ کرتا بے چینی اور دباو کم ہو جاتا ورنہ پھر بڑھ جاتا۔ وہ بے تکے انداز میں اچھلنے کودنے پر مجبور ہو گیا۔

علیم اور نعمان حیرت کی انتہا سے قاسم کو بندروں کی طرح اچھلتے کودتے دیکھ رہے تھے۔

"کیا یہ پاگل ہو گیا ہے؟" علیم نے نعمان کو جھنجوڑتے ہوئے پوچھا۔

اس سے پہلے نعمان کوئی جواب دیتا قاسم ہانپتا ہوا بولا۔

"میں پاگل نہیں ہوا۔ اگر میں اچھل کود نہ کروں تو شدید بے چینی اور سنسناہٹ سے میرا دماغ پھٹنے لگتا ہے' اچھل کود سے یہ کم ہو جاتا ہے اور سکون ملتا ہے۔" علیم اور نعمان حیرانگی سے قاسم کو دیکھ رہے تھے۔

"گارڈز کو بلاو' ایڈیٹ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔" علیم نے نعمان پر چلاتے ہوئے کہا۔

نعمان نے بوکھلاہٹ میں گارڈز کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ جیسے ہی گارڈز پہنچے وہ حیرت سے قاسم کو اوٹ پٹانگ ڈانس کرتا دیکھ جہاں تھے وہیں رک گئے۔

"الو کے پٹھوں اس کو گاڑی میں لے جاو۔" علیم نے چیختے ہوئے کہا۔ گارڈز نے قاسم کو زبردستی پکڑ کر گاڑی کی طرف لے جانا چاہا تو پسینے میں شرابور قاسم ہانپتے ہانپتے چیخ کر بولا۔

"مجھے مت جکڑو۔ میں خود چلا جاوں گا اگر جکڑو گے تو مجھے لگتا ہے میری دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی۔" گارڈز گبھرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

'قاسم اچھلتا کودتا باہر کی طرف جانے لگا۔ علیم بھی اس کے پیچھے ہو لیے۔ ایک بار تو اس نے قاسم کو سہارا دینا چاہا مگر پھر پیچھے ہٹ گئے۔

نعمان نے بڑی احتیاط سے ڈرتے ڈرتے یو ایس بی کو اٹھا کر ڈبی میں بند کیا اور جیب میں ڈال لیا۔

بڑی مشکل سے ناچتے کودتے قاسم کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈالا۔ تیزی سے علیم اور نعمان گاڑی پر سوار ہوئے۔ نعمان نے پھرتی سے گاڑی علیم کے فیملی ڈاکٹر کے ہسپتال کی طرف بھگانا شروع کر دی۔

قاسم گاڑی میں بھی سیٹ پر اچھلتا رہا تھا۔ اور نئے نئے زاویوں سے ہاتھوں اور انگلیوں کو موو کرتا رہتا۔ جیسے ہی وہ رکنے کی کوشش کرتا پھر وہی ناقابل برداشت شدید بے چینی اور سنسناہٹ دماغ کی رگیں پھاڑنے کو آجاتی۔ علیم ڈاکٹر کو کال کر کے ساری صورتحال سے آگاہ کر رہا تھا۔

انتہائی تیز رفتاری سے نعمان نے گاڑی ہسپتال کے اندر لے جا کر کھڑی کی اور تیزی سے پچھلا دروازہ کھولا۔ جس سے قاسم تیزی سے چھلانگ لگا کر باہر آیا اور پھر وہی اچھلنا کودنا جاری کر دیا۔

سٹریچر والے دوڑ کر سٹریچر لے کر آئے مگر علیم نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

نعمان اور علیم تھوڑا سا سہارا دے کر قاسم کو ڈاکٹر کے کمرے کی طرف لے جانے لگے۔

گزرتے ہوئے کچھ لوگ قاسم کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے اور کچھ کی اس کا ڈانس دیکھ کر ہنسی چھوٹ رہی تھی۔

قاسم کا دل چاہا وہ انہیں زور زور سے گالیاں دے مگر وہ اتنا تھک چکا تھا کہ اسے بولنا بھی دشوار لگ رہا تھا۔ ہانپنے سے اس کی سانسوں کی ترتیب بھی بگڑ چکی تھی۔

"اے کہڑا ڈانس اے؟" پاس سے گزرتے دو لڑکوں میں سے ایک لڑکے نے دوسرے سے پوچھا ان کی آواز ان تینوں تک بھی پہنچ چکی تھی۔

تینوں کے منہ کے زاویے بگڑے مگر دوسرے لڑکا کا جواب سن کر قاسم آپے سے باہر ہو گیا۔

دوسرے نے کہا

”مینوں تے لگدا اے پاگل اے“ قاسم نے بپھر کر اچھل کر ان دونوں پر جھپٹنے کی کوشش کی مگر اس دونوں ٹانگیں آپس میں ٹکرائیں اور وہ دھڑم سے زمین بوس ہو گیا۔ علیم اور نعمان نے جلدی سے پکڑ کر اسے اٹھایا پھر تیزی سے کھینچتے ہوئے ڈاکٹر کے روم کی طرف لے کر چلنے لگے۔

”بیچارہ سچ مچ پاگل ہے۔“ ایک تیسرے لڑکے نے کہا جو تھوڑی ہی دور بیٹھا ان کو دیکھ رہا تھا۔

”پاگل اے تے بندراں وانگوں نچدا کیوں پئے اے؟“ لڑکے لڑکے ساتھ بیٹھی اس کی ماں نے پوچھا۔

پتہ نئی لڑکے نے کیا جواب دیا ہو گا کیونکہ وہ تیزی سے قاسم کو کھینچتے ہوئے ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہو گئے۔

فون پر رابطہ ہو چکا تھا اور علیم نامی گرامی شخصیت تھے۔ اس لیے ڈاکٹر ان کے انتظار میں بیٹھا تھا ان کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ پیچھے دو نرسیں بھی کھڑیں تھیں۔ جنھوں نے پہلے تو حیرت سے قاسم کو دیکھا پھر اس کی مضحکہ خیز حرکتوں دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ رینگنے لگی۔

قاسم کبھی ٹانگیں چلا رہا تھا کبھی ہاتھ گھما رہا تھا مگر اسکی بے چینی اور سنسناہٹ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

ڈاکٹر نے زبردستی قاسم کا ہاتھ پکڑ کر دیکھا۔ جہاں سوئی لگی تھی اس مقام کے آس پاس کی جگہ سوزش ہو چکی تھی۔

پھر ڈاکٹر نے یو ایس بی مانگی اور اسے کھول کر رقعہ سائیڈ پر رکھا اور احتیاط سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

اندر ایک ربڑ کی پتلی سی تھیلی تھی جس کے ساتھ سوئی لگی تھی۔ تھیلی میں دودھیا رنگ کے چند قطرے لگے تھے۔

جائزہ لے کر ڈاکٹر کرسی پر بیٹھ گیا اور پوچھا۔

"بقول مریض کے ناچنے کودنے سے اسے سکون ملتا ہے؟"

"جی۔" علیم نے مختصر جواب دیا۔

"معاف کیجیے مگر میرے پاس اس کا علاج نہیں۔" ڈاکٹر نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مگر اسے ہوا کیا ہے! یہ ٹھیک تو ہو جائے گا نا؟" علیم نے تشویش سے پوچھا۔

"جی خطرے کی کوئی بات نہیں، یہ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔ دراصل ایک ٹرنٹولا

(Tarantula)

نامی خاندان میں کئی قسم کی مکڑیاں ہوتی ہیں۔ اس نسل میں کچھ ایسی مکڑیاں بھی ہیں جن کا زہر انسانی رگوں میں سرائیت کر کے دماغ تک پہنچتا ہے، جہاں وہ خلیوں کو ڈسٹرب کر دیتا ہے اور انسان پر ایک ٹرانس کی سی کیفیت چھا جاتی ہے۔ بے چینی اور سنسناہٹ ہوتی ہے۔ جسے ختم کرنے کا واحد حل ڈانس یا اچھل کود ہوتا ہے۔" ڈاکٹر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"آپ دماغ تو ٹھیک ہے۔ آپ کے کہنے کا مطلب ہے کوئی مکڑی کاٹے تو انسان ڈانس شروع کر دیتا ہے۔ یہ کس جادو کی دنیا کی کہانی سنا رہے ہیں۔" علیم نے غصے سے پوچھا جبکہ نعمان اور نرسوں کے چہروں پر حیرت تھی۔

”میں کوئی کہانی نہیں سنا رہا۔ حقیقت بتا رہا ہوں۔ آپ تحقیق کر کے دیکھ لیں۔ سن 1518 میں فرانس میں ایک بیماری پھیلی تھی۔ جسے

Dancing Plague

کا نام دیا گیا تھا۔ اس بیماری کا شکار مریض چار چار دن تک ناچتا رہتا تھا اور ناچتے ناچتے ہی مر جاتا تھا۔ اس بیماری کی وجہ سے تقریباً پندرہ لوگ روزانہ مر جاتے تھے۔ اس وقت وہاں ٹرنٹولا مکڑیوں کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی تھی۔ اس لیے یہ کہا جاتا ہے یہ اسی ٹرنٹولا کی وجہ سے ہوئیں تھیں۔“

”یہی کام پھر اٹلی میں شروع ہو گیا تھا۔ اٹلی کے دیہی علاقوں کے کسانوں کو جب یہ کاٹتی تھی۔ تب وہ اسی طرح ڈانس کر کے اس کی کیفیت کو ختم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اٹلی کے علاقے اپولیا

(Apulia)

میں اسی کے بنیاد پر یہ ڈانس روایتی رقص میں بدل چکا ہے۔“

”اس مکڑی یا ٹرنٹولا سے متعلق اس ڈانس کو پزیکا

(pizzica)

کہا جاتا ہے۔ ہر سال اس کا باقاعدہ جشن منایا جاتا ہے اور کچھ لوگ تو ویرانوں اور جنگلوں میں نکل جاتے ٹرنٹولا نسل کی مکڑیوں سے خود کو کٹوانے کی خاطر تاکہ ٹرانس میں آ کر ناچ کر ساری فرسٹریشن کو دور کر سکیں، رقص کا مزہ لے سکیں کیونکہ اس کا وینم

(Venom)

جان لیوا نہیں ہوتا۔"

"میری سپیشلائزیشن اٹلی سے ہے۔ اس لیے مجھے ان سب باتوں کا پتہ ہے۔ کوئی اور ہوتا تو نہ جانے کیا کرتا۔ جس سے ری ایکشن ہو جاتا اور معاملہ ہاتھ سے نکل جاتا۔"

"ہو سکتا ہے جس نے یہ زہر قاسم کی رگوں میں ڈالا ہے۔ اس نے کچھ کیمیکلز بھی استعمال کیے ہوں۔ اس کی تاثیر کو بڑھانے یا کسی اور تجربے کے لیے کیونکہ آج کل ایسے تجربات عام ہو رہے ہیں۔" ڈاکٹر نے بڑی وضاحت سے تمام متعلقہ معلومات علیم کو دیتے ہوئے کہا۔ جبکہ نرسیں اور نعمان حیرت سے سب سن رہے تھے۔

"کیا اس کا کوئی حل نہیں؟" علیم نے ڈانس کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو دیکھ کر بے بسی سے کہا۔

"خطرے کی کوئی بات نہیں۔ جس مقدار میں زہر تھا میرا اندازہ ہے آپکا بیٹا جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" ڈاکٹر نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

نرسوں کی حیرت دور ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ اب دلچسپی سے قاسم کو دیکھ رہیں تھیں لیکن ایسا کرنا انہیں مہنگا پڑ گیا کیونکہ قاسم مائیکل جیکسن، میڈونا، دیسی بھنگڑا، اور نجانے کون کون سے سٹیپس مکس کر کے ری میکس بنا رہا تھا۔ جسے دیکھ کر ہنسی کنٹرول کرنا نرسوں کے بس سے باہر ہو گیا۔

دونوں ہنسی روکنے کی کوشش کرتیں رہیں۔ جس سبب چہرے سرخ ہو گئے پھر ایک کی ہنسی چھوٹی تو دوسری کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔ ڈاکٹر نے فوراً غصے سے ان کی طرف دیکھا۔

نرسیں تیزی سے باہر کی طرف چل پڑیں لیکن ان کو بھی صاف نظر آرہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب بھی اپنی ہنسی کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اگر وہ اندر رہتیں تو ڈاکٹر کی بھی ہنسی چھوٹ جانی تھی۔

جیسے ہی انہوں نے دروازہ بند کیا منہ سے قہقہے ابل پڑے۔ دونوں نے پیٹ پکڑ پکڑ کی ہنسنا شروع کر دیا۔ اگر کسی کی ہنسی کو بریک لگتی تو دوسری کو ہنستا دیکھ کر پھر ہنسی چھوٹ پڑتی۔ ان کی آنکھوں میں پانی آ چکا تھا۔ بڑی مشکل سے انہوں خود پر قابو پایا پھر ایک نے دوسری کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”خدا کا واسطہ ' اب نہ ہنسنا۔ میری بس ہو گئی ہے۔“ لیکن اس کا اتنا کہنا ہی تھا دوسری کی پھر ہنسی چھوٹ گئی اور ساتھ ہی پہلے والی بھی شروع ہو گئی۔ اور لوگ ان کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

کمرے میں موجود ڈاکٹر نے قاسم سے اپنی توجہ ہٹاتے ہوئے یو ایس بی کی طرف دیکھا۔ ان کی نظر کاغذ کے ٹکڑے پر پڑی۔ ڈاکٹر نے وہ اٹھا کر علیم کو دیتے ہوئے کہا۔

”یہ کاغذ بھی یو ایس بھی سے نکلا ہے۔“
علیم نے کاغذ پکڑ کر کھولا اس پر لکھا تھا۔

”وہ محاورہ تو سنا ہو گا۔ انگلیوں پر تگنی کا ناچ نچانا۔ یہ تو بس ایک محاورہ ہے۔ حقیقت میں کوئی نہیں نچاتا مگر میں جسے چاہوں حقیقت میں نچا سکتی ہوں۔ وہ بھی انگلیوں پر نہیں صرف اپنی سوچ سے کیونکہ میں خولہ ہوں۔“

۔*******************۔

کلاس جاری تھی۔ پوری کلاس میں صرف پروفیسر صاحب کی آواز گونج رہی تھی۔ البتہ بیک بینچرز سر جھکائے ایک دوسرے کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھے۔

عمر کلاس کے آخر میں سیکنڈ لاسٹ رو میں ایک کونے میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھا سر جھکائے لیکچر سنتے ہوئے نوٹس بنانے میں مصروف تھا۔ پروفیسر صاحب نے ایک مختصر سا لیکچر دیا پھر گلا کھنکھار کر بولے۔

”ایک مباحثہ ہونے جا رہا یونیورسٹی میں۔ میری خواہش ہے کہ آپ لوگ بھی حصہ لیں۔“ پوری کلاس میں بھنبھناہٹ شروع ہو گئی۔ سٹوڈنٹس ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں مصروف ہو گئے۔

”سر کس موضوع پر ہو گا یہ مباحثہ؟“ فرنٹ رو میں بیٹھی ایک لڑکی نے پوچھا۔

”پاکستان کی ترقی میں کیا رکاوٹیں ہیں اور کیسے پاکستان ترقی کر سکتا ہے۔“ پروفیسر صاحب نے جواب دیا۔

”سر طریقہ کار کیا ہو گا؟“ ایک اور طرف سے سوال آیا۔

”اس بار اس مباحثے کو دلچسپ بنانے کی کوشش گئی ہے۔ کچھ سٹوڈنٹس کو چنا جائے گا۔ ان سے ٹیچرز مختلف سوالات کریں گے۔ اسی موضوع سے متعلق' جو اپنا نام لکھ کر دیں گے۔ مختلف ڈیپارٹمنٹس سے جو انٹرسٹ رکھتے ہوں وہ مجھے اپنا نام لکھ کر دے دیں۔“ پروفیسر نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

عمر سر جھکائے سنتا رہا اسے اپنے پاس سے آواز آئی

”ایسی بورنگ باتیں کون سنے۔ کوئی پروگرام بناتے ہیں کہیں گھومنے کا۔“ عمر کا ایک کلاس فیلو اپنے ساتھ بیٹھے اپنے دوست کو کہہ رہا تھا۔ عمر نے ایک نظر اٹھا کر اس لڑکے کی طرف دیکھا اور پھر جھکالی۔

عائزہ کبیر کو بھی اس مباحثے کا پتہ چلا تو ایک عجیب خیال اس کے ذہن میں آیا۔ وہ کنٹین کے باہر بیٹھی جوس کے سپ لے رہی تھی۔ آس پاس وہی ماحول تھا جو عام طور پر کسی یونی کی کنٹین کا ہوتا ہے۔ ارد گرد رنگین آنچلوں کی بہار اور نقرائی ہنسی۔ تو کہیں سریلے قہقہوں کی گونج تھی۔ کہیں کوئی گروپ کی شکل میں بیٹھا تھا۔ کہیں جوڑے کھانے پینے کے بہانے راز و نیاز کر رہے تھے۔

عائزہ کی ٹیبل پر اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ آجکل اسے تنہائی پسند آنے لگی تھی۔ اس کے ٹیبل سے کچھ فاصلے پر کلیم نامی ایک لڑکا اپنے گروپ میں بیٹھا تھا۔ جو یونی کی سٹوڈنٹ تنظیم کا سربراہ تھا۔ اس کے ساتھ چھ اور لڑکے بیٹھے تھے۔ بظاہر تو وہ ان سے میٹنگ میں مصروف تھا لیکن حقیقت میں وہ کن اکھیوں سے عائزہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ صرف ایک ہی نہیں تھا۔ اس طرح کافی اور بھی منچلے تھے جو بظاہر اپنے ماحول میں مگن تھے مگر ان کی نظریں بھی بھٹک کر عائزہ پر آ ٹکتیں تھیں۔

عائزہ کے پنک کلر سوٹ کا عکس اس کے چہرے پر بھی پڑھ رہا تھا۔ جس سے اس کے چہرے سے ہلکی ہلکی روشنی پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ یہ روشنی کچھ عائزہ کا حسن مل کر اتنی کشش پیدا کر رہا تھا کہ ایک بار دیکھنے والا بار بار دیکھنے پر مجبور ہو جاتا۔

بے شک حسن تو خدا نے دیا تھا مگر اس حسن کو اور حسین بنانا عائزہ کو خوب آتا تھا۔ لیکن چہرے پر ایسا وقار بھی قائم تھا کہ کوئی بھی بات کرنے سے پہلے سوچنے پر مجبور ہو جاتا۔

عائزہ بس ایک ہی شخص کو سوچ رہی تھی۔ جھکی آنکھیں، خون سے رنگین پیشانی اور رخسار، دھیما لہجہ، جذب میں ڈوبی آواز، آنکھوں سے گرتے دو آنسو کے قطرے۔ یہ ساری تصویریں بار بار اس کی آنکھوں میں گردش کر رہیں تھیں۔ اس کا بے اختیار دل چاہا عمر کی آواز سنے اسے اور دیکھے۔

عائزہ کے ذہن میں ایک عجیب خیال آ رہا تھا مگر عقل اس سے اختلاف کر رہی تھی۔ لیکن دل ضد پر اڑا تھا۔ آخر دل کی جیت ہوئی۔ اس نے کلیم کی طرف دیکھا جو کنکھیوں سے ہی ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ عائزہ کی نظر خود پر پڑی دیکھی تو چونک کر سیدھا ہو گیا۔

عائزہ نے اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

کلیم نے چہرہ موڑ کر آس پاس اور پھر پیچھے دیکھا کہ کیا واقعی مجھے بلا رہی ہے۔ یقین دہانی ہونے پر کہ واقعی اسے بلایا ہے وہ کرسی دھکیلتا ہوا کھڑا ہوا اور عائزہ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

"جی فرمایئے۔" بڑی شائستگی سے اس نے کہا لیکن خوشی اس کے روں روں سے پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔

"بیٹھیے۔" عائزہ نے دوسری طرف پڑی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ کلیم نے کرسی سنبھال لی۔ کینٹین میں بیٹھے کئی لڑکے حسد اور رشک کی نظروں سے کلیم کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ سے ایک کام تھا اگر کر سکیں تو۔" عائزہ نے لاپرواہی سے کہا۔

"جی بتایئے انشاء اللہ ضرور ہو جائے گا۔" کلیم نے یقین دہانی کرواتے ہوئے کہا۔

”اسلامیات کے ڈیپارٹمنٹ میں لاسٹ سمسٹر کا ایک سٹوڈنٹ ہے۔ جس کا نام عمر ہے۔ میں چاہتی ہوں وہ مباحثے میں حصہ لے۔ بھلے وہ چاہے یا نہ چاہے۔ میں بس اسے مباحثے میں شریک دیکھنا چاہتی ہوں۔ اگر تم یہ کر سکتے ہو تو ٹھیک ورنہ اور بھی راستے ہیں۔“ عائزہ نے مقصد کی بات بھی کر دی اور یہ بھی جتا دیا کہ یہ کوئی بڑا احسان نہیں ہو گا۔ الفاظ کا چناو بھی ایسا کیا کہ الٹا کلیم کو محسوس ہوا اسے اس ’عزت افزائی‘ کا موقع دے کر عائزہ نے اس پر احسان کیا ہے۔

”جی یہ تو کوئی بڑی بات نہیں‘ انشاء اللہ آپکا کام ہو جائے گا۔ یہ سارا کام میں نے ہی مینج کرنا ہے۔ سو نو پرابلم۔“ کلیم نے بھی یقین دلاتے ہوئے کہا۔

”بہت شکریہ۔ کام ہو جانے کے بعد شکریے کے طور پر آپکو ایک ٹریٹ میری طرف سے۔“ عائزہ نے شان بے نیازی سے کہا۔

”جی جی‘ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ نے پہلی بار کوئی کام کہا ہے۔ اگر آئندہ بھی کوئی کام ہو تو ضرور بتایئے گا۔ ویسے آپ ایسا کیوں چاہتی ہیں؟“ کلیم بات کو طول دے کر زیادہ سے زیادہ بات کرنے کے موڈ میں تھا۔

”وہ میرا مسئلہ ہے۔ آپ کا شکریہ‘ میں جا رہی ہوں۔ مباحثے میں پتہ چل ہی جائے گا کام ہوا یا نہیں۔“ عائزہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور یونی کے گیٹ کی طرف چل پڑی۔

اس کے دل و دماغ میں جنگ سی چل رہی تھی۔ تم نے اچھا نہیں کیا۔ اس بیچارے پر کیا گزرے گی جب اچانک اسکا نام مباحثے کے لیے پکارا جائے گا۔ اس نے تو تیاری بھی نہیں کی ہو گی۔ دماغ کہہ رہا تھا جبکہ دل دفاع کر رہا تھا۔ موضوع ایسا ہے امید ہے وہ سنبھال لے گا۔

اسے بولتے۔ اسے دیکھنے کی خواہش عروج پر تھی۔ خود جا کر کیسے بات کرے انا بھی مغرور تھی۔

۔*************۔

حیدر کو تکلیف تو ہوئی مگر وہ ماسٹر اور ان دونوں کے سامنے خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے سوچے سمجھے بغیر پتلے نما بیگ پر لگے دائروں پر ضربیں لگانا شروع کر دیں۔

چند ہی منٹوں میں اسے محسوس ہوا جیسے اس کی ہاتھوں کی پشت سے خون رسنا شروع ہو گیا ہے۔ لیکن وہ دانت پر دانت جمائے پنچنگ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ماسٹر کی آواز سنائی دی۔

"اب بس کرو۔" حیدر نے سکھ کا سانس لیا اور ماسٹر اور ان دونوں کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کے چہروں پر تحسین کے اثرات تھے۔

"تم میں ان دونوں سے زیادہ قوت برداشت اور قوت ارادی ہے۔" ماسٹر نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"پہلی بار جب انہوں نے پنچنگ شروع کی تھی تو تم سے بہت پہلے ہی انہوں نے ہمت ہار دی تھی۔" ماسٹر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا جس پہ دونوں نے عجیب سا منہ بنا لیا۔

"تم تینوں بیٹھ جاو۔" ماسٹر نے اگلی ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

"عموماً انسان کی کیا خوہشات ہوتی ہیں؟" ماسٹر نے سوال کیا۔

"بہت امیر ہونا، بہت مشہور ہونا، اچھی گاڑی، اچھا بنگلہ، بہت عزت ہونا، گھر میں سکون ہونا وغیرہ وغیرہ ایرا غیرا نتھو خیرا اوپس........" اس سے پہلے کوئی بولتا لڑکی فرفر شروع ہو گئی اور الٹا سیدھا

بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ ماسٹر جو کمپیوٹر وغیرہ شٹ ڈاون کرنے میں مصروف تھے۔ ان سے آنکھ بچا کر ساتھ بیٹھے بھائی کو آنکھ مارتے ہوئے کہنے لگی۔

”تم نے سیریس نہیں ہونا۔“ ماسٹر نے خفگی سے کہا۔

”اچھا اچھا سوری سوری۔“ لڑکی نے کہا تو مگر ایسے جیسے ناک سے مکھی اڑا رہی ہو۔

”ہاں تم بتاو حیدر۔“ ماسٹر نے حیدر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”سر جو کچھ اس نے کہا ہے عموماً تو وہی خوہشات ہوتی ہیں۔“ حیدر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”لیکن کامیاب شخص وہ ہوتا ہے جو اپنی خوہشات کو انتہائی لو لیول تک لے آئے' زندگی میں بھی اور میدان جنگ میں بھی۔ وہی انسان کامیاب ہوتا ہے جو اپنی خواہشات کو انتہائی مختصر رکھے اور اپنے جذبات پر قابو رکھے۔“
ماسٹر سمجھا رہے تھے لیکن لڑکی اپنے بھائی سے اٹھکلیاں کرنے میں مصروف تھی۔ ماسٹر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

”تمہاری کافی دنوں سے کلاس نہیں ہوئی۔ اس لیے میرا خیال ہے اب تمہاری کلاس کا وقت آ پہنچا ہے۔“ ماسٹر نے خفگی سے اٹھتے ہوئے کہا اور اٹھ کر باہر جانے لگے۔

ماسٹر کی بات سن کر لڑکی کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ تڑپ کر بولی۔

”سوری بابا جانی۔ اب شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔ پلیز بابا۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے بابا کی منت کرنے لگی۔ لیکن ماسٹر نے ایک نہ سنی اور باہر نکل گئے۔

”اور لوپنگے۔ ویسے بھی تمہاری عادت بن چکی ہے۔ سزا مل جائے تو کچھ دن تمہارے بھی اور میرے بھی اچھے گزر جاتے ہیں۔“ لڑکے نے بڑے اطمینان سے لڑکی کو کہا۔

”پتہ نہیں آج کیا سزا ملنی ہے؟“ لڑکی نے پریشانی سے کہا۔

”ایسی حرکتیں ہی کیوں کرتی ہو کہ سزا ملے۔“ حیدر نے پہلی بار لڑکی کو مخاطب کر کے کہا۔

”او ہیلو تم ہو کون؟“ لڑکی نے کمر پر ہاتھ رکھ کر بگڑے تیوروں کے ساتھ پوچھا۔

”حقیر فقیر پر تقصیر ہیچ مدان بندہ نادان دشمن شیطان نام حیدر خان ابو بھی ہیں۔ خان دل میں ہے جان۔ ملک ہے پاکستان۔ لاؤ ادھر کان بتاتا ہوں اپنی شان۔ رکھتا ہوں مان۔ کروں جو لوں ٹھان جلیں مجھ سے دشمنان کھ......“ حیدر کو نہ جانے کیا سوجھی اس نے عمران سیریز کے کردار عمران کے کچھ لفظ لے کر ساتھ اپنے الٹے سیدھے خود ملا کر لے میں پڑھنا شروع کر دیا۔ جانے کیوں اسے اس لڑکی کو تنگ کرنے میں مزہ سا آنے لگا مگر ابھی اس کی تان جاری تھی کہ آنکھیں پھاڑے اس لڑکی نے ٹوک دیا۔

” یہ کیا بکواس ہے۔“ لڑکی نے تلملا کر کہا۔

”لگتی ہے جل گئی۔“ حیدر نے لڑکے کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”جلے میری جوتی، کونسی دنیا سے آئے ہو؟“ وہ واقعی بھڑک اٹھی۔

”آسمان۔“ حیدر نے بھی لے میں کہہ کر انگلی آسمان کی طرف اٹھا دی۔ لڑکے کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”اب تم بھی اس پاگل کا ساتھ دو گے۔“ لڑکی نے بھائی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کیسے بند ہوتی ہے اسکی زبان؟" حیدر نے ایک اور فقرے کا ٹکڑا لگاتے ہوئے اشارے سے لڑکے سے پوچھا تو بے اختیار اس کے منہ سے قہقہہ ابل پڑا۔ لڑکی کا منہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"بس ہو گئی ختم اڑان۔" حیدر نے لڑکی کی خاموشی پر بھی فقرہ کس دیا۔

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔" غصے سے لال ہوتی لڑکی نے کہا۔ مگر حیدر کو لال ہوتی وہ لڑکی کیوٹ لگی۔

"چاہتا ہوں جان کی امان۔" حیدر نے ہاتھ جوڑ کر ایک اور فقرہ کس دیا۔

اس کا فقرہ سن کر لڑکی کے ہونٹوں پر بھی بے اختیار مسکراہٹ رینگ گئی لیکن اس نے یہ مسکراہٹ فوراً دبالی۔

"ابھی تو چھوڑ رہی ہوں۔ آئندہ پنگا لیا نا تو بہت برا ہو گا۔" لڑکی نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

"تم تو ہو بڑے مہمان۔" حیدر کی سوئی بھی اپنی جگہ اڑ چکی تھی۔

ساتھ بیٹھا لڑکا بھی بڑی دلچسپی سے حیدر کو دیکھ رہا تھا۔ اسے حیدر بہت پسند آیا تھا۔

"اب بس کرو۔ کسی کو ہنسی نہیں آ رہی۔" لڑکی کو بھول چکا تھا۔ عنقریب اس کو سزا ملنے والی ہے۔

"نادان میری نہ ختم ہو گردان۔" فوراً جواب آیا۔

"اف یہ لڑکا چیز کیا ہے۔ اتنی برجستگی سے جواب۔ جذبات پر کنٹرول، ذہانت اس کی آنکھوں سے تو ظاہر ہو ہی رہی تھی مگر باتوں سے بھی ذہانت ٹپک رہی ہے۔" لڑکی نے دل ہی دل میں اس بات کا اعتراف کیا اور اس کے الفاظ کے چناؤ سے بھی وہ حیرانی ہو رہی تھی۔

"کیوں ہو رہی ہو حیران؟" حیدر نے دلچسپی سے الجھتی لڑکی کو دیکھ کر کہا۔

وہ واقعی حیران رہ گئی۔ اس کو کیسے پتہ چلا وہ ہونٹ بھینچ کر بیٹھی رہی اور نہ بولنے پکا ارادہ کر لیا کیونکہ اسے محسوس ہو گیا تھا کم سے کم وہ اس لڑکے کے ساتھ تو مقابلہ نہیں کر سکتی۔

"کیوں ہو پریشان۔ بس لے آو تھوڑی مسکان۔"

حیدر کا ذہن اس وقت پوری طاقت سے فقرے سے فقرے ملانے میں مصروف تھا۔

"تم ہو پورے شیطان۔" لڑکی کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ حیدر اس کی بات سن کر ہنس پڑا۔

"شیطان نہیں ہوں۔ وہ انسان ہوں جسے سمجھنا نہیں آسان۔" حیدر نے اتنا کہا ہی تھا اس پہلے کچھ کہتا یا کوئی اور کچھ کہتا ماسٹر اندر آتے دیکھائی دیے۔

ان کے ہاتھوں میں شیشے کا ایک بڑا جار تھا۔

۔***********۔

علیم کو دس منٹ انتظار کرنا پڑا تھا پھر آہستہ آہستہ قاسم کی حالت اعتدال پر آنے لگی۔

ڈاکٹر اپنی کرسی پر براجمان تھا جبکہ علیم دیوار کے ساتھ صوفے پر بیٹھا تھا۔ نعمان دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا اور کمرے کے بیچوں بیچ قالین بچھے فرش پر قاسم دراز تھا۔ اس کے ہاتھ اور ٹانگیں شل ہو چکیں تھیں۔ ایسی بری حالت سے اسے آج تک نہیں گزرنا پڑا تھا۔

"پااااانی۔" قاسم کے کانپتے منہ سے لرزتے ہوئے الفاظ نکلے۔

علیم فوراً ڈاکٹر کے ٹیبل پر پڑی بوتل اور گلاس اٹھا کر قاسم کی طرف بڑھا۔ لیکن قاسم نے ایک ہاتھ سے گلاس کو سائیڈ پر کیا اور بوتل چھین کر منہ سے لگا لی۔

قاسم اتنی بے صبری سے پانی پی رہا تھا کہ آدھا پانی اس کی باچھوں سے ہو کر کپڑوں پر گرنے لگا۔ پانی پی کر قاسم کو یوں لگا جیسے وہ جہان میں آ گیا ہو۔

پانی پی کر وہ نیچے ہی لیٹ گیا۔ اسکا پورا جسم درد سے ٹوٹ رہا تھا۔ کافی دیر وہ اسی طرح لیٹا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ وہ اٹھ کر بیٹھا۔

”ڈاکٹر مجھے پین کلر اور انرجی کی انجکشن لگا دیں۔“ اس کے چہرے پر چٹانوں جیسی سختی تھی۔

ڈاکٹر نے قاسم کی بات سن کر فوراً انٹرکام کے ذریعے نرس کو بلایا۔ نرس آئی تو ڈاکٹر نے اسے ہدایات دیں۔ تھوڑی ہی دیر میں قاسم کو انجکشنز لگ چکے تھے۔

قاسم علیم کا سہارا لیتے ہوئے کھڑا ہوا اور اپنے ابو کو گھر چلنے کا کہنے لگا۔ اپنے ابو اور نعمان کے سہارے وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گاڑی تک پہنچا۔

نعمان نے فوراً پچھلا دروازہ کھولا۔ قاسم کو بٹھایا اور خود تیزی سے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ ہر بیٹھ کر گاڑی گھر کی طرف لے جانے لگا۔

”میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ میں اس خولہ کو عبرت کا نشان بناوں گا۔ اس نے چند لوگوں کے سامنے مجھے تماشہ بنایا میں پوری دنیا میں اس کا وہ تماشہ بناوں گا۔ کسی کو منہ دکھانے لائق نہیں رہے گی۔ دشمن کی طاقت کا پتہ چلانا ضروری ہوتا ہے جنگ میں‘ اب مجھے پتہ چل چکا ہے۔ اب اسی کے حساب سے چال

چلوں گا۔ اس کا وہ حال کروں گا کہ وہ تڑپ تڑپ کر موت مانگے گی۔" قاسم نے زہر بھرے لہجے میں نفرت سے کہا۔

اس کی آواز میں ایسی درندگی تھی کہ نعمان کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ کی لہر دوڑ گئی مگر اس نے اور علیم نے قاسم کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

خولہ کو گھر پہنچے ابھی دو گھنٹے ہی ہوئے تھے کہ راشد بھائی بھی آ گئے۔ خولہ نے ابھی تک کسی کو ہونے والے حادثے کا نہیں بتایا تھا۔

اسے حیرت تو تب ہوئی جب ایک گھنٹے بعد بابا جانی بھی تشریف لے آئے۔ یہ اس کے لیے حیرت کی بات تھی کیونکہ عموماً ایک ہی دن بابا سے اتنی جلدی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔

بابا جانی کے چہرے پر برہمی کے آثار تھے۔ آتے ہی انہوں نے خولہ اور ضرار کو طلب کر لیا۔

ضرار تو سو رہا تھا۔ اسے اٹھایا گیا اور طلبی کا پروانہ دیا گیا تو وہ بھی آنکھیں ملتا ہوا ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔

باہر ہلکے ہلکے بادل جمع ہو رہے تھے۔ خوشگوار ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی مگر نہ جانے کیوں خولہ کو ڈرائنگ روم کا درجہ حرارت بڑھتا ہوا محسوس ہوا۔

”تم دونوں کس کی اجازت سے میری لیب گئے تھے اور کس کی اجازت سے وہاں کی چیزیں چرائیں؟“ بابا نے برہمی سے پوچھا۔ ضرار تو بے یقینی سے بابا جانی کو دیکھنے لگا۔ جبکہ خولہ نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

”بابا یہاں آنے سے پہلے میں گئی تھی تو ایک ڈبے میں چند شیشیاں پڑی تھیں ان پر وینم کا نام اور خصوصیات لکھیں تھیں۔ وہ پڑھ کر میں رہ نہ پائی اور ایک شیشی لے لی۔ میں نے آپ کو بتانا تھا یہی سوچ کر لی تھی شیشی۔ مگر اسکے بعد آپ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ پرسوں جو ملاقات ہوئی تو اس میں قاسم والا معاملہ چل نکلا اس لیے ذہن میں ہی نہیں رہا۔“ خولہ نے دھیمے لہجے میں وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

”اور پھر تم نے اسکا تجربہ قاسم پر کر دیا۔“ بابا نے طنز کرتے ہوئے کہا۔ خولہ نے استعجاب سے بابا کو دیکھنے لگی۔

”آپ کو کس نے بتا......“ خولہ حیرانگی سے پوچھنے لگی لیکن بابا نے درمیان میں ہی ٹوکتے ہوئے برہمی سے کہا۔

”اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے اس حرکت کی وجہ بتاؤ۔“ ضرار اور راشد چونک کر خولہ کی طرف دیکھنے لگے۔ سوچ ایک ہی تھی یہ کب ہوا کیسے ہوا خولہ نے بتایا کیوں نہیں۔

”بابا اس نے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔“ خولہ نے انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

ضرار اور راشد یہ بات سن کر اچھل پڑے لیکن بابا غور سے خولہ کی طرف دیکھتے رہے۔

"یہ کب کی بات ہے؟" ضرار نے سوالات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے کہا۔

راشد نے بھی سر ہلایا کہ ہاں وہ بھی جاننا چاہتا ہے۔ جبکہ بابا خاموش تھے۔ اس خاموشی کا یہی مطلب تھا کہ خولہ مزید بولے اور تفصیل بتائے۔

خولہ نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے سارا واقعہ گوش گزار کر دیا۔

"ویلڈن۔" سارا واقعہ سن کر راشد اور ضرار کے منہ سے نکلا۔

"جتنا میں چاہتا ہوں تم ان معاملوں میں نہ الجھو تم اتنا ہی الجھ رہی ہو۔ کیوں ان میں اپنی ٹانگ اڑاتی ہو۔" بابا نے تنک کر کہا۔

"بابا اب اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں نا۔" خولہ نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"معذرت کے ساتھ لیکن سر میرا خیال ہے اب ان کو اعتماد میں لے لینا چاہیے۔ یہ اب بڑے ہو چکے ہیں۔" راشد نے مودبانہ لہجے میں کہا۔

بابا جانی نے ایک ثانیے کے لیے راشد کو دیکھا پھر سوچ میں پڑ گئے۔ آخر ٹھنڈا سانس بھر کر کہنے لگے۔

"تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔" بابا کی بات سن کر خولہ اور ضرار کے وجود میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"ان کو بنیادی باتیں اور پورا بیک گراونڈ سمجھا دو۔" بابا جانی نے کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا اور آنکھیں موند لیں۔

ام ہانی اور عبید ٹیوشن پڑھنے جا چکے تھے۔ اس لیے آپی بھی پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

ان سب نے بابا جانی اور راشد کے سامنے کرسیاں لگائیں اور بڑے پر جوش ہو کر بیٹھ گئے۔

"سب سے پہلے تو یہ جان لو کہ عنقریب بہت بڑی جنگیں ہونے والی ہیں' سمجھ لو تیسری جنگ عظیم شروع ہونے جارہی ہے۔ جسکی چھانٹی شروع ہو چکی ہے ن" راشد نے اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"چھانٹی شروع ہو چکی ہے مگر کس چیز کی اور کیسے؟" خولہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اب تک پوری دنیا میں جو صورتحال ہے۔ وہ یہ ہے کہ عام انسان کو کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ کیا حق ہے کیا باطل؟ کون درست ہے کون غلط؟ کونسا فرقہ ٹھیک ہے کونسا نہیں مگر اب حق اور باطل الگ الگ ہونے جارہے ہیں۔ جو ایمان والے ہیں وہ سارے ایک کیمپ میں ہوں گے۔ جو منافق ہیں وہ دوسرے کیمپ میں۔" راشد نے خولہ کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ایک حدیث کے راوی حذیفہؓ بن یمان ہیں۔ جسے قرطبی، ابن کثیر اور نعیم بن حماد نے درج کیا ہے۔ اور دوسری کے راوی وھبؓ بن منبہ ہیں۔ جو السنن الوارد فی الفتن میں موجود ہیں۔ اس حدیث کے مطابق دنیا میں خرابی و تباہی پھیل جائے گی

اور یہ اسوقت تک نہیں ہو گا جب تک مصر خراب نہ ہو گا۔ مصر تب خراب ہو گا جب بصرہ میں خرابی آئے گی اور بصرہ کی خرابی عراق کی خرابی سے شروع ہو گی۔ اسی حدیث میں سندھ یعنی موجودہ پاکستان اور ہند یعنی موجودہ بھارت، اور الصین' یعنی موجودہ چین کا بھی ذکر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"

"سندھ کی خرابی ہند سے اور ہند کی خرابی چین سے۔"

"کچھ سمجھ آئی؟" راشد نے پوچھا تو تینوں ان الفاظ پر غور کرنے لگے۔

راشد بھائی اٹھے اور اپنے کمرے سے ایک گلوب اٹھا لائے جس پر دنیا کا نقشہ بنا تھا۔

"اب دھیان سے سمجھو۔" راشد بھائی نے زور دیتے ہوئے کہا۔

"حدیث کی ترتیب سے چلتے ہیں۔ پوری دنیا میں تباہی اور بربادی پھیل جائے گی۔ ایسا کب ہو گا؟ جب مصر خراب ہو چکا ہو گا اور وہ ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ مصر اسرائیل کو نہ صرف تسلیم کر چکا ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان دوستانہ تعلقات بھی ہیں۔ یوں سمجھ لوں مصر پر عملاً اسرائیل نواز قیادت کی حکمرانی ہے اور مصر کی خرابی بصرہ اور عراق کی خرابی کے بعد ہونی تھی اور یہ دونوں خراب ہو چکے ہیں۔"

یہاں پہنچ کر سر راشد نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا
اور پھر کہنے لگے۔

"عام لفظوں میں اس حدیث کا آخری حصہ پورا ہونا رہتا ہے اور اب وہ ہو رہا ہے۔ میدان جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

"مطلب سندھ یعنی پاکستان کی بربادی۔ ہند اور ہند کی بربادی چین سے، یہ ہونے جا رہا ہے؟"
ضرار نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"سندھ کا مطلب پورا پاکستان بھی ہو سکتا ہے' موجودی سندھ بھی اور پرانا سندھ بھی۔ لیکن تمہارے بابا جانی کا خیال ہے یہاں سندھ سے مراد پرانا سندھ کا علاقہ ہے۔ جس میں کراچی اور بلوچستان کے ساحلی

علاقوں سے لے کر ملتان بہاولپور تک علاقہ شامل ہے۔ اب اگر موجودہ حالات کو دیکھیں تو یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔" راشد نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"او اب بیک گراونڈ سمجھ میں آرہا ہے کچھ کچھ۔ کیونکہ وہاں گوادر بندرگاہ اور سی پیک کا منصوبہ چل رہا ہے۔" خولہ نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"اصل میں یہ میدان 2008 کے بعد سے سجنا شروع ہوا ہے۔ جب معاشی طور پر امریکا دیوالیہ ہوتے ہوتے بچا۔ اپنا سپر پاور کا کردار بچانے کے لیے امریکا کو چین کو روکنا انتہائی ضروری ہو گیا ہے۔ خاص طور پر جب چین ون بیلٹ ون روڈ کا منصوبہ شروع کر چکا ہے۔ جس کے تحت ایشیا، عرب ممالک، افریقہ، یورپ اور جنوبی امریکا تک کے ممالک ڈائریکٹ چین سے رابطے اور آمدورفت میں آجائیں گے۔"

"چین نہ صرف پاکستان بلکہ بہت سے ممالک کے لیے انتہائی اہم ہو چکا ہے۔ کیونکہ چین ان تمام ممالک میں کھربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کر چکا ہے۔ برازیل میں چین نے 55 ارب ڈالر، پیرو میں 20 ارب ڈالر، ارجنٹائن میں 12 ارب ڈالر، یوسی ڈور میں 8 ارب ڈالر اور وینزویلا میں 5 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہے چین نے۔ اسی طرح افریقہ کے ممالک میں بھی چینی سرمایہ کاری تقریباً 45 ارب ڈالر ہے۔ ان تمام ممالک کے علاوہ خود عالمی طاقت امریکہ میں چین کی براہِ راست سرمایہ کاری 171 ارب ڈالر ہے، جبکہ برطانیہ میں 73 ارب ڈالر، سویٹزرلینڈ میں 60 ارب ڈالر، کینیڈا میں 50 ارب ڈالر اور روس میں 39 ارب ڈالر ہے۔"

”اتنی بڑی سرمایہ کاری اور اس کے ساتھ پوری دنیا کو ایک سمندری اور خشکی کی گزرگاہ سے منسلک کرنے کا منصوبہ ایسا ہے۔ جسے بظاہر معاشی طور پر لگام ڈالنا امریکہ کے بس میں ہی نہیں ہے۔ امریکی معیشت کے پاس اسقدر سرمایہ ہی موجود نہیں۔“

”دنیا کی معیشتوں کو تباہ کرنے کا امریکہ کے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ وہ انہیں عسکری طور پر کچلے یا پھر ان ممالک کو اندر کی خانہ جنگی سے کھوکھلا کیا جائے۔ عالمی میڈیا میں گذشتہ بیس سال سے چین کے جنوب مغربی علاقے میں مسلمانوں کی بغاوت اور ان پر ظلم کی داستانیں عام کی جارہی ہیں۔ وہاں ایک مسلح جدوجہد کو منظم کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ امریکا جہاں اگر کوئی مسلمان جہاد کی آیات بھی اپنی تقریر میں استعمال کرے تو اسے دہشت گرد قرار دے دیتا ہے۔ وہی امریکہ چین میں مسلمانوں کے جہاد کا علمبردار بنا ہوا ہے۔ چین کے مسلمانوں کے ذریعے بغاوت کی آگ بھڑکانے کے لئے بہترین ملک پاکستان تھا۔ لیکن پاکستان کے چین کے ساتھ مضبوط تعلقات نے امریکہ کے لئے یہ راستہ مسدود کر کے رکھ دیا۔“ راشد بھائی کی معلومات حیران کن تھیں۔

”مگر امریکا کو چین کی ترقی سے بڑا خطرہ کیا ہے؟“ آپی نے پہلی بار پوچھتے ہوئے کہا۔

” اگر آدھی سے زیادہ دنیا اور چین ڈالر میں لین دین بند کر دیں۔ ڈالر کو عالمی کرنسی کے طور پر نہ مانیں یا اس کی جگہ کوئی اور کرنسی آجائے۔ تو کیا ہوگا؟“ راشد نے سوال پوچھا۔

”امریکا ختم۔ امریکا کی ویلیو ختم۔ ڈالر کی ویلیو زیرو ہو جائے گی اور امریکا کو مارنے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ اپنی موت آپ ہی مر جائے گا۔ ان کے اپنے ملک کے اندر اتنے بحران جنم لیں گے جو اس کو لے ڈوبیں گے۔“ خولہ نے تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

”ایگزیکٹلی، اسی لیے اب امریکا چین کا گھیراو کر رہا ہے۔“

”امریکا کی ہند چینی

(Indo-Pacific)

کمانڈ کے تحت تین لاکھ پچھتر ہزار سپاہی ہیں۔ امریکا کی پوری نیوی کے 60 فیصد جہاز اس خطے میں بھیجے جا چکے ہیں، فوج کے 60 فیصد سپاہی اس جنگ کے لئے مختص کر دیئے گئے ہیں اور مرین کورپس

(Marine Corps)

جو فوری حملے کے لئے مستعد فوجی گروہ ہے، اس کے 79 فیصد جوان اسی خطے میں موجود ہیں۔“

” اس کے علاوہ تین جنگی بحری بیڑے اور دو سو کے قریب جنگی جہاز وہاں منڈلا رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں چین نے بھی 4 مارچ 2012ء کو اپنے فوجی بجٹ میں 11.2 فیصد اضافہ کر کے اسے 106 ارب ڈالر تک پہنچا دیا تھا۔ آج آٹھ سال بعد چین کا سالانہ عسکری بجٹ 200 ارب ڈالر کے برابر ہے۔ چین نے اپنے ایٹمی ہتھیاروں، بلسٹک اور کروز میزائلوں کے پروگرام میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔“

”امریکا نے اس خطے کے تقریباً پندرہ قریبی ممالک کو اپنا اتحادی بنایا ہے۔ جن میں بھارت، جاپان اور آسٹریلیا تین بنیادی اراکین ہیں۔ امریکا نے اپنا سب سے پہلا فوجی اڈہ آج سے ایک سو بیس سال قبل 1898ء میں فلپائن میں بنایا تھا۔ جہاں اس کی افواج آج بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ جنوبی کوریا میں موجود امریکی اڈہ بھی بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔“

"سمندر میں امریکا کے دو سو بحری جہاز موجود ہیں۔ جن میں پانچ بڑے جہاز ہیں، جہاز پر فائٹر طیارے موجود ہیں اور وہ ان بحری جہازوں سے حملے کیلئے پرواز کر سکتے ہیں۔"

"یہ وہ نقشہ ہے جو اس خطے میں موجود افواج کا ہے۔ اس کے علاوہ اس خطے میں جنگ کی صورت میں فوری طور مستعد ریزرو میں گیارہ سو فائٹر جہاز اور ایک لاکھ تیس ہزار نیوی کے سپاہی بھی امریکی چھاونیوں میں مختص کر دیئے گئے ہیں۔ یہ تمام عسکری قوت صرف اور صرف امریکا کی ہے۔ اتنی بڑی عسکری قوت کے بارے میں امریکی ماہرین کی رائے یہ ہے کہ یہ چین کا مقابلہ کرنے کے لئے تھوڑی ہے۔ امریکا کو آسٹریلیا، جاپان اور بھارت کے علاوہ دیگر ایک درجن ممالک کو بھی اس مقصد کے لئے ساتھ ملانا چاہیے تاکہ چین کی ترقی اور قوت کو لگام ڈالی جاسکے۔"

"اسی لیے اب بھارت کے ذریعے لداخ وغیرہ کے مقام پر چھیڑ چھاڑ شروع کر دی گئی ہے۔"

"یہ جنگ تو دنیا میں تباہی لے آئے گی۔" خولہ نے کانپتے ہوئے کہا۔

" حدیث کے الفاظ ہیں پورے تو ہو کر رہیں گے۔" بابا جانی اٹھ کر سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

" تو بابا جانی اور آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟" خولہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہمیں کالے جھنڈے والوں کا انتظار ہے۔ تب تک ہم اندرونی دشمنوں سے لڑ رہے ہیں۔" بابا جانی نے کہا۔

"اب یہ کالے جھنڈے والے کون ہیں؟" ضرار نے حیرت سے پوچھا۔

*************** ۔

"بہت سی باتیں ہیں جو ابھی سربستہ راز ہیں۔" باباجانی نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب بابا؟" ضرار نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ جتنی بھی قرآنی آیات ہیں یا احدیث ہیں وہ اشارے کرتی ہیں۔ ان میں تفصیل اور جزئیات کو بیان نہیں کیا جاتا۔" بابا کی بجائے راشد نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"کچھ احادیث ہیں۔ پہلے وہ سمجھو پھر دیکھتے ہیں کیا سامنے آتا ہے۔"

"حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'جب تم دیکھو کالے جھنڈے خراسان سے آئے ہیں تو ان میں شامل ہو جانا کیونکہ ان میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے۔"

"دوسری حدیث جو سنن ابن ماجہ کی ہے۔

حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول ﷺ کے پاس تشریف فرما تھے کہ بنی ہاسم کے کچھ نوجوان آئے۔ جن کو دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں اور چہرہ کا رنگ تبدیل ہو گیا۔

"حضرت عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا ہم آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے اثرات دیکھ رہے ہیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا:"

اہلِ بیت کے لئے اللہ نے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو پسند کیا ہے اور یقیناً میرے اہلِ بیت آزمائشوں، جلاوطنی اور بے بسی کا سامنا ہو گا۔ یہاں تک کہ

يَأتِي قَومٌ مَن قِبَلِ الْمَشرِ مَعَهُم اَيَاتُ سوُ مشر

سے کچھ لوگ آئیں گے۔ جن کے جھنڈے کالے ہوں گے۔ چنانچہ وہ مجاہدین امارت حکومت کا سوال کریں گے لیکن یہ بنوہاشم ان کو امارت نہیں دیں گے، سو وہ جنگ کریں گے اور اس پر ان کی غیبی مدد کی جائے گی اور وہ غلبہ پالیں گے تو بنے ہاشم ان کو امارت دیں گے لیکن وہ اس کو قبول نہیں کریں گے اور وہ میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص یعنی مہدی کو امارت دے دیں گے۔ جو زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دے گا جیسے وہ اس سے پہلے ناانصافی سے بھری ہوئی تھی۔ تو تم میں سے جو بھی اس وقت موجود ہو ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو جائے۔ خواہ برف پر گھسیٹ کر آنا پڑے۔"

"ایک اور حدیث ہے۔ سنن ابن ماجہ اور المستدرک علی الصحیحین کی جس میں حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"

"تمہارے ایک خزانہ کی خاطر تین شخص قتال کریں گے اور مارے جائیں گے۔ تینوں حکمران کے بیٹے ہوں گے لیکن وہ خزانہ ان میں سے کسی کو بھی نہ ملے گا پھر مشرق کی جانب سے سیاہ جھنڈے نمودار ہونگے۔ وہ تمہیں ایسے قتل کریں گے کہ اس سے قبل کسی نے ایسا قتل نہ کیا ہو گا۔ اس کے بعد آپ نے کچھ باتیں ذکر فرمائیں۔ جو مجھے یاد نہیں۔ پھر فرمایا جب تم مہدی کو دیکھو تو ان سے بیعت کرو۔ اگرچہ تمہیں گھٹنوں کے بل گھسٹ کر جانا پڑے کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ ہونگے۔"

" اس طرح ایک اور حدیث ہے جو ترمذی شریف اور مسند احمد ۲۲۴۱ میں ہے۔ جس میں کہا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"

"خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے اور انہیں کوئی طاقت واپس نہیں پھیر سکے گی۔ یہاں تک کہ وہ ایلیاء (یعنی بیت المقدس) میں نصب کر دیئے جائیں۔"

"کچھ کچھ سمجھ آئی ہے لیکن مکمل نہیں۔" خولہ نے بے بسی سے کہا۔

"سر آپ ہی سمجھائیں۔ آپ ہی بہتر سمجھا سکتے ہیں۔" راشد نے بابا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بابا نے ایک لمبی ہوووں کی اور دوبارہ کرسی سے ٹیک لگا کر کہنے لگے۔

"ان احادیث کے مطابق خراسان سے کالے جھنڈے والے آئیں گے۔ جو نا قابل شکست ہوں گے' کوئی چیز ان کو روک نہیں سکے گی۔ وہ انڈیا اور راستے میں ہر چیز کو فتح کرتے ہوئے فلسطین تک جا پہنچیں گے۔"

"آپ کا مطلب ہے طالبان۔" خولہ نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھو یہی باتیں ہیں جو سربستہ راز ہیں' بے شک علم غیب اللہ کے پاس ہے۔ ہمارے پاس بس کچھ علامات پہنچی ہیں۔ جن پر نظریں رکھنا ضروری ہے۔ اگر حالات کو دیکھیں تو کچھ یونہی لگتا ہے کیونکہ امریکا سے بھی بڑی سپر پاور روس تھی۔ جو طالبان سے ٹکرائی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔"

"امریکا بھی 48 ممالک کے اتحاد کے ساتھ طالبان سے جا ٹکرایا لیکن وہ بھی اب زمین چاٹنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس وقت بھی افغانستان کے ساٹھ سے ستر فی صد حصوں پر طالبان کی حکومت ہے۔ اب اگر سوچیں تو حیرت ہوتی ہے کہ دو عالمی نیوکلیر طاقتیں ایک عام سی فوج سے ٹکراتی ہیں اور تباہ ہو جاتی ہیں' اس سے تو یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ طالبان کے ساتھ اللہ کی مدد ہے۔ ہم حقائق اور حدیث نہیں ٹھکرا سکتے کیونکہ خراسان میں بھی افغانستان کا بہت بڑا، پاکستان کا سرحدی حصہ اور کچھ ایران کا سرحدی حصہ شامل تھا۔"

"لیکن پاکستان تو طالبان کے خلاف رہا ہے اور ان کی وجہ سے ہی پاکستان میں کلاشنکوف کلچر اور افیون چرس وغیرہ عام ہوئے ہیں' خود کش دھماکے وغیرہ شروع ہوئے۔" خولہ نے حیرت اور کشمکش میں کہا۔ کیونکہ عوام میں یہی مشہور تھا عام طور پر اور میڈیا میں بھی ہر طرف یہی تجزیے اس نے سنے تھے۔

"لو جی۔ سر جی آپکی اپنی بیٹی بھی میڈیا کا شکار ہوئی ہے۔" راشد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہمارا المیہ یہی تو ہے۔ ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے چودہ سو سال پہلے کہہ دیا تھا کہ جو بات سنو اس کی تحقیق کر لو' آج ہماری عوام اسی فیصد وہ ہے جو وہی سنتی ہے جو میڈیا سناتا ہے۔ وہی دیکھتی ہے جو میڈیا دِکھاتا ہے۔ اسی پر یقین کرتی ہے جس پر میڈیا یقین دلانا چاہتا ہے۔" بابا نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"بی بی تم تحقیق کرو گی تو حیران رہ جاو گی' افغانستان میں پوست کی کاشت کی شرح تقریباً زیرو پر آ گئی تھی طالبان کے دور میں۔ ان کی سختی اور اسلامی قوانین کی وجہ سے پاکستان کی آرمی نے پہلی بار سکھ کا سانس لیا تھا افغانستان کی سرحد کی طرف سے۔ کیونکہ ادھر سے مداخلت کا امکان نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ لیکن........ لیکن یہ سب تبدیل تب ہوا جب امریکا نے افغانستان پر حملہ کیا۔ تو طالبان دفاع کرنے پر مجبور ہو گئے۔ انڈیا کو موقع مل گیا وہاں سرمایہ کاری کرنے اور وہاں بیٹھ کر افغانستان کی کٹھ پتلی حکومت کے تعلقات بڑھانے کا۔ جس میں انڈیا کامیاب ہو گیا اور تحریک طالبان پاکستان کی آڑ میں بلوچستان اور پاکستان میں اپنا کھیل کھیلنے لگ گیا۔ جاو ذرا تحقیق کرنا۔"

"خودکش حملے پاکستان میں مشرف کے دور میں شروع ہوئے۔ اس سے پہلے ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اسی وقت کلاشنکوف کلچر شروع ہوا۔ اسی وقت منشیات کی شرح بہت بڑھ گئی۔" بابا جانی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اب تو امریکا بھی پاکستان کی منتیں کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ تہاڈی مہربانی ساڈی طالبان نال معاہدہ تے صلح کروا دیو۔" راشد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جب سے امریکا اور طالبان میں امن کی بات ہوئی امریکا سے زیادہ بھارت کی چیخیں نکل رہی ہیں کیونکہ وہاں بھارت کی ساری سرمایہ کاری ڈوب چکی ہے اور پاکستان کی مجبوری بن چکی ہے کہ وہ طالبان کو کھلم کھلا سپورٹ کرے کیونکہ انڈیا اور کابل کی حکومت میں بہت اچھے تعلقات ہیں۔ بھارت نے اسی لیے ایران سے بہترین تعلقات قائم کرتے ہوئے چاہ بہار بندرگاہ قائم کی تاکہ وہ پاکستان کا سہارا لیے بغیر افغانستان سے تعلقات بنا سکے اور افغانستان کو متبادل راستہ مل سکے تاکہ پاکستان کو انڈیا اور افغانستان کے درمیان سینڈوچ بنایا جا سکے لیکن طالبان کی فتح امریکا کی پسپائی نے انڈیا کا خواب چکنا چور کر دیا ہے۔ چین اور روس اس معاملے میں پاکستان اور طالبان کے ساتھ کھڑے ہیں۔" بابا جانی نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے امام مہدی کا دور بہت قریب آ چکا ہے۔ غزوہ ہند بھی قریب ہے کیونکہ طالبان ابھر رہیں ہیں۔ ان کے ساتھ اب پاکستان بھی کھڑا ہے اور چین بھی۔ اور انڈیا جنگ جیسی غلطی کرے گا اور منہ کی کھائے گا۔" خولہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

"ایگزیکٹلی۔" راشد نے جواب دیا۔

”حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی احادیث کے مطابق جب امام مہدی کا ظہور ہو گا۔ اس وقت خیبر تک یہود و نصاریٰ کی حکومت ہو گی۔ اس کے آثار نظر آنے لگ گئے ہیں۔ رفتہ رفتہ تمام عرب ممالک اسرائیل کو تسلیم کرنا شروع ہو چکے ہیں۔ اسی لیے کہا تھا چھانٹی شروع ہو چکی ہے۔ جو جس کیمپ میں ہے وہ وہیں جا رہا ہے۔“ بابا جانی نے افسردہ لہجے میں کہا۔

”یہ سب ہمارے اندازے ہیں مگر اتنا پتہ ہے کہ حدیث کے الفاظ تو پورے ہو کر رہیں گے اور اہل نظر سمجھ رہیں۔“ راشد بھائی نے اپنی بات کا اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ اسی بات کو بابا نے آگے بڑھاتے ہوئے کہا

” دوسری حدیث کو دیکھیں تو ابھی کچھ ہفتوں پہلے ہی کئی سعودی شہزادوں کو گرفتار کیا گیا۔ جس میں مشہور ولید بن طلال بھی شامل تھا۔ بغاوت کی خبریں بھی مشہور ہوئیں تھی اور اندرون حالات سعودی شاہی خاندان میں اختلافات جنم لے چکے ہیں۔ حدیث کے مطابق بادشاہ کی وفات ہو گی۔ جس کے بعد بادشاہی حاصل کرنے کے لیے تین شہزادے لڑیں گے۔ جنہیں کالے جھنڈے والے آکر ہرائیں گے اور پھر یہ امارت حضرت مہدی کے حوالے کریں گے۔ بے شک اہل نظر سب سمجھ رہے ہیں۔ اب جیسے علامہ اقبال کو لے لو وہ صرف شاعر مشرق ہی نہیں ایک پکے مسلمان اور اہل نظر بھی تھے۔ اسی لیے انہوں نے آج سے ایک سو سال پہلے کہہ دیا تھا۔“

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے

ہمالہ کے چشمے ابلنے لگے

_**************

ماسٹر نے آتے ہی وہ جار میز پر رکھا اور لڑکی کو گردن سے پکڑ کر جار کی طرف لے جانے لگے۔ لڑکی مچلتے ہوئے کہنے لگی۔

"بابا پلیز لاسٹ ٹائم چھوڑ دیں۔ اب نہیں پلیز۔"

مگر ماسٹر کچھ نہیں سن رہا تھا۔ حیدر انتہائی پریشان ہو گیا۔ پتہ نہیں ماسٹر کیسی سزا دینے والا ہے۔ اس کے دل میں ہول اٹھنے لگے۔ اس کا دل کیا وہ ماسٹر کی منت کرے کہ اس بار وہ لڑکی کو چھوڑ دیں لیکن ایسا کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حیدر کے برعکس وہ لڑکا دلچسپی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ اشتیاق کے تاثرات تھے۔ جیسے وہ سزا دیکھنے کے لیے بے چین اور بے قرار ہو۔

حیدر کو اس لڑکے پر حیرت ہونے لگی۔ جو بجائے پریشان ہونے کے دلچسپی اور مزے سے دیکھ رہا تھا۔

ماسٹر نے ایک ہاتھ سے جار کا ڈھکن کھولا اور لڑکی کو گردن سے دبوچ کر اس کا منہ اس جار کے اندر ٹھونس دیا۔

جار کے اندر شاید کوئی گیس تھی کیونکہ حیدر کو ہلکا ہلکا سا دھواں سائیڈ سے نکلتا دکھائی دیا۔ باقی دھواں سارا سانس کے ساتھ اس لڑکی کے اندر جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر ماسٹر نے ایسے ہی پکڑ کر رکھا لڑکی کو پھر لڑکی کو چھوڑ کر جار کا ڈھکن بند کیا اور کرسی پر آ کر بیٹھ گئے۔

حیدر دہشت ناک ہو کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ جس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ایک دو بار اس لڑکی نے سر جھٹکا پھر اس کے منہ سے قہقہہ نکلا۔ لڑکی زور زور سے ہنسنے لگی۔ حیدر کو لگا جیسے وہ پاگل ہو چکی ہے۔

حیدر خوف سے کھڑا ہو گیا۔ وہ کبھی لڑکی کو دیکھتا کبھی ماسٹر کو۔ مگر ماسٹر اطمینان سے اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔

پھر تو جیسے لڑکی پر دورا پڑ گیا ہو۔ وہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ کبھی اس کے منہ سے قہقہہ نکلتا کبھی وہ زور سے ہنسنے لگتی۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کو وجہ تو نہیں پتہ ہوتی مگر دوسرے کو ہنستا دیکھ کر خود کو بھی ہنسی آجاتی ہے۔ بات کا پتہ تو نہیں ہوتا مگر ہنسی دیکھ کر ہی ہنسی آجاتی ہے بعد میں۔ یا ہنستے ہنستے ہوئے اگلے بندے سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کیوں ہنس رہا ہے ایسا ہی حیدر اور اس لڑکے کا حال ہوا۔

لڑکی کو بے تحاشہ ہنستا دیکھ کر ان دونوں کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔ ماسٹر بھی مسکرانے لگا۔
ہنستے ہنستے لڑکی کی آنکھوں سے پانی آنے لگا۔ وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

”بابا۔۔۔۔۔ہاہاہاہی ہی ہی

ہی۔۔۔۔پلیز بس۔۔۔۔۔۔ہاہاہاہاہا۔۔۔۔۔انٹی۔۔۔۔۔.۔۔۔۔۔ہی ہی ہی۔۔

۔۔۔ڈوٹ۔۔۔۔۔ہاہاہی ہی۔۔۔۔۔۔۔دے دیں۔۔۔ہی ہی ہاہاہا۔“

بے تحاشا ہنستے ہوئے لڑکی نے بڑی مشکل سے ایک فقرا کہا۔

حیدر کی بھی ہنسی تو نکل رہی تھی مگر اس لڑکے کا بھی ہنسی کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بھی پانی آنے لگ گیا تھا۔

لڑکی اب ہنستے ہنستے زمین پر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔

"اس گیس کو نائٹرس آکسائیڈ

(N2O)

کہتے ہیں۔ عام لفظوں میں اسے لافنگ گیس

(Laughing gas)

بھی کہا جاتا ہے۔ یہ انسان کو ہنسنے پر مجبور کر دیتی ہے۔" ماسٹر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

حیدر حیران رہ گیا۔ کیا ایسی بھی کوئی گیس ہوتی ہے۔ اس اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

"بابا پلیز۔" لڑکی نے ہنستے ہوئے کہا۔ حیدر اس عجیب و غریب سزا کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔

اسے اب سمجھ آئی کہ وہ لڑکا اتنی دلچسپی سے کیوں دیکھ رہا تھا۔ غالباً ماسٹر اس طرح کی عجیب و غریب سزا دیتا رہتا تھا۔

لڑکی کا برا حال ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھوں سے پانی نکل کر رخسار سے ہوتا ہوا سر کے بالوں میں جذب ہو رہا تھا۔

آخر ماسٹر کو رحم آگیا۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی شیشے کی بوتل نکالی۔ اس کا ڈھکن کھولا اور لڑکی کی ناک سے لگا دیا۔ کچھ ہی دیر میں ہنسی کم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی لیکن لڑکی زمین پر ہی لیٹی رہی۔ اٹھنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔

************۔

یونیورسٹی کا ایڈیٹوریم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ رنگ برنگے آنچلوں کی بہار، چہ میگیوں کی بھنبھناہٹ، کچھ ہنسی کی آوازیں پورے ہال میں پھیلی تھیں۔

سٹیج کے پیچھے دیوار پر ایک بڑا سا پاکستان کا جھنڈا آویزاں تھا۔ سٹیج پر سات کرسیاں نیم دائرے میں ایک سائیڈ پر رکھیں تھیں۔ ان کرسیوں کے سامنے ایک کرسی رکھی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک سائیڈ پر ایک کمیٹی بیٹھے گی اور سامنے کرسی پر کوئی ملزم۔

چند ہی لمحوں میں وہاں تین پروفیسر زیونی کے اور دو افراد کسی این جی اوز کے نمائندے، ایک ڈی سی او (جو آج کے چیف گیسٹ بھی تھے) اور ایک مذہبی رہنما آکر بیٹھ گئے۔

جیسے ہی وہ سب ہال میں انٹر ہوئے تھے۔ پورے ہال میں ایک پل کو خاموشی چھا گئی تھی۔

ہال میں کرسیوں کو دو اطراف میں لگایا گیا تھا۔ ایک طرف لڑکیاں بیٹھیں تھیں۔ درمیان میں راستہ اور دوسری طرف لڑکے بیٹھے تھے۔ عائزہ نے فرنٹ رو کی اس سیٹ پر قبضہ کیا جہاں سے سٹیج بالکل سامنے تھا۔

اس کے برعکس عمر درمیان میں ایک رو کے بالکل آخر میں کونے میں بیٹھا تھا۔ جہاں سے کسی لڑکی پر نظر نہ پڑے۔ اسے ان مباحثے میں حصہ لینے کا بس اتنا ہی شوق تھا کہ آتا سنتا اور چلا جاتا۔

تقریب کا آغاز تلاوت سے کیا گیا اور نعت پڑھی گئی۔ جس کے بعد سٹیج سیکریٹری مائیک پر آئے اور کہنے لگے۔

”اس تقریب کو دلچسپ بنانے کے لیے آپ میں سے کچھ لوگوں کو چنا گیا ہے۔ جو اپنا نام دے چکے ہیں۔ ان سے یہاں موجود پینل سوالات اور بحث کرے گا۔ تو اس سلسلے میں پہلا جو نام ہے۔ وہ ہے مس راحیلہ فاروقی کا۔“

”مس راحیلہ فاروقی سے درخواست ہے وہ سٹیج پر تشریف لے آئیں۔“

فرنٹ رو میں بیٹھی ایک لڑکی اٹھی اور سٹیج پر جا کر اس ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ جس کا رخ سات کرسیوں کی طرف تھا۔

مباحثہ شروع ہو گیا۔ لڑکی میں کانفیڈنس تو تھا۔ مگر اسکے جوابات اور بحث ان ہی پوائنٹس کے گرد گھومتی رہی۔ جو عام طور پر مشہور تھے۔ مثلاً جدید تعلیم کا نہ ہونا ایک رکاوٹ ہے، عورتوں کو آگے نہیں آنے دیا جاتا، سیاست دان اپنے مفادات کی خاطر کام کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پندرہ منٹ گزرے تو راحیلہ کو ٹائم اوور کا بتایا گیا۔ وہ اٹھ کر اپنی سیٹ پر واپس چلی گئی۔

نیکسٹ اناونسر نے اعلان کیا ہمارے نیکسٹ سٹوڈنٹ ہیں۔

”محمد عمر فاروق لاسٹ سمسٹر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامیات۔“

عمر اپنی جگہ سن ہو گیا۔ اس کے اندر طوفان سے چلنا لگا۔

اسے لگا جیسے اس نے غلط سنا ہو۔ عمر نے ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی کھڑا نہ ہوا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس نے تو اپنا نام نہیں دیا نہ لکھوایا۔ ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

اتنی دیر میں اناونسر نے دوسری مرتبہ اس کا نام پکارا۔ اس سے اگلی رو میں اس کا ایک کلاس میٹ بیٹھا تھا۔ اس نے چلا کر کہا۔

"سر یہ یہاں ہے۔" آدھے ہال کی نظریں عمر نے خود پر محسوس کیں۔ اسے عجیب سی گبھرائٹ محسوس ہونے لگی۔

"عمر فاروق' پلیز آپ سٹیج پر تشریف لے آئیں۔" اناونسر نے عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بے اختیار عمر اٹھ کر کھڑا ہوا۔ وہ سٹیج کی طرف چل تو رہا تھا مگر اس کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے قدم من من کے ہو گئے ہیں۔

سٹیج پر پہنچ کر عمر نے کرسی پر بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہو کر مائک اٹھا کر کہا۔

"میں آپ سب سے معذرت کرتا ہوں۔ میں نے اپنا نام اس مباحثے کے لیے نہیں دیا تھا۔ نہ کوئی اس کے لیے تیاری کی ہے۔ میں تو اپنا نام سن کر حیران ہوں کہ میرا نام کیوں لیا گیا۔" عمر نے اپنی جان چھڑانے کے لیے مختصر سے فقرے ادا کیے۔

"اس سے تو یہ تقریب اور بھی دلچسپ ہو جائے گی۔ ہمیں اور یہاں موجود ہر شخص کو وہ جاننے کا موقع ملے گا جو ایک عام انسان کے دل کی باتیں ہیں۔ برائے کرم بیٹھ جائیے۔ آپ بھی پاکستانی ہیں اور اس

میں کوئی تقریر نہیں کرنی جس کے لیے آپکو تیاری کی ضرورت ہو۔ صرف چند آسان سوالات کے جواب دینے ہیں۔" پروفیسر خالد نے مائک میں بولتے ہوئے کہا۔

عمر کو محسوس ہو گیا کہ ناچار اسے یہ کڑوا گھونٹ بھرنا پڑے گا۔ وہ خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کیں تو دفعتاً اس کے ذہن میں بابا کی آواز گونجنے لگی۔ جب بھی کوئی مشکل آئے اپنے مدد گار اللہ کو بلا لینا وہ ضرور مدد کرے گا۔

یہ آواز سنائی دیتی ہے فوراً عمر نے اول آخر درود شریف پڑھ کر سات بار حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھ لیا۔ اسے پورے جسم میں سکون کی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ ادھر پینل اپنا پہلا سوال کر رہا تھا۔

"آپکے حساب سے وہ کیا عوامل ہیں جو پاکستان کی ترقی میں رکاوٹ ہیں؟" پروفیسر جمیل نے پوچھا۔

"سب کچھ، آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔" عمر کے منہ سے یہ الفاظ پھسل گئے۔

"مثلاً؟" پروفیسر جمیل کا سوال۔

"پاکستان کا آئین، پاکستان کے قوانین، پاکستان کا نظام تعلیم، پاکستان کا نظام معیشیت سب کا سب بگڑا ہوا ہے۔" عمر نے کہا۔

پہلی بار پورے ہال میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ کچھ پچھلی کرسیوں والے کھڑے ہو کر سٹیج کی طرف دیکھنے لگے۔ عائزہ کبیر۔۔۔۔ وہ تو بھول چکی تھی وہ کہاں ہے۔ کیوں ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو بس والہانہ انداز میں عمر کو دیکھے جا رہی تھی۔

اس کی نظریں والہانہ عمر کے چہرے کا طواف کر رہیں تھیں۔ اس کے ہلتے لبوں کو دیکھ رہیں تھیں۔ عمر کے ماتھے پر پڑی شکنیں گن رہیں تھیں۔

"آپ کو پتہ ہے آپ کیا بول رہے ہیں؟" ڈی سی او کا ناگواری سے سوال۔

"جی اچھی طرح۔" لاپرواہی سے عمر نے جواب دیا۔

"پاکستان کے آئین میں کیا خرابی ہے؟" ایک این جی او کے نمائندے سرمد کا سوال۔

"پہلے ایک سوال میرا اسی حوالے سے کہ یہ آئین کس نے بنایا تھا؟" عمر کا جواب کی بجائے سوال۔

"یہ آئین 1973 میں ذوالفقار بھٹو کی سربراہی میں ایک کمیٹی نے بنایا تھا۔" پروفیسر جمیل کا جواب۔

"جب یہ طے ہو گیا پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ' اسلام کو یہاں کا مذہب قرار دے دیا گیا تو یہ مغرب زدہ آئین کیوں لاگو کیا گیا۔ کیا ہمارے پاس آئین قرآن نہیں تھا۔ کیا ہمارے پاس حضور صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم کی ایز اے لیڈر رول والا آئین نہیں تھا یا تو یہ بتا دیجیے کہ اس آئین قرآن میں یہ کوتاہیاں یا کمیاں تھیں یا 1973 کا آئین بنانے والے زیادہ ذہین تھے؟ اس آئین سے بہتر آئین ہمارے پاس تھا۔ جسے ٹھکرا یہ مغرب کا جمہوریت زدہ آئین ہم پر مسلط کر دیا گیا۔"

"آرٹیکل 2: کے یہ الفاظ کہ ' اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلا شرکتِ غیرے حاکمِ مطلق ہے۔ اس نے جمہور کے ذریعے مملکتِ پاکستان کا جو اختیار سونپا ہے۔ وہ اس کی مقررہ حدود کے اندر مقدس امانت کے طور پر استعمال کیا جائے گا' یہ شق تو شامل کر دی گئی مگر اس پر عمل کہاں ہے؟" عمر نے تڑخ کر جواب دیا۔

ایک خاموشی سی پورے ہال پر چھا گئی۔ سوالات کرنے والی کمیٹی بھی پہلو بدلنے لگی۔ جواب ایسا تھا کہ کسی سوال کی گنجائش ہی نہ بچی تھی۔

نہ تو یہ کہہ سکتا تھا کوئی کہ آئین قرآن میں یہ خامی تھی اور نہ کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ 1973 کا آئین بنانے والے زیادہ ذہین تھے۔

"پاکستان کے قوانین میں کیا خرابی ہے؟" پروفیسر اطہر کا سوال۔

"خرابیاں ہی خرابیاں ہیں' جب کہہ دیا کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو۔ حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے یہاں تک کہا کہ اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا تو پھر یہ قانون کیسے اور کیوں ہیں؟"

" ان قوانین کے تحت انصاف لینے میں نسلوں کو تھانے کچہریوں کے چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ پھانسی پر جھول جانے کے بعد فیصلہ آتا ہے ملزم بے قصور تھا۔ وکیلیوں کی کمائی ہی جھوٹ پر ہوتی ہے۔ اگر ان کا فریق حق پر بھی ہو تو انہیں سچ کو سچ ثابت کرنے کے لیے بھی جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ اسلام کا نظام بہترین نظام تھا۔ جہاں گاوں کا قاضی پھر شہر کا قاضی پھر ملک کا قاضی۔ سائل اپنے گاوں اپنے علاقے کے قاضی کے پاس رات کو بھی آتا تو قاضی اسکی بات سننے کا پابند تھا۔ نہ جج کی چھٹی کا مسئلہ نہ وکیلوں کی فیس کا مسئلہ نہ چکر کاٹنے کا مسئلہ نہ تاریخوں کا مسئلہ۔" عمر کا اطمینان سے جواب۔

پیچھے بیٹھا آدھا ہال اب اٹھ اٹھ کر عمر کو واضح دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"مگر ایسا اب ممکن نہیں کیونکہ......" پروفیسر جمیل کا سوال جاری تھا مگر عمر نے سوال کاٹ کر جواب دیا۔

"ایسا ممکن ہے۔ بیشک سعودی قوانین اب اپنی وقعت کھو رہے ہیں مگر یہی قوانین وہاں موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے امن ہے۔ اگر یونین کی سطح پر چیئرمین بنائے جاسکتے ہیں تو قاضی بھی بنائے جاسکتے ہیں۔ اس طراح حکومت کا بہت سا سرمایہ جو عدالتوں کچہریوں میں لگتا ہے وہ بھی بچ جائے گا۔" ڈی سی او اب غور سے عمر کو دیکھنے لگا۔

"اور پاکستان کے نظام تعلیم میں کیا خرابیاں ہیں؟" دوسرا کوئی سوال نہ مل پایا تو ایک اور این جی او کے نمائندے جبران نے پوچھا۔

"جب انسان کوئی راہ چنتا ہے تو دیکھتا ہے کہ پہلے کون سے لوگ تھے' کس راہ پر چل کر کامیاب ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال دیتا ہوں اور ان کا نظام تعلیم بتا دیتا ہوں۔ فیصلہ آپ خود کر لیجیے گا کہ نظام تعلیم کیسا ہونا چاہیے تھا۔

یورپ والوں نے جابر بن حیان کو گیبر، ابن رشد کو اویرو، ابن سینا کو ایوسیونا اور ابن الھیشم کو الھیزن کہنا شروع کیا۔ تاکہ ان کا مسلمان اور عرب ہونا ثابت نہ ہو۔"

ابن سینا کی کتاب القانون، بصری کی کتاب الحیوان اور ابوالقاسم کی جراحی، سترہوی صدی عیسوی تک یورپ میں نصابی کتب کے طور پر پڑھائی جاتی رہیں۔ ان کتابوں میں انسانی دماغ اور اعصاب کی تصاویر بنی تھیں۔ کاغذ کی صنعت کو اوج کمال پر پہنچانے والے اہل شاطبہ ہیں۔ (شاطبہ بلاد اندلس میں سے

ایک شہر ہے)

چھپائی کی مشین اور مطابع کے پہلے موجد مسلمان سائنسدان ہیں۔"

"دوران خون کا جدید نظریہ ولیم ہاروے سے منسوب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس سے بہت پہلے ابن النفیس نے نظریہ پیش کیا تھا۔"

"ابو القاسم الزہراوی نے مثانہ کی پتھری نکالنے کے لیے جسم کا جو مقام آپریشن کے لیے تجویز کیا تھا۔ آج تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔"

"محمد بن ذکریا رازی دنیا کے پہلے طبیب۔ جنہوں نے تپ دق (ٹی بی) کا علاج اور چیچک کا ٹیکہ ایجاد کیا تھا۔"

"الجبرا خصوصی طور پر مسلمانوں کی ایجاد ہے۔

بن ہاشم (ابن المقنع) نے ایک مصنوعی چاند بنایا تھا۔ جو ماہ نخشب کے نام سے مشہور تھا۔ یہ نخشب نامی کنویں سے طلوع ہوتا تھا اور تقریباً دو سو مربع میل کا علاقہ منور کرتا تھا۔"

"عمر خیام نے شمسی کیلنڈر مرتب کیا۔ سورج اور چاند کی گردش، سورج گرہن، علم المیقات (ٹائم کیپنگ) اور بہت سے سیاروں کے بارے میں غیر معمولی سائنسی معلومات بھی البیرونی جیسے نامور مسلم سائنسدان نے فراہم کیں' رائٹ برادران کو ہوائی جہاز کا موجد مانا جاتا ہے کیونکہ وہ مسلمان نہیں تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ عباس بن فرناس وہ عظیم سائنسدان ہے۔ جس نے دنیا کا سب سے پہلا 'ہوائی جہاز' بنا کر اڑایا تھا۔ وہ کافی دیر ہوا میں اڑتا رہا مگر اسکے ہوائی جہاز میں لینڈنگ کے لیے دم والی ٹیکنیک

کی کمی تھی۔ جس کی وجہ سے لینڈنگ کے دوران وہ گر کر ہاتھ پاؤں تڑوا بیٹھا تھا۔ لیکن اس نے اپنے شاگرد کو دم کے اصول کو یاد رکھنے کی نصیحت کی تھی۔"

"اب آتے ہیں ان کے نظام تعلیم کی طرف۔ تو اس دور میں اتالیق یعنی ٹیچرز ہوتے تھے۔ جو بچوں کو ابتدائی تعلیم گھروں پر جا کر دیتے تھے۔ اس کے بعد مدرسے تھے۔ جو حکومت کی تنخواہوں پر نہیں چلتے تھے۔ ان مدرسوں سے اعلی تعلیم حاصل کی جاتی تھی۔ اب نہ تو وہ ٹیچرز رہے نہ وہ مدرسے۔ اب سکولز ہیں، کالجز یونیورسٹیاں ہیں جو بس پیسا کمانے کے لیے ایک کاروبار بن چکا ہے۔" عمر نے انتہائی تفصیل سے جواب دیا۔

"اب لاسٹ یہ بھی بتادیں نظام معیشت میں کیا برائی ہے؟" ڈی سی او کا دلچسپی سے سوال۔

"سود۔۔۔۔ ہماری معیشت کی بنیاد ہی اللہ اور اسکے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم سے جنگ لڑ کر رکھی گئی ہے تو کامیاب کیسے ہوتی۔ لین دین میں سود ہو تو ترقی نہیں ہوتی۔ تباہی ہوتی ہے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:"

"صاحبِ مکس (ٹیکس وصول کرنے والا) جنت میں داخل نہیں ہو گا۔" (مسند احمد، ابی داؤد) اور پاکستان کی حکومت کیا کر رہی ہے۔ ٹیکس پر ٹیکس لگا کر آئی ایم ایف کا سود ادا کر رہی ہے۔ خنزیر پر تکبیر پڑھ کر چھری پھیرنے سے وہ حلال نہیں ہو جاتا محترم چیف گیسٹ صاحب۔" عمر کا جواب۔

"اتنی دقیانوسی سوچ رکھنے کی وجہ سے ہی پاکستان ترقی نہیں کر رہا۔ یہ ماڈرن ورلڈ ہے۔ پوری دنیا میں یہی نظام چل رہا ہے۔ ہم اس نظام کے بنا نہیں چل سکتے۔ یہ ہماری مجبوری ہے۔" این جی او کے نمائندے جبران کا تیزی اور تلخی سے وار۔

”جاپان بھی بڑا دقیانوس ہے۔ جہاں 1990 سے زیرو شرح سود اور منفی شرح سود کی پالیسی چل رہی ہے۔“

”زیرو شرح سود کا مطلب یہ کہ اگر کوئی قرض لے گا بینک سے تو اسے کوئی سود نہیں دینا پڑے گا۔ منفی شرح سود کا مطلب کہ اگر کوئی بینک میں اپنی رقم رکھواتا ہے تو اسے بینک والوں کو پیسے ادا کرنے پڑیں گے۔ بینک والوں کی سروسز اور اپنے پیسوں کی حفاظت کے لیے۔ جاپان بھی بڑا دقیانوس ہے مگر پھر بھی نہ جانے اتنی ترقی کیوں کر رہا ہے۔ چلیں میں دقیانوس ہوں۔ آپ گوگل پر سرچ کر لیں۔ میں غلط کہہ رہا ہوں یا صیحیح۔“ عمر کا جوابی وار طنزیا تھا۔ جبران بغلیں جھانکنے لگا۔

”اس پالیسی پر ڈنمارک کے مرکزی بینک نے 2012 سے عمل شروع کر دیا ہے۔ یوروپین سینٹرل بینک نے 2014 سے، سویڈن اور سوئٹزرلینڈ نے 2015 سے، برطانیہ، روس وغیرہ بعض دوسرے ممالک

Covid-19

کے بحران میں اس پالیسی کو اختیار کر رہے ہیں۔ اوہ اوہ یاد آیا۔ کچھ عرصہ پہلے تو امریکا نے بھی اس پالیسی پر عمل کرنے کا اعلان کیا تھا۔ انہوں نے شرح سود میں کمی بھی کی ہے اور اسے زیرو تک لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی یاد آیا پاکستان اسٹیٹ بنک نے بھی بھیڑ چال دیکھتے ہوئے شرح سود میں کمی کی ہے۔“

عمر نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

"جس بات کو اسلام نے صدیوں پہلے بتا دیا تھا۔ تجربات کے بعد نقصانات کے بعد دنیا مجبور ہو کر اسی طرف آنے پر مجبور ہو رہی ہے۔ پاکستان کے لیے ویسے تو بہت مشکل ہے زیرو اور منفی شرح سود پالیسی پر عمل کرنا۔ لیکن اگر امریکا اور برطانیہ نے ایسا کیا تو ان کے پیچھے پیچھے انہوں نے بھی کم کرنا شروع کر دی۔"

"اس کا مطلب ہے آپ کو پاکستان پسند نہیں؟" ڈی سو او نے پوچھا۔

"میں نے کب ایسا کہا۔ لیکن میرے اس ملک کے ساتھ جو غلط کیا جا رہا ہے۔ میں اسے غلط کہوں گا درست نہیں۔ رہی پاکستان سے محبت کی بات تو دنیا کی تاریخ میں صرف دو ایسی جگہیں جو اسلام کی بنیاد پر وجود میں آئیں۔ ایک مدینہ جس کا مطلب پاک جگہ۔ ایک پاکستان جس کا مطلب بھی پاک جگہ ۔۔۔ پاکستان ستائیس رمضان المبارک کو وجود میں آیا۔ دنیا کے لیے یہ سب اتفاق ہو سکتا ہے مگر میرے لیے یہ میرے رب کا اشارہ ہے۔ یقیناً پاکستان سے اسلام کا کوئی بڑا کام لیا جائے گا۔"

"آپ نے شاید نوٹ نہیں کیا میرے پانچ منٹ اوپر ہو چکے ہیں۔" یہ کہہ کر عمر اٹھا اور واپس اپنی سیٹ کی طرف چلنے لگا۔

منتظم نے چونک کر گھڑی کو دیکھا۔ وہ بھول چکا تھا کہ مباحثہ ہو رہا ہے اور ایک ٹائم لمٹ مقرر ہے۔

عمر اکیلا نہیں کھڑا ہوا اس کے کھڑے ہوتے ہی پورا ہال کھڑا ہو چکا تھا اور تالیوں کی زبردست گونج اور تحسین کے ایسے نعرے بلند ہوئے کہ ایسا لگا جیسے ہال کی چھت ہی اڑ جائے گی۔

وہ خاموشی پسند خاموش سالڑ کا جب بولا تو پروفیسر ز تک کو سب کچھ بھلا گیا۔ اس کی باتوں سے عائزہ کو لگا جیسے وہ سیاست دان بھی ہے۔ وہ قانون دان بھی ہے۔ وہ ماہر تعلیم بھی ہے۔ وہ ماہر معیشیت بھی ہے۔ وہ ماہر مذہبی امور بھی ہے۔ پتہ نہیں اگر وقت ملتا تو وہ اور کیا کیا بن جاتا مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ بس ایک سچا مسلمان اور مومن تھا۔ شاید ایسے ہی لوگوں کے لیے علامہ اقبال نے کہا تھا۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان، نئی آن

گُفتار میں، کردار میں، اللہ کی برُہان!

قہّاری و غفّاری و قدّوسی و جبروت

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

عائزہ نے پاس سے گزرتے عمر کی خوشبو کو گہرا سانس لے کر اپنے اندر سمونے کی کوشش کی۔ اسے بے اختیار اپنی پسند پر فخر ہونے لگا تھا۔

یہ وہ دن تھا جس دن عمر پوری یونیورسٹی میں مشہور ہو گیا۔

۔**************۔

قاسم اپنے ابو سیٹھ علیم اور نعمان کے ساتھ بیٹھا تھا جب وہ بھیانک فون کال آئی۔ انہوں نے کال اٹینڈ کی تو دوسری طرف سے کرخت اور سرد آواز سنائی دی۔

””تمہاری طرف سے کچھ راز لیک ہوئے ہیں۔ رپورٹ دو۔““ سیٹھ علیم اور قاسم اس آواز کو پہچانتے تھے۔ وہ ان کے کسی بڑے کی آواز تھی۔ جن کی ایما پر وہ لوگ کام کر رہے تھے۔

سیٹھ علیم نے مختصر طور پر سارے حوال بیان کر دیے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کل تک اس سارے معاملے کو ختم کر کے فائنل رپورٹ پیش کر دی جائے گی۔ بس کل تک کی مہلت دے دی جائے۔

دوسری طرف سے بس او کے کہا گیا اور کال منقطع کر دی گئی۔

سیٹھ علیم ماتھے پر آیا پسینہ پونچھتے ہوئے کہنے لگے۔

"اوپر والوں کو بھی پتہ لگ چکا ہے۔ یہ اب ہماری جانوں کا مسئلہ بن گیا ہے۔ مجھے نہیں پتہ قاسم تم جو چاہے کرو اس لڑکی کے ساتھ مگر مجھے ہر بات کی تہہ تک پہنچنا ہے۔ جتنا چاہے پیسا خرچ کرو۔ جتنے مرضی بندے استعمال کرو۔ بس کل تک یہ معاملہ حل ہو جانا چاہیے۔"

"آپ فکر نہ کریں' مجھے اب پتہ ہے مجھے یہ معاملہ کیسے ہینڈل کرنا ہے۔" قاسم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

**************۔

اگلے دن حیدر بڑے جوش سے اٹھا۔ اسے یہی تھا کہ اب اس کی ٹریننگ ان دونوں کے ساتھ ہو گی۔ مگر اسے وہ دونوں کہیں نظر نہ آئے تو اس نے ماسٹر سے پوچھ ہی لیا لیکن ماسٹر کا جواب سن کر اسے بہت مایوسی ہوئی۔ ماسٹر نے کہا۔

"ان کا ٹریننگ کا پہلا مرحلہ ختم ہو چکا تھا۔ اس لیے انہیں دوسرے مرحلے کے لیے دوسری جگہ بھیج دیا گیا ہے۔ تمہارا تو پہلا مرحلہ ابھی شروع ہوا ہے۔"

اس دن حیدر نے بڑی بے دلی سے ایکسر سائزز اور دوسرے اسباق لیے۔ماسٹر نے بھی اس کی یہ بے دلی نوٹ کر لی۔شام کو ماسٹر نے اسے کہا۔

”جتنی جلدی تم پہلا مرحلہ طے کرو گے اتنی جلدی تم ان کے ساتھ مل سکو گے۔“

اس بات نے حیدر کے اندر پارہ بھر دیا اور وہ جی جان سے اپنے کام میں لگ گیا مگر وہ بھول گیا تھا کہ ماسٹر تو ماسٹر ہے۔اسے خوب پتہ ہے کیسے بھینس کو چارے کا لالچ دے کر پیچھے لگانا ہے۔کیسے جوش پیدا کر کے اپنی مرضی کا نتیجہ حاصل کرنا ہے۔

************۔

خولہ کے لیے وہ تمام باتیں حیران کن تھیں لیکن ان تمام باتوں کے جاننے کے باوجود بابا اور راشد نے تفصیل نہیں بتائی کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ان کے بقول ابھی خولہ کے لیے یہ جاننے کا وقت نہیں آیا۔

ضرار کو بھی اس بات پر بہت غصہ آیا تھا۔اس نے تو یہ بھی کہا کہ منصور بھی تو ان کا ہی ہم عمر ہے۔مگر بابا جانی نے جواب دیا۔بے شک وہ ان کا ہم عمر ہے مگر وہ سلجھا ہوا اور ان کی سوچ سے بھی آگے کی سوچ رکھنے والا انسان ہے۔اس میں کچھ خوبیاں ایسی ہیں۔جن کی وجہ سے وہ بابا کی ٹیم میں شامل ہے۔

بابا کل رات کو ہی واپس چلے گئے تھے۔

خولہ بیٹھی تو یونیورسٹی میں اپنی کلاس میں تھی مگر اسکا ذہن بار بار رات کو ہونے والی باتوں کی طرف بھٹک رہا تھا۔

خولہ کی نظر کلاس میں داخل ہوتے قاسم پر پڑی تو وہ تھوڑا چونک سی گئی۔

قاسم بنا کسی کی طرف دھیان دیے کلاس کی سب سے پچھلی رو میں اکیلا جا کر بیٹھ گیا۔

عمار کی طرف اس نے ایک بار دیکھا مگر عمار کی سرد مہر سی نظروں کا سامنا نہ کرتے ہوئے اس نے اپنے لیے نئی جگہ چن لی۔

سارا دن لیکچرز ہوتے رہے مگر قاسم جسے ہر بات میں ٹانگ اڑانے کی عادت تھی۔ خلاف معمول ہر لیکچر میں چپ رہا۔

آخری پیریڈ کے بعد خولہ یونی کی پارکنگ میں آئی۔

اس کی کار یونی سے باہر نکل کر کچھ ہی فاصلے تک چلی ہو گی کہ اسے روڈ کے کنارے کھڑا قاسم دکھائی دیا۔ جو ہاتھ اٹھا کر اسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

پہلے تو خولہ نے نظر انداز کر کے گزرنا چاہا مگر پھر خود پر بے پناہ اعتماد اور قاسم کے ڈیٹا کے متعلق تجسس کہ شاید اس سے کچھ پتہ چل جائے کیسا ڈیٹا تھا کیونکہ بابا نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ ان دو باتوں کے زیر اثر اس کے پاوں بریک پر جا پڑے۔

اگر اس نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اس کا انجام بہت برا ہو گا۔ خولہ نے دل ہی دل میں خود سے کہا۔

جیسے ہی کار قاسم کے پاس جا کر رکی۔ خولہ نے شیشہ نیچے کیا اور سوالیہ نظروں سے قاسم کی طرف دیکھا۔ قاسم دھیمے اور بجھے ہوئے لہجے میں بولا

"اگر آپ برا نہ منائیں تو کیا پانچ منٹ بات ہو سکتی ہے آپ سے۔" خولہ تھوڑا حیران سی ہوئی کیونکہ اسے لگا تھا کہ قاسم اس سے تند و تیز لہجے میں بات کرے گا۔

"کہیں تو میں آپ کی گاڑی میں آجاتا ہوں یا آپ میری گاڑی میں آجائیں یا یہیں باہر کھڑے ہو کر بات کر لیتے ہیں۔" قاسم کا لہجہ ہنوز دھیما تھا۔

خولہ نے ایک پل کے لیے سوچا پھر اسے باہر کھڑے ہو کر بات سننا مناسب لگا۔ اگر ہاتھ پاوں چلانے کا موقع آیا تو باہر وہ کھل کر چلا سکے گی۔ یہی سوچ کر اس نے دروازہ کھولا اور خاموشی سے باہر آگئی۔

"بولو۔" خولہ نے قاسم کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا۔ وہ چوکنّی کھڑی تھی۔

"دیکھیں جو کچھ بھی آپ کے ہاتھ لگا ہے۔ وہ آپ کے کسی کام کا نہیں نہ ہی آپ اسے۔" قاسم نے اتنا کہا ہی تھا کہ خولہ کو اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی ابھرتی محسوس ہوئی۔ خولہ بے اختیار ایکشن کے لیے تیار ہوئی۔

اس سے پہلے خولہ اس چمک کو سمجھ پاتی اور کچھ کر پاتی۔ ایک شدید درد کی لہر اس اپنے سر کے پچھلی طرف محسوس ہوئی۔ جیسے کسی نے بڑے زور سے کسی سخت چیز کا وار کیا ہو۔ خولہ نے فوراً مڑ کر دیکھنا چاہا مگر اس سے پہلے ہی ایک اور زور کی ضرب اس کے سر پر پڑی۔ وہ بے اختیار لہرا کر زمین پر گرنے لگی۔

قاسم کے چہرے پر زہریلی مسکراہٹ اور پیچھے کھڑے دو گارڈز جن کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے۔ یہ دو آخری چیزیں تھیں۔ جو بے ہوش ہونے سے پہلے خولہ کی آنکھوں نے دیکھیں۔ ذہن میں کہیں دور ایک آخری سوچ ابھری کہ وہ بری طرح پھنس چکی ہے۔ اس کے بعد خولہ کو کوئی ہوش نہ رہا۔

بے پناہ خود اعتمادی اور تجسس کے ہاتھوں وہ بابا کے دیے ہوئے تین اسباق بھول گئی تھی۔

1۔ کبھی دشمن کو کمزور مت سمجھنا۔

2۔ چوٹ کھائے دشمن سے حد درجہ محتاط رہو کیونکہ وہ زخمی شیر کی طرح ہوتا ہے۔

3۔ جنگ میں پہلی فتح پر خوش گمانی اور حد سے زیادہ خود اعتمادی سے بچو۔

**************۔

”دشمن پر فتح پانی ہو تو دشمن کی جگہ پر خود کو رکھ کر سوچو کہ اگر تم ہوتے تو تم خود کے خلاف کیا کرتے۔“ حیدر کو ماسٹر کا لیکچر سنتے آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا۔

اسے انسان نما پنچنگ بیگ پر ہٹنگ کرتے پندرہ منٹ ہو گئے تھے لیکن ان پندرہ منٹوں میں حیدر پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔

”فائٹ میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ آپ کس قدر طاقتور ہیں۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ آپ نے کتنی کم طاقت میں دشمن کو زیر کر لیا ہے۔ وہی اصلی مارشل آرٹسٹ ہوتا ہے جو کم سے کم وار میں زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا سکے۔“ ماسٹر کا لیکچر ساتھ ساتھ جاری تھا۔

ماسٹر ایک پوسٹر کے پاس رکے جس پر انسانی جسم کا ڈھانچا اور لیبل رگوں کو دیکھایا گیا تھا۔

”یہ گردن کا ایک حصہ ہے۔ جسے لیرنکس

(Larynx)

کہا جاتا ہے۔ یہاں اگر ایک درمیانی شدت کا وار کیا جائے تو اس سے تین نتائج ملتے ہیں۔“

”نمبر ایک‘ شکار کو سانس لینے میں بہت مشکل ہو جاتی ہے۔“

”نمبر دو، شکار کو بولنے میں انتہائی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔“

”نمبر تین، شکار کے لیے کھانے پینے کے عمل میں نگلنا مشکل ہو جاتا ہے‘ اگر وار کی شدت میں اضافہ کیا جائے تو شکار ہمیشہ کے لیے بولنے سے محروم ہو جائے گا۔ کیونکہ اس سے اسکا وائس باکس بریک ہو جائے گا۔ اگر بولنے کے قابل رہا بھی تو ایسا ایک پیچیدہ آپریشن کے بعد ہی ممکن ہے۔“ ماسٹر لیبلڈ ڈائیگرام سے حیدر کو سمجھا رہا تھا اور حیدر بھی بڑی دلچسپی سے یہ پوائنٹس ذہن نشین کر رہا تھا۔

”اگر.......اگر آپ انتہائی کمزور ہیں۔ جیسے تم ابھی بچے ہو، یا کوئی کمزور ناتواں لڑکی ہو اور وہ ایسی حالات میں پھنس جائے جہاں ان کی جان یا عزت کو خطرہ پیش آجائے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟“ ماسٹر نے حیدر سے سوال کرتے ہوئے کہا۔

”لڑنا چاہیے پوری بہادری سے۔“ حیدر نے جوش سے جواب دیا۔

”غلط“ ماسٹر نے اطمینان سے جواب دیا۔

”اسے خود کو بچانا چاہیے پوری ذہانت سے۔“ ماسٹر نے درست جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اصل مسئلہ یہ ہے کہ جب ایسے حالات آتے ہیں تو اکثر گبھراہٹ، خوف اور سراسمیگی کے عالم میں ہم عقل کا استعمال بھول جاتے ہیں۔ جذبات پر کنٹرول رکھ کر سچویشن کو سمجھ کر اس کے مطابق اپنے ایکشن کا لائحہ عمل بنانا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے حالات میں اس کمزور فریق کو چاہیے کہ وہ اپنے سے طاقتور کا سب سے کمزور پوائنٹ ڈھونڈے۔ اس کمزور پوائنٹ پر طاقت سے کیا گیا ایک وار ہی کافی ہو گا۔“ ماسٹر نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”اب ہم یہاں فرض کرتے ہیں کہ ایک بچہ یا ایک لڑکی اگر ایک طاقتور مرد کے چنگل میں پھنس گئے ہیں تو وہ جتنی بہادری سے بھی لڑیں اس سے جیت نہیں سکیں گے۔ اب تم بتاو انسانی جسم میں سب سے نازک جگہ کونسی ہے؟“ ماسٹر نے حیدر سے پوچھتے ہوئے کہا۔

”آنکھیں“ حیدر نے فوراً کہا۔

”ایگزیکٹلی، اس بچے یا لڑکی کو چاہیے کہ ایک ہاتھ کی دو انگلیوں کا وی بنا کر آنکھوں کو نشانہ بنا کر قدرے قوت سے وار کر دے۔ یا اگر ایسا ممکن نہ ہو تو دونوں ہاتھوں کی ایک ایک انگلی سے آنکھوں پر دونوں ہاتھوں سے موقع پا کر وار کرے۔ نتیجہ یہ نکلے گا ایک کمزور کے سامنے ایک طاقت ور بے بس ہو کر زمین چاٹنے لگے گا۔“ ماسٹر نے پہلے ایک ہاتھ کی شہادت والی اور اس کے ساتھ انگلی کا وی بناتے ہوئے پھر دونوں ہاتھوں کی ایک ایک انگلی کو حیدر کی آنکھوں کی طرف لاتے ہوئے سمجھایا۔

”یہ ایک پوائنٹ ہے۔ ہو سکتا ہے ایسا کرنے کا موقع نہ ملے۔ اس لیے تمہیں پورے جسم میں موجود ایسے تمام پوائنٹس کا پتہ ہونا چاہیے۔ جہاں ہلکی ضرب بھی بہترین نتائج دے سکتی ہے۔“ ماسٹر نے حیدر کو اس پوسٹر کے سامنے کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

****************۔

اس مباحثے کے بعد عمر تو جیسے پوری یونیورسٹی کا ہیرو بن گیا تھا۔ عمر جب کسی راہداری سے گزرتا تو اسے اپنے پیچھے سرگوشیاں سنائی دیتیں۔

”ہاں یہ لڑکا تھا۔“

”دیکھو وہ جو جا رہا ہے۔ اس کا نام عمر ہے۔“

”سنا ہے ڈی سی او صاحب نے وی سی کو کہا کہ وہ اس لڑکے کے ساتھ ایک فیملی ڈنر رکھنا چاہتے ہیں۔“

”یہ تو بڑا خاموش سا لڑکا تھا لیکن بڑا کوئی چھپا رستم نکلا۔“

اس طرح کے نہ جانے کتنے ریمارکس عمر کے کانوں میں پڑ چکے تھے۔ مگر شروع شروع میں تو عمر کو خوشی ہوئی پھر الجھن سی ہونے لگی۔ اس نے ایمانداری سے اپنا تجزیہ کیا۔ تو اس کو اعتراف کرنا پڑا کہ جو کچھ اس کے منہ سے نکلا خود بخود بے اختیار نکلتا چلا گیا۔ اس نے کونسا تیاری کی تھی۔ اس کے لیے شاید یہ اللہ کی طرف سے مدد تھی۔ صلہ تھا اس محنت کا جس پر وہ آجکل دل و جان سے محنت کر رہا تھا۔

اس نے اپنی نظر کی حفاظت کی ہر جاندار و بے جان سے، اس نے اپنے کانوں کو بند کیا ہر اس کلام سے جو اسے لگا اس کے رب کو پسند نہیں، غیبت، چغلی، گانے، فیس بک فری موڈ پر ڈال دی، وہ ہر ممکن کوشش کر رہا تھا بابا کی ہدایات پر عمل کرنے کی۔

اللہ اس کائنات کی سب سے باغیرت ہستی ہے۔ بھلا کوئی اس ہستی کی خاطر کچھ کرے اور وہ اس کا بدلہ بڑھ چڑھ کر نہ دے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟

عمر کو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ایک حدیث یاد آنے لگی۔ جس کا مفہوم کچھ یوں تھا۔ ایک وقت آئے گا جب پورے دین پر چلنا اتنا مشکل ہو جائے گا جیسے ہاتھ پر انگارہ رکھنا۔

یہ دور وہی تو ہے مگر، ہاں مگر جو اس دور میں نفس کا انگارہ ہاتھ پر رکھے۔ تو اللہ تو وہی ہے جس نے پہلوں کو نوازا۔ اب عمر کو نواز رہا تھا۔ بس یہی ایک صلہ نہیں تھا۔

زندگی میں پہلی بار عمر نے ایمان کی حلاوت کا مزہ چکھا۔

وہ نماز پڑھ رہا تھا مگر کیا مزہ تھا نماز میں۔ اس نے سجدے میں سر رکھا۔ تین بار پڑھا سبحان ربی اعلیٰ مگر اسے مزہ آیا۔ اس نے سات بار پڑھا مگر دل، اف یہ کیسا سکون تھا۔ جس کا ذائقہ آج عمر چکھ رہا تھا۔ وہ پڑھتا جا رہا تھا۔ جتنا پڑھتا جا رہا تھا اتنا مزہ آ رہا تھا۔

اس محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اس کے چاروں طرف نور ہے۔ اس نور میں اللہ کا عرش سامنے ہے۔ اس کے جسم میں سرور بھری کپکپاہٹ کی لہر دوڑ گئی۔ اسے لگا جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ کیسا سکون تھا۔ عمر کی آنکھوں میں محبت بھری نمی اتر آئی لیکن اس کے لب تھوڑا سا مسکرائے۔

دو رکعت نماز پڑھ کر وہ فارغ ہوا۔ تو وہ وہیں بیٹھا بیٹھا کھو سا گیا اس کیفیت میں جو نماز میں تھی۔ اس نے زندگی بھر ایسی نماز نہیں پڑھی تھی۔ وہ حیران تھا اور خوش بھی۔

پہلی بار حلاوت محسوس ہوئی تھی۔ پہلی بار اسے محسوس ہوا وہ اللہ کے قریب ہو گیا ہے۔

اللہ کے قریب جو ہوا اللہ نے مخلوق کو حکم دیا یہ میرے قربت چاہتا ہے تم اس کی قربت چاہو۔

مباحثہ تو بہانہ تھا۔ وہ وہی عمر تھا۔ جسے کوئی جانتا نہ تھا۔ وہ اب بھی وہی عمر ہے۔ جس کے ساتھ اب ڈی سی او تک بیٹھنا چاہتا ہے۔ یہ سارے کھیل تو اللہ کے تھے۔ اپنے بندے کی عزت بندوں کے دل میں جو ڈالنا تھی مگر سبب عائزہ بنی۔ سبب کلیم بنا۔ سبب یونیورسٹی کی انتظامیہ بنی۔ سبب ڈی سی او بنا۔ سبب مباحثہ بنا۔

ان سب کو عمر نہیں جانتا تھا مگر پلان اللہ کا تھا۔ بے شک جب وہ چاہتا ہے ایسے جگہ سے راستے نکالتا ہے۔ جس کا کوئی وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا۔

عمر نے وقت دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس کو پورے بتیس منٹ لگے تھے دو رکعت پڑھنے میں مگر عمر کو وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔

وہ سمجھ گیا تھا حلاوت کا ذکر کرتے وقت بابا پر رقت کیوں طاری ہوئی تھی۔ کیونکہ حلاوت ایمان کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ سمجھایا نہیں جا سکتا۔ اسے تو بس کما کر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ عمر کو اب محسوس ہو رہا تھا۔

مگر نہیں ابھی صلہ باقی تھا۔ آج کے دور میں اتنی محنت جہاں نظر کی حفاظت ممکن نہیں۔ جہاں کان کی سماعت محفوظ نہیں۔ عمر نے ایک ماہ کی مشقت میں یہ کر دکھایا تھا۔ صلہ ابھی باقی تھا۔

ایک بہت بڑا مجمع لگا تھا۔ مجمع کے درمیان میں ایک اونچا سا سٹیج تھا۔ جس تک پہنچنے کے لیے کوئی سیڑھی نہیں تھیں۔ سب کی نظریں اور ہاتھ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے تھے۔

ہر کوئی ہاتھ اوپر کیے سٹیج تک پہنچنے کی کوشش میں تھا۔ عمر بھی اس مجمعے میں کھڑا تھا۔ سب کی نظریں اس سٹیج پر کھڑی نورانی شخصیت پر تھیں۔ عمر بھی سر اٹھائے سٹیج کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک اس ہستی کا ہاتھ عمر کو ایک پل کے لیے اپنی طرف تھوڑا سا بڑھتا نظر آیا اور دوسرے ہی لمحے پلک جھپکنے سے بھی کم لمحے میں عمر نے خود کو سٹیج پر پایا۔

عمر نے نیچے دیکھا تو تاحد نظر اسے لوگ ہی لوگ نظر آئے۔ جو اسی کوشش میں تھے کہ انہیں بھی سٹیج پر آنے کا موقع مل جائے۔

عمر نے سامنے کھڑی نورانی شخصیت کو دیکھا۔ انہوں نے پیچھے جانے کا اشارہ کیا۔ عمر پیچھے چلا تو دیکھا سٹیج پر ایک راستہ تھا جو نہ جانے کہاں جا رہا تھا۔ اس راستے کے سرے پر ایک اور نورانی چہرے والا شخص کھڑا تھا۔ اس شخص نے عمر کو اس راستے پر چلنے کا اشارہ کیا تو عمر اس راستے پر ہو لیا۔

اچانک عمر کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو اپنے بستر پر پایا۔

ایک لمحے کے لیے تو وہ سکتے میں آ گیا اور خواب کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر ہڑبڑا کر اٹھا۔ تہجد کا وقت تھا۔

اس نے جلدی سے وضو کیا اور بجائے نماز پڑھتا سیدھا سجدے میں جا گرا۔

وہ بلک کر تڑپ تڑپ کر رونے لگا۔ آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

اس کو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت نصیب ہوئی تھی اور راستے کے سرے پر کھڑے شخص حضرت بلال حبشیؓ تھے۔

یا اللہ میں تو اتنا گناہ گار تھا۔ تو نے مجھے یہ سعادت بخشی۔ کہاں وہ عام سا بندہ۔ کہاں اتنی بڑی سعادت۔

جتنا وہ یہ سوچتا۔ اتنا اسکا رونا بڑھتا جا رہا تھا۔

روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ شدت جذبات سے اس کی زبان خاموش ہو گئی۔ اسکے پاس الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

مگر اس کے آنسو اور اس کے جسم کا روں روں تڑپ رہا تھا۔

اسے لگا سجدے میں کافی نہیں۔ وہ اوندھا لیٹ گیا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر سر آگے بڑھا کر اپنا منہ زمین پر رکھ دیا۔ بے اختیار اس کے زبان سے واسطے نکلنے لگے۔

"یا اللہ تجھے تیری عظیم رحمت کا واسطہ۔"

"یا اللہ تجھے تیری کبریائی کا واسطہ۔"

"یا اللہ تجھے تیرے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کا واسطہ۔"

"یا اللہ مجھے نہیں پتہ میں کس چیز کا واسطہ دوں مگر اتنا کہوں گا اے پروردگار اے ارحم الراحمین جو دولت مجھے دی ہے۔ وہ کبھی مت چھیننا مجھ سے۔ یا اللہ بے شک ساری زندگی میری کوئی دعا قبول نہ کرنا۔ آج بس ایک دعا قبول کر لے۔"

"قیامت کے دن مجھے اپنے اور اپنے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے آگے شرمندہ مت ہونے دینا۔ مجھے اب خود سے دور مت کرنا۔ یا اللہ جانے انجانے میں مجھ سے کوئی گناہ ہو جائے تو معاف کر دینا۔ بس

مجھے خود سے دور مت کرنا۔" شدت جذبات سے عمر کا گلہ رندھ گیا۔ الفاظ نکلنا بند ہو گئے مگر اسکا روں روں تڑپ کر یہی فریاد کرتا رہا اور وہ ہاتھ باندھے اوندھے منہ زمین پر لیٹا رہا۔

اس نے تو بس دنیاوی آنکھ بند کی تھی۔ دنیاوی کان بند کیے تھے۔ دنیاوں زبان کو تالہ لگایا تھا۔ مگر اللہ نے اس کی روح کو یہ سب کچھ عطا کر دیا تھا۔

جو کام جتنا مشکل ہو اس کا صلہ بھی اتنا ہی عظیم ہوا کرتا ہے۔

اس نے پر فتن دور میں نفس کو وہ لگام ڈالی تھی۔ جو دوسروں کے نزدیک ناممکن تھی مگر اب وہ حلاوت ایمان چکھ رہا تھا۔ اس صبر کا انتہائی لذیز و شیریں پھل چکھ رہا تھا۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِہِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ۔ (النور ،)

(اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں)

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِہِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ

(النور ،)

(اے نبیؐ، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُس سے باخبر رہتا ہے۔)

یہ کیسے ہو سکتا ہے کوئی کائنات کی سب سے سخی اور سب سے غیرت والی ہستی رب العالمین کے لیے اپنے نفس کی قربانی دے اور وہ اس کا بدلہ نہ دے۔

وہ تو بڑھا چڑھا کر دینے والی ہستی ہے۔ کوئی ذرا سی قربانی دے تو سہی۔ وہ خزانے لٹا دے گا۔ ایسے خزانے جس کی لذت دنیا کے خزانوں سے الگ اور منفرد ہے۔

حیدر کی ٹریننگ جاری تھی۔ ماسٹر اسے بہت سے ایسے جسمانی باریکیاں سمجھا چکا تھا۔ جہاں کم شدت کی ضرب لگانے سے زیادہ سے زیادہ فائی دہ اٹھایا جا سکتا تھا۔

حیدر بھی دل و جان سے محنت کر رہا تھا۔ ساتھ ساتھ لیکچرز اور مثالوں کے ذریعے نہ صرف ذہنی صلاحیتوں کو بڑھایا جا رہا تھا بلکہ دنیاوی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

”جس کی زندگی میں کوئی مقصد نہ ہو وہ بیکار ہی زندگی گزارتا ہے۔ سوچو ذرا کھانا پینا سونا اسی سوچ میں رہنا, مستقبل کے لیے جوڑنا مطلب ساری زندگی ہی اگر انہیں کاموں میں گزر جائے تو جانوروں اور انسانوں میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔“

ماسٹر اپنی مخصوص کرسی پر براجمان تھے۔ حیدر سامنے بیٹھا ساری باتیں ذہن نشین کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

”جانور بھی کھاتے ہیں۔ پیتے ہیں۔ بچے پالتے ہیں۔ اور اسی روٹین میں مر جاتے ہے۔ آج کل ستر فیصد انسان بھی ایسے ہیں جو جانوروں کی طرح زندگی گزارتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔“ ماسٹر نہ جانے کیا ذہن نشین کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”دیکھو۔“ ماسٹر سیدھا ہوتے ہوئے کہا

”تین قسم کے جانور ہوتے ہیں۔ نمبر ا‘ چارہ خور نمبر ۲‘ درندے نمبر ۳‘ موذی۔“

”تین طرح کے ہی ایسے انسان ہوتے ہیں‘ جو دکھتے تو انسان ہیں مگر اصل میں وہ یہی جانور ہوتے ہیں۔ جو تین اقسام ابھی بتا چکا ہوں۔“ ماسٹر نے سمجھاتے ہوئی ے کہا۔

”مجھے نہیں سمجھ آئی ی۔“ حیدر نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

”میں سمجھاتا ہوں۔ پہلی قسم کے جانوروں کو دیکھو۔ وہ چارہ اور اناج وغیرہ کھاتے ہیں۔ جس قسم کا بھی دے دیا جائی ے ان کو مطلب صرف پیٹ بھرنے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح کے کچھ انسان ہوتے ہیں۔ جن کا مقصد صرف اپنا پیٹ بھرنا ہوتا ہے۔ چاہے حلال ہو یا حرام وہ کہتے ہیں بس ملتا جائی ے۔ مال و دولت بڑھتی جائی ے۔“

”ان میں دوسروں کا احساس نہیں ہوتا۔ ان انسانوں اور چارہ خور جانوروں میں کوئی ی فرق نہیں۔“

”اب آجاؤ نمبر دو درندے‘ یہ ایسے جانور ہیں جو اپنا پیٹ بھرنے کی خاطر دوسروں کو مار دیتے ہیں۔ اسی طرح انسان نما جانور ہوتے ہیں۔ جو اپنے فائی دے کے لیے دوسروں کا حق مارتے ہیں۔ دوسروں کا نقصان ہوتا ہے ہو جائی ے مگر اپنا فائدہ ہو جائی ے۔ آج کل ایسے جانور نما انسانوں کی بہتات ہے۔“

”نمبر تین, موذی جانور‘ یہ وہ جانور ہیں جو اپنا فائدہ ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں دوسرے کا نقصان کرتے ہیں۔ مثلاً سانپ بچھو وغیرہ۔ جو اوروں کو ڈستے ہیں حالانکہ ڈسنے سے ان کا پیٹ نہیں بھرتا لیکن وہ اپنی فطرت کے مطابق ایسا کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان نما جانور بھی

ہوتے ہیں۔ جو فائدہ ہو یا نہ ہو لیکن دوسرے انسان کو ڈستے ہیں۔ حسد کے مارے غیبت کرنا، چغلی کرنا، راہ چلتے کسی کی گاڑی کا شیشہ توڑ دینا وغیرہ"

ماسٹر نے حیدر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"سب سے بہترین انسان وہ ہوتا ہے۔ جس کی زندگی میں کوئی مقصد ہو اور اسکا وہ مقصد انسان کے دنیا میں آنے کے مقصد سے مطابقت رکھتا ہو۔ یہ کوئی زندگی نہیں کہ بچپن سے ہی بچے کے ذہن میں بٹھا دیا جائے کہ پڑھو' پڑھو گے تو اچھی نوکری ملے گی۔ یہ جاہلانہ طرز عمل ہے۔ اسی لیے میں تم کو نصیحت کر رہا ہوں اپنی زندگی کا کوئی مقصد طے کر لو۔" ماسٹر نے حیدر کو پرزور لہجے میں کہا۔

"ماسٹر آپ کی زندگی کا کیا مقصد ہے؟" حیدر نے پہلی بار سوال پوچھتے ہوئے کہا۔

ماسٹر حیدر کا سوال سن کر چپ سا ہو گیا۔

۔********************

ایک زوردار تھپڑ سے خولہ کو ہوش آیا۔

پہلے پہلے تو اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے۔ مگر پھر دھیرے دھیرے اس کی آنکھوں میں شعور کی روشنی واپس آنے لگی۔

آنکھیں کھول کر دیکھا تو سامنے قاسم پھنکارتا ہوا نظر آیا۔ خولہ نے بے اختیار کھڑا ہونا چاہا تو اس پر یہ انکشاف ہوا کہ وہ کرسی سے بندھی ہوئی ہے۔

اس نے خود پر نظر ڈالی۔ سب کچھ صیحیح سلامت تھا۔ بس اس کا نقاب نوچ کر پھینک دیا گیا تھا جو خولہ کے سامنے زمین پر پڑا تھا۔

اس کے سر کے پچھلی جانب ابھی تک درد کی ٹیسٹیں ابھر رہیں تھیں۔

اپنی بے بسی کی حالت دیکھ کر خولہ نے ہونٹ بھینچ لیے۔

”مجھے نچائی ے گی مجھے نچائی ے گی۔“ قاسم نے غصے سے چلاتے ہوئی ے کہا اور ایک اور زوردار تھپڑ خولہ کے منہ پر دے مارا۔ خولہ کو لگا جیسے اس کے رخساروں میں آگ سی بھر گ ئی ی ہے۔

کمرے میں نعمان اور تین گارڈز بھی موجود تھے جو خاموشی سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

”مجھے رسوا کیا تھا۔ اب دیکھ میں تجھے کیسے رسوا کرتا ہوں۔ تیرا وہ حشر کروں گا کہ تو موت کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائی ے گی مگر میں تجھے ماروں گا نہیں' سسکا سسکا کر زندہ رکھوں گا۔“ قاسم نفرت سے بھرے لہجے میں کہتے ہوئے وہ اپنے خطرناک ارادوں کو ظاہر کر رہا تھا۔

”بزدلوں کی طرح کیوں بات کر رہے ہو؟ مجھے کھول دو۔ ایک مرد ہو کر ایک لڑکی کو باندھ کر بات کر رہے ہو' ہمت ہے تو مجھے کھولو' پھر بات کرو۔“ خولہ نے لہجہ سخت بناتے ہوئی ے کہا۔

”وہ کیا ہے تمہیں باندھ کر آسانی سے میرے مقصد پورے ہو سکتے ہیں۔ تم اچھلو گی کودو گی تو ایسے وقت لگے گا۔ جو میرے پاس نہیں ہے۔ ہاں مقصد پورے ہونے کے بعد کھول دیا جائی ے گا۔ اس

وقت تمہاری اچھل کود بھی دیکھ لیں گے۔" قاسم نے شیطانی مسکراہٹ سے کہا اور خولہ کی طرف بڑھنے لگا۔

خولہ کانپ گ ئی ی۔ چاہے وہ جتنی بھی بہادر تھی۔ آخر تھی تو ایک لڑکی ہی اور لڑکی کی عزت ہی اس کے لیے سب کچھ ہوتی ہے۔

اگر وہ آزاد ہوتی تو اور بات تھی۔ اسے دھوکے سے پکڑا گیا تھا ورنہ وہ مر جاتی زندہ ان کے ہاتھ نہ آتی۔

اسے بے اختیار بابا کے وہ سبق یاد آنے لگے جو بابا نے دیے تھے۔ کتنے ہی ایسے اسباق تھے جنہیں وہ نظر انداز کر چکی تھی اور اب احساس ہو رہا تھا۔ بابا کی باتوں کی سمجھ اب لگ رہی تھی۔

قاسم قریب آ کر خولہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا۔

"وہ ڈیٹا کہاں ہے؟ کیوں چرایا تھا۔ کس کو دیا۔ سارے سوالوں کے جوابات دینا شروع کر دو ورنہ تم جانتی ہو' تمہارے ساتھ کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ ویسے بھی تم کافی حسین ہو نہ جانے اتنے حسن کو چھپا کر کیوں رکھتی ہو؟" قاسم شیطانی انداز میں ہنسا۔

خولہ کا دل چاہا اس کے منہ پر تھوک دے مگر اس نے بڑی مشکل سے خود کو ایسا کرنے سے روکا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرتی تو قاسم طیش میں آ کر انتہائی ی قدم اٹھا سکتا تھا۔

"کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ اگر میں سب سچ بتا دوں تو تم مجھے بنا ہاتھ لگائے واپس جانے دو گے۔" خولہ نے قاسم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ تم باعزت طریقے سے واپس جاسکو گی۔" قاسم نے یقین دلاتے ہوئے کہا مگر خولہ جانتی تھی ۔یہ جھوٹ ہے۔ وہ اب اتنی آسانی سے خولہ کو جانے نہیں دے گا۔

خولہ نے دل ہی دل میں ارادہ کیا کہ وہ مرجائے گی لیکن قاسم کے کسی مقصد کو پورا نہیں ہونے دے گی۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ بےبس تھی۔

کاش وہ آزاد ہوتی۔ اے اللہ تو ہی میری مدد فرما۔ کاش بابا جانی کو پتہ چل گیا ہو۔ کاش وہ کچھ کر دیں۔ ضرار بھی اسے ڈھونڈ رہا ہو گا۔ جب انسان کچھ کر نہ پائے تو یہ کاش اور اس طرح کے خیالات جنم لینا شروع کر دیتے ہیں۔

"سر باہر ایک شخص آپ سے ملنے آیا ہے۔ میں نے اسے کہا کہ آپ یہاں نہیں ہیں لیکن وہ کہہ رہا ہے کہ ان سے رابطہ کرو' بہت ضروری بات کرنی ہے۔ مزید اس کا کہنا ہے کہ جو لڑکی قاسم صاحب کی دشمن ہے۔ اس سے میری بھی پرانی دشمنی ہے۔ میں قاسم صاحب کو سب کچھ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ لڑکی کون ہے۔ کس گروہ سے تعلق رکھتی ہے تاکہ اسے قابو کرنے میں دونوں ایک دوسرے کی مدد کرسکیں۔" انٹرکام پر گیٹ پر موجود گارڈ اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

قاسم نے چونک کر وہ اطلاع سنی وہ اپنے فارم ہاوس پر موجود تھا۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" قاسم نے نعمان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے کیا پتہ لیکن دشمن کا دشمن کا دوست ہوتا ہے۔یہ لڑکی جو بھی بتائے گی ہمیں پتہ لگانے میں وقت لگے گا کہ یہ سچ کہہ رہی ہے یا جھوٹ‘ ہو سکتا ہے یہ شخص کچھ بتا سکے۔“ نعمان نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا۔

”اس کی تلاشی لی ہے؟“ قاسم نے گیٹ پر موجود گارڈ سے انٹر کام پر پوچھا۔

”یس سر اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔بس ایک پلاسٹک کی پانی والی گن ہے۔جو عام طور پر بچوں کے پاس ہوتی ہے۔بس سائز میں بچوں والی گن سے کافی بڑی ہے۔چیک کر لیا گیا ہے اس میں واقعی پانی ہے۔ٹرانسپیرنٹ پلاسٹک ہے اس لیے سب واضح نظر آرہا ہے۔اس کے اندر کوئی دھاتی پرزہ نہیں ہے۔ اس کا کہنا تھا اس نے یہ گن اپنے بھتیجے کے لیے خریدی ہے۔“ گارڈ نے بریف کرتے ہوئے کہا۔

”اوکے اسے اندر بجھوادو۔“ قاسم نے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

خولہ بھی یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔وہ حیرت سے سوچنے لگی یہ کون ہو سکتا ہے۔اس کی کیا دشمنی خولہ سے۔

ذہن پر بہت زور دیا مگر خولہ کو یاد نہ آیا کہ اس کی کس سے دشمنی ہے اور خولہ کو پتہ تک نہیں۔ تھوڑی دیر بعد ایک گارڈ ایک اجنبی شخص کو لے کر اندر کمرے میں داخل ہوا۔ نوادر کو کمرے میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔

اجنبی شخص عام سا معلوم ہوتا تھا۔ ایک لمبا سا اوور کوٹ پہنا تھا۔ ہاتھ میں پانی والی گن جس میں پانی چھلکتا نظر آ رہا تھا۔ سر پر لمبی سی ٹوپی۔ عجیب سا حلیہ تھا۔ جیسے کوئی ی سٹیج پر شو کرنے والا جادوگر ہو۔

اجنبی نے کمرے میں موجود لوگوں کو ایک نظر دیکھا۔ دو گارڈز کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا۔ ان پر ایک پل کے لیے اس کی نظر ٹکی اور پھر اس کی نظر کرسی پر بندھی خولہ پر پڑی۔

"آہا کیا بات ہے۔ اب آئی ی اونٹنی پہاڑ کے نیچے۔ بڑی اچھل کود کرتی تھی۔ آج لگ گیا پتہ اچھل کود کا نتیجہ یہی ہونا تھا تیرے ساتھ۔" وہ ہاتھ نچاتا ہوا لڑاکا عورت کی طرح خولہ کو کوسنے لگا۔

خولہ نے حیرت سے عجیب حرکتیں کرتے اس شخص کی طرف دیکھا۔ جسے وہ جانتی تک نہیں تھی۔

"یہ میری طرف سے' یہ کہہ کر اس نے پانی والی گن کا رخ خولہ کی طرف کر کے ٹریگر دبایا تو پانی کی ایک بڑی پھوار خولہ کے منہ سے ٹکرائی ی اور پانی خولہ کے منہ سے ٹپکنے لگا۔ بے اختیار خولہ کی آنکھیں بند ہوئی یں کچھ سیکنڈز کے لیے۔

"کون ہو تم اور اس لڑکی سے کیا دشمنی ہے؟ کیا جانتے ہو اس کے بارے میں؟ جب تک میں نہ کہوں اب کوئی ی حرکت نہ کرنا۔" قاسم نے سخت لہجے میں ہدایات دیتے ہوئی ے کہا۔

"آہ صاحب کیا بتاوں' یہ لڑکی ایک پکی فراڈن ہے۔ لوگوں کو محبت کا جھانسا دے کر شادی کرتی ہے اور شادی والے دن بیہوش کر سب کچھ لوٹ کر لے جاتی ہے۔"

"اس کے ساتھ اس کا گروہ بھی ہے۔ہائے اس فراڈن نے میری عمر بھر کی پونجی لوٹ لی مگر مجھے اسکا دکھ نہیں۔ ارے اس نے تو دل توڑا ہے۔ میں تو محبت کرنے لگا تھا اس سے او بے وفا تو ایک بار کہتی میں جان بھی ہنستے ہنستے لٹا دیتا۔ دولت کی تو کیا اوقات۔" اجنبی شخص چوکڑی مار کر نیچے بیٹھ گیا اور سر پیٹتے ہوئے دہائیاں دینے لگا۔

قاسم اور نعمان حیرت سے اس شخص کو دیکھنے لگے۔

جبکہ خولہ بھی بے یقینی اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔ جسے پہلے کبھی دیکھا نہیں اور وہ اس پر کیا کیا الزام لگا رہا ہے۔ لیکن خولہ چپ رہی وہ جو بھی تھا اس کے بہانے اس کا برا وقت کچھ دیر اور ٹل رہا تھا۔

"تم کون ہو اور کیا کرتے ہو اور تمہارے ساتھ اس نے ایسا کب کیا؟" قاسم نے دلچسپی سے پوچھا۔

" میں ایک جادوگر ہوں اور لاہور کا رہنے والا ہوں۔ میرے ساتھ فراڈ کر کے یہ وہاں سے بھاگ آئی تھی۔ ہائے بے وفا۔"

عشق نے بیوقوف بنا دیا غالب
ورنہ ہم بھی جادوگر تھے کام کے

اجنبی نے غالب کے شعر کے پرخچے اڑاتے ہوئے اس کا پوسٹ مارٹم کر دیا۔

"صاحب میں بہت بڑا جادوگر ہوں۔ سٹیج پر کبھی اصل جادو نہیں دکھاتا مگر آج یہاں اس جادو کے ذریعے اس لڑکی کو ہمیشہ کے لیے قید کر لوں گا۔اس کی جان کسی طوطے میں ڈال دوں۔" اجنبی غصے سے لال پیلا ہوتا کھڑا ہو گیا۔

خولہ حیرت سے اس پل پل میں رنگ بدلتے شخص کو دیکھ رہی تھی۔

”کیا تم پاگل ہو؟ اس دور میں جادو جیسی کوئی ی چیز نہیں ہوتی۔ ہمیں اس لڑکی کے بارے میں جو پتہ ہے وہ بتاؤ اور یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ یہ نہ ہو تمہارا نام ونشان بھی نہ ملے کسی کو۔“ نعمان نے سخت لہجے میں کہا۔ نعمان کی بات سن اجنبی اچھلنے لگا۔

”اتنی بڑی گستاخی دور حاضر کے مہان ترین جادوگر کی شان میں' اتنی بڑی گستاخی۔ جس سے افریقہ کے سرخ جنگل کی کالی دلدل کی خون آشام بدروحیں بھی پناہ مانگتی ہیں۔ یہ مہان ترین جادوگر اس گستاخی کو برداشت نہیں کرے گا ورنہ عمرو عیار کی روح اپنے شاگرد سے شرمسار ہو جائے گی۔“ اجنبی نے تقریباً ناچتے ہوئے کہا۔ چہرے کے عضلات پھڑکنے لگے۔

”یو شٹ اپ' جو پوچھا ہے وہ بتاؤ ورنہ الٹا لٹکنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم خود ہی تم دونوں سے سب کچھ اگلوا لیں گے۔“ نعمان چیخ کر بولا۔

خولہ بھی حیرت اور بے یقینی سے اجنبی کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کیا یہ شخص پاگل ہے؟

”بس اب یہ میری کنوارای عزت کا سوال ہے۔ جب تک اپنا جادو نہیں دیکھاؤں گا کچھ نہیں بتاؤں گا۔ چاہے مر جاؤں۔ یہاں ایک پانی کا جگ رکھا نظر آ رہا ہے ایک اور جگ لے کر آؤ پانی کا پھر میرا جادو دیکھو۔ میں سب کچھ خود ہی بتا دوں گا۔“ اجنبی نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

”جاؤ ایک جگ پانی اور لے آؤ۔“ قاسم نے ایک گارڈ کو اشارہ کیا۔

غالباً اسکے ذہن میں تھا کہ ایک تو دلچسپ تماشا دیکھنے کو ملے گا۔ دوسرا اجنبی اسکے بعد سب کچھ بتا دے گا۔ تھوڑی ہی دیر میں گارڈ شیشے کے جگ میں پانی لے آیا۔

"اب بدروحوں کی چیخیں سنائی دیں گی۔ باہر بھی آوازیں جائیں گی۔" اجنبی نے پریشانی کے تاثرات سے کہا۔

"یہاں سے کوئی آواز باہر نہیں جائے گی کیونکہ یہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے۔" قاسم نے اطمینان سے جواب دیا۔

"سب سے پہلے آپ نے گھبرانا نہیں ہے کیونکہ سکون تو صرف قبر میں ہے۔ وہ بھی اگر اعمال نیک ہوں' تو تیار ہو جائیں دور حاضر کے عظیم ترین جادوگر کے کارنامے دیکھنے کو۔" اجنبی نے آستینیں اوپر چڑھاتے ہوئے بڑے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"مسٹر قاسم اپنے پاس رکھا پانی کا جگ تھوڑا اور قریب کر لیں۔" اجنبی نے قاسم کو کہا۔ قاسم نے جگ تھوڑا اور قریب کر لیا۔

"تم دوسرا جگ اٹھاؤ اور دونوں گارڈ اس جگ کے پاس آ جاؤ۔" اجنبی نے ایک گن والے گارڈ کو اشارہ کیا۔ اس گارڈ نے پانی کا جگ اٹھا لیا جبکہ دوسرا گارڈ اس کے قریب آ گیا۔

سب کے چہروں پر دلچسپی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ خولہ بھی دلچسپی لیے بنا نہ رہ سکی حالانکہ وہ مصیبت میں گرفتار تھی۔ اس اجنبی نے ایسا ماحول بنا دیا تھا کہ ہر کوئی دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا تھا۔

”اب میں گنتی گنوں گا تو میرے تین کہتے ہی آپ تینوں نے اپنے ہاتھ آستینوں سمیت جگ میں ہاتھ ڈال دینے ہیں۔ پھر شروع ہو گا میرا جادو۔“ اجنبی نے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

قاسم اور دونوں گارڈز نے سر ہلا دیے۔

”ایک, دو اور رر ر تین۔“ اجنبی نے تین چلا کر کہا۔

تینوں نے اکٹھے اپنے ہاتھ پانی کے جگ میں ڈال دیے۔

جب قاسم نے اپنا ہاتھ جگ میں ڈالنے لگا تھا تو اسے اپنی آستین پر گولڈن کلر کی معمولی سی کوئی ی چیز دکھائی ی دی لیکن غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اس لیے اس نے فوراً اپنا ہاتھ جگ میں ڈال دیا۔

مگر اگلا ہی لمحہ اس کمرے میں موجود ہر شخص کو دہلا گیا۔

دھاااڑ دھاااااااڑ کی دو آوازیں سنائی ی دیں اور قاسم اور گارڈز کے ہاتھوں میں موجود پانی کے جگ ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گ ئ ے۔

ساتھ ہی قاسم اور دونوں گارڈز کے ہاتھوں کے چیتھڑے اڑ گ ئ ے۔

نہ صرف انکے بلکہ خولہ اور نعمان کے منہ سے بھی چیخیں نکل گ ئ یں مگر دونوں گارڈز اور قاسم کی چیخیں بلند اور کرب میں ڈوبیں تھیں۔

قاسم نے خوفزدہ ہو کر اپنے خون آلود ہاتھ کو دیکھا۔ جہاں سے خون بہہ رہا تھا اور دو انگلیاں لٹک رہیں تھیں جبکہ باقی کی انگلیاں گوشت کے لوتھڑے بن کر اڑ چکیں تھیں۔ چہرے پر بھی شیشے کے ٹکڑے لگنے سے زخم آ چکے تھے۔ کچھ ایسا ہی ملتا جلتا حال گارڈز کا بھی تھا۔

”مہان جادوگر کی شان میں گستاخی کی مہان سزا۔“ اجنبی نے چیختے ہوئے کہا۔

نعمان اور خولہ کو سکتہ ہو چکا تھا۔ وہ حیرت اور انتہائی خوفزدہ ہو کر کمرے کی حالت دیکھ رہے تھے۔ کچھ کانچ کے باریک ٹکڑے اور گوشت کے لوتھڑے ان دونوں کے چہروں پر بھی آ چکے تھے۔

”میں چاہوں تو پانی میں آگ لگا دوں۔ چاہوں تو مٹی کو بارود بنا دوں۔ چاہوں تو پانی کو راکٹ بنا دوں۔“ اجنبی نے خوفناک لہجے میں کہا اور پانی گن کا رخ نعمان کے پاؤں کی طرف کر دیا۔

گن سے پانی کی ایک بڑی پھوار نکلی۔ سارا پانی جا کر نعمان کی پینٹ کے پھونچے پر گرا۔

ایک اور دھاااااااڑ کی آواز آئی۔ نعمان کے پاؤں پر دھماکہ ہوا اور آدھا جوتا، وہاں سے پینٹ کا کپڑا اور ساتھ ہی نعمان کے آدھے پاؤں کی دھجیاں اڑ گئیں۔

نعمان چیخیں مارتا تڑپتا ہوا زمین پر جا گرا۔
خولہ کے منہ سے بھی دہشت کے مارے چیخیں نکلنے لگیں۔

”عمرو عیار کی روح اپنے شاگرد سے خوش ہوئی اور اب تمہاری باری۔“ اجنبی نے بڑے اطمینان سے کہا اور خولہ کی طرف بڑھنے لگا۔

خولہ کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ چلا چلا کر کہنے لگی۔

”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں وہ لڑکی نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں کوئی دھوکا نہیں دیا۔ میں نے تمہاری شان میں کوئی گستاخی نہیں کی۔“

جو کچھ خولہ کی آنکھیں دیکھ چکیں تھیں۔ وہ خولہ کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہیں آیا تھا۔ بھلا کون سوچ سکتا ہے پانی بھی دھماکے کی طرح پھٹ سکتا ہے۔

حیرت, خوف, دہشت, اور کمرے میں موجود لوگوں کی خوفناک حالت نے خولہ کے اوسان خطا کر دیے تھے۔

اجنبی خولہ کے پیچھے آیا اور نیچے جھک کر کچھ کرنے لگا۔ خولہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ منہ ہی منہ میں کلمے کا ورد شروع کر دیا۔ اسے لگا شاید اسکا آخری وقت آ چکا ہے۔

تھوڑی دیر تک کچھ نہ ہوا تو ڈرتے ڈرتے خولہ نے آنکھیں کھولیں۔ وہ اجنبی کھڑا ہو رہا تھا۔

”چلو اب۔“ اجنبی کی آواز سنائی دی۔

خولہ کے اوسان ماؤف ہو چکے تھے۔ وہ نہ سمجھ سکی وہ کیا کہہ رہا ہے۔

اجنبی نے خولہ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ کر اٹھایا۔ تب خولہ کو احساس ہوا وہ آزاد ہو چکی ہے۔ وہ تقریباً اسے کھینچتا ہوا دروازے کی طرف لے گیا۔

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے خولہ نے دیکھا صرف نعمان ہوش میں تھا۔ باقی بے ہوش ہو چکے تھے۔ نعمان بھی کراہ رہا تھا۔ کمرے کا منظر کسی ذبح خانے کا منظر پیش کر رہا تھا۔

باہر نکل کر جیسے ہی وہ گیٹ پر پہنچے گارڈ ان کو دیکھ کر چونکا۔ اجنبی نے گارڈ کو جلدی سے کہا۔

”وہ قاسم پھر ناچنے لگا ہے۔ جلدی جاؤ نعمان بلا رہا ہے۔“

چونکہ گارڈ پہلے بھی قاسم کے ناچنے کا منظر دیکھ چکا تھا۔ وہ گبھرا کر اندر کی طرف بھاگا جبکہ اجنبی جلدی سے خولہ کو لیے باہر آیا۔ خولہ ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں ساتھ چل رہی تھی۔ گیٹ سے باہر کھڑی گاڑی میں خولہ کو بٹھا کر انجانی منزل کی طرف تیزی سے گاڑی بھگانے لگا۔

”تم کیا چیز ہو؟“ خولہ کے اوسان اتنے خطا تھے کہ بجائے یہ پوچھنے کے کہ تم کون ہو۔ اس کے منہ سے نکلا کہ وہ کیا چیز ہے۔

وہ اس سے بے حد ڈر چکی تھی اور مرعوب بھی تھی۔ پتہ نہیں یہ انسان ہے یا کوئی جن وغیرہ ہے۔

”میں کوئی چیز نہیں انسان ہوں۔“ اجنبی نے ہنستے ہوئے کہا۔

اب وہ بالکل ہی الگ سا نظر آ رہا تھا۔ کسی کھلنڈرے سے نوجوان کی طرح جسے کوئی فکر نہ ہو۔ خولہ کے اوسان بحال ہونے لگے۔

نوجوان نے نہ جانے کس کا نمبر ملایا اور لاوڈ سپیکر آن کر دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد خولہ کو بابا جانی کا ہیلو سنائی دیا۔

”سر خولہ میرے ساتھ ہے۔ شی از اوکے۔“ اجنبی نے ادب سے کہا۔

”اس بیوقوف کو لے آؤ۔“ خولہ کو موبائل کی دوسری جانب سے بابا جانی کی آواز سنائی دی۔

خولہ کو پہلی بار سکھ کا سانس آیا۔ خولہ نے سر سراتے لہجے میں پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

"بندے کو منصور کہتے ہیں۔" اجنبی نے سر کو خم کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے کہا۔

عائزہ کبیر کی راتوں کی نیندیں اڑ چکیں تھیں۔ دن رات اب بس ایک ہی شخص کا خیال تھا۔ عمر, عمر اور بس عمر۔

وہ سوچ سوچ کر تھک چکی تھی۔ وہ کیسے عمر کو متاثر کرے۔ کیسے اپنی طرف مائل کرے۔ مگر کوئی قابل عمل پلان اس کے ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔ آجا کر اس کے ذہن میں یہی بات آ رہی تھی کہ خود عمر کے سامنے جا کر اس سے محبت کا اظہار کر دے۔ لیکن اس معاملے میں انا آڑے آ رہی تھی۔ وہ خود جا کر کیسے یہ سب کہے۔

رات کے دو بج رہے تھے۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ لائٹ آف کیے وہ بیڈ پر اوندھی لیٹی کب سے یہی سوچ رہی تھی۔

سوچ سوچ کر اس کے سر میں درد ہونے لگ گیا تھا۔ آخر اس نے اپنی انا قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پہلا موقع ملتے ہی عمر سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

_***************_

عمر کا جوش قابل دید تھا۔ وہ بڑا پر جوش ہو کر بابا سے ملنے جا رہا تھا۔ یہ ایک مہینہ اسے اپنی زندگی کے بہترین دن لگنے لگے تھے۔

کتنا کچھ پایا تھا اس نے۔ ایسی لذتیں چکھیں تھیں جن کا ذائقہ دنیا کی ہر چیز سے افضل تھا۔ اور یہ سب کچھ اسے بابا کی بدولت ہی ملا تھا۔ کتنے زبردست بابا جی ملے تھے۔

مگر بابا ہیں کون؟ عمر کی ذہنی رو بھٹکی, انکا نام کیا ہے؟ وہ مہینے میں صرف دو دن کیوں ملتے ہیں۔ باقی پورا مہینہ کہاں رہتے ہیں؟ کیا انکی بھی کوئی فیملی ہے۔ کیا بابا کے بچے بھی بابا کی طرح ہوں گے؟ یہ سارے سوالات عمر کے ذہن میں گونجنے لگے۔

پتہ نہیں بابا کی زندگی میں کیا کیا راز چھپے ہیں۔ وہ سوچنے لگا۔ وہ تو کچھ بھی نہیں جانتا ان کے بارے میں۔ لیکن بابا عمر کے بارے میں سب جانتے تھے۔ عمر کو یاد تھا آج بھی زندگی کا وہ دور جسے وہ اپنی زندگی کا بدترین دور سمجھتا تھا۔

عمر ایک ایلیٹ کلاس کا اکلوتا چشم و چراغ تھا۔ اس کے ماں باپ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ ابو ملک کی مشہور کمپنی کے مالک تھے۔ جنہیں باہر آکسفورڈ کی یونیورسٹی میں ایک کینیڈین لڑکی پسند آ گئی۔

حقیقت میں کینیڈین لڑکی کو عمر کے ابو پسند آئے تھے۔ جو مشرق کی روایات کا پاس آکسفورڈ میں ہوتے ہوئے رکھ رہے تھے۔ عمر کی ماما کرسچین تھیں۔ جو اس شرط پر مسلمان ہونے کو تیار

تھیں کہ اگر عمر کے والد اس سے شادی کریں۔ عمر کے ابو نے گھر بات کی لیکن دادا ابو نہ مانے تو عمر کے ابو نے اس لڑکی سے وقت لیا اور پاکستان آکر دادا ابو کا ہاتھ بٹانے لگے مگر شادی کرنے پر نہ مانے۔

دو سال بعد دادا ابو کے انتقال کے بعد دادی اماں کی اجازت سے عمر کے والد جہاں داد نے عمر کی والدہ لیونا سے شادی کرلی۔ جو مسلمان ہو کر خدیجہ بن گ ئی ی تھیں۔ دو سال بعد عمر پیدا ہوا۔ عمر ابھی چھ سال کا ہوا تھا کہ دادی اماں انتقال کر گ ئی یں۔

جہاں داد کی فیملی ایک مکمل خوشحال فیملی تھی۔ وہ لوگ چھٹیوں میں کینیڈا چلے جاتے تھے۔ جہاں خدیجہ کے والد ایک فٹنس اور مارشل آرٹ اکیڈمی میں فٹنس ٹریز اور مارشل آرٹس سکھاتے تھے۔

وہیں عمر نے اپنے نانا سے اس کی ٹریننگ لی شوقیہ طور پر جس کا ابھی تک عمر نے کوئی ی فائی دہ نہیں اٹھایا تھا۔

عمر بیس سال کا تھا۔ جب اسکے امی ابو ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں گزر گ ئی ے۔ اسکے بعد عمر ایک بدترین دور سے گزرا۔ ڈپریشن کی وجہ سے خودکشی کا سوچنے لگا لیکن اسکی ماما خدیجہ مسلمان ہونے کے بعد ایک بہترین مسلمان بنیں تھیں۔ اس لیے عمر کی تربیت بھی انہی خطوط پر ہوئی ی تھی۔

اس لیے وہ اپنے خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ اتفاق سے ایک دن وہ انتہائی ی ڈپریشن کی حالت میں دوسرے شہر جا رہا تھا راستے میں ایک مفلوک الحال عورت گاڑی کے سامنے آ گ ئی ی۔ عمر گاڑی روک کر اترا تو وہ عورت عمر کے قدموں سے لپٹ کر فریاد کرنے لگی۔

اس کا بچہ بہت بیمار ہے۔ اس کے پاس کوئی ی اور ذریعہ نہیں ہے۔ بڑی مشکل سے وہ مین روڈ تک پہنچی مگر نہ کوئی ی گاڑی رکی۔ نہ کسی نے کوئی ی مدد کی۔ اب وہ چاہ رہی تھی کہ عمر اسکی مدد کرے۔

عمر نے روڈ کے کنارے دیکھا تو تین چار سال کا ایک ڈھانچہ نما بچہ پڑا تھا۔ جو بے سدھ گھاس پر لیٹا تھا۔ عمر کو ترس آیا اور اس عورت کو لے کر نزدیکی ہاسپٹل لے گیا۔ علاج کے بعد عورت کو اسکے گاؤں جو مین روڈ سے بہت ہٹ کر تھا وہاں چھوڑنے گیا۔

گھر پہنچ کر عورت نے انتہائی ی شکر گزاری کا اظہار کیا اور پلو اٹھا کر عمر کو دعائی یں دینے لگی۔ پھر بے اختیار اپنے بچے کو اٹھا کر چومنے لگی۔

اسے والہانہ اپنے بچے کو چومتے دیکھ کر عمر کو اپنی ماں کی ایسی یاد آئی ی کہ اس سے برداشت نہ ہوا وہ باہر نکلا اور قریبی مسجد میں گیا اور بنا وضو اندر مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ کر بے تحاشا رونے لگا۔

روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گ ئی ی۔ وہ خدا سے شکوہ کرنے لگا۔ اس کے پاس ایک ماں باپ ہی تھے۔ جن کو بھی چھین لیا۔ اب اسکا اپنا کوئی ی نہیں۔ جو ہیں وہ مطلب اور دولت کے لالچ میں ساتھ ہیں۔ روتے روتے اسے پتہ نہ چلا کہ کب کوئی ی اس کے قریب آیا۔

اسے تب احساس ہوا جب ایک ہاتھ اس کے کندھے پر آ کر ٹکا۔ اس نے چونک کر اوپر دیکھا تو اسے ایک نورانی سی صورت نظر آئی ی۔ وہ عمر کی بابا سے پہلی ملاقات تھی۔ اور پھر بابا کی باتوں نے ایسا مرہم رکھا کہ عمر سب کچھ بھول گیا۔

اس کے بعد عمر نے اپنا سارا کاروبار بیچ کر پراپرٹی کے بزنس میں پیسا لگا دیا۔ جہاں اسکے اکاؤنٹ میں ماہانہ رقم جمع ہو جاتی تھی۔ جو عمر کی ضرورتوں سے زیادہ تھی۔ عمر شہر کی رہائش چھوڑ کر اس گاؤں کے قریب اپنی رہائش رکھ لی تھی۔

عمران سوچوں میں اتنا گم ہو گیا تھا کہ وہ پتہ نہیں کب کا مسجد کے باہر پہنچ کر بھی باہر ہی کھڑا مسجد کو دیکھتا جا رہا تھا۔

۔*****************۔

خولہ کو بابا جانی کے منصور کے بارے میں کہے جانے والے فقرے یاد آئی ے۔ جس کی تعریف بابا کریں وہ کوئی ی عام شخص تو ہو ہی نہیں سکتا۔ خولہ نے سوچا اور غور سے منصور کو دیکھنے لگی۔

اچانک منصور نے خولہ کی طرف منہ کر کے آنکھیں پھیلا کر منہ پورا کھول دیا۔ کھلے منہ کے اندر اس کی زبان سانپ کی طرح ادھر ادھر گھوم رہی اور لہرا رہی تھی۔

منصور نے اتنی اچانک یہ حرکت کی تھی کہ پہلے تو خولہ بری طرح ڈر گ ئی ی۔ کہ اب پتہ نہیں اس کو کیا دورہ پڑ گیا ہے۔ مگر پھر جھینپتے ہوئ ے غصے سے بولی۔

" یہ کیا بیہودہ حرکت ہے۔"

" آپ اتنے غور سے مشاہدہ کر رہیں تھیں۔ مجھے لگا شاید آپ میرے اندر کا مشاہدہ کرنا بھی پسند کریں۔" منصور نے سادہ سے لہجے میں کہا مگر اسکے ہونٹوں پر دبی دبی سی مسکراہٹ بھی تھی۔ جیسے وہ

اس سچویشن سے محظوظ ہو اہو۔

نظریں سامنے تھیں مگر پھر بھی یہ بندہ غافل نہیں تھا خولہ نے سوچا۔

پھر اچانک خولہ کی نظر پانی والی پستول پر پڑی تو اسے کمرے کے منظر یاد آگ ئی ے۔ بے اختیار اسے جھرجھری آگ ئی ی۔

"اس پستول میں کیا ہے اور وہ پانی والے جگ کیسے پھٹے۔" خولہ نے تجسس سے پوچھا۔

"او یہ۔" منصور نے پستول اٹھاتے ہوئی ے کہا۔

" ایک منٹ ذرا اپنا منہ کھولنا۔" منصور نے گبھرا کر تیزی سے کہا۔ اس کی گبھراہٹ اور سنجیدگی دیکھ کر خولہ نے فوراً اپنا منہ کھول دیا۔

منصور نے بڑے سکون سے پستول کا منہ جلدی سے خولہ کے منہ کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ پانی کی پچکاری نکلی اور سیدھا خولہ کے گلے اندر جا کر لگی۔

خولہ کو پانی کا ذائی قہ محسوس ہوا اور گلے پر پھوار لگنے سے بے اختیار کھانسی اٹھنے لگی۔ منصور بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"اس میں پانی ہے۔" خولہ کا غصے سے چہرے لال ہو گیا۔ وہ چلاتے ہوئی ی بولی۔

"ویسے نہیں بتا سکتے تھے۔ یہ بیہودہ حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

" آپ نے منہ کھولنے کی بیہودہ حرکت کیوں کی۔" اس کے اطمینان میں ذرا فرق نہیں آیا اور ترکی بہ ترکی جواب بھی دے دیا۔

خولہ نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر پھر فوراً بند کر لیے۔ شاید وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔

"اب میں کچھ نہیں بولوں گی۔" خولہ نے تپ کر کہا۔ منصور تھوڑی دیر خاموش رہا پھر کہنے لگا۔

"ان دھماکوں میں ایک خاص ٹیکنیک استعمال ہوئی تھی۔ جو ابھی عام نہیں۔" یہاں پہنچ کر وہ پھر چپ ہو گیا۔

"کون سی ٹیکنیک؟" خولہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"اب کیوں بولی ہو؟" منصور نے اطمینان سے کہا۔

خولہ کا دل چاہا وہ منصور کا منہ توڑ دے۔ اس کے اندر غصے کی لہریں اٹھنے لگیں۔ بڑی مشکل سے خولہ نے خود پر کنٹرول کیا مگر اس نے تہیہ کر لیا کہ اب کچھ نہیں بولے گی۔ چاہے کچھ بھی ہو۔

گھر اب قریب آ چکا تھا۔

اچانک کار لہرانے لگی اور منصور بار بار پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔

"یہ کہاں سے پیچھے لگ گئے؟ ان سے پیچھا چھڑانا ہو گا۔" وہ بڑبڑاتا ہوئے بولا۔

"ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔ سیٹ کے نیچے گن ہے۔ وہ نکالو اور پیچھے والوں پر فائرنگ کرو۔ ان سے پیچھا چھڑانا ہو گا ورنہ وہ گھر تک پہنچ جائیں گے۔" منصور نے سنجیدگی سے کہا۔

خولہ جھک کر سیٹ کے نیچے ہاتھ مارنے لگی اور بیک مرر میں پیچھے آتی گاڑیوں کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"کونسی گاڑی میں ہیں وہ؟"

"تم پھر بول رہی ہو؟" منصور نے بڑے ہی اطمینان سے کہا۔

پہلے تو خولہ کو شاک سا لگا۔ پھر اس بار خولہ کا ہاتھ گھوم ہی گیا مگر یہ الگ بات ہے اس کا مارا گیا تھپڑ منصور کی بجائے سیٹ پر لگا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی ردعمل کے لیے تیار تھا۔ اس لیے نیچے جھک گیا تھا۔

غصے کے مارے خولہ کا برا حال ہو گیا۔

یہ شخص سمجھتا کیا ہے خود کو۔ اس نے تپ کر سوچا لیکن اس سے پہلے وہ کچھ بولتی گھر آ چکا تھا۔ منصور نے ہارن دیا تو گیٹ کیپر نے جھانک کر دیکھا اور گیٹ کھول دیا۔

گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے دونوں ڈرائی نگ روم کی طرف بڑھے۔

ڈرائی نگ روم میں بابا کے سامنے ضرار, آپی, راشد بیٹھے تھے جن کے چہروں پر پریشانی کے آثار تھے مگر بابا کے چہرے پر اطمینان تھا۔

"او شکر ہے تم ٹھیک ہو؟" آپی نے خولہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ خولہ اور منصور نے بھی الگ الگ کرسیاں سنبھال لیں۔

"بابا آپ مجھے بتاتے میں جاتا۔" ضرار نے ناراضگی سے کہا۔

"بس بس مجھے پتہ ہے کب کیا کرنا۔" بابا نے سکون سے کہا۔

"لیکن کیوں بابا؟ آپ ہم سے کام کیوں نہیں لیتے؟" ضرار کی آواز میں شکوہ تھا۔

"کیونکہ تم ابھی بچے ہو۔" بابا نے کہا تو ضرار کا منہ ایسا ہو گیا جیسے کڑوا کریلا منہ میں آ گیا ہو۔

خولہ نے دیکھا بابا کی اس بات پر منصور کے ہونٹوں پر ہلکی سے مسکراہٹ آگئی تھی۔ خولہ اندر ہی اندر جلنے بھننے لگی۔

”بابا جب تک ہم میدان میں اتریں گے نہیں ہمیں تجربہ کیسے ہوگا؟“ خولہ نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”تم میدان سے ہی واپس آرہی ہو۔ تو کیا کیا تم نے؟“ بابا نے عام سے لہجے میں پوچھا مگر خولہ نے شرم سے سر جھکا لیا۔

”اوکے۔ ساری باتیں کلیر کرنا ضروری ہے۔ اس لیے وضاحت کر دوں کہ میرے ہر فیصلے کے پیچھے کوئی وجہ ہوتی ہے۔“ بابا نے کہا تو ہر کوئی بابا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”جب خولہ قاسم والے معاملے میں الجھی تو اسی وقت مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ معاملہ اب پھیلے گا کیونکہ قاسم کا تعلق وطن دشمن خفیہ ایجنسیوں سے ہے۔ خولہ بھی اس زد میں آسکتی ہے۔ اس لیے میں نے صرف اتنا کیا کہ منصور کو سارا معاملہ بتا کر بس یہ کہا کہ اس معاملے پر نظر رکھے۔ منصور نے کیسے نظر رکھی اور کیا کچھ کیا۔ یہ منصور ہی بتائے گا۔“ بابا نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ سارے ہی منصور کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”سر نے مجھے بتایا تو میں فوراً سمجھ گیا۔ قاسم اگلے دن ہی خولہ پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ اس لیے اگلے دن ہی میں پوری تیاری کے ساتھ قاسم کے گھر کے باہر پہنچ گیا اور نگرانی کرنے لگا۔ قاسم یونی جاتے ہوئے نعمان اور دو گارڈز کو بھی ساتھ لے کر نکلا تو میں اسی وقت کھٹک گیا تھا۔ یونی پہنچ کر قاسم تو اندر چلا گیا جبکہ گارڈز اور نعمان باہر ہی رک گئے۔“

”میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مختلف بہانوں سے حلیہ بدل کر گزرتے ہوئے دونوں گارڈز کی آستینوں پر سیزیم

(Caesium)

کی سٹرپس لگا دیں۔“ منصور بولتا جا رہا تھا مگر جب اس نے یہ کہا تو سارے چونک گئے۔

”یہ کیا چیز ہے؟ سمجھ نہیں آئی۔“ضرار نے حیرت سے پوچھا۔

بابا کے چہرے پر کوئی حیرت نہیں تھی البتہ دلچسپی کے آثار تھے۔

”سیزیم (Cs) ایک الکلی دھات ہے۔ تقریباً تمام الکلی دھاتیں پانی سے بہت زیادہ ری ایکٹ کرتی ہیں مگر یہ سیزیم ایک ایسی دھات ہے جو چند ملی گرام بھی پانی میں ڈالی جائے تو پانی سے چھوتے ہی دھماکے کے ساتھ پھٹ جاتی ہے۔ اس کا لیب میں بھی جب تجربہ کیا جائے تو دور کھڑے ہو کر دھاگے یا کسی اور طریقے سے پانی میں ڈالی جاتی ہے کیونکہ یہ پانی کے لیے بہت حساس ہوتی ہے۔ اگر اس کی مقدار گراموں میں کر دی جائے تو یہ ایک چھوٹی پانی کی ٹینکی کو بھی پھاڑ سکتی ہے۔“ منصور نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”اتنے زیادہ بکھیڑے کی کیا ضرورت تھی۔ تھوڑا بہت ہاتھ چلا کر ہی ان سے جان چھڑائی جا سکتی تھی۔“ خولہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

منصور خولہ کی طرف دیکھ کر ایسے مسکرایا جیسے چھوٹے بچے کی طرف دیکھ کر مسکرایا جاتا ہے۔

”جنگ میں ہر پہلو پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ میں نہیں جانتا تھا قاسم نے اور کیا بندوبست کیا ہے۔ اس حوالے سے اگر میں ایسا کرتا تو دوسرا چانس یہ بھی تھا کہ ہاتھوں سے نکلتا دیکھ کر کوئی ی تمہیں اغوا کرنے کے بجائیے انجان سا آدمی گولی ہی مار دیتا۔ میں یہ رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ واردات سے پہلے سب ہمیشہ چوکنے ہوتے ہیں۔ کامیاب واردات کے بعد سب ہی ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ اس وقت اپنی مرضی کے حالات پیدا کر کے قابو پایا جا سکتا ہے۔“ منصور نے وضاحت کرتے ہوئیے کہا۔

”جب قاسم آیا تو اس کی کلائی ی پر بھی میں نے گزرتے ہوئیے سیزیم کی سٹریپ لگا دی۔ تاکہ بوقت ضرورت مجھے ان کو قابو کرنے میں مشکل نہ ہو کیونکہ اسلحہ ہاتھوں میں پکڑا جاتا ہے۔ اس لیے میرا نشانا ہاتھ ہی رہے لیکن نعمان کے ساتھ میں ایسا نہ کر سکا کیونکہ وہ بہت ہوشیار تھا۔ اس لیے میں جان بوجھ کر ٹھوکر کھا کر گرا اور نعمان کی پینٹ کے پہونچے پر سٹریپ لگا دی تاکہ وہ ہاتھ کے قریب سٹریپ کو نوٹ کر کے چونک نہ جائیے۔“

”حالانکہ میں نے سٹریپ کا کلر ان کے کپڑوں کے کلر سے میچ کر کے لگائی ی تھی۔ لیکن نعمان کے کپڑوں سے میچنگ سیزیم سٹریپ میرے پاس نہیں تھی۔ اس لیے نیچے لگانا پڑی پھر جب خولہ کی گاڑی کو روکا گیا تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ خولہ اتنی بیوقوف ثابت ہو گی کہ گاڑی سے باہر آ جائیے گی۔ اور روک بھی لے گی۔“جب منصور نے یہ کہا تو خولہ کے نتھنے غصے سے پھڑکنے لگے۔

”خیر وہ خولہ کو لے جانے لگے تو کاروائی ی میں اس وقت بھی کر سکتا تھا لیکن بات وہی خولہ کی جان کو رسک تھا۔ جو میں نے نہیں لیا اور بہترین موقع کے انتظار میں ان کے پیچھے چل پڑا
اور قاسم کے فارم ہاؤس تک پہنچ گیا۔“

”وہاں پہنچ کر میں نے اپنی جادو گروں والی حالت بنائی ی اور ایسی پلاننگ بنائی ی کہ زبردستی اندر جانے کی بجائی ے مجھے خود اندر بلایا جائی ے۔ میری پلاننگ کامیاب رہی کیونکہ دشمن کے دشمن کو سب دوست سمجھتے ہیں۔ اس لیے مجھے خولہ کا دشمن سمجھ کر بلا لیا گیا۔“ اور اس کے بعد منصور نے وہاں ہونے والے سارے واقعات سنا دیے جو بابا اور خولہ کے علاوہ باقی سب منہ بے یقینی سے سن رہے تھے۔

”باقی سب تو ٹھیک ہے لیکن وہاں وہ جادو گر والی حرکتیں اور اتنا فنی بننے کی کیا ضرورت تھی۔“ خولہ نے منہ بناتے ہوئی ے کہا۔

”تو اور کیا میں جا کر انہیں کہتا برائی ے مہربانی اپنے ہاتھ پانی میں ڈال لیں۔“ منصور نے طنز کرتے ہوئی ے کہا تو خولہ بے اختیار جھنیپ گ ئی ی۔

”وہاں وہ ایکٹنگ ضروری تھی کیونکہ مجھے اپنی پسند کا ماحول اور جنگ کا میدان بنانا تھا۔ میری اس ایکٹنگ سے یہ فائی دے ہوئی ے۔“

”نمبر ایک‘ دشمن میری طرف سے مطم ئی ن ہو گیا کہ میں بے ضرر ہوں۔ جب دشمن مطم ئی ن ہو جائی ے تو شکار کرنا آسان ہو جاتا ہے۔“

"نمبر دو' ایک ہی وقت میں قاسم اور دو گارڈز بے کار ہو گئے۔ جو ویسے ممکن نہیں تھا۔"

"نمبر تین نعمان کو کوور کرنا آسان ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ اکیلا اور ششدر رہ گیا تھا۔" منصور نے تفصیل سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کو بھی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ قاسم اب وار کرے گا۔ لیکن تم دونوں نے اس بارے میں سوچنا سمجھنا گوارا نہیں کیا۔ اب آئی سمجھ منصور تمہارا ہم عمر ہو کر بھی کیوں میری ٹیم میں ہے۔ منصور جو بھی کام کرتا ہے اس کام کے پیچھے کوئی حکمت ہوتی ہے۔" بابا نے مسکراتے ہوئے خولہ اور ضرار سے کہا۔

ہاں ہاں مجھے گاڑی میں تنگ کرنے کے پیچھے بھی کوئی حکمت ہو گی خولہ نے جل کر سوچا۔ لیکن یہ بات ضرور تھی۔ خولہ اور وہاں موجود سب افراد دل ہی دل میں اس بات کا اقرار کر رہے تھے کہ واقعی منصور ذہانت میں ان سب سے آگے ہے۔

اتنی باریکی سے ہر پہلو کا خیال رکھتے ہوئے۔ اتنی عمدہ پلاننگ بنا کر۔ اتنے عمدہ طریقے سے عمل کرنا۔ ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

"میری زندگی کا کیا مقصد ہے۔ میرا نہیں خیال یہ بتانے کا ابھی صحیح وقت ہے مگر میں تمہیں بتاؤں گا ضرور۔" ماسٹر نے حیدر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب آتے ہیں آج کے سبق کی طرف۔" ماسٹر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو حیدر بھی فوراً کھڑا ہو گیا۔

"میں نے تمہیں حساس پوائنٹس کا بتایا تھا۔ جن میں سب سے زیادہ حساس پوائنٹ آنکھیں ہوتی ہیں۔ آنکھوں پہ وار کرنے کا طریقہ بھی بتایا تھا۔ یاد رہے یہ والا پوائنٹ اور جو پوائنٹس میں آج بتانے جا رہا ہوں وہ سب ایسے افراد کے لیے بے حد کام کے ہیں جن کا سامنا اپنے سے طاقتور سے ہو۔ جیسا کہ بچے اور لڑکیاں' ان چیزوں اور پوائنٹس پر عمل بھی تب ہی کرنا ہے۔ خاص کر آنکھوں پر وار تب ہی کرنا ہے جب سوال عزت یا جان کا آ جائے۔ باقی پوائنٹس پر عمل جس مرضی لڑائی میں کرو۔" ماسٹر نے وارن کرتے ہوئے کہا۔

" اب آتے ہیں آنکھوں اور گردن کے بعد دوسرے نازک اور حساس پوائنٹس کی طرف جن پر وار کر کے آپ خود سے طاقتور کو زیر کر سکتے ہیں۔ میں تمہیں پکڑنے جا رہا ہوں۔ سمجھو کہ میں تمہاری جان لینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ جتنی جلدی ہو سکے تم نے مجھ سے بچ کر دور بھاگنا ہے۔" ماسٹر نے حیدر پر جھپٹنے کی تیاری کرتے ہوئے کہا تو حیدر ہوشیار ہو گیا۔

ماسٹر نے یک دم آگے بڑھ کر حیدر کی کلائی پکڑ لی۔ حیدر نے فوراً کلائی چھوڑانے کی کوشش کی اور زور لگا کر بھاگنے اور کلائی آزاد کروانے کے لیے زور لگانا شروع کر دیا۔

"غلط۔۔۔غلط موو۔" ماسٹر برہمی سے بولا۔

”جب بھی کوئی کسی کو کہیں سے پکڑتا ہے تو پچانوے فیصد لوگ اپنے حواس کھو کر اس حصے کو چھڑانے کے لیے زورآزمائی شروع کر دیتے ہیں۔ وہ یہ کیوں نہیں سوچتے یہ کوئی زور آزمائی کی گیم نہیں ایک جنگ ہے۔ جس میں خود کو بچا کر دوسرے کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا ہے۔“ ماسٹر برہمی سے بولا۔

”اور دشمن جب پکڑتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ بات آل ریڈی موجود ہوتی ہے کہ اب مقابل خود کو چھڑانے کی کوشش کرے گا۔ یاد رکھو جنگ میں جو دشمن کی نفسیات کو سمجھ گیا۔ وہ آدھی جنگ جیت گیا۔“ ماسٹر اب سمجھا رہا تھا۔

”تو پھر کیا کرنا چاہیے؟“ حیدر نے کنفیوز ہوتے ہوئے پوچھا۔

”سب سے پہلے زور لگاؤ مگر چند لمحوں کے لیے۔ اس سے دشمن کو نفسیاتی سکون ملے گا کہ واقعی وہی ہو رہا ہے جو اس کے ذہن میں ہے۔ یہ دشمن کی غلط فہمی ہو گی۔ اس کے بعد زور لگانے کی بجائے خود کو اس طرف دھکیلو جدھر دشمن کھینچ رہا ہے۔ ایسا کرنے سے چند لمھوں کے لیے دشمن کو حیرت ہو گی۔ ایک سیکنڈ کے لیے اس کے پاؤں ڈگمگائیں گے۔“

”اس کی حیرت اور ڈگمگانے کا دورانیہ ہی تمہارے وار کرنے کا بہترین موقع ہے کیونکہ ایسا کرنے سے تم پہلے ہی دشمن کے قریب پہنچ چکے ہو گے۔ اس سے پہلے دشمن مختصر سی حیرت اور ڈگمگانے کی حالت سے باہر نکلے۔ فوراً اس دوران وار کر دو حساس مقام پر کیونکہ یہ وہ دورانیہ ہے جس میں دشمن اپنا دفاع بھی بھرپور نہیں کر سکے گا۔ اور دشمن کے وار سے پہلے تمہارا وار کاری گر ہو گا۔“ ماسٹر نے باقاعدہ اس کی مشق کرتے ہوئے حیدر کو سمجھایا۔

حیدر کو یہ باریکی والا پوائی نٹ جان کر عجیب سی خوشی ہوئی ی۔ دل میں خیال آیا واقعی ماسٹر ہی ہے جو اس قدر باریکی سے داؤ پیچ سکھا سکتا ہے۔

”آنکھیں، گردن کا فرنٹ، سائیڈ اور بیک والا پورشن، ناک، کان، دونوں ٹانگوں کے درمیان، گھٹنے کے عین اوپر سخت ہڈی یا گھٹنوں کے عین پیچھے والے حصے_ یہ وہ پوائی نٹس ہیں جو وار کرنے کے لیے بہترین پوائی نٹس ہیں مگر سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں فیصلہ تم نے کرنا ہو گا کہ کس پوائی نٹ پر تم زیادہ طاقت سے وار کر سکتے ہو۔ اس پوائی نٹ کو سمجھتے ہی فوراً وار کر دو۔“ ماسٹر نے مکمل بریفنگ دیتے ہوئے کہا۔

حیدر نے سر ہلاتے ہوئے اظہار کیا کہ وہ سب باتیں ذہن نشین کر رہا ہے۔

”اب آتے ہیں اس بات کی طرف کہ وار کرنا کیسے ہے؟“ ماسٹر نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

”ایک بچہ یا ایک لڑکی جتنی مرضی طاقت سے ایک مرد کو تھپڑ یا مکا مارے۔ اس کا کوئی ی خاص اثر نہیں ہو گا مرد پر' کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟“ ماسٹر نے حیدر سے پوچھا۔

”جی ماسٹر“ حیدر نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

”اس لیے کمزور کو چاہیے طاقتور ٹول کا استعمال کرے مثلاً پاؤں کی ایڑی, کہنی, گھٹنا اور سر یہ وہ ٹول ہیں جن سے نازک پوائی نٹس پر چاہے بچہ یا لڑکی کمزور ہونے کے باوجود اپنے ان سخت حصوں سے ضرب لگائی ے گا تو بہترین فائی دہ حاصل ہو سکتا ہے۔“

”جی ماسٹر میں ان پوائنٹس کو ذہن نشین کر رہا ہوں۔“ حیدر نے یقین دہانی کرواتے ہوئے کہا۔

ماسٹر کافی دیر حیدر کو یہ مشقیں کرواتا رہا اور جب حیدر تھکاوٹ سے چور چور ہونے لگا تو ماسٹر نے اسے کرسی پر بیٹھنے کر ریسٹ کرنے کا کہا۔ ماسٹر خود بھی حیدر کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئے۔

”تمہیں پتہ ہے صحابہؓ کے دور میں کونسی دو سپر پاورز تھیں۔“ ماسٹر نے اچانک ایک سوال کرتے ہوئے کہا۔

”جی فارس اور روم یہ دو سپر پاورز تھیں۔ جو کئی ملکوں پر مشتمل تھیں۔“ حیدر نے فوراً جواب دیا۔

”اور صحابہؓ نے انہیں کیسے شکست دی؟“ ماسٹر نے ایسے پوچھا جیسے پہیلی پوچھتے ہیں۔

”مسلمان بہت بہادری سے لڑے۔ ان کے ساتھ اللہ کی مدد تھی۔ انہوں نے اپنی زندگیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔“ حیدر نے انتہائی جوش و خروش سے جواب دیا۔

”اچھا اور کیا کچھ کیا؟“ ماسٹر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”اور“ حیدر کنفیوز سا ہو گیا اور کیا بتائے۔

”پتہ نہیں۔“ جب کوئی جواب نہ بن پایا تو حیدر نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

"یہی تو مسئلہ ہے ہمارے ساتھ' ہم بس سرسری سا سن لیتے ہیں اور پڑھ لیتے ہیں۔ تحقیق نہیں کرتے۔ تہہ تک نہیں پہنچتے۔" ماسٹر نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"اچھا کسی بھی دو مسلمان سپہ سالاروں کے نام لو۔" ماسٹر نے پوچھا۔

"حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرؓ۔" حیدر نے فوراً جواب دیا۔

"تم نے یہی دو نام کیوں لے؟" ماسٹر نے پوچھا۔

"حضرت خالد بن ولیدؓ ناقابل شکست رہے۔ انہوں نے ہر جنگ میں اہم کردار ادا کیا۔ جبکہ حضرت عمرؓ کے دور میں سب سے زیادہ فتوحات ہوئیں۔" حیدر نے جواب دیا۔

"بے شک اللہ کی مدد ان کے ساتھ تھی مگر اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے۔ جتنی کوشش کر سکو کرو اور نتیجہ میری ذات پر چھوڑ دو۔ اس لیے انہوں نے بھی سارے اسباب اختیار کیے تھے۔" ماسٹر نے تمہید باندھتے ہوئے کہا۔

"جنگ جیتنے کے لیے سب سے اہم چیز ہوتی ہے جنگی حکمت عملی۔ میں اسلام کی سب سے پہلی جنگ کا ذکر کرتا ہوں۔ اکثر مسلمان بس یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اللہ کی مدد تھی۔ بے شک اللہ کی مدد تھی مگر آپ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بہترین جنگی حکمت عملی بھی بنائی تھی۔ اسباب کو بھی اختیار کیا تھا جو جنگ جیتنے کے لیے ضروری تھے۔ ادھر کوئی توجہ نہیں دیتا۔" ماسٹر بولتا جا رہا تھا مگر حیدر کو اچانک بہت دلچسپی محسوس ہونے لگی۔ ایسا تو اس نے نہ کبھی پڑھا نہ کبھی سنا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کوئی حکمت عملی بھی بنائی تھی۔

”رسول پاک ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں نے 12 رمضان المبارک کو مدینہ سے کوچ کی۔ اسلامی لشکر نے مدینہ سے بدر تک کا فاصلہ اس طریقے سے طے کیا۔ جو عصر حاضر کی صحرائی اور میدانی جنگوں کے مطابق اور ہم آہنگ ہے۔ آپؐ نے فوج کی حرکت کے دوران اس کے آگے ایک جاسوسی دستہ بھجوایا تاکہ دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کی جاسکیں اور فوج کی پیش قدمی کے دوران دشمن کے اچانک حملے سے محفوظ رہا جاسکے۔ آپؐ نے اسلامی لشکر کو دستوں اور گروپس میں تقسیم کیا۔ ان کے کمانڈر مقرر کئے۔ آپؐ نے مہاجرین اور انصار کو بھی الگ الگ دستوں میں ترتیب دیا۔ آپؐ نے لشکر کے عقب

rear

اور پہلوؤں

flanks

کی حفاظت کے لئے بھی دستے مامور کئے۔“

”آپؐ نے عام استعمال والے راستے کو چھوڑ کر ایک ایسے راستے کا انتخاب کیا جو کہ بہت کم استعمال ہوتا تھا۔ تاکہ مسلمانوں کی حرکت پوشیدہ رہے۔ مسلمان کامیابی کے ساتھ ذافران (بدر کے نزدیک) پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر آپؐ نے ایک دستہ بدر کی سمت اور ایک دستہ شام سے مکہ کے راستے کی سمت بطور خفیہ جاسوسی معلومات کے لیے روانہ کئے تاکہ دشمن (تعداد، ہتھیار، گھوڑے، سازوسامان، رسدو رسائل وغیرہ، زمین

(Layout)

،پانی، رکاوٹیں، چھپنے کی جگہیں وغیرہ) اور تجارتی قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔"

"اگلے روز اسلامی دستوں نے قریش کے دو غلام پکڑے۔ جو ان کے لئے پانی لے کر جا رہے تھے۔ ان سے آپؐ نے خود تفتیش کی، جس پر یہ بات سامنے آئی کہ قریش ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے نکلے ہیں۔ انہوں نے بدر سے جنوب مغرب میں پڑاؤ ڈالا ہوا ہے۔"

"بدر میں پہنچ کر آپؐ نے مشاورت سے اسلامی لشکر کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جو انچائی

dominating

پر تھی اور ساتھ ہی پانی کے ذرائع پر کنٹرول حاصل کیا۔"

"قریش کے لشکر نے بدر کے جنوب مغرب کی جانب کیمپ لگایا۔ مسلمانوں نے بدر کے چشموں کے نزدیک سخت زمین پر ڈیرہ ڈالا۔ چشموں تک جانے کے لئے قریش کو کافی فاصلہ ریت کے ٹیلوں اور نرم زمین پر طے کرنا پڑتا تھا جو کہ انفنٹری اور گھوڑوں کے لئے مشکل تھا۔ چشموں کے عقب کا علاقہ اونچا اور دفاعی نکتہ نظر سے نہایت موزوں تھا۔"

"رسول پاکؐ نے اپنی فوج کے لئے اونچی جگہ کا انتخاب کیا۔ آپؐنے اپنی فوج کے استعمال کے لئے ایک کنواں چھوڑ کر باقی تمام کو ریت سے بھر دیا۔ یا بنیرے بنوا کر پانی کا رخ موڑ دیا۔ چونکہ مسلمانوں کے پاس کیولری (گھوڑ سوار دستے) کی کمی تھی۔ اس لئے آپؐ نے دفاعی حالت اپنانے کا فیصلہ کیا۔ آپؐنے اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ اس کی دونوں اطراف

flanks

اور عقب

rear

کو بدر کی پہاڑیاں تحفظ مہیا کر رہی تھیں۔"

"تیر اندازوں کو

Flanks

پر اور پیچھے کی جانب اور اونچی جگہ پر کھڑا کیا۔ اچھے جنگجوؤں کو درمیان میں سامنے والے دستوں میں رکھا تاکہ وہ حملے کے ابتدائی تیزی کو برداشت کر کے منہ توڑ جواب دے سکیں۔"

"اسلامی لشکر کا ہیڈ کوارٹر پیچھے کی جانب اونچی جگہ پر بنایا گیا تاکہ جنگ پر نظر رکھ کر فوری ہدایات کے ذریعے کنٹرول کیا جاسکے۔
ایک چھوٹی سی فورس جس کی تعداد کا صحیح علم تو نہیں ہے لیکن اندازاً 30-25 افراد پر مشتمل تھی۔

اسے

Reserve

کے طور پر رکھا گیا تاکہ ناگہانی حالت میں یا حملے کی صورت میں استعمال ہو سکے۔"

”جنگ والے دن آپؐ نے خود اسلامی فوج کو ترتیب دی اور تفصیلی ہدایات دیں۔ موقع پر جا کر آخری تبدیلیاں کیں۔ فوج کے آخری معائنے کے دوران آپؐ نے لشکر سے خطاب فرمایا اور انہیں جہاد کیلئے موٹی ویٹ کیا۔“

”آپؐ نے لشکر کو لڑائی کا طریق کار سمجھایا کہ اپنی جگہ قائم رہتے ہوئے دشمن کو پہلے اپنے ہتھیاروں کا ان کی رینج کے مطابق استعمال کر کے روکنا ہے اور تیر برسا کر اس کے حملے کو منتشر کرنا ہے۔ آپؐ نے سخت تاکید فرمائی کہ جب تک آپؐ کی طرف سے حکم نہ آئے مسلمان اپنے حملے کا آغاز نہیں کریں گے۔“

”متحدہ کمان کے اصول پر عمل کرتے ہوئے پوری اسلامی فوج کی قیادت صرف آپؐ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ تھی پوری جنگی حکمت عملی آپ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی۔“ ماسٹر نے ایسے جنگ کا نقشہ کھینچتے ہوئے بتایا جیسے وہ خود اس جنگ میں شریک رہے ہوں۔

حیدر منہ بے یقینی سے یہ سب سن رہا تھا۔

۔************************۔

”بابا میں بھی آپ کی ٹیم میں شامل ہونا چاہتی ہوں۔ سیکھنا چاہتی ہوں۔“ خولہ نے اشتیاق سے کہا۔

”نہیں تم اس ٹیم میں کبھی شامل نہیں ہو سکتیں۔“ بابا نے سخت اور دوٹوک الفاظ میں کہا۔

”مگر کیوں؟ کیا مطلب کبھی بھی شامل نہیں ہو سکتی۔“ خولہ نے شاک اور دل گرفتہ ہو کر پوچھا۔

”کیونکہ تمہیں اس سے بھی بڑے کام کرنے ہیں۔“ بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" حیرت سے خولہ نے پوچھا۔

"وہی جو عورت کے ذمے ہوتے ہیں۔" بابا نے اطمینان سے کہا۔

"کیا مطلب میں کچھ نہ کروں اور بس عام عورت کی طرح گھر بیٹھ کر بچے پالوں۔"خولہ نے ڈوبتے لہجے میں کہا۔

"تم عام عورت نہ بننا۔ خاص بن جانا۔" بابا کے اطمینان میں کوئی ی فرق نہ آیا۔

"اب اس کا کیا مطلب خاص بن جانا۔ اگر یہی کرنا تھا تو اتنی ٹریننگ بچپن سے 'وہ سب کس لیے۔" خولہ کو بابا کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ بابا اسکے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں۔

" وہ سب تمہیں اپنا دفاع کرنے کے لیے سیکھایا تھا تاکہ جب کبھی تم پر ایسا وقت آئے تو اپنا دفاع کر سکو۔" بابا نے پر سکون لہجے میں کہا۔

" مگر بابا میں عام عورت کی طرح زندگی نہیں گزار سکتی۔" خولہ نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

"عام عورت کی طرح نہیں تم خاص عورت کی طرح زندگی گزارنا۔" بابا نے اطمینان سے کہا۔

" مگر کیسے ؟" خولہ کو سمجھ نہیں آئی ی بابا کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔

"میں مثالیں دے کر سمجھاتا ہوں۔" بابا نے سیدھے بیٹھتے ہوئے کہا۔

" حضرت عمرؓ ایک بار رات کو شہر میں گشت فرما رہے تھے۔ ایک مکان کے قریب سے گزرے۔ جہاں ماں بیٹی کے درمیان بحث ہو رہی تھی۔ ماں کہہ رہی تھی دودھ میں پانی ملا دو اور بیٹی انکار کرتے ہوئے جواب میں کہہ رہی تھی کہ امیر المؤمنین نے منع فرمایا ہے۔ تو ماں نے کہا یہاں امیر المؤمنین تو نہیں

دیکھ رہے۔ بیٹی نے کیا خوب جواب دیا کہ امّاں جان! امیر المؤمنین تو نہیں دیکھ رہے، لیکن اُن کا رب تو دیکھ رہا ہے۔" یہاں پہنچ کر بابا نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا۔

"آج کل یہی تو کمی ہے۔"

"لیکن یہ بات یہیں ختم نہیں ہوئی۔" بابا نے کہا اور آگے بتانے لگے۔

"حضرت عمرؓ بغیر کچھ کہے گھر کو لوٹے اور اپنے بیٹے عاصم سے فرمایا۔ اس لڑکی سے نکاح کر لو۔ انہوں نے لڑکی کے گھر نکاح کا پیغام بھیج دیا۔" بابا نے یہاں پہنچ کر کہا۔

"اور آج کل ہمارے رشتے کرنے کے معیار ہی بدل گئے ہیں۔ نہ لڑکے والے اس چیز کو دیکھتے ہیں اور نہ لڑکی والے۔ اگر ماں باپ ایسا کرنا بھی چاہیں تو جوان پڑھی لکھی اولاد ہتھے سے اکھڑ جاتی ہے۔ کہ میں نے ساری زندگی گزارنی ہے ایک اجنبی سے کیسے کر لوں رشتہ' میں نے فلاں جگہ کرنا ہے۔ نہ ہی ماں باپ اپنی ذمہ داری پوری کر رہے ہیں اور نہ اولاد۔ رونا رویا جاتا ہے معاشرے کا نیک اولاد نہ ہونے کا۔" بابا کے لہجے میں دکھ تھا۔

" نکاح کا پیغام منظور کر لیا گیا اور حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کا نکاح اس لڑکی سے کر دیا لیکن پتہ ہے اس کا نتیجہ کیا نکلا۔" بابا نے خولہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ خولہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کی نسل سے ایک عادل اور خیر خواہ خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ امتِ مسلمہ کو عطاء فرمایا۔ جس پر امت جتنا بھی فخر کرے' کم ہے۔ جنہوں نے بعد کے پر فتن دور میں خلفاء راشدین کی یاد تازہ کر دی۔"

”ہمارے فیصلوں کے اثرات ہماری نسلوں پر پڑتے ہیں۔“ بابا نے زور دیتے ہوئے کہا۔ سارے خاموشی سے بابا کی باتیں سن رہے تھے۔

” خاص عورتوں کا بتاؤں۔“ بابا نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”ایک بار تین دین دار عورتیں ایک شادی میں بیٹھی آپس میں گپ شپ لگا رہیں تھیں۔ ایک بولی کیا دور آگیا کہ دین مٹتا جا رہا ہے۔ آہستہ آہستہ ہماری زندگیوں سے نکلتا جا رہا ہے۔ دوسری بولی ہاں, ہاں ایسا ہی ہے مگر کیا کریں ہم' ہمارے بس میں تو کچھ نہیں۔ تیسری بولی ایک کام ہو سکتا ہے کہ اگر ہم اپنے بچوں کی شادیاں عالم اور نیک لوگوں سے کرنا شروع کر دیں تو ہماری نسلوں میں دین زندہ رہ سکتا ہے۔“

”پہلی نے یہ سن کر کہا کہ یہاں تو کوئی ی عالم نہیں ہے۔ پتہ کرو یہ جو بارات آئی ی ہوئی ی ہے اس میں کوئی ی عالم بھی ہے۔ پتہ کیا گیا تو پتہ چلا ایک اسماعیل نامی نوجوان ہے جو کہ عالم ہے۔ مزید لوگوں سے پوچھ گچھ کی گ ئی ی کہ عالم ہی ہے بس کہ نیک اور باعمل بھی ہے تحقیق سے پتہ چلا کہ نوجوان واقعی عالم باعمل اور انتہائی ی شریف اور متقی نوجوان ہے۔ اس عورت نے اسی بارات میں اپنی بیٹی کی رشتے کی بات چلا دی۔“

”نوجوان کو بتایا گیا۔ لڑکی کے نیک ہونے کی بھی تسلی دی گ ئی ی اور لڑکی بھی واقعی نیک سیرت تھی۔ مختصر یہ کہ اسی بارات میں آئی ے اس نوجوان کا نکاح بھی اس عورت کی بیٹی سے کر دیا گیا۔“ بابا بولتے بولتے رکے اور رک کر کہنے لگے۔

”اس عورت کی فکر اور سوچ کا اندازہ کرو کہ اس نے کیا سوچا اور اس سوچ کی بنا پر اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا مگر اس کا نتیجہ پتہ کیا نکلا؟“ بابا نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

سب انتہائی دلچسپی سے بابا کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”اس عورت کی بیٹی کے گھر ایک بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام الیاس رکھا گیا۔ اس بچے کی ابتدائی تعلیم و تربیت اس کے ماں باپ نے کی۔ یہی بچہ جب بڑا ہوا تو نانی کی فکر اس کے اندر بھی پیدا ہو گئی۔ دین مٹتا جا رہا ہے۔ اس فکر کو لے کر وہ اپنے علاقے میں لوگوں کے پاس جانے لگا اور نیک کاموں کا کہنے لگا۔ وہ اکیلا چلا تھا منزل کی جانب مگر لوگ ملتے گئے قافلہ بنتا گیا۔ وہاں سے تبلیغی جماعت کی ابتدا ہوئی۔ جو آج دنیا کے ہر کونے میں پھیل چکی ہے۔“ بابا نے دھیمے سے ایک مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”آج جتنا بھی تبلیغ کا کام ہو رہا ہے۔ ان کی وجہ سے جو نیکی کے کام پر لگ گیا۔ جو برائی سے بچ گیا اس سارے کام کا ثواب ان تینوں عورتوں کے کھاتے میں جا رہا ہے۔ خاص کر اس عورت کے کھاتے میں جس نے اس اپنی بیٹی کی شادی محض دین کی فکر میں ایک اجنبی عالم با عمل سے کر دی تھین اب خود اندازہ لگا لوں کتنا بڑا صدقہ جاریہ ہے۔“ بابا نے حسرت سے کہا۔

”مگر ان پر اعتراضات بھی اٹھتے ہیں۔“ خولہ نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

”ہاں اٹھتے ہیں مگر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان کی وجہ سے بہت سے لوگ نیکی کی راہ پر گامزن ہوئے ہیں۔ یہاں مجھے اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔“

”اشفاق احمد مرحوم فرماتے ہیں کہ میں اپنی اہلیہ بانو کے ساتھ انگلینڈ کے ایک پارک میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں تبلیغی جماعت کے کچھ نوجوان چہل قدمی کرتے ہوئے پارک میں آئے۔ اتنے میں مغرب کا وقت ہوا تو انہوں نے وہیں جماعت شروع کر دی۔“

”ان نوجوانوں کو نماز پڑھتا دیکھ کچھ نوجوان لڑکیوں کا ایک گروپ ان کے پاس پہنچا اور نماز مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگا۔“

”میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ آو دیکھتے ہیں کہ ان کے درمیان کیا بات ہوتی ہے۔“

”مرحوم فرماتے ہیں کہ ہم دونوں میاں بیوی وہاں چلے گئے اور نماز ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ نماز ختم ہوتے ہی ان میں سے ایک لڑکی نے آگے بڑھ کر جماعت کروانے والے نوجوان سے پوچھا کہ کیا تمھیں انگلش آتی ہے؟“

”تو نوجوان نے کہا کہ جی ہاں آتی ہے۔“

”تو لڑکی نے سوال کیا تم نے ابھی یہ کیا عمل کیا؟“

” نوجوان نے بتایا کہ ہم نے اپنے رب کی عبادت کی ہے۔“

” لڑکی نے پوچھا آج تو اتوار نہیں ہے تو آج کیوں کی؟“

” نوجوان نے اسے بتایا کہ ہم روز دن میں پانچ بار یہ عمل کرتے ہیں۔ لڑکی نے حیرت سے پوچھا کہ پھر باقی کام کیسے کرتے ہو تم؟“

”اس نوجوان نے اسے مکمل طریقہ سے پوری بات سمجھائی۔“

”بات ختم ہونے کے بعد لڑکی نے مصافحہ کیلیئے ہاتھ بڑھایا تو نوجوان نے کہا کہ معذرت کے ساتھ ‘ میں آپ کو چھو نہیں سکتا۔ یہ ہاتھ میری بیوی کی امانت ہے اور یہ صرف اسے ہی چھو سکتا ہے۔
یہ سن کر وہ لڑکی زمین پر بیٹھ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ لڑکی روتے ہوئے بولی کہ اے کاش! یورپ کا نوجوان بھی اسی طرح ہوتا تو آج ہم بھی کتنی خوش ہوتیں۔“

” پھر بولی کہ واہ کتنی ہی خوش نصیب ہے وہ لڑکی جس کے تم شوہر ہو۔“

” یہ کہہ کر وہ لڑکی وہاں سے چلی گئی۔“

”اشفاق مرحوم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا‘ بانو! آج یہ نوجوان اپنے عمل سے وہ تبلیغ کر گیا ہے جو کئی کتابیں لکھنے سے بھی نہیں ہوتی۔“

”اب سمجھ آرہی ہے خاص عورت کون ہوتی ہے؟“ بابا نے خولہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی آرہی ہے سمجھ۔“ خولہ نے اقرار کرتے ہوئے کہا۔

”انگلینڈ کے ہی ایک سکول کا واقعہ ہے کہ ایک میڈم نے تیسری کلاس کے بچوں سے پوچھا کہ آپ بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہیں؟ وہاں اکثریت غیر مسلم کی تھی کسی نے کہا ڈاکٹر, کسی نے انجینئر وغیرہ کہا۔ وہاں ایک مسلم بچہ بھی تھا۔ جب میڈم نے اس بچے سے پوچھا تو بچے نے کہا وہ صحابی بننا چاہتا ہے۔ میڈم نے حیرانگی سے پوچھا وہ کون ہوتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟“

”بچہ چھوٹا تھا۔ اس بات کا جواب نہ دے سکا لیکن میڈم کے سامنے پہلی بار اس طرح کی خواہش کا اظہار ہوا تھا تو وہ تجسس میں پڑ گئی۔ اس بچے کی والدہ سے ملاقات کی اور اسے سارا واقعہ بتا کر

پوچھا کہ یہ صحابی کون ہوتا ہے۔ کیا کرتا ہے۔ اس بچے کی والدہ نے اسے تفصیل سے بیک گراؤنڈ سمجھایا۔ وہ ساری باتیں سن کر میڈم کا اشتیاق بڑھا اور اس نے اسلام کا مطالعہ کیا اور مسلمان ہو گئی۔"

"وہ ماں روزانہ رات کو اپنے بچے کو کہانی کی جگہ کسی صحابی کا واقعہ سنا دیتی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بچے کے دل میں صحابی بننے کی خواہش پروان چڑھنے لگی۔ماں کی اس تربیت سے بچہ کا بڑے ہو کر جو شخصیت بنی تھی وہ تو بنی ہی تھی مگر اس تربیت نے ایک کافر کو مسلمان بنا دیا۔" بابا خاموش ہو گئے لیکن خولہ کو سمجھ آگئی تھی۔ خاص عورت کیسے بنتا ہے۔ ہر عام عورت خاص بن سکتی ہے اور خاص بن کر وہ پوری دنیا میں صدقہ جاریہ کو پھیلا سکتی ہے۔ وہ عمر بن عبد العزیز جیسا حکمران دے سکتی ہے۔

"ہر عورت خاص بن کر ایک پورا معاشرہ سدھار سکتی ہے۔ یہ وہ کام ہے جو مرد نہیں کر سکتا۔اس لیے تم میری ٹیم کا حصہ ہو مگر تمہارا کردار الگ ہے اور مردوں کا الگ۔" بابا نے کہا اور اٹھ کر باہر کو جانے لگے۔ منصور بھی انکے ساتھ ہو لیا جبکہ باقی سارے گہری سوچوں میں گم تھے۔

منصور نیم اندھیرے میں ڈوبے کمرے میں کھڑا تھا۔اس کے سامنے ایک ٹیبل پڑی تھی۔ جس کی سائیڈ والی دیوار کے ساتھ اوپر تلے ریکس والی بڑی الماری تھی جس میں کتابیں رکھیں تھیں۔ ٹیبل کے پیچھے ایک اونچی کرسی پر بابا جانی آہستہ آہستہ جھول رہے تھے۔

"کوئی ی پریشانی تو نہیں ہوئی ی؟ کوئی ی سراغ تو نہیں چھوڑا؟" بابا جانی کے منہ سے دھیمے لہجے میں الفاظ نکلے۔

"نہیں سب کچھ آسانی سے ہو گیا۔" منصور نے باادب لہجے میں کہا۔

"تفصیل بتاؤ۔" بابا کی آواز میں ہمیشہ کی طرح اطمینان تھا۔

" قاسم کے لیپ ٹاپ سے ملے ڈیٹا کو ان لاک کیا گیا تو آپ کو پتہ ہے بہت سارے انکشافات ہوئی ے۔ جن میں سے کچھ سے ہم پہلے ہی واقف تھے۔

سی آئی ی اے (امریکہ)، موساد (اسرائی یل) اور را (انڈیا) کے گٹھ جوڑ سے جو بلیک ہنٹ نامی آپریشن یہاں شروع کیا گیا تھا اس کے تین مقاصد ہیں۔"

"ان مقاصد کے حصول کے لیے تین ونگز بنائی ے گ ئی ے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت پہلے مقصد کی ہے۔ وہ مقصد یہ ہے کہ پاکستان کی نوجوان نسل اس قابل نہ رہے کہ وہ عملی طور پر اپنے ملک اور مذہب کے لیے کچھ کر سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے سب سے بڑا میڈیا ونگ بنایا گیا ہے اور اس ونگ پر سب سے زیادہ انوسٹمنٹ کی گ ئی ی ہے۔" منصور نے بریفنگ دیتے ہوئی ے کہا۔

"اور اس کے لیے انہوں نے کیا لائی حہ عمل اختیار کیا ہوا ہے؟" بابا کے لہجے میں اس بار افسردگی شامل تھی۔

" سر اس کے لیے انہوں اس ونگز کی مزید چار شاخیں بنائی یں ہیں۔"

1۔ سوشل میڈیا ونگ

2۔ الیکٹرانک اینڈ پرنٹ میڈیا ونگ

3۔ این جی اوز ونگ

4۔ پولیٹیکل (سیاسی) ونگ" منصور نے ٹہلتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں سمجھتا ہوں' اس چیز کا پہلے ہی اندازہ تھا۔" بابا کے لہجے میں بے چینی تھی۔

"سر سوشل میڈیا ونگ کے ذریعے وہ ایسی چیزوں کو پروموٹ کر رہے ہیں جس سے منفی سوچ پروان چڑھے۔ مثلاً سر وہ لڑکیوں کی ڈانس کی ویڈیوز ٹک ٹاک پر اور دوسرے پلیٹ فارمز پر، مذہبی نفرت کی بنیاد پر بنائی جانے والی ویڈیوز، فضول شعر و شاعری کی ویڈیوز اور کلپس، مذہبی پابندیوں کے خلاف آزادی کے موضوع پر ویڈیوز، ایسی گیمز کی پروموشن جن کو کھیلنے کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت چاہیے وغیرہ جیسے حربے استعمال کیے جا رہے ہیں۔"

" اس مقصد کے لیے انہوں نے ایسے سافٹ وئیرز تیار کر رکھے ہیں جس کے تحت بہت سارے فیک اکاؤنٹس بنائے گئے ہیں۔ جو ان چیزوں کو لائک, کمنٹس اور شئیرز کے ذریعے زیادہ سے زیادہ پھیلا رہے ہیں۔ المیہ تو یہ ہے کہ ہماری اپنی نسل اس سے متاثر ہو کر ان چیزوں کو آگے پروموٹ کر رہی ہے۔"

"اتنا وہ پروموٹ نہیں کر پاتے جتنا ہمارے اپنے نوجوان ان چیزوں کو آگے پروموٹ کر دیتے ہیں۔

الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں اپنے پسندیدہ کالم نگاروں, اینکرز کو پیسوں اور انعامات سے نوازا جاتا ہے

اور جو ان کی پسند کے مطابق نہیں چلتا۔ ان کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ ابھی ایک کالم نگار اور اینکر اوریا مقبول جان صاحب تھے جو لبرلز کے اور قادیانیوں کے خلاف سخت موقف رکھتے تھے۔“

”قادیانیوں نے اپنے یہودیوں دوستوں سے اوریا صاحب کے خلاف کاروائی ی کی فرمائی ش کی تھی۔ ہر سال ناروے میں انہیں ایک تقریب میں مدعو کیا جاتا تھا مگر اب ان پر ناروے کی طرف سے پابندی لگادی گ ئی ی ہے۔ امریکا میں بھی ان کے خلاف ہرزہ سرائی ی کی جاتی ہے لیکن جو ان دشمنوں کے بیانیے کو سپورٹ کرتے ہیں ان پر نوازشات کی بارش کر دی جاتی ہے۔“

”مختلف تنظیموں پر این جی او کا ٹھپہ لگا کر اور انہیں مالی امداد دے کر میرا جسم میری مرضی والے اصولوں اور بے حیائی ی کو فروغ دینے اور یورپ جیسا ماحول بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔“

”ایسے سیاست دانوں کو آگے لانے کے لیے کوششیں جاری ہیں جو ان کے مقاصد کے حصول کو آسان کرے۔ یہ ان کا میڈیا ونگ ہے۔“ منصور نے مسلسل بریف کرتے ہوئ ے کہا۔

”اس مشن کے تحت ان کا دوسرا ونگ عسکری ونگ ہے۔ جس کا ٹارگٹ تخریب کاری اور پاکستان کے دفاعی رازوں کا حصول ہے۔“

”ان کا تیسرا ونگ اکنامک ڈیزاسٹر کے نام سے ہے۔ جس کا مقصد ہے پاکستانی معیشیت کا ایسا حال کرنا ہے کہ پاکستان اپنے پاؤں پر کھڑا ہی نہ ہوسکے۔ سر بری خبر یہ ہے کہ وہ اس میدان میں کافی کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔ ہمارے وزیر اعظم صاحب ایسے مشیروں میں گھرے جاچکے ہیں جو کہ ان کو مزید

سود اور آئی ایم ایف کے جال میں پھنساتے جا رہا ہیں۔ سٹاک مارکیٹ میں اور پاکستان کے دیوالیہ ہو جانے کے خطرے سے ڈرا ڈرا کر اپنی مرضی کے فیصلے کروا رہے ہیں۔ بذات خود وزیر اعظم کرپٹ نہیں لیکن ایسے مشیروں نے انہیں گھیر کر اندھا بنا دیا ہے۔" منصور نے مکمل تین ونگز کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"ان میں سے اکثر باتوں کا مجھے پہلے ہی علم تھا اور ان پر کام بھی جاری ہے۔" بابا نے سوچتے ہوئے کہا۔

"مگر سر میں اور میری ٹیم نے تو پہلے اس سلسلے پر کوئی کام نہیں کیا پھر کیسے کام جاری ہے؟" منصور نے انتہائی حیرت سے کہا۔

"برخوردار تم کیا سمجھتے ہو' میرے پاس صرف تم ہی ایک منصور ہو اور ایک بس تمہاری ہی ٹیم ہے۔ نجانے کتنے اور منصور ہیں جو میرے بازو بنے ہوئے ہیں۔" بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

منصور اچنبھے سے بابا کو دیکھنے لگا۔ اب اسے کچھ کچھ سمجھ آ رہا تھا بابا اکثر کہاں غائب رہتے ہیں۔

"جو کاروائی کہی گئی تھی اس کے بارے میں رپورٹ نہیں دی تم نے۔" بابا نے منصور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی سر قاسم کافی عرصے تک کام کے قابل نہیں رہا۔ سیٹھ علیم بھی اس کی وجہ سے روٹین بدل چکے ہیں۔ قاسم کے لیپ ٹاپ سے ملے تمام لوگوں کو کوور کیا جا چکا ہے۔"

"ان کے عسکری ونگ کا ایک کمانڈر ایک کار حادثے میں مارا جا چکا ہے۔ اسی ونگ کا نائب کمانڈر اپنے گارڈز کے ساتھ سوتے ہوئے گیس لیکیج کا شکار ہو چکا ہے۔ میڈیا ونگ کا ایک ممبر سیر کرتے ہوئے ندی میں ڈوب چکا ہے۔ میڈیا ڈیزاسٹر ونگ کا چیف آرگنائزر شارٹ سرکٹ کی وجہ سے آگ لگنے کی وجہ سے جھلس کر مر چکا ہے۔ دنیا والوں کو کل کی نیوز میں یہ الگ الگ خبریں ملیں گی لیکن اس مشن کو چلانے والے سمجھ جائیں گے کہ ان کا راز لیک ہو چکا ہے اور انہیں ٹارگٹ کیا جا رہا ہے۔" منصور نے اپنی کارکردگی کا بتاتے ہوئے کہا۔

"منصور تم کب تک غلطیاں کرتے رہو گے؟ مجھے آئندہ موقع نہ دینا کہ میں یہ بات دوبارہ کہوں۔" بابا کے لہجے میں ایکدم سختی آ چکی تھی۔

"مگر سر میں نے کیا غلطی کی؟" منصور نے پریشانی سے کہا۔

"گیس لیکیج والا آئیڈیا اچھا تھا مگر تم نے وہاں اندر جانے کے بعد دستانے پہنے تھے۔ اس لیے وہاں کے مین ہال کے دروازے کے ہینڈل پر تم اپنے فنگر پرنٹس چھوڑ آئے۔" بابا نے سختی سے کہا۔

منصور انتہائی حیرانی سے بابا کو دیکھنے لگا اور سوچنے لگا وہاں تو وہ اکیلا گیا تھا پھر بابا کو کیسے پتہ؟ بابا تو ایسے بتا رہے ہیں جیسے وہ خود منصور کے ساتھ رہے ہوں۔

"مگر سر پاکستان ابھی اتنا.........." منصور نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ بابا نے اسکی بات کاٹ کر کہا۔

"یہ بھونڈے بہانے مت بناؤ۔ غلطی کی ہے تو مانو' بس پاکستان یہ ٹیکنالوجی استعمال کرے نہ کرے۔ مگر جو دشمن ہے وہ بہت ایڈوانسڈ ہے۔ وہ بس پاکستانی پولیس کی تفشیش کو لے کر نہیں بیٹھے گا۔" بابا کے لہجے میں برہمی تھی۔

"اور جہاں آگ لگی وہاں پٹرول کی بجائے ایسا ذریعہ اختیار کرنا تھا جس سے واقعی یہ لگے کہ شارٹ سرکٹ سے آگ لگی ہے۔ شارٹ سرکٹ کی آگ قالین سے شروع نہیں ہوتی۔" بابا کے لہجے میں ناراضگی تھی۔

مگر منصور حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے لگا تھا۔

"سر آپ کو کیسے پتہ......." منصور سے رہا نہ گیا۔

"مجھے کیسے پتہ۔ یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی۔ تمہاری غلطیوں کو فوراً کوور کر لیا گیا تھا۔" بابا نے لاپرواہی سے کہا۔

منصور جو دوسروں کے لیے انتہائی ذہین تھا۔ بابا کے سامنے خود کو ایک بچہ محسوس کر رہا تھا۔

۔*****************۔

ایک میٹنگ ہال میں لمبی سے میز کے گرد رکھی کرسیوں پر چھ افراد بیٹھے تھے۔ کمرے کی کھڑکیوں پر نیلے رنگ کے دبیز پردے پڑے تھے۔

”مسٹر شنکر کیا آپ وضاحت کریں گے آخر یہ اچانک ہو کیا رہا ہے؟ سب سے پہلے مقامی ایجنٹ کے بیٹے کا ہاتھ اڑ گیا اور وہ ہسپتال میں پڑا زندگی و موت کی کشمکش میں ہے۔ دو گارڈز مارے گ ئی ے۔ انکا چیف ہمیشہ کے لیے لنگڑا ہو چکا ہے۔ تینوں ونگوں کے سب سے اہم افراد مارے جا رہے ہیں۔ بظاہر حادثات ہوئی ے ہیں لیکن حقیقت ہم سب جانتے ہیں۔“ موساد کے ایک آفیسر ڈیوڈ نے ایک انڈین گندمی مائی ل شخص سے پوچھا۔

”سر اب تک جو تحقیقات ہوئی یں ہیں ان میں ایک خولہ نامی لڑکی کا کردار سامنے آیا ہے۔“ راجندر شنکر نے کہا۔

”ہم نے بھی اپنے طور پر تحقیقات کی ہیں۔ اس میں آئی ایس آئی یا پاکستان کی کسی بھی خفیہ ایجنسی کا ہاتھ نہیں ہے اور جو طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے۔ وہ ایجنسی کے طریقہ کار سے بالکل ہٹ کر ہے۔“ امریکی سی آئی اے کے ایک عہدیدار مارفن نے کہا۔

” اب جو بھی ہے سامنے آجائی ے گا۔ ہم نے اپنے ایک سپر ٹاپ ایجنٹ کو طلب کر لیا ہے اور وہ پاکستان جائی ے گا۔ تحقیقات بھی کر لے گا اور امید ہے ایسے زخم بھی لگائی ے گا جو پاکستان چاٹتا رہ جائی ے گا۔“ موساد کے آفیسر ڈیوڈ نے کہا۔

”مگر آپکے تو پاکستان کے ساتھ سفارتی تعلقات نہیں ہیں۔“ اب تک چپ بیٹھے را کے گوپال نے کہا۔

”یہ کوئی ی دقت نہیں وہ امریکی سفارتکار بن کر جائی ے گا“ مارفن نے کہا۔

"مشترکہ دشمن کی تباہی کے نام۔" ڈیوڈ نے اپنے سامنے رکھا سرخ وائن کا گلاس اٹھایا تو سب نے بھی اپنے اپنے گلاس اٹھا کر چیئرز کیا۔

۔*****************۔

لندن کے ہیتھرو ائیر پورٹ پر افراتفری کا عالم تھا۔ فلائٹس کی آمدورفت کے بارے میں اناؤنسمنٹس جاری تھیں۔ فوڈ کورٹ میں بنی کافی شاپ میں ایک جوان شخص جس کی آنکھوں کی تیز چمک اس کی چالاکی اور ہوشیاری کی گواہی دے رہیں تھیں۔ ہاتھ میں کافی لیے بیٹھا تھا۔

اس کے انداز سے لگ رہا تھا۔ جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہے لیکن اس انتظار سے اسے کوفت ہو رہی ہو۔

ایک ادھیڑ عمر شخص جس کے سر کے بال آدھے سفید ہو چکے تھے۔ ہاتھ میں بریف کیس لیے تیزی سے اس شخص کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور فون پر کوئی ی نمبر ملا کر کہنے لگا۔

"Toz destiny is near

یہ فقرہ سن کر جوان شخص چونک گیا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا ".

"offcorse very soon soon" soon

کا لفظ جوان شخص نے دو بار زور دے کر کہا۔

ادھیڑ عمر شخص نے بریف کیس اسے تھما دیا اور واپس ہو لیا۔

یہ پاسورڈز تھے جو انہوں نے ایک دوسرے کی شناخت کے لیے استعمال کیے تھے۔

پاکستان جانے والی فلائی ٹ کی اناؤ سمنٹ ہونے لگی تو وہ جوان شخص بریف کیس لیے پاکستان جانے والی فلائی ٹ کی طرف بڑھنے لگا۔

۔*************۔

عمر مسجد میں داخل ہوا۔وضو کر کے بابا کی مخصوص نشست والی جگہ کی طرف بڑھنے لگا۔

بابا دیوار سے ٹیک لگائی ے ایک کونے میں سر جھکائی ے بیٹھے تھے۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" عمر نے بڑے باادب طریقے سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ,جیتے رہو بیٹا۔" بابا نے آنکھیں کھول کر عمر کو دیکھا اور سیدھے ہو کر بیٹھ گ ئی ے۔

"ہاں برخودار پھر کیسا گزرا یہ مہینہ؟" بابا نے شفقت سے مسکرا کر کہا۔

جواب دینے کی بجائی ے عمر آگے کو جھکا اور بابا کا ہاتھ پکڑ کر اس پر عقیدت سے بوسہ دیا۔ ایسا کرتے ہوئی ے عمر کو محسوس ہوا کہ بابا کے ہاتھ عام انسانوں کی طرح نرم ہونے کی بجائی ے سخت تھے۔ جیسے کسی مزدور کے کام کر کے سخت ہو چکے ہوں۔

"بابا میں بتا نہیں سکتا آپ کی بات پر عمل کر کے میں نے کیا پا لیا ہے۔میں قسم کھا کر کہتا ہوں باباجی' میں نے جو لذت اور حلاوت چکھی ہے۔ایسا مزہ مجھے آج تک دنیا کی کسی نعمت میں نہیں ملا۔" یہ کہہ کر عمر نے پورے مہینے کی روداد,یونیورسٹی کا مباحثہ، نماز میں کیفیت اور زیارت سب کچھ بتا دیا۔

جب تک عمر بولتا رہا بابا خاموشی سے سنتے رہے اور مسکراتے رہے۔

”بہت خوب لیکن بیٹا یاد رکھنا۔ عہدہ پا لینا آسان ہوتا ہے مگر اسے سنبھالنا بہت مشکل۔ جو چیز تمہیں ملی ہے اس کو سنبھالنے کے لیے تمہیں دوہری محنت کرنی پڑے گی۔“ بابا نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔

”بابا جی ایک بات کی سمجھ نہیں آئی ی۔ آپ نے نظر کی حفاظت پر ہی زور کیوں دیا نماز, ذکر و اذکار اور وظیفوں پر زور کیوں نہیں دیا۔“ عمر نے دل میں مچلنے والا سوال پوچھ ہی لیا۔

”بیٹا نماز تو سب سے ضروری چیز ہے۔ وہ تو ہر حال میں پڑھنی ہے۔ دل لگے نہ لگے لذت ملے یا نہ ملے۔ وہ ماشاء اللہ تم پہلے ہی پڑھتے تھے۔ سب توفیق ذکر, درود شریف بھی پڑھتے تھے۔ ضرورت تھی تو اس میں لذت اور حلاوت کی تا کہ آگے بڑھنا آسان ہو۔ لذت و حلاوت کے لیے نظر کی حفاظت ضروری ہے۔“ بابا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”بابا جی یہ بات آپ کو کیسے پتہ کہ نظر کی حفاظت سے حلاوت ملتی ہے؟“ عمر کی تشنگی ابھی باقی تھی۔

” بیٹا یہ بات ہمیں ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے بتائی ی ہے۔ انکا ارشاد ہے جو مسلمان کسی عورت کی خوبیوں کی طرف پہلی بار نظر کرے (یعنی بے خیالی میں نظر پڑ جائے) پھر اپنی آنکھ نیچی کر لے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ اُسے ایسی عبادت عطا فرمائے گا جس کی وہ لذّت پائے گا۔ (مُسنَد اِمام احمد بن حَنبل ج ۸ ص ۲۹۹ حدیث ۲۲۳۴۱)

”ایک دوسری حدیث میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:” اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر میں بُجھا ہوا تِیر ہے۔ پَس جو شخص میرے خوف سے اِسے

ترک کردے تو میں اُسے ایسا ایمان عطا کروں گا جس کی حلاوت (یعنی مٹھاس) وہ اپنے دل میں پائے گا۔" بابا نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن بابا اکثر لوگ کہتے ہیں دیکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ موویز دیکھنے سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ تو عام بات ہے۔ لو بھلا آج کے دور میں ایسا کہاں ممکن ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔" عمر بھی آج اس موضوع کی ساری جزئیات واضح کرنے پر تلا تھا۔

" اچھا بیٹا یہ بتاؤ اچانک شیر اگر سامنے آجائے اور انسان اسے صرف دیکھ لے تو صرف دیکھنے سے جسم اور جان پر کیا بنتی ہے؟"

"ایک بچے کے سامنے کاغذ اور نوٹ دونوں رکھ دیے جائیں تو کیا بچے کی نظر دونوں پر ایک جیسی پڑے گی؟"

"سبزہ اور خوبصورت نظارے دیکھنے سے طبیعت میں تازگی کیوں محسوس ہوتی ہے؟" بابا نے مسکراتے ہوئے یہ چند سوال پوچھے تو عمر لاجواب ہو گیا۔

"بیٹا یہ جو نظر ہے نا' یہ دل تک جانے کا مین گیٹ ہے۔ جو اس نظر میں آجاتا ہے سمجھو وہ دل میں داخل ہو گیا۔ اب آپ خود سوچ لو کہ روزانہ آپ دل میں کس کس کو داخل کرتے ہو؟ آنکھ ایک کیمرے کی مانند ہے جو یہ دیکھتی ہے اس کا عکس دل پر بن جاتا ہے۔ اب جب روز نامحرم کی تصویروں کا عکس دل میں جائے گا تو اس دل میں حلاوت کہاں سے آئے گی۔ اللہ کہاں سے آئے گا؟" بابا نے موضوع مزید کھولتے ہوئے کہا۔

"کیاموبائل استعمال کرتے ہوئے سوشل میڈیا استعمال کرتے ہوئے لڑکے اور لڑکیاں کسی خوبصورت صنف مخالف کو دیکھ کر وہیں رک نہیں جاتے اور اسے غور سے نہیں دیکھتے؟ کیا ایسی کوئی زبردست قسم کی ویڈیو سامنے آنے پر اسے دیکھنے نہیں لگ جاتے؟" بابا کے سوالوں سے عمر کو جوابات مل رہے تھے۔

"جی بابا آگئی سمجھ اب۔" عمر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"بیٹا نظر کی حفاظت کا ایک اور پہلو بھی ہے کہ جیسے کسی خوبصورت گاڑی کو دیکھ کر ویسی گاڑی کی حسرت پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی اچھا گھر نظر آ جائے تو دل کرتا ہے میرا گھر بھی ایسا ہو۔ مجھے بھی ایسا گھر مل جائے۔ لوگوں کو اپنی تعریف کرتا دیکھے گا تو غرور کا شکار ہو جاتا ہے۔ تقریباً سارے گناہوں کی وجوہات میں ایک بڑی وجہ نظر کی حفاظت نہ کرنا ہے۔ اس لیے نظریں جھکانے کی عادت ہونی چاہیے۔" بابا نے مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"بابا ایک ذاتی سا سوال ہے پوچھ لوں؟" عمر نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ہاں پوچھو اگر بتا سکا تو ضرور بتاؤں گا۔" بابا نے شگفتگی سے کہا۔

"بابا آپ مہینے میں صرف دو دن یہاں کیوں ملتے ہیں؟ باقی دن کہاں ہوتے ہیں" عمر نے جھجک کر پوچھا۔

عمر کا سوال سن کر بابا نے سر جھکا لیا۔

۔********************۔

”ماسٹر، خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرؓ جنگی حکمت عملی کیسے بناتے تھے؟“ حیدر نے دلچسپی سے سوال کیا۔

”خالد بن ولیدؓ کی جنگی حکمت عملی بنانے کی سوچ کا اندازہ تم اس بات سے لگالو کہ کسی وجہ سے خالد بن ولیدؓ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ جن کا انہیں بہت افسوس تھا۔ جب انہیں خبر ملی کہ مکہ والوں کو بری طرح شکست ہو گئی ہے تو وہ بڑے حیران ہوئے۔ اطلاع دینے والے سے جنگ کا نقشہ اور تفصیل کرید کرید کر جاننے لگے اور ساتھ ساتھ زمین پر نقشہ بھی بنانے لگے۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ آخر ایسا کیسے ممکن ہوا۔“ ماسٹر نے اتنا بتایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

ماسٹر نے فون اٹھایا تو دوسری طرف کون تھا حیدر کو پتہ نہ چلا۔

ماسٹر نے ہوں ہاں الحمدللہ کہہ کر کہا۔

”ٹھیک ہے آپ آجائیں۔“ اور فون بند کر دیا۔

”تمہارے ابو تھے۔ تمہیں لینے آ رہے ہیں۔“ ماسٹر نے کہا تو حیدر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”او پتہ ہی نہیں چلا کب ایک مہینہ گزر گیا۔ میں تیاری کرتا ہوں اجازت ہے؟“ حیدر نے پرجوش ہوتے ہوئے ماسٹر سے اجازت مانگی۔

”بالکل لیکن یاد رکھنا صرف دو دن کی اجازت ہے اور ان دو دنوں میں بھی روٹین کی ایکسرسائز نہیں چھوڑنی۔“ ماسٹر نے اجازت دیتے ہوئے تنبیہ کی۔

”جی کیوں نہیں ماسٹر' مجھے یاد رہے گا اور میں یہاں آنے کے لیے بے چین رہوں گا۔“ حیدر نے کہا اور تیزی سے اپنی چیزیں سمیٹنے بھاگا۔

حیدر کی روٹین اتنی سخت, مصروفیت بھری اور دلچسپ ہوتی تھی کہ اسے سوچنے تک کا وقت نہیں ملتا تھا۔ رات کو تھک ہار کر جب وہ لیٹتا تھا تو فوراً ہی نیند کی وادیوں میں اتر جاتا تھا۔ مگر شاید ہی کسی دن اسکی نیند پوری ہوئی ہو کیونکہ ماسٹر کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کب اٹھا لیتا تھا۔

پہلے تو حیدر گھوڑے بیچ کر سونے کا عادی تھا مگر ماسٹر صرف ایک آواز دیتے تھے۔ شروع میں حیدر کہاں عادی تھا ایک آواز سے اٹھنے کا لیکن پھر ایک آواز کے بعد کبھی یخ ٹھنڈا پانی پھینک دیا جاتا۔ ایک دفعہ تو کیچوؤں سے بھرا کیچڑ حیدر کے منہ پر پھینک دیا تھا۔ اس کے بعد حیدر اتنا محتاط ہو کر سوتا کہ ذرا سی کوئی آواز ہوتی فوراً اٹھ جاتا تھا۔ اب تو ماسٹر کو اٹھانا بھی نہیں پڑتا تھا۔

سامان سمیٹتے ہوئے اچانک کوئی چیز فرش پر گرنے کی آواز آئی۔

حیدر نے جھک کر دیکھا تو ایک ٹوٹی گھڑی تھی جس پر وقت رکا ہوا تھا۔ اسکے ذہن میں وہ مناظر چلنے لگے جس کی وجہ سے وہ آج یہاں تھا نہ جانے کیا سوچ کر اسکے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

_*********************_

سیٹھ علیم اپنے بیٹے قاسم کے بیڈ روم میں ٹہل رہے تھے۔ قاسم اب کافی بہتر تھا مگر اسکے ہاتھ کی تین انگلیاں ضائع ہو چکیں تھیں۔ حالات علیم کے ہاتھوں سے باہر نکل چکے تھے۔ اس لیے اس نے اپنے بڑوں کو اب تک سارے حالات بتا چکا تھا۔

اسے کہا گیا تھا کہ اگلی ہدایات کا انتظار کرو۔ آج اسے کہا گیا تھا کوئی اعلی افسر اس سے ملنے آئے گا اور تحقیق کرے گا۔

اب سیٹھ علیم کو اسی کا انتظار تھا۔ وہ پریشان بھی بہت تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اسکی فیلڈ میں ناکامی اور غلطی کی سزا بہت بھیانک ہوتی ہے۔ اب نہ جانے اس کے ساتھ کیا سلوک ہو۔ اس نے گیٹ پر ہدایات دے دیں تھیں کہ جیسے ہی کوئی شخص آ کر صرف

BH

کہے اسے عزت و احترام سے ڈرائی نگ روم میں بیٹھا دیا جائے۔

قاسم بھی پریشانی سے اپنے والد کو دیکھ رہا تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تو علیم نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور بولے۔

”یس“۔

”سر مہمان تشریف لا چکے ہیں۔“ باہر سے گارڈ کی آواز سنائی دی۔

”اوکے۔“ علیم نے کہا اور ڈرائی نگ روم کی طرف بڑھنا لگا۔ تو قاسم بھی اٹھنے لگا۔ ایک بار تو علیم کچھ کہنے لگا مگر پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

ڈرائی نگ روم میں دونوں آگے پیچھے داخل ہوئے۔ صوفے پر ایک اجنبی سیاہ چشمہ پہنے بیٹھا تھا۔ رنگت تو اسکی یورپین نژاد یا پٹھانوں جیسی تھی مگر اسکی رنگت میں گندمی اور سرخ رنگ کی آمیزش ہو چکی تھی۔ جیسے نہ جانے کتنا عرصہ دھوپ اور صحراؤں میں کام کرتا رہا ہو۔

انہیں دیکھ کر وہ اجنبی اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور بیٹھے بیٹھے ہی اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر بولا۔

"ہائے آئی ایم جیکب۔"

علیم نے بھی ہائے کہہ کر ہاتھ ملایا جبکہ قاسم چپ رہا اور کلائی سے ہاتھ ملا کر سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"کیا آپ ساری تفصیل بتانا پسند کریں گے۔ یہ معاملہ کب اور کیسے شروع ہوا؟" جیکب نے سیدھا مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔ جواب میں قاسم نے اب تک کی ساری روداد سنا دی۔

"ہمم" جیکب اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اتنی دیر میں ملازم لوازمات کی ٹرے رکھ کر جا چکا تھا۔ جیکب نے کوک کا گلاس اٹھایا اور وقفے وقفے سے سپ لیتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

وہ چشمہ اتار کر قاسم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا۔

"کیا اس لڑکی خولہ سے تمہاری کوئی دشمنی تھی یا تمہاری اس سے پہلے کبھی تلخ کلامی وغیرہ ہوئی ہو؟" جیسے ہی قاسم کی نظریں جیکب کی نظروں سے ملیں قاسم کے ذہن کو بے اختیار ایک جھٹکا لگا۔ اتنی کشش اور چمک تھی جیکب کی آنکھوں میں کہ قاسم کو لگا وہ آنکھیں اس کے ذہن کے کونے کونے تک دیکھ رہی ہیں۔

قاسم کو لگا جیسے وہ چاہ کر بھی اس سے ان آنکھوں سے جھوٹ نہیں بول سکے گا۔

”میں اسے پسند نہیں کرتا اس کے نظریات کی وجہ سے اور وہ بھی مجھے میرے نظریات کی وجہ سے پسند نہیں کرتی۔“ قاسم کی نظر جیکب کی نظر سے ملی تھی۔ وہ ایسے بول رہا تھا جیسے ٹرانس میں آ چکا ہو۔ الفاظ بغیر کچھ سمجھے اس کے منہ سے بے اختیار نکل رہے تھے۔ قاسم کو دل میں اپنی کیفیت پر حیرانی ہونی لگی اس نے چاہا کہ نظریں ہٹالے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے جیکب کی نگاہیں اسے خاموش ہدایات دے رہی ہوں۔

” میں ساری تحقیقات کر چکا ہوں۔ اس لڑکی کا تعلق کسی گروہ سے نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ مختلف یونیورسٹیز اور کالج میں دوسروں یا دوستوں کی خاطر ان کو بچانے کے لیے پنگے اور لڑائیاں کر چکی ہے۔ اس کا ایک بھائی ہے وہ بھی اسی طرح کی عادتیں رکھتا ہے۔ انکے والد کی کمپنیاں اور کاروبار ہیں۔ اسی سلسلے میں وہ اکثر سفر میں رہتے ہیں۔ ان کا تعلق کسی ایجنسی سے ثابت نہیں ہوا البتہ جو لڑکا یا جادوگر خولہ کو چھڑا کر لے گیا وہ مشکوک ہے۔ وہی ہمارے سب سوالوں کا جواب ہے۔“ جیکب نے بات کرتے ہوئے قاسم سے نظریں ہٹائیں تو قاسم نے سکھ کا سانس لیا۔ اس کے سر سے جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔

”لیکن یہ بات اپنی جگہ اٹل ہے کہ تم نے انتہائی لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ ایک لڑکی تم لوگوں کے بس سے باہر ہو گئی۔ ہمارے راز لیک ہوئے جس سے ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔“ جیکب نے علیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو علیم نے نظریں چراتے ہوئے

سر جھکا لیا۔ نہ جانے کیوں اسے جیکب کی آنکھوں سے خوف آنے لگا تھا۔ عجیب سی کشش تھی جو دیکھتا ٹرانس میں آ جاتا تھا۔

"میں مزید شواہد و ثبوت کی خاطر فارم ہاؤس دیکھنا چاہتا ہوں۔" علیم اٹھ کھڑا ہوا۔

"آئیں میں دکھلاتا ہوں۔"

"نہیں تم دونوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ تم دونوں اپنی گاڑی میں جاؤ گے۔ میں تمہارے پیچھے آؤں گا۔ اپنے گارڈز کو بتاتے جاؤ کہ تم فارم ہاؤس جا رہے ہو۔" جیکب نے تحکمانہ لہجے میں کہا تو علیم اور قاسم خاموشی سے باہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ پیچھے پیچھے جیکب اٹھ کر چل پڑا۔

دو گاڑیاں قاسم ولا سے نکلیں اور مری والی سائیڈ پر فارم ہاؤس کی طرف چل پڑیں۔

جب گاڑیاں پہاڑیوں کی گولائی چڑھنے لگی تو مخالف سمت سے ایک ٹرک آتا دکھائی دیا۔ اس وقت تک قاسم اور جیکب کی گاڑیوں میں فاصلہ کافی بڑھ چکا تھا۔

جیسے ہی ٹرک قاسم کی گاڑی کے قریب آیا تو اپنی لائن سے ہٹا اور زوردار لوہے کی لوہے سے ٹکرانے کی آوازوں اور بریکوں کی چرچراہٹ سے فضا گونج اٹھی۔ ٹرک کار کو دھکیلتا ہوا کنارے تک لایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہی کار لڑکھڑاتی ہوئی کنارے سے اتری اور قلابازیاں کھاتی ہوئی گہری کھائی کی تہہ میں ایک دھماکے سے جا گری۔

کار سواروں کا بچنا بہت دشوار تھا اچانک کار کی ٹینکی ایک دھماکے سے پھٹی اور پوری کار آگ کی لپیٹ میں آگئی ی۔

جیکب کی کار حادثے سے کافی فاصلے پر کھڑی ہوگئی ی اور وہ اتر کر کھائی ی کی طرف دیکھنے لگا۔ اطمینان سے سر ہلاتے ہوئے وہ گاڑی میں واپس بیٹھا تو وہی ٹرک پاس سے گزرنے لگا۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ڈھاٹا باندھے ڈرائیور نے ہاتھ سے سلام کیا اور آگے بڑھ گیا۔

جیکب نے گاڑی موڑی اور ٹرک کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ ٹرک تیز رفتاری سے جائے واردات سے دور ہو رہا تھا۔ ایک موڑ قریب آتے ہی جیکب کا ہاتھ باہر آیا اور سائی لنسر لگے ریوالر سے ایک ٹرچ کی آواز کے ساتھ گولی نکلی اور ٹرک کے اگلے پہیہ میں جا گھسی۔

زوردار دھماکے سے ٹائر پھٹا اور ڈرائیوار کی کوششوں کے باوجود ٹرک آؤٹ آف کنٹرول ہو گیا۔ ٹرک ریلنگ توڑتے ہوئے کھائی ی کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیکب کے چہرے پر اطمینان تھا۔ اس نے رکے بغیر پیچھے دیکھے بغیر کار کو روڈ پر رواں رکھا اور فون پر کوئی ی نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو نعمان سارے ثبوت جس سے علیم اور قاسم کا ہمارے ساتھ تعلق ظاہر ہو ختم کرو اور ہیڈ کوارٹر نمبر 9 میں آکر رپورٹ کرو۔" جیکب نے پر سکون آواز میں کہا۔

"اوکے سر۔" نعمان علیم سے زیادہ تنظیم کا وفادار تھا کیونکہ اصل تنخواہ تو وہ انہی سے لیتا تھا۔

جیکب نے ایک اور فون نمبر ملایا اور کسی سے کہنے لگا۔

”نعمان آئی ے گا تھوڑی دیر تک جیسے ہی وہ آئی ے ختم کر کے اوپر پہنچا دو۔“ دوسری طرف سے او کے کا جواب سن کر جیکب نے کال کاٹ دی۔

اسے پاکستان پہنچے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئی ے تھے اور آتے ہی اس نے تحقیقات شروع کر دیں تھی۔ کچرا صاف کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ٹاپ ایجنٹ تھا جسے اس وقت طلب کیا جاتا تھا جب حالات ہاتھ سے نکل رہے ہوتے تھے۔ وقت ضائی ع کرنا اسکی فطرت ہی نہیں تھی۔

وہ جہاں جس مشن پر جاتا تھا وہاں پیچھے اپنا کوئی ی ثبوت نہیں چھوڑتا تھا۔ قاسم اور علیم اب اس کے لیے بیکار تھے۔ الٹا گواہ اور معلومات کے لیک ہونے کا سبب بن سکتے تھے۔ اس لیے اس کچرے کو صاف کرنا ضروری تھا۔ ٹرک ڈرائی یور کو نعمان نے ہائی یر کیا تھا اور کہا تھا جیکب کی ہر بات مانے۔ اس لیے اس کا پتہ بھی صاف کر دیا کیونکہ جیکب اپنے پیچھے سب کچھ کلیر کر کے دشمن پر وار کرنے کا عادی تھا۔

وہ کوئی ی ایسی نشانی نہیں چھوڑتا تھا جس سے اس کو مستقبل میں کوئی ی پریشانی ہو۔ نعمان بھی لنگڑا گھوڑا بن چکا تھا۔ اس لیے وہ بھی اب بیکار تھا سو اس کا انتظام بھی ہو چکا تھا۔ اب جیکب کی سوچیں خولہ اور اس جادوگر کی طرف مڑ چکیں تھیں۔

خولہ کے گھر کا ایڈریس جیکب کے ذہن میں گھومنے لگا۔ جہاں وہ اپنی آپی اور بہنوئی ی کے ساتھ رہ رہی تھی۔

-*****************-

بابا نے سر اٹھایا اور عمر کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔

"جب وقت آئے گا تو تمہیں خود ہی پتہ چل جائے گا۔" عمر نے پہلے تو کچھ کہنے کے لیے لب کھولے پھر کچھ سوچ کر بند کر لیے۔ بابا بہتر جانتے تھے کہ کیا کرنا ہے۔

"اب بیٹا ایک بات یاد رکھنا جو اللہ کی قربت کی منزل پر فائز ہو چکے ہوں۔ ان کے لیے اللہ کے اصول بدل جاتے ہیں۔ عام افراد کو جن خطاؤں پر معافی مل جاتی ہے خاص افراد کو انہی خطاؤں پر سخت سزا دی جاتی ہے۔" عمر بات کو سمجھ رہا تھا۔

"بابا میں اپنی پوری کوشش کروں گا ایسی نوبت نہ آئے۔ آپ بھی دعا کیجیے گا۔" عمر نے باادب ہو کر کہا۔

"بیٹا ایک درخواست کر سکتا ہوں۔" بابا نے عمر کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

"بابا درخواست کیوں' آپ حکم کریں۔" عمر نے تڑپ کر کہا۔

"جزاک اللہ بیٹا۔ ایک فون نمبر لکھواتا ہوں وہ نوٹ کر لو اگر کبھی اس نمبر سے فون آ جائے تو اٹینڈ کر لینا اور جو کہا جائے اگر کر سکو تو کال کرنے والے کی بات مان کر اسکی بات پر عمل کرنا۔" بابا نے سر جھکائے کہا ایسا لگ رہا تھا جیسے بابا سوچ سوچ کر بول رہے ہیں۔

"جی کیوں نہیں بابا۔ آپ نمبر لکھوا دیں۔" عمر نے موبائل نکالتے ہوئے کہا۔ بابا نے نمبر لکھوایا تو عمر نے محفوظ کر لیا۔

بابا نے آنکھیں موندیں اور دیوار سے ٹیک لگالی۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ عمر اب جا سکتا ہے۔ عمر خاموشی سے اٹھا اور واپس ہو لیا۔

اگلے دن عمر یونیورسٹی کی لائی بریری کے ایک کونے میں جہاں کوئی ی نہیں تھا۔ بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا کہ اسے ایک نسوانی خوبصورت سی آواز سنائی ی دی۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" بے اختیار اس کی نظریں اٹھتے اٹھتے رہ گ ئی یں۔ اس نے اوپر دیکھنے کی خواہش کو سختی سے دبایا اور اسی طرح کتاب پر نظریں جمائے کہا۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

۔********************۔

عائزہ کبیر کی ساری رات بے چینی میں گزری تھی۔ وہ جانتی تھی کہ عمر جیسی طبیعت کا بندہ کبھی بھی نہ اس کی طرف بڑھے گا اور نہ کچھ کہے گا۔ یہ یک طرفہ محبت تھی جس کی آگ میں عائزہ جل رہی تھی۔

اسے یہ ادراک ہو چکا تھا کہ اسے ہی آگے بڑھنا ہو گا مگر اسکی نسوانی حیا، غرور حسن اور انا ایسا کرنے سے انکاری تھی۔

ساری رات وہ اسی کشمکش میں رہی مگر عمر کو پانے کی واحد امید اسی صورت میں نظر آ رہی تھی کہ وہ خود آگے بڑھے۔

آخر اس نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا انا, نسوانیت اور غرور کو دل کی محبت اور فیصلے کے آگے جھکنا پڑا۔ یہ فیصلہ کرتے ہی عائزہ کے جسم میں سکون کی لہر دوڑ گئی۔ نیند اور عجیب سے خمار سے اسکی آنکھیں بند ہو گئیں۔

اگلی صبح وہ اٹھی اور فریش ہو کر تیار ہونے لگی۔ آج پہلی بار وہ دل کے ان جذبات کے ساتھ تیار ہو رہی تھی۔ جن کے ساتھ وہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ہر چیز میں ایسے تناسب کا خیال رکھا گیا کہ میک اپ لگانے کے باوجود محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ میک اپ کیا گیا ہے۔ ہلکے ہلکے ٹچز نے حسن کو دو آتشہ تو کر دیا تھا لیکن اس چیز کا خیال بھی رکھا گیا کہ یہ بھی نہ لگے کہ میک اپ بھی کیا گیا ہے۔

لبوں پر سرخی اتنی ہلکی اور ایسا شیڈ استعمال کیا کہ رنگت گلابی مائل سرخ تھی۔ دیکھنے پر یہی لگتا کہ جیسے لبوں کے قدرتی رنگت میں ذرا شوخی آگئی ہو۔

سادہ مگر بہترین لباس کا انتخاب عمر جیسے بندے کی طبیعت کے معیار پر پورا اترنے والی خصوصیت کے مطابق کیا گیا۔

غرض اتنی دیر اور اتنا اہتمام تو عائزہ نے کسی کی شادی پر بھی نہیں کیا تھا۔

جب وہ یونیورسٹی میں داخل ہو رہی تھی تو یوں لگ رہا تھا جیسے آج عائزہ کے حسن میں وقار کے ساتھ کسی مصور کی حسین تصویر کے سارے رنگ گھل گئے ہوں۔ اس میں نوٹ کرنے والوں کو آج واضح تبدیلی نظر آ رہی تھی۔

عمر کی تلاش میں عمر کی کلاس تک پہنچی ہی تھی کہ عمر اسے راہداری کے آخر میں مڑتا نظر آیا۔ تیز تیز قدموں سے وہ عمر کے پیچھے تقریباً بھاگنے لگی تھی۔ عمر کو لائی بریری میں داخل ہوتے دیکھ کر بے اختیار اس کے منہ سے ٹھنڈا سانس ابھرا۔ شکر ہے ڈھنگ کی جگہ ملی بات کرنے کو۔ عائی زہ نے دل میں سوچا۔

عمر اسے ایک کونے میں بیٹھا نظر آیا۔ وہاں جانے سے پہلے وہ ایک کرسی پر بیٹھ گ ئی ی جہاں سے عمر واضح نظر آ رہا تھا۔

عائی زہ کے اندر ایک جنگ سی چلنے لگی۔ کیا کہوں گی۔ کیسے کہوں گی۔ وہ دل میں فقرے سوچنے لگی جو اسے بولنے تھے مگر کچھ بھی ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔ کوئی ی فقرہ ذہن میں آ بھی جاتا تو اسے خود کو ہی اس فقرے میں کوئی ی نہ کوئی ی خامی نظر آ جاتی اور وہ رد کر دیتی۔

پھر کوئی ی فقرہ سوچنے لگ جاتی۔ آخر تنگ آ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی ی اور سوچا جو دل میں آیا وہ بولتی جاؤں گی۔ وہ عمر کی جانب بڑھ گ ئی ی۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" ایسکیوز می کہتے کہتے رہ گ ئی ی اور اس کے منہ سے پورا سلام نکل گیا۔

عائی زہ کے دل کی دھڑکنیں اتنی تیز ہو چکیں تھیں جیسے سینہ کچل کر دل باہر آ جائی ے گا۔

ایک لمحے کے لیے تو لگا کہ عمر سر اٹھا کر عائزہ کو دیکھنے لگا ہے مگر ہلکی سی جنبش کے بعد عمر کی نظریں کتاب پر ہی ٹکی رہیں۔ اس نے جواب دیا۔

" وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" عائزہ ٹیبل کے دوسری جانب عمر کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

عمر کو اپنی طرف نہ دیکھنے پر عائزہ کو حیرت اور مایوسی ہوئی۔ مگر وہ تو سوچ کر آئی تھی آج کہہ کر دل کا بوجھ اتارنا ہے۔

"کیسے ہیں آپ؟" عائزہ کو کچھ اور نہ سوجھا تو یہی پوچھ لیا۔

"الحمدللہ آپ سنائیں۔" مختصر جواب آیا صاف ظاہر تھا اخلاقی فرض نبھایا جا رہا ہے۔

نظریں بس کتاب پر تھیں عمر کی اور اس نے اخلاقاً کتاب بند کی مگر اسکی نظریں اب کتاب کی جلد پر تھیں۔

" حال اچھا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتی۔" عائزہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ خود کو دل ہی دل میں کوسنے لگی یہ کیا نکل گیا منہ سے۔

"جی۔" عمر کے لہجے میں تھوڑی حیرت تھی۔

"معذرت غلطی سے منہ سے نکل گیا۔" عائزہ نے بوکھلا کر کہا۔ اپنی بوکھلاہٹ پر بھی اسے خود پر غصہ آنے لگا۔ اتنا بوکھلا کیوں رہی ہو۔ اس نے خود کو دل میں ڈانٹا۔

عمر خاموش رہا اور کتاب کے کوور کو گھورتا رہا جیسے سوچ رہا ہو کہ پتہ نہیں کیا کہنا ہے اس لڑکی نے۔

عائزہ چپ ہو گئی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیا بولے۔ کس طرح دل کی بات کرے۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی تو دل ہی دل میں پھر خود کو کوسنے لگی اب چپ کیوں ہو بولو کچھ۔

” ہم انسان ہیں اور انسان کے ساتھ اس کا دل اور نفس بھی ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتی اور نہ یہ فرق کر سکتی ہوں کہ یہ میری نفس ہے یا میرا دل, آپ شاید مجھے نہیں جانتے۔ میرا نام عائزہ کبیر ہے۔ میں اپنے بارے میں کیا کہوں۔ آپ بس دوسروں سٹوڈنٹس سے میرے بارے میں پوچھ لیجیے گا۔ آپ کو میرے کردار کے بارے میں پتہ چل جائے گا۔ ایک مشرقی عورت جو صیحیح معنوں میں مشرقی ہو اور مشرقی روایات کا پاس رکھتی ہو اس کے لیے یہ کام نہایت مشکل ہے جو میں کرنے جا رہی ہوں لیکن میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں بچا۔“

”اس لیے میں مجبور ہو کر آپ کے پاس آئی ہوں اور آپ سے اپنے دل کی بات کر کے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی ہوں۔ میں جب پہلی بار آپ سے ٹکرائی تھی تو آپ کو میری وجہ سے تکلیف پہنچی تھی لیکن یہ آپ کا بڑا پن تھا جو آپ نے اسے اپنی غلطی تسلیم کیا۔ اس وقت آپ کے کہے الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔ اس دن کے بعد سے میں مسلسل نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کو سوچنے پر مجبور ہوں۔“

صاف اور سیدھی بات پر آتی ہوں‘ مختصر مجھے آپ بہت پسند ہیں اور آپکی محبت کا دم بھرتی ہوں۔ چاہتی ہوں زندگی آپکے ساتھ گزرے۔“ یہاں پہنچ کر عائزہ نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر بولی۔

"شادی آپ نے بھی کرنی ہے جہاں بھی ہو اور میری بھی ہونی ہے جہاں بھی ہو' لیکن آپ کی نیچر اتنی اچھی لگی ہے کہ مجھے یقین ہے کہ آپکے ساتھ گزاری زندگی پر مجھے فخر ہو گا۔ میں اس وقت جو باتیں کر رہی ہوں اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ آپ کے ساتھ محبت کا دور چلے۔ ساری ساری رات کالز پر باتیں ہوں۔ ڈیٹس پر جائی یں یہ گھٹیا پن ہے۔ یہ میری طبیعت کے خلاف ہے اور اتنا تو پتہ ہے یہ آپ کو بھی پسند نہیں ہو گا۔"

"میں بس اتنا چاہتی ہوں آپ میری اس تمنا کا جواب دے دیں اگر آپکا جواب ہاں ہو گا تو سمپلی آپ اپنے والدین کو میرے گھر بھیج دیجیے گا۔ وقت چاہیے تو وقت لے لیجیے گا۔ اس دوران ہمارے درمیان کوئی ی رابطہ نہیں رہے گا۔ مقررہ وقت کے بعد نکاح کی سنت پوری کر لیجیے گا اگر آپ کی نہ ہو گی تو میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔ آئ ندہ آپ کا وقت ضائ ع کرنے کی کوشش نہیں کروں گی۔ ایک سراب سمجھ کر بھولنے کی کوشش کروں جو ممکن تو نہیں لگتا لیکن میرے پاس کوئ ی اور راستہ نہیں ہو گا۔"

"آپ کو بس اپنے بارے میں اتنا کہوں گی کہ میں آپ کو ہر آن خوش رکھنے کی کوشش کروں گی اور۔۔۔۔۔۔" مگر عائ زہ اور سے آگے نہ بول سکی۔ اس کی آواز بھرا گ ئی۔ وہ لڑکی جسے سب سے باوقار حسن کی مالک کہا جاتا تھا۔ جس کے ایک اشارہ پر نہ جانے کتنے دیوانے کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتے اس نے آج اپنا غرور, حسن, نسوانی حیا سب کچھ عمر کے قدموں میں ڈال تو دیا مگر ایسا کرنے سے اس کے وقار اور نسوانیت کو جو جھٹکا لگا اس سے بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آگ ئے۔

اسے لگا وہ جیسے عمر کی نظروں میں گر چکی ہے۔ نہ جانے کیسے وہ اتنی ہمت سے اتنا کچھ کہہ گ ئ ی تھی لیکن اسکے پاس کوئ ی اور راستہ نہیں بچا تھا۔ اب اسے پتہ تھا وہ آگے کچھ نہیں بول سکے گی مگر اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

عائ زہ کو خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا اس نے ہونٹ بھینچ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ آنسو تھے کہ امڈ کر آنکھوں کے کناروں سے اترے اور رخسار پر بہنے لگے۔ شکر ہے صبح صبح کا وقت تھا ویسے ہی لائ بریری میں آمدورفت ابھی شروع نہیں ہوئ ی تھی اور وہ بیٹھے بھی ایک کونے میں تھے۔

عمر پر چپ طاری ہو گئ۔ وہ خاموشی سے سن رہا تھا۔ عائ زہ کے چپ ہونے پر ایک لمحے کے لیے عمر کے سر کو جنبش ہوئ ی۔ اچانک عائ زہ کی طرف دیکھنے کی خواہش کی لہر اتنی شدت سے اٹھی کہ بے اختیار عمر کی نظریں اوپر اٹھنے لگی تھی لیکن خود پر بے حد قابو پا کر اس لہر کی شدت کو برداشت کیا۔

اسے بابا کی بات یاد آئ ی عام افراد جو خطائ یں کریں اور وہ معاف کر دی جاتی ہیں۔ وہی خطائ یں جب خاص افراد کریں تو اس کی انہیں سزا دی جاتی ہے۔

" ایک مرتبہ رابعہ بصری سے پوچھا گیا کہ کیا آپ شیطان سے نفرت کرتی ہیں؟ رابعہ بصری نے جواب دیا کہ خدا کی محبت نے میرے دل میں اتنی جگہ ہی نہیں چھوڑی کہ اس میں کسی اور کی نفرت یا محبت سما سکے۔ " عمر نے سوچ سوچ کر جواب دیا۔ پھر کہنے لگا۔

”وہ ولائی یت کے اعلیٰ درجات پر فائی ز تھیں۔ میرا کہنے کا مطلب ان سے برابری نہیں لیکن ان کی یہ بات میرے دل پر ہتھوڑے کی طرح لگتی ہے۔میں کوشش کررہاہوں کہ اپنے دل کو بھی ایساہی بناسکوں۔اس مقام پر میں کسی دنیاوی چیز کی محبت کواپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دینا چاہتا۔“ عمر نے جواب دیا۔

عائی زہ جس کے آنسو خاموشی سے بہہ رہے تھے۔ خاموش بیٹھی سنتی رہی۔

”لیکن یہ بھی کہا گیاہے کہ حدیث مفہوم ہے نکاح کرنے سے آدھاایمان محفوظ ہوجاتااور اسلام میں رہبانیت کواپنانے سے سخت منع کیا گیاہے۔دنیاوی ضروریات کو بھی ساتھ لے کر چلناپڑتاہے۔میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتااس معاملے میں اپنے بزرگ سے رابطہ اور مشورہ کروں گا۔وہ بہتر گائی یڈنس دیں گے۔“ عمر نے کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئی ے کہا۔

اٹھتے ہوئی ے اختیار عمر کی نظریں ایک پل کے لیے عائی زہ کی بھیگی آنکھوں پر پڑیں مگر عمر نے فوراً نظریں ہٹا لیں۔ جاتے جاتے عمر نے عائی زہ سے کہا۔

”آپکاباطن بہت اچھاہے لیکن اس باطنی اچھائی ی کو اپنے ظاہر میں بھی لے کر آئی یں۔“ عمر نے کہا اور باہر کی جانب چلنے لگا۔

عائی زہ خاموشی سے وہیں بیٹھی عمر کو دیکھتی رہی۔

۔*********************۔

خولہ,ضرار,راشد اور آپی سب ایک کمرے میں بیٹھے تھے جب راشد کے پاس بابا جانی کی کال آئی ی۔
راشد فون سن اٹھ فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگے۔

"بابا جانی نے بلایا ہے سب کو فوراً پہنچنا ہے وہاں۔"

"کہاں؟" خولہ نے پوچھا۔

"پتہ لگ جائی ے گا۔" راشد نے کہا۔ چند ہی منٹوں بعد وہ سب ام ہانی اور عبید سمیت انجانی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔

راستے میں سب نے بہت پوچھنے کی کوشش کی کہ وہ کہاں جا رہے ہیں مگر راشد نے کچھ نہ بتایا۔

آخر کار وہ شہر کے ایک کونے میں بنی ن ئی ی سوسائی ٹی کے ایک وسیع و عریض کوٹھی میں جا پہنچے۔

راشد کے ساتھ چلتے ہوئی ے وہ ایک کمرے میں داخل ہوئی ے۔

کمرے کے اندر ایک دیوار میں ایک اور دروازہ تھا۔ دروازہ کھول کر وہ آگے بڑھے تو ایک شیشے کے کیبن میں جا پہنچے۔ یہ کیبن ایک بڑے ہال کا حصہ تھا۔

ہال کے ایک سائی یڈ پر رنگ دار شیشے کا یہ کیبن بنا ہوا تھا۔ جو اس کو ہال کی باقی تمام سیٹوں سے الگ کر رہا تھا۔

شیشے کے کیبن کے دو دروازے تھے ایک ہال میں کھلتا تھا اور ایک کمرے میں۔

کیبن میں جا کر راشد نے ایک سیٹ سنبھال لی اور باقیوں نے بھی راشد کے اشارے پر سیٹیں سنبھال لیں۔

سامنے سٹیج پر ایک ٹیبل رکھا ہوا تھا جس پر پانچ لیپ ٹاپس رکھے تھے۔ تین لینڈ لائن اور نہ جانے کتنے سیل فونز پڑے تھے۔ اس ٹیبل کے پیچھے ایک کرسی پر بابا جانی بیٹھے تھے۔

لیپ ٹاپس پر کچھ کرنے کے بعد وہ ایک ایک کر موبائل فونز پر کچھ کر کے اس طرح سیٹنگز کر رہے تھے کہ موبائلز فونز کے کیمروں کا رخ سٹیج کے پیچھے دیوار اور روسٹرم کی طرف رہے۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ اٹھے اور روسٹرم کے پیچھے جا کر کھڑے ہو گئے۔

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ انہوں نے کہا۔ ہال اور لیپ ٹاپس اور موبائلز سے جوابی سلام و سلامتی کی آوازیں گونجنے لگیں۔

خولہ نے چونک کر کیبن کی دیوار سے جھانکنے کی کوشش کی تو اسے تقریباً آدھے ہال کی کرسیوں پر مختلف سائے نظر آئے۔ ہال کی ایک سائیڈ پر خواتین نقاب کیے بیٹھیں تھیں اور دوسری جانب مرد۔

خولہ کو حیرت ہوئی کیونکہ مرد بھی نقاب لگائے بیٹھے تھے اور یہ سب مرد و زن ایک دوسرے سے دو کرسیاں چھوڑ کر بیٹھے تھے۔ شاید اس لیے کہ کوئی ایک دوسرے کو نہ جان سکے اور شناخت نہ ہو سکے۔

ایک لیپ ٹاپ کی سکرین کی تھوڑی سی جھلک دکھائی دی تو خولہ نے دیکھا اس لیپ ٹاپ کی سکرین بہت ساری چھوٹی سکرینز میں تقسیم تھیں۔ ہر چھوٹی سکرین میں نقاب پوش نظر آ رہا تھا۔ وہ آن لائن بابا کو دیکھ رہے تھے غالباً باقی لیپ ٹاپس اور موبائل فونز پر بھی یہی سلسلہ جاری تھا۔

”آپ سب کو یہاں ایک خاص مقصد کے لیے بلایا گیا ہے۔ مجھے امید ہے آپ سب میری ٹیم کے ممبرز ہونے کے ناطے اپنی پوری توجہ میری طرف رکھیں گے۔“ بابا نے تمہید باندھتے ہوئے کہا۔ یقین دہانی کی مختلف آوازیں ابھریں۔

خولہ کو بھی انتہائی دلچسپی سے سننے لگی کہ بابا ایسی کیا خاص باتیں بتانے جا رہے ہیں۔

”آج سے ہزاروں سال قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو سیکھنا اور سکھانا عروج پر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کو فرعون جادو سمجھا اور تمام جادوگروں کو مقابلے کے لیے اکٹھا کیا۔ یہ سارا واقعہ آپ جانتے ہیں۔ اسی دور میں سامری نام کا ایک بڑا جادوگر تھا۔ جس نے سونے کا بچھڑا بنایا جو باتیں کرتا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن تک طور پر گئے بنی اسرائیل اس بچھڑے لی عبادت کرنے لگے۔“

”ان سب باتوں کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کو عظیم الشان حکومت عطا کی۔ اس دور میں بھی جادو عروج پر تھا۔ اس لیے سلیمان علیہ السلام نے جادوگروں کے خلاف مہم چلائی جنھوں نے توبہ کی انہیں چھوڑ دیا گیا۔ باقیوں کو سزا دی گئی۔ یہاں مختلف روایتیں ہیں۔“

”ایک روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام جادو کے صحیفے اور جادو و سحر کا تمام سازوسامان چھین کر اپنے کرسی کے نیچے دفن کروادیا تھا۔“

”دوسری روایت کے مطابق ایک جن حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آکر ان کی بیوی سے سیلمان علیہ السلام کی انگھوٹھی لے کر تخت پر قابض ہو گیا تھا کچھ دنوں کے لیے۔ اسی دوران اس نے جادو کا سازوسامان حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا تھا واللہ اعلم، حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد شیطان نے لوگوں میں مشہور کر دیا تھا کہ نعوذ باللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادو پر دسترست حاصل تھی اسی لیے وہ ایسی حکومت کر پائی ے۔“

”اس بات کو یہود نے بہت زیادہ قبول کیا۔ اس لیے آج تک وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے اور ان کی حکومت کو

The kingdom of Solomon

کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت اور یہود کی ایک آزمائی ش کی خاطر اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں ہاروت وماروت کا سحر کا علم دے کر اور قاضی بنا کر زمین پر کابل شہر (جہاں آج کل کوفہ ہے) بھیجا۔ ان کا چرچا ہوا تو لوگ ان کے پاس سحر و جادو سیکھنے کے لیے آتے۔ وہ کہتے کہ یہ مت سیکھو تمہارا ایمان چلا جائی ے گا۔ آخرت میں تمہارا کوئی ی حصہ نہیں ہو گا لیکن پھر بھی جو اصرار کرتا اسے وہ سیکھا دیتے۔ اسی حضرت سلیمان علیہ السلام کی صفائی ی اور ہاروت و ماروت کے قصے کو قرآن سورۃ بقرہ کی آیت ۱۰۲ میں یوں بیان کرتا ہے۔“

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا ھُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (102)

"اور انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جو شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت پڑھتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا لیکن شیطانوں نے ہی کفر کیا لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، اور اس (چیز) کی بھی جو شہر بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا، اور وہ کسی کو نہ سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے ہم تو صرف آزمائش کے لیے ہیں، تو کافر نہ بن، پس ان سے وہ بات سیکھتے تھے جس سے خاوند اور بیوی میں جدائی ڈالیں، حالانکہ وہ اس سے کسی کو اللہ کے حکم کے سوا کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، اور سیکھتے تھے وہ جو ان کو نقصان دیتی تھی اور نہ کہ نفع، اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جس نے جادو کو خریدا اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں، اور وہ چیز بہت بری ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچا، کاش وہ جانتے۔"

یہاں پہنچ کر بابا جانی رکے اور ٹیبل پر پڑے پانی کا گلاس اٹھا کر پانی پینے لگے۔ تمام لوگ دم بخود یہ حیران کن باتیں سن رہے تھے۔

"یہودی اس جادو کو سیکھنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم پر بھی ایک یہودی عورت نے جادو کیا تھا جس کا اثر آپ پر ہو گیا تھا۔"

”اب آتے ہیں ایک اور چیز کی طرف‘ جسے کہتے ہیں تابوت سکینہ, روایات کے مطابق یہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا اور آخرِ زندگی تک آپ کے پاس ہی رہا۔ پھر بطور میراث یکے بعد دیگرے آپ کی اولاد کو ملتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملا اور آپ کے بعد آپ کی اولاد بنی اسرائیل کے قبضے میں رہا۔ جب یہ صندوق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مل گیا تو آپ اس میں توراۃ شریف اور اپنا خاص خاص سامان رکھنے لگے۔ یہ بڑا ہی مقدس اور بابرکت صندوق تھا۔“

”بنی اسرائیل جب کفار سے جہاد کرتے تھے تو کفار کے لشکروں کی کثرت اور ان کی شوکت دیکھ کر سہم جاتے تھے۔ ان کے سینوں میں دل خوف سے کانپنے لگتے تو وہ اس صندوق کو اپنے آگے رکھ لیتے تھے۔ اس صندوق سے ایسی رحمتوں اور برکتوں کا ظہور ہوتا تھا کہ مجاہدین کے دلوں میں سکون و اطمینان کا سامان پیدا ہو جاتا تھا۔ مجاہدین کے سینوں میں لرزتے ہوئے دل پتھر کی چٹانوں سے زیادہ مضبوط ہو جاتے تھے۔ جس قدر صندوق آگے بڑھتا تھا آسمان سے نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ کی بشارت عظمیٰ نازل ہوا کرتی اور فتح مبین حاصل ہو جایا کرتی تھی۔“

”بنی اسرائیل میں جب کوئی اختلاف پیدا ہوتا تھا۔ لوگ اسی صندوق سے فیصلہ کراتے تھے۔ صندوق سے فیصلہ کی آواز اور فتح کی بشارت سنی جاتی تھی۔ بنی اسرائیل اس صندوق کو اپنے آگے رکھ کر اور اس کو وسیلہ بنا کر دعائیں مانگتے تھے تو ان کی دعائیں مقبول ہوتی تھیں۔ بلاؤں کی مصیبتیں اور وباؤں کی آفتیں ٹل جایا کرتی تھیں۔ الغرض یہ صندوق بنی اسرائیل کے لئے تابوتِ سکینہ، برکت و رحمت کا خزینہ اور نصرتِ خداوندی کے نزول کا نہایت مقدس اور بہترین ذریعہ تھا۔“

”مگر جب بنی اسرائیل طرح طرح کے گناہوں میں ملوث ہو گئے اور ان لوگوں میں معاصی وطغیان اور سرکشی وعصیان کا دور دورہ ہو گیا تو ان کی بداعمالیوں کی نحوست سے ان پر خدا کا یہ غضب نازل ہو گیا۔ قوم عمالقہ کے کفار نے ایک لشکر جرار کے ساتھ ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ ان کافروں نے بنی اسرائیل کا قتل عام کر کے ان کی بستیوں کو تاخت وتاراج کر ڈالا۔“

”عمارتوں کو توڑ پھوڑ کر سارے شہر کو تہس نہس کر ڈالا، اور اس متبرک صندوق کو بھی اٹھا کر لے گئے۔ اس مقدس تبرک کو نجاستوں کے کوڑے خانہ میں پھینک دیا۔ لیکن اس بے ادبی کا قوم عمالقہ پر یہ وبال پڑا کہ یہ لوگ طرح طرح کی بیماریوں اور بلاؤں مبتلا کر دیئے گئے۔ چنانچہ قوم عمالقہ کے پانچ شہر بالکل برباد اور ویران ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کافروں کو یقین ہو گیا کہ یہ اس صندوق رحمت کی بے ادبی کا عذاب ہم پر پڑ گیا ہے تو ان کافروں کی آنکھیں کھل گئیں۔“

”ان لوگوں نے اس مقدس صندوق کو ایک بیل گاڑی پر لاد کر بیلوں کو بنی اسرائیل کی بستیوں کی طرف ہانک دیا۔“

”پھر اللہ تعالیٰ نے چار فرشتوں کو مقرر فرما دیا جو اس مبارک صندوق کو بنی اسرائیل کے نبی حضرت شمویل علیہ السلام کی خدمت میں لائے۔ اس طرح پھر بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی نعمت دوبارہ ان کو مل گئی اور یہ صندوق ٹھیک اس وقت حضرت شمویل علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ جب کہ حضرت شمویل علیہ السلام نے طالوت کو بادشاہ بنا دیا تھا۔ اور بنی اسرائیل طالوت کی بادشاہی تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے اور یہی شرط ٹھہری تھی کہ مقدس صندوق آجائے تو ہم طالوت کی بادشاہی تسلیم کر لیں گے۔ چنانچہ صندوق آگیا اور بنی اسرائیل طالوت کی بادشاہی پر رضامند ہو گئے۔“

”اسی بات کو قرآن پاک یوں بیان کرتا ہے۔“

”وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَن يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (248)

”اور بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہا کہ طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق واپس آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے اطمینان (تسلی) ہے، اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو موسیٰ اور ہارون کی اولاد چھوڑ گئی تھی، اس صندوق کو فرشتے اٹھالائیں گے، بے شک اس میں تمہارے لیے پوری نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔“

”حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے تک اس تابوت کو رکھنے کے لئے کوئی خاص انتظام نہیں تھا اور اسکے لئے پڑاؤ کی جگہ پر ایک الگ خیمہ لگا دیا جاتا تھا- حضرت داؤد علیہ السلام نے خدا کے حکم سے خدا کا گھر بنانا شروع کیا۔ جو عین اس مقام پر ہے جہاں آج مسجد اقصیٰ موجود ہے لیکن یہ عالی شان گھر آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں مکمل ہوا۔ جسے یہودی ہیکل سلیمانی کے نام سے پکارتے ہیں۔“

”اس گھر کی تعمیر کے بعد تابوت سکینہ کو یہاں پورے احترام کے ساتھ رکھ دیا گیا- اس طرح یہ مقام یہودیوں کا مقدس ترین مقام بن گیا بعد کے زمانے میں ہونے والی جنگوں نے اس ہیکل کو بہت نقصان پہنچایا لیکن بابل کے بادشاہ بخت نصر نے اس کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ اسکو آگ لگا دی، وہ یہاں سے مال غنیمت کے ساتھ ساتھ تابوت سکینہ بھی لے گیا تھا۔ اس تباہی کے نتیجے میں آج اصلی ہیکل کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔“

”ان تمام تباہیوں کے نتیجے میں تابوت سکینہ کہیں غائب ہو گیا اور اسکا کوئی نشان نہیں ملا۔“

”آج بھی بہت سارے ماہر آثار قدیمہ اور خصوصا یہودی مذہب سے تعلق رکھنے والے ماہر اسکی تلاش میں سرگرداں ہیں تاکہ اسکو ڈھونڈ کر وہ اپنی اسی روحانیت کو واپس پا سکیں جو کبھی ان کو عطا کی گئی تھی۔“

بابا یہاں پہنچ کرر کے اور روسٹرم کے پیچھے سے نکل کر سامنے آگ ئی ے اور بولے۔

”یہ سارا تو بیک گراؤنڈ تھا جسے سمجھنا ضروری تھا۔ اب آتا ہوں اس مقصد کی طرف جس کی خاطر یہ سب بتایا ہے۔“

”کبھی تم لوگوں نے سوچا ہے کہ یہودی مسجد اقصیٰ کے پیچھے کیوں پڑے ہیں۔ پوری دنیا میں وہ جہاں چاہیں عظیم الشان اپنا عبادت خانہ بنا سکتے ہیں یا اسرائیل میں بھی ایسا کر سکتے ہیں لیکن وہ ایسا نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس جگہ بیٹھ کر جادو سے ساری دنیا پر حکومت کی تھی۔ ان کا ماننا ہے کہ تابوت سکینہ اور جادو وغیرہ کا سازوسامان اور کتابیں اسی مسجد اقصیٰ کی بنیادوں یا اس کے ارد گرد دفن ہے کیونکہ یہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا محل ہوا کرتا تھا۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ ان کے مسیحا جو حقیقتاً دجال ہے اسکے آنے سے پہلے تابوت سکینہ, وہ کتب اور سازوسامان دریافت کرلیں اور ہیکل سلیمانی کو تعمیر کرلیں۔“

”لیکن سر کیا یہ ممکن ہے؟ کیا واقعی ایسا ہے؟ کیا واقعی وہاں یہ سب کچھ دفن ہے۔“ اچانک ہال میں ایک آواز ابھری۔

”یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے مگر میں کچھ اس سے متعلق واقعات اور دور حاضر کی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔“

بابا نے پر سکون لہجے میں کہا۔

”سن 1120 میں آٹھ افراد فلسطین آئی ے اور ایک فوجی دستے میں شامل ہو گ ئی ے۔
انہیں ٹمپلر نائی ٹس

Templar knights

کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اقصیٰ کے نیچے کھدائی ی کی۔ کہتے ہیں ان کے ہاتھ کچھ ایسی دستاویز لگ گ ئی ے تھے جن پر دولت مند اور لوگوں پر سحر کرنے کے طریقے وغیرہ جیسے منتر اور دیگر تفصیلات لکھیں تھیں۔ ان نائی ٹس کا گروہ تیزی سے بڑھا اور انہوں نے مسافروں اور زائی رین میں یہ مشہور کر دیا کہ سفر میں آپ کی دولت لٹنے کے خطرات ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنی دولت ان کے پاس رکھوا دیں اور ان سے ایک رقعہ جن پر ان کی مخصوص مہر ہوتی تھی وہ لے لیں اور دوسرے شہر یا ملک جا کر وہ رقعہ اسی تنظیم کے کسی عہدیدار کو دکھا کر اتنی دولت ان سے لے لیں۔“

”سمجھ لیں یہ دنیا کا پہلا بینک ڈرافٹ تھا نتیجہ یہ نکلا کہ رقعوں کی تعداد بڑھتی گ ئی ی۔ انکے پاس دولت کے انبار لگتے چلے گ ئی ے / اس سروس کی فیس بھی لی جاتی سود پر بھی پیسہ اسی دولت سے دیا جاتا۔ چند ہی برسوں میں یہ اتنے امیر ہو گ ئی ے کہ فرانس کے بادشاہ فلپ چہارم کی بیٹی کی شادی اور جنگی اخراجات کے لیے ان نائی ٹس نے بادشاہ کو بہت بڑی رقم دی۔ بادشاہ ان

کے پاس اتنی دولت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اسکی نیت خراب ہوگئی۔ اس نے ایک بڑے پادری سے فتویٰ لگوا کر ان کا قتل عام شروع کر دیا اور ساری دولت پر قبضہ کر لیا۔"

"بچے کھچے نائٹس وہاں سے بھاگے اور سکاٹ لینڈ جا کر پناہ لے لی۔"

"وہاں پہلے سے ہی ایک سوسائٹی تھی جس میں راج معمار یعنی اینٹیں چننے والے شامل تھے۔ انھیں میسنز "Masons"

" کہتے تھے۔ یہ بہت منفع بخش کام تھا۔ انہیں اس میں مہارت بھی بہت تھی اور اس کا یہ معاوضہ بھی بہت لیتے تھے۔ اس لیے کہ وہاں بڑے کلیسا اور قلعے بنانے کا جنون تھا۔ اس کی سوسائٹی کے ممبران کے پاس بہت رقم تھی۔"

"یہ اپنے تعمیراتی رازوں میں بھی کسی کو شریک نہ کرتے تھے۔ جب یہ ٹمپلر نائٹس فرانس سے اسکاٹ لینڈ پہنچے تو معماروں کا حال کچھ پتلا تھا۔ ان کی دولت بھی ختم ہو چکی تھی۔ اسی وجہ سے ان نائٹس کو اس سوسائٹی کا ممبر بننے کی اجازت دی گئی کیونکہ ان کی دولت اور میز بانوں کی ہنر مندی سے ایک نئی دنیا کو، جس میں پوپ اور مذہب کا عمل دخل نہ ہو، وجود میں لانا مقصود تھا۔ سوسائٹی کی ممبر شپ کھول دی گئی اور یہ نئے ممبرز "فری میسن" کہلائے۔"

"قبّۃ الصخرہ اور مسجد الاقصیٰ کے بارے میں جس طرح یہ وثوق سے کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں قدیم ترین اسلامی عمارات ہیں اسی طرح دنیا کی قدیم ترین خفیہ تنظیموں میں فری میسن کا بھی شمار ہوتا ہے۔ جو اب باقاعدہ مغربی مہذّب دنیا میں متبادل مذہب کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔"

”انہیں فری میسنز نے 1776 میں الومیناتی

(Illuminate)

تنظیم کی بنیاد رکھی۔“

”ان آٹھ افراد سے لے کر آج تک فری میسنز اور ایلمیناتی تنظیم میں ایک چیز مشترک ہے وہ یہ کہ ان سب میں جادو کی ایک شاخ جسے ”کبالہ“ کہتے ہیں۔ اس جادو کے ماہر موجود رہے ہیں یہاں تک کہ یہودیوں کے ربی (پیشوا یا پادری) اس کبالہ نامی جادو کے ماہر ہوتے ہیں۔ وہ اسے روحانیت سمجھ کر اس کا علم حاصل کرتے ہیں۔“

”کبالہ نامی اس جادو کے پیروکار دو سینگوں والے شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اس فیلڈ کا عظیم الشان مالک اور ماہر دنیا میں آنے والا ہے۔ جو آ کر ہیکل سلیمانی کے نیچے تخت سلیمان پر بیٹھ کر پوری دنیا پر یہودیوں کی حکومت کا قائم کرے گا اور باقی سب ہمارے نوکر اور غلام ہوں گے۔ وہ اسے مسیحا کا نام دیتے ہیں جبکہ ہم اسے دجال کے نام سے پکارتے ہیں۔“

”کبالہ ہی کے نام پر امریکا میں کبالہ سینٹر کے نام سے ایک تنظیم قائم ہے۔ جو بظاہر فلاح و بہبود کی تنظیم ہے لیکن حقیقت میں شیطان کے پجاری ہیں۔ مشہور سائنس دانوں سمیت ہالی وڈ کے تقریباً تمام سٹارز اسی کبالہ کے پیروکار ہیں۔“

”آئن سٹائن، برٹنی سپیئر، میڈونا، الزبتھ ٹیلر، جسٹن بیبر، اسٹیفن ہاکنگ تو سر عام خدا

کے وجود کا انکار کرتا تھا۔ ٹرمپ, بل گیٹس وغیرہ جیسی مشہور افراد اسی کبالہ اور یہودیت کے نظریے پر یقین رکھنے والے ہیں۔"

"اسی کبالہ جادو کی کچھ علامات اور نشانیاں ہیں جو ایلومیناتی مختلف جگہ پر ظاہر کرتے ہیں ان نشانیوں میں سب سے پہلے نمبر پر ہے۔"

"ایک آنکھ۔"

"جو ہمارے دجال اور انکے مسیحا سے نسبت کو ظاہر کرتی ہے۔ پاکستان کے ایک مشہور چینل کو لوگو بھی یہی ہے۔ اب اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کا تعلق ایلومیناتی سے ہے یا انجانے میں ایسا ہوا ہے۔ امریکی ڈالر پر بھی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے جو بھی اس کبالہ کا پیروکار بنتا ہے۔ اس سے پہلے مختلف عہد و پیمان لیے جاتے ہیں۔ اس عہد و پیمان کے بعد وہ شخص, کمپنی یا کاروبار شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگتا ہے۔

"نمبر دو 6666 کا ہندسہ، نمبر تین، پہلی اور آخری انگلیوں کا سینگھوں کی طرح کھڑا کرنا۔
نمبر چار، اہرام مصر یا ٹرائی ی اینگل۔ نمبر پانچ، سرخ رنگ کی ڈوری جو کلائی ی پر باندھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ چند اور نشانیاں بھی شامل ہیں۔ ان سب کے پیچھے ہے اسرائیل۔"

"صرف دو ریاستیں ہیں پوری دنیا میں جو مذہبی نظریات کی بنیاد پر وجود میں آئی یں۔ جن میں ایک پاکستان ہے اور دوسری اسرائیل مگر صد افسوس اسرائیل تو اپنے نظریے پر چل رہا ہے مگر پاکستان نہیں۔"

”اسرائیل کسی اقوام متحدہ کو خاطر میں نہیں لاتا کیونکہ یہ ہیں ہی ان کی اپنی قائم کردہ۔ پوری دنیا کو کنٹرول کرنے کے لیے ہر بڑی ملٹی نیشنل کمپنی کے پیچھے آپ کو یہودی ملے گا۔ چاہے وہ کوک ہو پیپسی ہو ڈیو ہو ایپل آئی فون ہو یا کوئی اور ہو۔“

”اسرائیل میں ہر نوجوان لڑکی اور لڑکے کو ٹریننگ کے بعد دو سال فوج میں گزارنا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے اسرائیل کا ہر شہری فوجی ہے۔ وہ ڈیوٹی پر ہوں یا نا ہوں اسلحہ ان کے ساتھ عام بات ہے حالانکہ یہ بات ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی کہ ہتھیار مومن کے زیور ہیں لیکن پاکستان, پاکستان کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔“ بابا جانی کی آواز میں افسردگی آچکی تھی۔

”کہا جاتا ہے وہ آٹھ افراد جو ٹمپلر نائی ٹس کی بنیاد بنے تھے۔ انہیں مسجد اقصیٰ کی بنیادوں اور ارد گرد کی کھدائی ی کی تھی ان کو ایسی دستاویز ملیں تھیں جن پر دولت مند اور دنیا پر قبضے کے حوالے سے شیطانی عمل اور شیطانی ہدایات تھیں۔ مسجد اقصیٰ کے نیچے آج بھی کھدی ہوئی یں سرنگیں موجود ہیں۔ ان نائی ٹس نے بینک کی بنیاد رکھی جو کہ وقت کے ساتھ ساتھ موجودہ بینکنگ سسٹم کی صورت میں پوری دنیا میں موجود ہے۔“ بابا اتنا کہہ کر کرسی پر بیٹھ گ ئی ے۔

ہر طرف گہری خاموشی طاری تھی۔ اسی خاموشی میں بابا کی آواز پھر گونجی۔

”یہ بتانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ سب کو حالات حاظرہ کا ادراک ہو جائی ے کیونکہ آثار نظر آ رہے ہیں کہ شاید اب ہمارا سامنا انہی دشمنوں سے ہے۔“

”یاد رکھیے کوئی ی کسی کا سہارہ نہیں بنتا ہے۔ جس کو کچھ کرنا ہے اس کو ایک منزل ایک نصب العین کو سامنے رکھتے ہوئی ے اللہ پر توکل کرتے ہوئی ے اپنا سہارا خود بننا پڑتا ہے۔ جب آپ اپنا سہارا خود بننے کی طرف چل پڑتے ہیں تو قدرت بھی آپ کی مدد کے لیے میدان میں آ جاتی ہے اور ایسے اسباب خود پیدا کرتی ہے کہ آپ اپنا سہارا خود بن جاتے ہیں۔“ بابا جانی نے نصیحت کرتے ہوئی ے کہا۔

”حیدر نے فیصلہ کیا تھا اپنا سہارا بننے کا۔ اپنے والد کا سہارا لینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ اسباب خود ہی پیدا ہو گ ئی ے۔ عمر کو کسی نے حق کے راستے پر چلنے کی دعوت نہیں دی مگر اس نے سچی نیت کی اسباب خود ہی بنتے چلے گ ئی ے۔“

”حضرت سیلمان فارسیؓ نے حق کی تلاش میں خود ہی خود کا سہارا بنے اور ایران سے مدینہ جا پہنچے۔ جو انسان سچے دل سے نیت کر لے اسباب خود ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔“

”اب آپ سب لوگ جاسکتے ہیں فی امان اللہ۔“ بابا نے سیشن برخاست کرتے ہوئے کہا۔

دھیرے دھیرے ہال خالی ہونے لگا اور بابا ٹیبل پر پڑی چیزیں سمیٹنے لگے۔

جب ہال خالی ہو گیا تو خولہ، ضرار، آپی اور راشد چلتے ہوئے بابا کی میز کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔

بابا نے ام ہانی اور عبید کو دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”تم دونوں کمرے میں جاؤ۔ ہم بھی ابھی آتے ہیں۔“ ام ہانی اور عبید خاموشی سے کمرے میں چلے گئے۔

”اب تم دونوں بتاؤ کہ کیا ٹیم میں شامل ہونا چاہتے ہو؟“ بابا نے خولہ اور ضرار سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

”جی بالکل کیوں نہیں۔“ دونوں نے بیک وقت کہا۔

” لیکن یاد رکھنا اس ٹیم اور تنظیم میں شامل ہونے اور کام کرنے کے کچھ اصول وضوابط ہیں۔ جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ خلاف ورزی پر سزا ملے گی۔ اگر غلطی سنگین اور ناقابل معافی ہو تو موت کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔“ بابا بے حد سخت لہجے میں یہ سب بتا رہے تھے۔ اس وقت وہ باپ نہیں ایک لیڈر اور کمانڈر کے روپ میں تھے۔

” جی منظور ہے۔“ دونوں نے کہا۔ بابا نے اپنا ہاتھ آگے کیا اور کہا۔

” میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھو اور حلف دو۔“ ضرار اور خولہ نے اپنا اپنا دائی یاں ہاتھ بابا کے دائی یں ہاتھ پر رکھ دیا۔

”اب میرے پیچھے پیچھے الفاظ کو دہراؤ۔“

” اللہ تعالیٰ کو حاظر ناظر اور گواہ بنا کر میں حلف دیتا ہوں۔“ دونوں نے بابا کے پیچھے اس بات کو دہرایا۔

”میں اللہ اور اسکے رسول محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور دین اسلام کے لیے اپنی زندگی وقف کرتا ہوں۔ اور اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ ساری زندگی دنیاوی معاملات کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی سربلندی کے لیے ہر ممکن کوشش کروں گا۔“

”تنظیم میں رہتے ہوئی ے تنظیم کے اصول و ضوابط کی پاسداری کروں گا اور مشن لیڈر یا سربراہ کی ہر بات مانوں گا۔“

”اگر مشن لیڈر یا امیر کہیں سے بھاگنے کا کہے گا تو میں وہاں سے بھاگ جاؤں گا۔ چاہے میرے سامنے سسکتا دم توڑتا باپ ہی کیوں نہ موجود ہو۔“ بابا سنجیدہ لہجے میں حلف لیتے ہوئی ے یہاں پہنچ کر جب یہ فقرہ کہا تو خولہ اور ضرار کے ہاتھ کانپ گ ئی ے۔ وہ خاموش ہو گ ئی ے۔

”حلف مکمل کرو۔“ بابا نے سخت لہجے میں کہا۔

دونوں کو گلے میں پھانس سی اٹکتی ہوئی ی محسوس ہوئی ی۔ زبردستی دونوں نے دھیمے اور لڑ کھڑاتے لفظوں سے دہرایا۔

” اپنے تمام جذبات کو پس پشت ڈال کر تنظیم کے مفاد اور دین اسلام کے مفاد کو سامنے رکھوں گا۔“

بابا یہاں پہنچ کر چپ ہو گ ئ ے اور ان دونوں کے دہرانے کے بعد اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

خولہ نے بھی نم آنکھوں سے ہاتھ کھینچا اور پوچھا۔

” آپی اور راشد نے حلف نہیں اٹھایا۔“

”کیونکہ ہم پہلے ہی حلف اٹھا چکے ہیں۔“ آپی نے مسکراتے ہوئ ے کہا۔

”ویسے بابا اس تنظیم کا نام کیا ہے؟“ ضرار نے دلچسپی سے پوچھا تو بابا نے جواب دیا۔

”DIM“۔

اس کا کیا مطلب ہے؟“ خولہ نے حیرانگی سے پوچھا۔”

”Destiny Is Martyrdom“

(منزل شہادت ہے)۔ بابا نے کھڑے ہوتے ہوئ ے کہا۔

۔*********************۔

حیدر ایک ماہ بعد اسی سکول کے باہر کھڑا تھا۔ سکول کے سامنے ایک دکان کے باہر رکھے سٹول پر بیٹھے حیدر کی نظریں سکول کے گیٹ پر تھیں۔ اس کے ہاتھ میں وہی ٹوٹی گھڑی تھی جس پر وقت رکا ہوا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں دو بج کر سترہ منٹ دِکھا رہیں تھیں۔

اس نے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا تو دو بج چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی سکول کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی ی۔

حیدر ہاتھ میں پکڑی گھڑی کو گھماتا ہوا گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ بچے جوق در جوق باہر آنے لگے لیکن حیدر اطمینان سے بیٹھا رہا۔

آہستہ آہستہ رش کم ہوتے ہوتے ختم ہو گیا۔ ک ئی ی ٹیچرز بھی حیدر نے روانہ ہوتے دیکھے مگر وہ بیٹھا رہا کیونکہ اسے کمال کی روٹین کا پتہ تھا۔

ایک بچہ باہر آتا دکھائی ی دیا جس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ بہت جلدی میں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہو۔ اس کے پیچھے پیچھے کمال اپنے دو بیسٹ فرینڈز دانش اور زاہد کے ساتھ نکلتا نظر آیا جو نہ جانے اپنی کس شرارت پر قہقہہ لگا رہے تھے۔

حیدر اپنی جگہ سے اٹھا۔ روڈ کراس کیا اور عین کمال کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

کمال نے چونک کر حیدر کو دیکھا اور ہنس کر طنز کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”او تو، تو کہاں سے آ گیا؟ سکول چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اتنا ڈر گ ئی ے تھے۔“

”تم یہ حرکتیں چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ کیا ملتا ہے دوسرے بچوں کو رلا کر۔ تنگ کر کے۔“ حیدر نے پر سکون لہجے میں کہا۔

”مزہ آتا ہے۔“ چٹخاری بھر کر کمال نے مسکرا کر کہا۔

”میں تمہیں لاسٹ وارننگ دیتا ہوں۔ ایسی حرکتوں سے باز آجاؤ ورنہ پچھتاؤ گے۔ وارننگ بھی اس لیے دے رہا ہوں کہ میرے استاد نے یہی سیکھایا ہے۔ ایک بار سدھرنے کا موقع دینا چاہیے ورنہ یہ دیکھو۔“ حیدر نے ٹوٹی گھڑی اوپر کر کے دیکھاتے ہوئے کہا۔

”اس کا حساب باقی ہے ابھی۔“ تینوں قہقہے مار کر ہنسنے لگے۔

حیدر منہ پھیر کر دو قدم چلا ہی تھا کہ اچانک سائیڈ پر ہو کر فوراً بیٹھ گیا۔ حیدر کو کمال کی ماری ٹانگ چند سینٹی میٹرز کے فاصلے سے گزرتی نظر آئی ی۔ اس سے پہلے کمال کی ٹانگ زمین پر پہنچتی حیدر نے پوری طاقت سے بیٹھے بیٹھے ہاتھ زمین پر رکھ کر اپنی ایک ٹانگ گھمائی ی حیدر کے جوتے کی ایڑی کمال کی زمین پر ٹکی ٹانگ کے گھٹنے کے پر جا کر لگی۔

کمال ہاتھ لہراتے ہوئے کسی چیز کا سہارا لینے کی ناکام کوشش کرتا دھڑام سے زمین پر جا گرا۔ وہ تو شکر ہے کمال نے زمین پر ٹکرانے سے چند لمحے قبل ہاتھ آگے کر لیے تھے ورنہ جتنی شدت اور تیز رفتاری سے وہ گرا تھا۔ اس کی ناک اور دانتوں کا اللہ ہی حافظ تھا۔

پھر بھی اس کی ناک ذرا کم شدت سے زمین سے ٹکرائی ی اور جلد پھٹ کر خون رسنے لگا۔

حیدر ہاتھ جھاڑتے ہوئے کھڑا ہوا۔

"لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔" کمال کے دوست چند لمحے تو ساکت کھڑے رہے۔ انہیں سمجھ ہی نہ آیا کہ چند لمحوں میاں ہوا کیا ہے مگر پھر سنبھل کر دونوں حیدر کی طرف لپکے۔

عام روٹین میں یہ لڑائی ی ہوتی تو حیدر بھی آگے بڑھ کر گلے پڑ جاتا مگر اسے ماسٹر کے دیے اسباق یاد تھے۔ لڑائی ی میں دشمن زیادہ یا طاقتور ہو تو کبھی ان کو خود کو چھونے کا موقع مت دو۔ اتنا فاصلہ بنائی ے رکھو کہ وہ تمہاری ٹانگ یا بازو کی حدود میں رہیں۔ وہ تمہارے گریبان یا جسم کے کسی حصے کو پکڑ نہ پائی یں۔

دونوں ہاتھ پھیلا کر لپکے حیدر تیزی سے ایک سائی یڈ پر ہوا۔ دانش کے بازو کے نیچے سے جھک کر دوسری سائی یڈ پر نکل گیا مگر دوسری سائی یڈ پر نکلتے ہوئی ے اس کی ایک سائی یڈ کک دانش کی ریڑھ کی ہڈی پر پڑی۔

دانش جو اپنی طرف سے پوری طاقت اور زور سے حیدر کی طرف لپکا تھا۔ اس کی سپیڈ میں دوگنا اضافہ ہوا۔ اس سے پہلے دانش اپنی سپیڈ کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا اس کا گھٹنا زمین سے اٹھتے ہوئی ے کمال کے منہ پر لگا۔ کمال بلبلاتا ہوا پھر زمین پر الٹ گیا مگر اس سے ٹکرانے کی وجہ سے دانش زمین بوس ہوا اور اس کا ماتھا پوری قوت سے روڈ کے ساتھ بنے فٹ پاتھ پر جا لگا اور پھٹ گیا۔

خون دانش کے چہرے پر بہنے لگا۔ زاہد تیزی سے لپکا مگر حیدر دانش والی سائی یڈ سے نکل کر پیچھے چلا گیا تھا۔ اس لیے زاہد نے خود پر قابو پا کر جیسے ہی حیدر کی طرف گھوما تو حیدر کی ٹانگ دانش کو کک مار کر زمین پر ٹکی ہی تھی کہ حیدر اسی ٹانگ پر زور ڈال کر اچھلا اور فضا میں گھومتے ہوئی ے اس کی فلائی نگ راؤ نڈ کک گھومتے زاہد کے جبڑے پر جا لگی۔

زاہد کا منہ دوبارہ کک کی شدت سے گھوما اور وہ بھی لڑکھڑاتا ہوا کمال اور دانش کے اوپر جا گرا۔

حیدر کو زیادہ خوشی اس بات کی ہو رہی تھی کہ اس کے ذہن میں کوئی ی اشتعال یا غصہ نہیں تھا۔ اس نے اب تک جو کیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی ی گیم کھیل رہا ہے۔ یہ ماسٹر کا پہلا سبق تھا کہ لڑائی ی میں سب سے پہلے خود سے لڑ کر اپنے جذبات پر قابو پاؤ تا کہ تمہارا مائی نڈ غصے کی وجہ سے سوچنے اور رد عمل کی صلاحیت کو کمزور نہ کر سکے۔

ایک اور سبق پر حیدر عمل کر چکا تھا۔ دشمن کی طاقت اور زور کو اس کے خلاف استعمال کرو۔ اسی لیے جب دانش پوری قوت سے اس کی طرف بڑھا تھا تو حیدر جھک کر دوسری طرف نکل گیا تھا۔ جب اس نے کک ماری تو دانش کی اپنی طاقت اور تیزی سے حیدر کی طرف بڑھنے کی وجہ سے حیدر کی کک کی طاقت تین گنا ہو کر دانش کو لگی۔

نکلنے کو وہ زاہد والی سائی یڈ سے بھی نکل سکتا تھا مگر اس طرف سے نکل کر زاہد کو کک مارنے سے زاہد کمال سے نہ ٹکراتا۔ اس طرح ماسٹر کے ایک اور سبق پر عمل ہو گیا تھا کہ کم سے کم طاقت سے طاقتور نہیں سمارٹ ضربوں سے دشمن کو نقصان پہنچاؤ۔

دانش کو کک مارنے سے دانش کمال سے ٹکرایا۔ جس سے کمال کو اور نقصان پہنچا اور ساتھ ہی دانش کا نقصان بھی تین گنا ہو گیا۔ ایک اپنی تیزی اور طاقت، دو حیدر کی کک، تین کمال سے ٹکرانا۔

تینوں زمین بوس تھے اور حیدر کھڑا بڑے اطمینان سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ دیکھنے والے کو یہی لگتا کہ اس حیدر بیچارے نے کچھ بھی نہیں کیا اور حیدر کھڑا دل ہی دل میں ماسٹر کو دعائی یں دے رہا تھا۔

وہ تینوں لڑکھڑاتے ہوئی ے اٹھے تو کمال کے منہ اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ کمال ایک ٹانگ سے لنگڑا کر چل رہا تھا جبکہ دانش کے ماتھے سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ وہ بھی لنگڑا کر چل رہا تھا۔ زاہد بار بار تھوک رہا تھا اور تھوک میں تھوک سے زیادہ خون شامل تھا۔ شاید کوئی ی منہ کا اندرونی حصہ زخمی ہو چکی تھا۔

حیدر نے بس اب تک ٹوٹل تین بار ایک ایک ضرب تینوں کو لگائی ی تھی مگر ان کی حالت کو دیکھ کر لگ رہا تھا کہ جیسے نہ جانے کتنے بندوں نے مل کر ان کو بے تحاشا مارا ہے۔ ان کے کپڑے خون آلودہو چکے تھے۔

اس پوری لڑائی ی میں بمشکل ایک منٹ لگا ہو گا۔

اب اردگرد والے تیزی سے ان کے پاس پہنچنے کی لیے ادھر آتے نظر آرہے تھے۔

حیدر آگے بڑھا اور ٹوٹی گھڑی آگے کر کے پھر اپنے ہاتھ پر گھڑی باندھی۔ گھڑی آگے کی جس پر دو بج کر سترہ منٹ تھے کمال کو دیکھا کر کہنے گا۔

"کیا کہا تھا۔ وقت رک گیا ہے تمہیں میری ہمت کا پتہ چل جائی ے گا۔ دیکھ لی میری ہمت۔ آئی ندہ کسی بچے سے مارپیٹ کی یا تنگ کیا تو میں اپنے جیسے دوستوں کے ساتھ آئو ں گا اور یقین کرو اس دن تم اپنے پاؤں پر گھر نہیں جا سکو گے۔" حیدر نے ٹوٹی گھڑی کمال کے منہ پر ماری اور تیزی سے دوسری طرف چل پڑا کیونکہ ماسٹر کے ایک اور سبق پر عمل کرنا تھا۔

مشن مکمل ہوتے ہی لوگوں کے جمع ہونے سے پہلے ہی جائیے واردات سے دور نکل جاؤ۔ جب تک لوگ کمال اور اسکے دوستوں کے گرد جمع ہوئیے حیدر وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔

یہ پہلا عملی مظاہرہ تھا۔ اس سب کا جواب تک حیدر ماسٹر سے سیکھ چکا تھا اور حیدر کو خوشی تھی کہ اس نے ہر پہلو کا خیال رکھتے ہوئیے اپنے سے بڑے، طاقتور اور اور تعداد میں دوگنا زیادہ حریف کو شکست دی تھی۔

****

عائزہ عمر کو جاتے دیکھ رہی تھی اچانک اٹھی اور عمر کے پیچھے بھاگی۔ وہ عمر کے پیچھے پہنچ کر کہنے لگی۔

"ایک منٹ اپنی بات کی وضاحت تو کرتے جاؤ۔ کیا مطلب ظاہر میں بھی اچھائی پیدا کرو؟" عمر رک گیا اور رکے کر ہی زمین کو گھورتے ہوئیے کہنا لگا۔

"اللہ کو ایسا ظاہر پسند نہیں جو تمہارا ہے اپنے باطن اور ظاہر کو ایسا بناؤ کہ اللہ کو پسند آ جاؤ۔" عمر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"اگر میں خود کو ایسا بنالوں تو کیا پھر تم مجھ سے شادی کرلوگے۔" عائزہ نے پر امید لہجے میں پوچھا۔

"تم رہنے دو۔ تم مطلب اب میرے لیے' ایک انسان کے لیے نیکی کروگی۔ کیا فائدہ ایسی نیکی کا جو اجر کی بجائیے پکڑ کا باعث بن جائیے۔ آج کل لوگوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ حرام

محبتوں کو نیکی کے پردے میں چھپا کر کہتے ہیں کہ جی ہمارا وہ تو بہت نیک ہے۔ پردے کا کہتا ہے۔ تہجد کا کہتا ہے۔ جی ہر نماز پر پوچھتا ہے نماز پڑھ لی؟ میں تو اس کی وجہ سے نیک ہو رہا ہوں۔ نیک ہو رہی ہوں پھر اس میں گناہ تو نہ ہوا۔ بنیاد گناہ پر ہو چا ہے پھر آسمان تک نیکی کی عمارت کھڑی کر لی جائے۔ وہ عمارت قائم نہیں رہتی گر جاتی ہے۔" عمر نے برہمی سے کہا۔ عائزہ چپ رہی۔

"دیکھو بی بی عبادت اور نیکی کرنی ہے تو خالص صرف اللہ کے لیے کرو۔ کیوں کسی سہارے کی امید' کسی لالچ کی خاطر کی جائے؟ خالص اللہ کے لیے کی گئی عبادت کبھی ضائع نہیں ہوتی اور ایسی عبادت کرنے والے کو اللہ ضائع نہیں ہونے دیتا کیا سنا نہیں؟ اللہ فرماتے ہیں اے بندے اگر تو اپنی رضا کو میری رضا پر قربان کر دے گا تو میں تجھے وہ بھی دے دوں گا جو تیری رضا ہے۔" عمر اتنا کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ سٹوڈنٹس کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔

عائزہ واپس مڑی اور لائبریری کے ایک کونے میں بیٹھ کر سر ٹیبل پر رکھ کر اپنے منہ کو بازؤں میں گھیر لیا۔

نسوانیت کے وقار، اپنی انا اور بھرم سب کچھ ختم کر کے بھی ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا۔ بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ایک بار آنسوؤں کا نکلنا تھا کہ پھر آنسوؤں پر پل باندھنا مشکل ہو گیا۔ ایسی برسات ہونے لگی کہ پانی کی آبشاریں رخساروں کی اونچائیوں سے چمکدار میز کی سطح پر گرنے لگیں۔

_*****************_

خولہ اور ضرار نے یونیورسٹی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور بابا جانی سے کہہ دیا تھا کہ اب وہ فیلڈ میں رہ کر تجربہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بابا تو مان ہی نہیں رہے۔ بڑی مشکل سے منایا کہ کیا ہو گیا ایک کاغذ کی ڈگری لے کر جتنی یونیورسٹیوں میں پڑھائی ی ہو رہی ہے وہ سب کو پتہ ہے۔ پرائیوٹ سیکٹر کا حال تو کہیں برا تھا۔ جہاں پیسے دو اور ڈگری لے لو ہنر, قابلیت اور عملی تربیت کا وجود ہی نہیں ملتا۔ پتہ نہیں کتنے بہانے بنا کر انہوں نے بابا کو منایا تھا۔ بابا کہیں چلے گ ئی ے تو دونوں اس گھر میں ایک دو روز کے لیے آئی ے تھے۔ جہاں ضرار اور خولہ نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ خولہ پورے گھر میں گھوم کر اپنے بچپن کی یادیں تازہ کر رہی تھی کہ اچانک چلتے چلتے وہ اس کمرے کے سامنے پہنچ گ ئی ی جو بابا کا کمرہ تھا جہاں جانے کی انہیں بچپن میں اجازت نہیں تھی۔

ایک تجسس کے ساتھ اس نے کمرہ کھولنا چاہا مگر وہ لاک تھا لیکن خولا نے بالوں سے پن اتاری اور چند ہی منٹوں میں لاک کھل چکا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی ی۔

کمرے میں ایک طرف بڑا ریک تھا جس میں بکس رکھیں تھیں۔ کھڑکیوں میں گہرے براؤن کلر کے پردے تھے۔ وہ چلتے چلتے ایک الماری کے قریب سے گزرنے لگی تو الماری پر لگے شیشے کی ایک طرف اسے ایک ہلکی سی سیاہ درز نظر آئی ی۔

وہ چونک کر آگے آئی ی اور شیشے پر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو شیشہ ایک دروازے کی طرح کھل گیا۔ دروازے کے پیچھے اوپر نیچے درازوں کا ایک سلسلہ تھا۔ ایک دراز کھولنا چاہا تو وہ لاک تھا جو پن کی مدد سے چند منٹوں میں ان لاک ہو گیا۔

خولہ نے تجسس سے دراز کھولا تو سامنے چار پانچ شناختی کارڈز پڑے نظر آئے۔ اس نے ایک کارڈ اٹھایا تو اس پر لگی تصویر دیکھ کر چونک گئی۔ وہ کوئی اجنبی تھا مگر پھر بڑے غور سے مشاہدہ کیا تو حیرت کے پہاڑ خولہ پر ٹوٹ پڑے۔

وہ بابا جانی ہی تھے مگر ان کی شکل بالکل مختلف تھی۔ غور کرنے پر ہی مشابہت نظر آتی تھی۔اس نے نام پڑا تو لکھا تھا جہاں داد۔

دوسرا شناختی کارڈ اٹھایا تو اس پر بھی بابا کی ایک اور انتہائی مختلف تصویر تھی اور نام لکھا تھا محمود علی۔

غرض ہر شناختی کارڈ الگ الگ تھا۔سب کا ڈیٹا مختلف پھر اسے یاد آیا کہ بابا کی موجودہ شکل کا شناختی کارڈ اس نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا کہیں۔ان کے کالج اور یونی کے ریکارڈ میں بھی بابا کی ایک مختلف شکل اور نام کے شناختی کارڈ کی کاپی لگی تھی۔اسے نہ جانے کیوں لگنے لگا کچھ تو غلط ہے۔کچھ تو غلط ہے۔اس میں بھلا کوئی پاکستانی کیوں اپنی شناخت اپنی ہی حکومت سے چھپائے گا۔

اس نے چلا کر ضرار کو آواز دی تو ضرار بھاگتا ہوا اندر آیا۔

"کیا ہوا خیریت تو ہے؟"

"یہ دیکھو۔" خولہ نے شناختی کارڈز آگے کرتے ہوئے کہا۔

ضرار بھی وہ سب دیکھ کر بہت حیران ہوا۔

دونوں پریشان سے ایک دوسرے کو سوچتی نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ ان کے سر کے اوپر دیوار پر لگے ایک وال کلاک سے چنگھاڑتی ہوئی ی بابا کی آواز سنائی ی دی۔

”تم لوگوں کی ہمت کیسے ہوئی ی اس کمرے میں قدم رکھنے کی۔“

دونوں اچانک اس آواز پر اچھلے۔ شناختی کارڈز ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرے اور دونوں گھبرا کر وال کلاک کی طرف دیکھنے لگے۔

کمرا ایک میٹنگ روم کا منظر پیش کر رہا تھا۔

جس کے درمیان ایک لمبی میز کے گرد کرسیوں پر مشہور لوگ بیٹھے تھے۔ جو آج سے پہلے ایک دوسرے کو جانتے تو تھے مگر دوسرے حوالوں سے۔ وہ سب پہلے کبھی یوں اکٹھے نہیں ہوئی ے تھے مگر آج یوں ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی اور حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔

ان میں مشہور سیاست دان, میڈیا اینکرز اور کالم نگا، مشہور چند مذہبی رہنما جن کے ایک وعظ پر دیوانے جوش سے بھر کر کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتے, بیورو کریٹس, پولیس افسران اور ایسے معیشت دان بھی جو اعلیٰ عہدوں پر فائی ز تھے وغیرہ جیسی مشہور شخصیات شامل تھیں۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور جیکب اندر داخل ہو کر میز کے وسط میں رکھی ”باس“ کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی سب کرسیوں سے کھڑے ہوئی ے اور جیکب کے سر کے بیٹھنے کا اشارہ کرنے پر بیٹھ گ ئی ے۔

”آج وقت آگیا اس ٹیم کے سبھی ممبران ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہو جائی یں کیونکہ اب ہمارے کام میں تیزی آئی ے گی۔ اس سے پہلے آپ سب لوگ ایک دوسرے کو مختلف حوالوں سے جانتے تھے مگر آج تنظیم کے حوالے سے بھی جان لیں اور ایک دوسرے کی بھرپور مدد کریں۔“

”میری کام کرنے کی پالیسی دوسروں سے الگ ہے۔ میرا ماننا ہے جو کام ایک ٹیم کر سکتی ہے وہ کوئی ی اکیلا یا چھوٹا گروپ نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ ایک خاص مس ئی لے کے سدباب کے لیے یہاں بھیجا گیا۔ اس معاملے میں بھی آپ سب کو اعتماد میں لینا تھا آخر آپ سب ہی ہماری تنظیم کی مختلف ونگز کے رورواں اور کمانڈرز ہیں۔ مس ئی لہ یہ ہے کہ ہمارے مشن کے بارے میں کچھ باتیں لیکس ہوئی ی ہیں۔ جس کے نتیجے میں ہمارے کچھ ساتھیوں کی پچھلے دنوں میں اموات ہوئی ی ہیں۔“ یہ بات سن کر سب اپنی اپنی جگہ بے چین ہو کر پہلو بدلنے لگے۔ صرف عسکری ونگ کے سربراہ ایک پولیس افسر کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ بے چین ہو کر ایک سیاست دان نے پوچھا۔

”کیا آئی ی ایس آئی ی کو پتہ چلا ہے؟“ یہ بات سن کر وہاں سب افراد کے چہروں سے پریشانی ٹپکنے لگی اور ہر کوئی ی گبھرا کر جیکب کی طرف دیکھنے لگا۔

جیکب پہلے تو یہ نظارہ دیکھ کر محظوظ ہوتا رہا پھر کہنے لگا۔

”نہیں آئی ایس آئی نہیں کوئی اور تنظیم ہے جو مجھے لگتا ہے پرائیویٹ ہے۔“ جیکب نے کہا تو سب نے ٹھنڈا سکھ بھرا سانس لیا۔

”میرے سامنے کچھ کلیو ہیں جن پر کام ہو رہا ہے۔ جلد ہی سب کچھ سامنے آجائے گا۔ اس معاملے میں عسکری ونگ کے کمانڈر میرے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔“ جیکب نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”سر لیکن اس........“ ایک میڈیا اینکر نے اتنا کہا ہی تھا کہ عسکری ونگ کی کمانڈر کا موبائل فون بجنے لگا۔

اس نے فون نکالا اور کال ریسیو کی مگر جیکب کے اشارے پر فون میز پر رکھ کر سپیکر آن کر دیا تو ایک آواز گونجنے لگی۔

”سر وہ لڑکی خولہ اپنے بھائی کے ساتھ اپنے پرانے گھر گئی ہے۔ یہاں رہنے والا راشد نامی بندہ اس لڑکی کا رشتے دار ہے۔ مزید ہمارے لیے کیا حکم ہے؟“ اس سے پہلے وہ کمانڈر کچھ کہتا جیکب نے اشارہ کیا میری بات کرواؤ تو اس آفیسر نے دوسری طرف ہدایات دیں کہ ”ایک سینئر تم سے بات کرنا چاہتا ہے اس کی ہر بات پر عمل ہو۔“

”جی ٹھیک ہے سر۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”تم نے یہ معلومات کس سے اور کیسے لی ہیں؟“ جیکب نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"پہلے میں نے ایک پراپرٹی ایجنٹ سے مل کر اس گھر کو خریدنے کی بات کی تو اس نے کہا وہ برائے فروخت نہیں ہے۔ میں نے اس سے گھر کے افراد کی تفصیل پوچھی یہ کہہ کر کہ میں انہیں راضی کر لوں گا۔ پھر میں اس گھر کے چوکیدار سے ملا اور کہا کہ ضرار صاحب سے ملنا ہے۔ایک ضروری کام ہے تو اس چوکیدار نے فوراً کہا کہ وہ تو ابھی دومنٹ ہوئے اپنی بہن کے ساتھ اپنے گھر چلا گیا ہے۔ تو میں نے خولہ کے گھر کا ایڈرس بھی لے لیا اور اس گھر تک پہنچ گیا ہوں۔ وہ دونوں اندر ہی ہیں۔" فون کے دوسری طرف بولنے والے بندے نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"ویلڈن اپنی ٹیم کو کال کرو اور ان کے باہر آنے کا انتظار کرو۔ جیسے ہی وہ باہر آئیں اور کہیں جانے لگیں تو کسی ٹرک سے زوردار ٹکر مرواو ان کی گاڑی کو مگر ٹکر ایسی ہونی چاہیے کہ وہ مریں نہ بس شدید زخمی ہو جائیں۔ پھر ان کو لے کر یہاں زیرو پوائنٹ پر آ جاؤ۔" جیکب نے فوراً لائن آف ایکشن بنا کر ہدایات دیتے ہوئے کہا۔ وہ ایسا ہی تھا فوراً ہی ایکشن لینے والے۔

"آپ سب حضرات تشریف لے جائیں۔ یہ میٹنگ صرف آپکو ایک دوسرے سے متعارف کروانے کے لیے بلوائی گئی تھی۔ اس معاملے کو نمٹا کر میں آپ کو مزید ہدایات دے دوں گا۔" جیکب نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ سب کرسیاں دھکیل کر کھڑے ہو گئے اور باہر جانے لگے۔

_***************_

عائزہ کبیر اپنے کمرے میں بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اسکی آنکھیں متورم ہو چکی تھیں۔ یونی سے واپسی پر بغیر کھائے جب اپنے کمرے میں آنے لگی تو اسکی امی نے پریشانی سے پوچھا تھا کہ کیا ہوا آنکھیں کیوں اتنی سرخ اور سوجی ہوئی ہیں۔ اس نے کہا کہ شاید کوئی انفیکشن ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد جا کر ڈاکٹر کو چیک کروا لوں گی۔

وہ اب اپنے کمرے میں خالی خالی ذہن لیے گود میں تکیہ رکھے بیٹھی تھی۔

اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی وہ بھی کسی کے لیے اتنا روئے گی۔

"واہ عائزہ بڑا غرور تھا اپنے حسن پر' اپنی دولت پر' یہی سوچتی تھی نا کہ میرے لیے کسی کو اپنے آگے جھکانا۔ کونسی بڑی بات ہے لو جھکا کر دکھاؤ اب۔" اپنے آپ سے ہی بات کرتے ہوئے وہ سوچنے لگی۔ سب سے بڑا دکھ تو یہ تھا کہ نسوانی حیا کو بھی خاک میں ملا کر بے شرموں کی طرح جا کر عمر کے آگے خود کو جھکایا اور ملا کچھ بھی نہیں۔

عمر کیا سوچتا ہو گا کہ میں کیسی لڑکی ہوں۔ یہ سوچیں آنی ہی تھیں کہ آنسو پھر بہنا شروع ہو گئے۔ پتہ نہیں ان آنکھوں نے اتنا پانی کہاں چھپا رکھا تھا۔ رو رو کر اسکے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ مگر برسات تھی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

اسے امی کی آواز سنائی دی۔

”بیٹا جانا نہیں جانا نہیں ڈاکٹر کے پاس میں آتی ہوں ساتھ۔“ اس نے اٹھ کر سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں اور ٹی وی لاؤنج سے گزرتے ہوئے کچن میں مصروف ماں سے کہنے لگی

”نہیں مما میں جا رہی ہوں۔ چیک کروا کر آ جاؤں گی۔“ اس نے دل میں سوچا کہ امی نے اب ویسے تو ماننا نہیں۔ ایسے ہی تھوڑا وقت باہر گزار کر آ جاوں گی۔

اس نے گاڑی نکال کر باہر روڈ پر ڈالی۔ سوچنے لگی کہ کہاں جاؤں۔ پھر ایک خیال اچانک اس کے ذہن میں ایک کوندے کی طرح آیا۔ اس نے گاڑی اس پوش علاقے کی تیسری گلی میں موڑ دی۔ وہاں ایک ایسی عورت رہتی تھی جو پوش علاقوں کے لوگوں سے الگ تھی۔ ہر تقریب میں اس نے پردہ کیا ہوتا تھا۔ جس پر اسکا مذاق بھی بنتا تھا۔ ایک بار اس سے عائزہ کی سرسری سی گفتگو ہوئی تھی تو اس عورت نے عائزہ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔

عائزہ نے گاڑی اس کے گھر کے باہر کھڑی کی اور کال بیل دبا دی۔

گیٹ کھلا اور ایک بچہ باہر آیا۔

” آجائیں آنٹی امی ڈرائی نگ روم میں آپکا انتظار کر رہی ہی۔“

”لیکن آپکی امی کو کیسے پتہ کہ باہر کون ہے؟“ عائزہ نے حیرت سے پوچھا۔

بچے نے گیٹ کے اوپر تھوڑا باہر نکلے شیڈ کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا تو عائزہ کو وہاں لگا کیمرہ دیکھائی دیا۔

"اواچھا۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

بچے کے ہمراہ وہ ڈرائی نگ روم میں داخل ہوئی ی۔ صوفے پر بیٹھی مس خدیجہ نے اٹھ کر عائی زہ کا استقبال کیا۔

سلام اور حال چال پوچھنے کے بعد عائی زہ کو چپ سے لگ گ ئی ی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ اور کیا بات کرے۔ اسے یہ بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ آخر یہاں کیوں آ گ ئی ی۔

جبکہ خدیجہ مسکرا مسکرا کر اپنے بچوں اور گھریلو معاملات کے بارے میں بتا رہیں تھیں شاید کچھ کچھ ان کو عائی زہ کی حالت کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"ظاہر میں اچھائی ی کو کیسے پیدا کیا جاتا ہے اور کیسے اپنایا جاتا ہے۔" بے اختیار عائی زہ کے منہ سے نکلا۔

خدیجہ یہ سن کر تھوڑی دیر کے لیے چپ ہوئی ی۔ اسی دوران ایک بچی لوازمات کی ٹرے اٹھا کر لائی ی اور عائی زہ کے آگے رکھ دی۔

"آپ شروع کریں, یہ بسکٹ لیں یہ گھر پر تیار کیے ہیں میں نے۔" خدیجہ نے ایک پلیٹ آگے کرتے ہوئی ے کہا۔

عائی زہ نے ایک بسکٹ اٹھایا اور سوالیہ نظروں سے خدیجہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"ظاہر میں اچھائی ی پیدا کرنا الگ ہے اور ظاہر میں اچھائی ی کو اپنانا الگ ہے۔ میں ذرا اس کو آسان کرتی ہوں۔" خدیجہ نے کہا اور تھوڑا آگے ہو کر عائزہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

" یا تو چاند بن جاؤ یا پھر سورج بن جاؤ۔ دونوں کے ظاہر میں روشنی ہے لیکن دونوں میں فرق ہے۔ اس سے پہلے میں ان دونوں میں فرق اور اسکی تفصیل بتاؤں اور انسان سے ان کا تعلق بتاؤں۔ میں ایک سورۃ النحل کی ایک آیت کو لیتی ہوں۔ جسے پوری دنیا میں ہر فرقے کا امام جمعہ کے خطبے کے آخر میں پڑھتا ہے۔"

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ یَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ (النحل:۹۰)

"اللہ عدل، احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے"۔

"اس آیت کا مطلب پتہ ہے؟ میں ترجمے کے نہیں اس کے مطلب کی بات کر رہی ہوں۔" خدیجہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا تو عائزہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

۔***************۔

حیدر اپنی امی کے ساتھ کچن میں کام کر رہا تھا کہ باہر گیٹ پر اسے اپنے ابو کے چیخنے چلانے کی آواز آئی ی۔ حیدر بھاگ کر گیٹ پر آیا تو دیکھا اس کے ابو کے سامنے ایک پولیس کی وردی پہنے سپاہی کھڑا ہے اور اسکے ابو اس پر برس رہے ہیں۔ جبکہ سپاہی والے کے چہرے پر برہمی کے آثار تھے۔

"کیا ہوا ابو؟" حیدر نے اپنے ابو سے پوچھا۔

"یہ تھانے سے آیا ہے اور کہہ رہا کہ آپکے بیٹے کے خلاف ایف آئی ی آر کٹوانے کے لیے تین مدعیوں کی ایک درخواست آئی ی ہے۔ اس سلسلے میں ایس ایچ او نے ابھی طلب کیا ہے۔ سب پتہ ہے اس بہانے یہ کچھ اینٹھنے کے چکر میں ہیں یہ۔" خان نے غصے سے کہا۔

"اوہو ابو جی آپ بھی نا آپ جائیں ریسٹ کریں میں تھانے ہو کر ابھی آیا۔" حیدر نے بڑے اطمینان سے کہا تو اسکے ابو، سپاہی اور گیٹ پر کھڑا چوکیدار بے یقینی سے آنکھیں حیدر کو دیکھنے لگے. جیسے اس کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔

"پتر یہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ تجھے نہیں پتہ ان تھانوں کے چکروں کا۔" خان نے حیرت سے حیدر سے کہا۔

"ابو آپ کو کہا نا آپ ریسٹ کریں پھر دیکھ لیجیے گا۔ آپکا بیٹا آپ کی سوچ سے بھی بڑا ہو چکا ہے۔ چلیں سپاہی جی قانون کی پاسداری کرنا ہم سب کا فرض ہے۔" حیدر نے مسکراتے ہوئے اپنے ابو سے کہا اور باہر کی طرف چل دیا۔

خان تھوڑا آگے ہوا اور پھر رکا۔ پھر چلا پھر رکا۔ جیسے سمجھ نہ آ رہی ہو کہ جائے یا حیدر کی بات مان لے۔

سپاہی بھی ہونکوں کی طرح کبھی باپ کی طرف دیکھ رہا تھا کبھی اپنے سے آگے جاتے حیدر کو۔

"او چاچا جی آ بھی جاؤ تھانیدار صاحب انتظار کر رہے ہوں گے۔" حیدر نے سپاہی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ سپاہی تیزی سے تھانے کی طرف چل پڑا۔ حیدر کے گھر سے تھانہ کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔

"ابو آپ آرام سے اندر جائیں اور دیکھیے آپکا بیٹا کیسے اپنا سہارا خود بن رہا ہے۔" حیدر نے مسکراتے ہوئے اپنے ابو سے کہا۔ خان ٹھنڈا سانس بھر کر کھڑا ہو گیا اور سپاہی کے ساتھ جاتے حیدر کو تکنے لگا۔

خولہ اور ضرار حیرت سے وال کلاک کی طرف دیکھ رہے تھے کہ دوبارہ بابا جانی کی آواز سنائی دی۔

"ابھی اور اسی وقت زیرو پوائنٹ جہاں میٹنگ ہوئی تھی وہاں پہنچو۔" دونوں یہ آواز سنتے ہی بغیر کچھ کہے تیزی سے دروازے کی طرف لپکے۔

"بابا بھی نہ جانے کیا چیز ہیں۔ مجال ہے جو کہیں بھی بندہ ان کی نظروں سے بچ کر کچھ کر سکے۔" خولہ نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"اور مجال ہے جو تمہاری وجہ سے میں کبھی کسی مصیبت سے بچا ہوں۔" ضرار نے چڑتے ہوئے کہا۔

"اب میں نے کیا کر دیا۔" خولہ نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"تمہیں کیا ضرورت تھی وہ کمرا کھول کر اپنی ٹانگ بابا کے معاملات میں اڑانے کی۔ تم یہ بات لکھ لو اب کی بار ہم نہیں بچنے والے پتہ نہیں کیا سزا ملے گی۔" ضرار نے جھلاتے ہوئے کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں واقعی آج ہم سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔ اگلی پچھلی ساری کسریں نکالیں گے بابا۔" خولہ نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

" میں آج سے پکی ٹھکی توبہ کرتا ہوں۔ آج کے بعد میں تمہارے کسی ایڈوانچر میں شریک نہیں ہوں گا۔" ضرار نے کار روڈ پر ڈال کر رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

خولہ نے اس بات پر ضرار کو گھور کر دیکھا مگر کچھ کہے بغیر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ سوچنے لگی بابا کیا سزا دیں گے۔ آج وہ کسی صورت نہیں بچ سکتے۔

ضرار کار ڈرائیو کرتے ہوئے نہ جانے کن سوچوں میں گم تھا کہ اس نے نوٹ نہیں کیا کہ اس کے پیچھے دو گاڑیاں مسلسل تعاقب کر رہیں۔

کافی دیر وہی گاڑیاں پیچھے آتی رہیں تو ضرار بھی چونک گیا اور بیک مرر میں ان گاڑیوں کو نوٹ کرنے لگا۔ خولہ بھی ضرار کو بار بار بیک مرر کی طرف دیکھ کر چونکی۔ وہ بھی اپنی طرف والے بیک مرر میں دیکھنے لگی۔

"ہمارا تعاقب ہو رہا اب پتہ نہیں یہ کوئی دشمن ہے یا نہیں بابا جا۔۔۔۔۔" ضرار ابھی اتنا ہی کہہ رہا تھا کہ مخالف سمت سے آتے ٹرک نے قریب آکر اچانک اپنی لائن بدلی اور کار کی ایک سائیڈ کو ٹکر ماری۔

ضرار نے بے اختیار سنبھلنے کو کوشش کی مگر ٹکڑ کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ ضرار کا سر زور سے سٹیرنگ سے جا ٹکڑایا۔ ضرار کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھا گیا۔ اس کا ہاتھ ہینڈ بریک سے ٹکڑایا تو ضرار نے اندھیرے میں ڈوبتے ہوئے پوری طاقت سے ہینڈ بریک کھینچ دی۔

خولہ بھی محفوظ نہ رہ سکی وہ اپنی سیٹ سے اچھلی ضرور مگر سیٹ بیلٹ نے اسے ردعمل میں واپس سیٹ پر دھکیلا تو خولہ کے سر کی بائیں طرف کا حصہ زور سے دروازے کے شیشے سے ٹکڑایا۔ چھناک کی آواز کے ساتھ شیشہ ٹوٹ گیا۔

کار ٹائیروں کی چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ چند قدم کے بعد رک گئی۔

پیچھے آنے والی دونوں گاڑیاں رکیں اور ان میں چند آدمی نکلے۔ ان میں سے کچھ نے بے ہوش ضرار کو اپنی گاڑی میں ڈالا۔

نیم بیہوش خولہ نے کمزوری سے مزاحمت کرنا چاہی مگر ایک سوئی کی چبھن نے اسے بھی اندھیروں کی وادی میں اتار دیا۔

—******************—

جب سے قاسم والا معاملا کھڑا ہوا تھا۔ تب سے بابا جانی کی ٹیم کے دو افراد باقاعدگی اور ہوشیاری سے باری باری دن رات خولہ کی لاعلمی میں خولہ کی کے نگرانی پر معمور تھے۔ بابا کا کہنا تھا کہ خولہ دشمنوں کی نظر میں آچکی ہے۔ اس لیے کبھی بھی کوئی کاروائی ہو سکتی ہے۔ یہ بابا کی دوراندیشی اور محتاط طبیعت کی مہربانی تھی کہ جیسے ہی وہ گھر سے نکلے تھے۔ اس سے پہلے ہی نگرانی پر

معمور آصف نے ایک شخص کو نوٹ کر لیا تھا۔ جو بہانے سے پورے گھر کا معائی نہ کر رہا تھا اور بار بار فون پر کسی سے رابطہ کر رہا تھا۔

آصف نے فوراً اپنے ٹیم لیڈر منصور کا نمبر ملایا مگر ابھی ایک ہی بیل گ ئی ی تھی اس نے فوراً کال کاٹ دی۔ اسے یاد آیا کہ بابا نے کہا تھا کہ تین دن کسی بھی صورت میں منصور کو ڈسٹرب یا تنظیم کے کسی بھی کام کے حوالے سے منصور سے رابطہ نہ کیا جائی ے بلکہ بابا سے ڈائی ریکٹ رابطہ کیا جائی ے۔

جب اس بات پر حیرانگی کا اظہار کیا گیا تو بابا نے بس اتنی وضاحت کی تھی کہ منصور آج رشتہ ازواج میں بندھنے جارہا ہے۔ اس لیے اس کو تین دن کی مکمل چھٹی دی گ ئی ی ہے۔ جس پر منصور کی ٹیم کو حیرانی بھی ہوئی ی اور قدرے مایوس بھی کہ منصور نے اپنی شادی پر اپنی ہی ٹیم کو دعوت نہیں دی۔ لیکن فرض پہلے جذبات بعد میں کے مصداق کسی کو اعتراض کرنے کی ہمت نہ ہوئی ی۔

آصف نے فوراً بابا کا نمبر ملایا اور بابا کے "ہیلو" کی آواز پر ساری صورتحال بتا دی۔ بابا نے نگرانی جاری رکھنے کی ہدایت دی اور مزید کہا کہ وہ منصور کے نمبر ٹو جلال کو ہدایت کر دیتے ہیں۔ وہ آصف سے رابطہ میں رہ کر اس معاملے کو ہینڈل کر لے گا۔

ابھی آصف نے کال کاٹی ہی تھی کہ اسے خولہ اور ضرار بڑی تیزی سے باہر نکلتے دکھائی ی دیے۔ وہ تیزی سے اپنی بائی یک کی طرف بڑھا مگر اس سے پہلے وہ بائی یک تک پہنچتا اس نے ضرار کو گاڑی تیزی سے لے جاتے دیکھا۔ کچھ ہی لمحے بعد نہ جانے کہاں سے دو گاڑیاں نمودار

ہوئی یں اور زن سے آصف کے پاس سے گزرتی ہوئی یں ضرار کے پیچھے روانہ ہو گ ئی یں۔

آصف نے جلدی سی بائی یک سٹارٹ کی اور کافی فاصلے سے گاڑیوں کی اوٹ میں رہتے ہوئے تعاقب کرنے لگا۔ اسی دوران اسے جلال کی کال آنے لگی۔ اس نے ایک ہاتھ سے فون کان سے لگایا اور تیزی سے اب تک کی صورتحال بتا دی۔

جلال نے کہا کہ وہ دوسرے ٹیم ممبران کو لے کر نکل رہا ہے۔

تھوڑی دور جا کر آصف نے ایک ٹرک کو جان بوجھ کر ٹکر مارتے دیکھا۔ اس کے بعد اس نے خولہ اور ضرار کو دوسری گاڑی میں منتقل ہوتے دیکھا۔ وہ چاہتا تو وہاں دخل اندازی کر دیتا لیکن دشمن تعداد میں زیادہ تھے۔ ایسے حالات میں کچھ کرنا نقصان کرنے اور بیوقوفی کرنے کے مترادف ہوتا۔

بہادری دکھانے کا بھی موقع ہوا کرتا ہے۔ جتنی دیر میں انہوں نے اپنی کاروائی ی کی۔ آصف نے ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو کر ہینڈ فری نکال کر جلال کو کال ملا دی اور ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔

دونوں گاڑیاں خولہ اور ضرار کو لے کر شہر سے باہر جانے والے راستے پہ روانہ ہو گ ئی یں۔ آصف بھی جلال کو بریف کرتے ہوئے ان کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

۔*****************۔

منصور شیروانی پہنے ایک کمرے میں بیٹھا تھا۔ مشکل سے آٹھ دس افراد ہوں گے جو اس کمرے میں موجود ہوں گے۔ ایک نوجوان منصور کے سامنے بیٹھا تھا۔ چہرے پر سنت مبارک اور سر پر عمامہ باندھے وہ نوجوان بولا۔

"منصور علی ولد محمد علی آپ کا نکاح مبلغ پچاس ہزار حق مہر کے عوض طیبہ ریحان دختر محمد ریحان سے طے کیا جاتا ہے۔ کیا آپکو قبول ہے؟"

"بیٹا اب بھی وقت ہے بچ جا۔ باقی معاملات تیرا یہ بھائی ی سنبھال لے گا۔ ناں کر دے۔" منصور کے ساتھ بیٹھے ایک خوش شکل اور چنچل نوجوان نے منصور کے کان میں سرگوشی کی۔

"قبول ہے۔" منصور نے اس نوجوان کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

نوجوان نے چہرے کے ایسے تاثرات بنائے جیسے کسی محبوبہ کے سامنے اس کے محبوب نے کسی اور سے نکاح کے وقت قبول ہے کہا ہو۔ نوجوان نے نہ صرف اذیت کے تاثرات پیدا کر لیے بلکہ آنکھیں پھیلا کر منصور کو دیکھنے لگا اور تو اور آنکھوں میں نمی بھی لے آیا۔

اس کے یہ تاثرات دیکھ کر بڑی مشکل سے منصور نے ہونٹ بھینچ کر اپنی ہنسی کنٹرول کی۔ دل ہی دل میں کہنے لگا۔ اس خبیث سے بڑا ایکٹر دنیا میں نہیں ملے گا۔

ادھر نوجوان قاری دوبارہ اپنا فقرہ دہرا رہا تھا۔ ادھر وہ نوجوان پھر منصور کے کان کے قریب بدبدایا۔

"پہلے پیار پھر مار پہلے پیار سے سمجھایا۔ اب وارننگ دے کر کہہ رہا ہوں۔ میں اپنے بہترین دوست کی زندگی تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ ناں کر دے۔"

"قبول ہے۔" قاری کا فقرہ مکمل ہوتے ہی منصور نے کہا۔

قاری تیسری بار فقرہ دہرانے لگا۔ وہی نوجوان تیسری بار منہ کو منصور کے کان کے قریب لایا اور کہنے لگا۔

"بڑا جادوگر بنتا پھرا ہے۔ تو اب میں جادو دکھاتا ہوں۔" منصور ہڑبڑا کر سیدھا ہوا اور چونک کر بڑے غور سے اس نوجوان کو دیکھنے لگا۔ وہ آہستہ سے بولا۔

"خدا کا واسطہ ہے۔ کوئی نیا کام نہ کریں۔ کیوں عزت کا فالودہ کرنے پر تلا ہے۔ دیکھ تیری ایک بات مجھ پر ادھار ہے تو جو بھی کہے گا میں مانوں گا۔ وعدہ۔" منصور نے تیزی سے اپنی بات مکمل کی اور پھر فوراً کہا۔

"قبول ہے۔" کیونکہ قاری تیسری بار بھی اپنا فقرہ مکمل کر چکا تھا۔ منصور اچھی طرح جانتا تھا وہ نوجوان شعبدہ بازیوں میں منصور سے بھی چار ہاتھ آگے تھا۔

نوجوان قہقہہ لگا کر ہنسا تو سارے چونک کر اسے دیکھنے لگے مگر نوجوان شرارتی نظروں سے منصور کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے دیکھنے کے انداز سے منصور سمجھ گیا کہ اب اسکی خیر نہیں۔ جلد بازی میں وعدہ تو کر لیا لیکن یہ وعدہ اسے مہنگا پڑنے والا ہے۔ کوئی نہیں اس کی باری تو آنے دو۔ ساری کسریں پوری کروں گا۔ منصور نے دل ہی دل میں خود کو تسلی دیتے ہوئے اور عزم کرتے ہوئے کہا۔

قاری خطبہ دینے لگا۔ خطبے کے بعد دعا ہوئی ی تو سارے مبارکباد دینے لگے۔ نوجوان کی باری آئی ی تو اس نے گلے لگا کر زور سے بھینچتے ہوئے کہا۔ ”دعا ہے کہ تیرا آج کا دن ایسا خوشی بھرا ہو کہ ایسا خوشی اور چاہتوں سے بھرا دن کسی کو نہ ملا ہو۔“

نوجوان کے لہجے میں خلوص کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

کچھ ایسا ہی منظر ساتھ والے دلہن کے کمرے میں تھا۔ لڑکیاں طیبہ کو چھیڑ رہیں تھیں اور وہ حیا سے گلنار ہوئے جا رہیں تھیں۔

”اچھا طیبہ یہ تو بتا۔ سنا ہے بھائی ی بڑے شرارتی ہیں۔ وہ منہ دکھائی ی کے لیے اپنے ہیٹ سے کیا نکالیں گے۔“ ایک لڑکی نے شرارت سے پوچھا۔

”کاکروچ“

”خرگوش“

”چھپکلی“ تین لڑکیوں نے بیک وقت کہا اور ہنسنے لگیں۔

”اوہو بس بھی کرو۔ اتنا تو تنگ نہ کرو میری بیٹی کو۔“ ایک بزرگ خاتون نے طیبہ کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”کتنے عرصے بعد موقع ملا ہے نا۔ اس طرح اکٹھے ہونے کا۔“ ایک لڑکی نائلہ نے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔ جیسے وہ یہ ساری خوشیاں سمیٹ لینا چاہتی ہو۔

”اللہ کرے ایسے موقع ملتے رہیں۔“ ایک چشمش لڑکی فاطمہ نے کہا۔

"آمین۔" بیک وقت سب کے منہ سے نکلا۔

دوسرے کمرے میں منصور نے ایسے ہی اپنا فون چیک کرنے کے لیے نکالا تو اس پر آصف کی مس کال دیکھ کر چونک گیا۔

وہ ایکسکیوز کرتا ہوا کمرے سے نکلا ایک سٹور میں جا کر آصف کو کال کرنے لگا۔

دوسری طرف آصف جو شہر سے کافی دور ایک ویرانے میں موجود فارم ہاؤس طرز کی کوٹھی کے باہر کھڑا جلال اور باقی ٹیم کا انتظار کر رہا تھا۔ فون پر منصور کالنگ دیکھ کر چونک گیا۔ اور کال اٹینڈ کر کے دھیمی آواز میں بولا۔

"ہیلو سر۔"

"تمہاری مس کال آئی ی تھی۔ خیریت تو ہے۔" منصور نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

"جی سر وہ غلطی سے چلی گ ئی ی تھی۔" آصف کو بابا کی ہدایات یاد تھیں۔

"او اچھا۔" منصور نے مطم ئی ن ہو کر کہا پھر اچانک ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح منصور کے ذہن میں چمکا۔

"خولہ کہاں ہے؟" منصور جانتا تھا اس کی ڈیوٹی کہاں ہے۔

"سر وہ بالکل ٹھیک ہے۔" آصف اچانک اس سوال پر گڑبڑا کر بولا تو منصور مشکوک ہو گیا۔

"آصف تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔ سیدھی طرح بتاؤ معاملہ کیا ہے۔" منصور نے سخت لہجے میں کہا۔ آصف نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے اب تک کے سارے واقعات دہرا دیے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں ہے اب۔

"تم کہاں ہو اس وقت؟" منصور نے پوچھا تو آصف نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"سر باباجی کی سخت ہدایت ہے۔ اس لیے میں اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" آصف نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"اوکے۔" منصور نے کہا اور کال کاٹ دی۔

۔***************۔

خولہ اور ضرار ایک کرسی پر بندھے ہوئے تھے۔ دونوں کے چہروں پر خون بہنے کی لکیریں بن چکیں تھیں مگر جن کے قبضے میں وہ تھے۔ ان کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔

ان کے سامنے ایک راکنگ چیئر پر جیکب مسکراتا ہوا جھول رہا تھا۔ خولہ کو کوئی انجکشن لگایا گیا تھا جبکہ ضرار کے سر پر ٹھنڈا پانی ڈالا گیا تھا۔ دونوں ہوش میں آ چکے تھے۔

"ہم کس کی قید میں ہیں اور ہمارا قصور کیا ہے؟" ضرار نے درد کی ٹیسٹیں دبا کر ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

”پتہ ہے۔ میں بندے کے لہجے سے پہچان لیتا ہوں کہ وہ سچ بول رہا ہے یا جھوٹ‘ جو بھی فقرہ انسان کے منہ سے نکلتا ہے آنکھوں کی کچھ مخصوص رگیں اور الفاظ کی ادائیگی کا انداز جھوٹ بولتے اور سچ بولتے ہوئے مختلف ہوتا ہے۔“ جیکب نے اطمینان سے جواب دیا۔

”تم کون ہو؟“ خولہ نے پوچھا۔

”ہاں اب تم نے سچ بولا ہے اور تم واقعی نہیں جانتیں کہ میں کون ہوں؟“ جیکب نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

”کیا عسکری ونگ کے تمام افراد یہاں موجود ہیں؟“ جیکب نے اس پولیس افسر سے پوچھا جو اپنی شناخت چھپانے کی خاطر اب نقاب میں تھا۔

”جو سوائے پانچ افراد کے باقی ونگ کے پچیس افراد اپنی اپنی جگہ تعینات ہیں۔“ آواز بھاری کرتے ہوئے عسکری ونگ کے انچارج افسر نے کہا۔

”اوکے میں نے سنا تھا۔ اس لڑکی کے پاس کوئی ی جادوگر بھی ہے۔ جو اس کی جان بچانے آ جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنا تماشا کرنے آ جائے مگر اب کی بار آیا تو اس کا اپنا خونی تماشا بن جائے گا۔“ جیکب نے لاپرواہی سے کہا۔

”ہاں تو مس خولہ‘ بس آپ کو اتنا بتانا ہے کہ آپ کا تعلق کس گروہ سے ہے۔ کتنے افراد ہیں اس میں اور اس گروہ کا لیڈر کون ہے؟ اور اطمینان رکھیں اگر آپ نے سچ بتایا تو آپ کو انعام و کرام سے بھی

نوازا جائے گا۔ باعزت طریقے سے یہاں سے جانے دیا جائے۔" جیکب نے لالچ کا ہتھیار استعمال کرتے ہوئے کہا۔ خولہ کو اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک نظر آئی۔

۔***********۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔۔

"اَلسَلامُ عَلَيْكُم احباب۔۔۔۔

"**ناولز کی دنیا**" کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔۔

ناولز کی دنیا "ویب سائیٹ / گروپ / پیج دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپکی تحریر پوسٹ ہو جائے گی ۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- **Novels ki duniya**

(user name @zoyatalib77)

Facebook group :- **Novels ki duniya**

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو)

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے

"novels ki duniya "

اور

"website"

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کرلیں ۔۔۔

شکریہ۔۔۔۔۔

۔*************۔

جلال آصف کے پاس آٹھ ٹیم ممبران کے ساتھ پہنچ چکا تھا۔ چونکہ یہ کوٹھی ذرا ویرانے میں تھی۔ اس لیے گاڑیاں دور کھڑی کر کے درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے آنا پڑا تھا۔

"کیا پوزیشن ہے۔" جلال نے آصف سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"چھت کے چاروں اطراف چھ، گیٹ پر دو، بالکونی میں چار اور دیوار کے ساتھ وقفے وقفے سے ایک ایک گارڈ نظر آتا ہے۔" آصف نے اب تک کی محتاط محنت کا نتیجہ بتاتے ہوئے کہا۔

"پلان نمبر سات۔" جلال کے منہ سے اتنا نکلنا تھا۔ کہ وہ دس کے دس گنیں سنبھالے مختلف اطراف میں چل پڑے۔ جیسے سب کو پتہ ہو کہ کیا اور کیسے کرنا ہے۔

تھوڑی دیر بعد جلال نے چھت پر کھڑے گارڈ پر نشانہ باندھا اور اپنی واچ ٹرانسمیٹر پر بولا۔

"پوزیشن۔"

"او کے۔" باری باری دھیمی سی نو آوازیں ہینڈ واچ سے نکلیں۔

"آن تھری۔"

"ون، ٹو، تھرررری۔" تھری کہتے ہی جلال کی انگلی کا دباؤ ٹریگر پر پڑا اور ہلکی سی ٹرچ کے ساتھ گن کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ جلال کا شکار سر پر گولی کھا کر چھت پر ہی ڈھیر ہو گیا۔ فوراً ہی

جلال نے رخ بدلا اور گیٹ پر موجود دو گارڈز میں سے ایک کو ہٹ کرتے ہی دوسرے گارڈ جو آڑ لینے کے لیے بھاگا تھا۔ وہ بھی گولی کھا کر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔

"رپورٹ۔" جلال نے سرگوشی کی۔

"ڈن۔" آٹھ آوازیں آئی یں۔ مگر نویں آواز نے کہا۔

"ڈن بٹ ٹارگٹ۔۔۔۔" ابھی اتنا ہی کہا تھا نمبر نو نے کہ کوٹھی سائی رن کی آوازوں سے گونج اٹھی۔

جلال سمجھ گیا کہ نو نمبر کا شکار گولی کھا کر چھت سے گرا اور دوسروں کی نظروں میں آ گیا۔ اب سائی رن بجا کر سب کو خبردار کیا جا رہا ہے۔

چھ چھت اور چار بالکونی کے ٹارگٹ ہٹ ہو چکے تھے۔ مطلب دس دشمن کم ہو چکے تھے پہلے وار میں۔ اندر سے اندھا دھند فائی رنگ شروع ہو چکی تھی۔ مگر جلال اور اس کے ساتھی کوور لے کر ایسے بیٹھے تھے جیسے پکنک منانے آئی ے ہوں۔

جلال کے ساتھیوں کے پاس سائی لنسر لگے ہتھیار تھے جبکہ دشمن کے شور مچاتے ہتھیار ان کی پوزیشنز کا پتہ دے رہے تھا۔

"نمبر فور، سکس اینٹ نائی ین آن روف۔" جلال نے اگلی ہدایات دیتے ہوئی ے کہا۔ مگر اس سے پہلے وہ کوئی ی اور کاروائی ی کرتے اندر سے ایک لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی ی۔

"اگر تم اس لڑکے اور لڑکی کی زندگی چاہتے تو اپنے ہتھیار پھینک کر سامنے آجاؤ ورنہ۔۔۔" کوئی ی استہزائیہ ہنسی ہنسا اور پھر بولا۔

"او لڑکی سے یاد آیا لڑکی کے ساتھ بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ جب تک تم لوگ لڑ کر لڑکی تک پہنچو گے تب بچانے کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔" جلال کمینہ، بے غیرت جیسے القاب دیتے ہوئے دل ہی دل میں جیکب کو کوسنے لگا۔

وہ سوچ میں پڑھ گیا کہ ان حالات میں کیا کرے۔ اس سے پہلے وہ کوئی ی اور حکم دیتا۔ اسے اپنے کندھے پر ایک ہاتھ کی تھپکی محسوس ہوئی ی جلال زور سے اچھلا لیکن شاید تھپکی دینے والے کو اس ردعمل کا اندازہ تھا اس لیے اس نے قوت سے جلال کو جکڑ لیا۔

جلال نے پیچھے دیکھا تو بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"سر آپ یہاں مگر کیسے؟" پیچھے کھڑے شیروانی میں ملبوس منصور نے یہ سوال نظر انداز کر کے حالات پوچھے۔ جلال نے مختصراً ساری بریفنگ دے دی۔

"میں آخری بار وارننگ دے رہا ہوں۔ اس کے بعد حالات کی ذمہ داری تم لوگوں پر ہو گی۔" ایک بار پھر جیکب کی آواز سنائی ی دی۔ فائی رنگ دونوں اطراف سے رک چکی تھی۔

منصور جلال کے کان میں کچھ کہنے لگا۔

"نہیں سر آپ نہیں میں جاتا ہوں۔" جلال نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ لیکن منصور گن لیے آگے بڑھنے لگا۔

”سر پلیز مجھے جانے دیں۔“ جلال نے احتجاجی انداز میں کہا مگر منصور نے کہا۔

”جو کام میں کر سکتا ہوں۔ وہ تم نہیں کر سکتے۔ تمہیں جو کہا ہے اس پر عمل کرو۔“ یہ کہہ کر منصور آگے بڑھ گیا جبکہ جلال واچ ٹرانسمیٹر پر دوسروں کو ہدایات دینے لگا۔

منصور گیٹ کے اندر داخل ہوا۔ دونوں گارڈز کی لاشوں کو پھلانگتا ہوئے منصور نے دونوں ہاتھ اوپر کر لیے مگر ایک ہاتھ میں ابھی بھی گن تھی۔

اسے ایک کمرے کی کھڑکی جو صحن میں کھل رہی تھی اس میں خولہ کھڑی نظر آئی ی۔ اس کے کھڑے ہونے کے انداز سے پتہ چل رہا تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہیں۔ اس کے عین پیچھے کوور لیے یورپین نین نقش والا جیکب کھڑا تھا۔

”میں پہلے اکیلا آیا ہوں۔ صرف اس لیے تاکہ میرے ساتھی دیکھ لیں کہ ہتھیار ڈالنے پر ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے اگر لڑکی یا مجھے کچھ ہوا تو میرے ساتھی چڑھ دوڑیں گے اور سامنے آنے والے ہر شخص کو ختم کر دیں گے۔ چاہے پھر اس کے لیے انہیں اپنی قربانیاں ہی کیوں نہ دینی پڑیں۔“منصور بلند آواز سے یہ کہتا ہاتھ اوپر کیے کھلی کھڑکی کی طرف بڑھتا رہا۔

ابھی وہ کھڑکی سے کافی دور تھا کہ جیکب کی غراتی ہوئی ی آواز آئی ی۔

”وہیں رک جاؤ۔“ منصور دو قدم اور چل کر رک گیا۔ ہاتھ ہنوز بلند تھے۔

”ہتھیار نیچے پھینک کر ہاتھ اوپر کر لو۔“ جیکب نے اگلا حکم دیتے ہوئے کہا۔

منصور دونوں ہاتھ نیچے لانے لگا اور گن زمین پر ڈالنے کے لیے جھکنے لگا مگر جھکنے سے پہلے اس نے خولہ کو آنکھ سے خفیف سا اشارہ کیا۔ اشارہ کرتے ہی خولہ تڑپی اور گرفت چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے نیچے کو جھک گئی۔

منصور نے جھکتی گن کا رخ جیکب کی طرف کیا اور سر کو نشانہ بنا کر ٹریگر دبا دیا۔

مگر اس طرف جیکب بھی ہوشیار تھا۔ جیسے ہی خولہ تڑپ کر جھکی جیکب نے بیک وقت دو کام کیے۔ اس کا گھٹنا اٹھا اور خولہ کے منہ پر لگا۔ گن سے منصور کے دل کو نشانہ بنا کر فائر کر دیا۔
مگر خولہ کے تڑپنے کی وجہ سے جیکب ایک جگہ کھڑا نہ رہ سکا۔ منصور اور جیکب دونوں کے نشانے چوک گئے۔

جیکب کی گولی منصور کے بازو کو ایک طرف سے تھوڑا گوشت ادھیڑتی ہوئی آگے نکل گئی۔ جبکہ منصور کی گولی جیکب کے سر کے ایک طرف رگڑ کھاتی ہوئی گزری۔

دونوں کا خون زخموں سے رواں ہوا۔ خولہ نے نیچے گرے ہوئے ہوئے ہی اپنی بندھی دونوں ٹانگ پوری طاقت سے جیکب کے گھٹنے پر دے ماریں۔ جیکب اوغ کی آواز نکالتے ہوئے لڑکھڑا کر زمین پر جا گرا۔ ادھر ضرار کرسی پر بندھے ہوئے جھک کر ٹانگوں پر اچھلا اور کرسی سمیت نقاب پوش کمانڈر پر جا گرے دونوں ٹکرا کر زمین پر گرے۔

منصور نے بھاگتے ہوئے جمپ لگا کر کھڑکی پار کی اور زمین سے اٹھتے گن سنبھالتے جیکب کی کنپٹی پر اپنا گھٹنا زور سے ٹکرا دیا۔ جیکب ایک جھٹکے سے دوبارہ زمین پر گرا اور الٹا غفیل ہو گیا۔

جیکب پرواز کرتے ہوئے منصور کی گن سے شعلہ نکلا اور زمین پر گرے کمانڈر کے سر میں جا گھسا۔

چند لمحوں میں کمرے کا منظر بدل چکا تھا۔

منصور نے فوراً کھڑکی بند کی اور دروازے کو اندر سے لاک کر دیا۔

باہر فائرنگ پھر سے شروع ہو گئی تھی۔ منصور یہی کہہ کر آیا تھا جلال کو کہ گولی کی آواز آتے ہی جارحانہ اٹیک شروع کر دیا جائے۔

جلال کے چھ ساتھی پیچھے دوسری منزل سے آتے سیوریج پائپ کے ذریعے اوپر چڑھ کر بالکونی اور چھت پر پوزیشنز سنبھال چکے تھے۔

اور گارڈز کے ساتھ گھمسان کا رن جاری تھا۔

منصور نے دروازے لاک کرتے ہی خولہ اور ضرار کی رسیاں کھولیں اور مسکراتا ہوا کہنے لگا۔

"جادوگر پھر سے حاضر ہے۔"

"تم زخمی ہو۔" خولہ نے اس کا بازو پر خون دیکھ کر کہا۔

"تم دونوں زیادہ زخمی ہو۔ میرا زخم تو چھوٹا سا ہے۔" منصور نے لاپرواہی سے کہا۔

فائرنگ کی شدت میں کمی آتی جا رہی تھی۔

باہر منصور کو مدھم سی آواز آئی جیسے کسی تیز رفتار گاڑی نے اچانک بریک لگائی ہو۔

منصور گن کو دیوار کے ساتھ رکھ کر ایک الماری سے ملے فرسٹ ایڈ باکس سے خولہ اور ضرار کی ڈریسنگ کرنے لگا۔

خولہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی جبکہ دیوار سے تھوڑا آگے ہو کر ضرار بیٹھا تھا۔ جس کا منہ کھڑکی اور زمین پر بے ہوش پڑے جیکب کی طرف تھا۔

منصور دیوار کی طرف منہ کیے ضرار کی ڈریسنگ میں مصروف تھا کہ اس نے ضرار کو چونکتے اور تڑپ کر کھڑا ہونے کی کوشش کرتے دیکھا۔ منصور فوراً پلٹا مگر اگلا منظر دیکھ کر منصور کے چہرے کے عضلات سخت ہو گئے۔ زمین پر پڑے جیکب کو ہوش آ چکا تھا اور زمین پر لیٹے لیٹے ہی اس نے گن کا رخ ان تینوں کی طرف کر دیا۔

خولہ بھی کھڑی ہو چکی تھی۔

منصور نے فوراً دونوں ہاتھ پیچھے کر کے ضرار کو دھکیل کر اپنے پیچھے کیا اور پیچھے کی طرف زور لگایا۔ ضرار کی کمر دیوار سے لگی خولہ سے جا لگی۔

اب منظر کچھ یوں تھا کہ خولہ کی کمر دیوار سے لگی تھی۔ اس کے آگے ضرار اور ان دونوں کے آگے منصور ہاتھ پھیلائے ان دونوں کی ڈھال بن کر کھڑا تھا۔

منصور کی حسرت زدہ نظر دیوار کے ساتھ رکھی اپنی گن پر پڑی اور پھر اس کی نظر جیکب کے چہرے پر پڑی جس پر اسے ایک استہزائیہ اور طنزیہ مسکراہٹ نظر آئی۔

منصور نے غیر محسوس انداز میں اپنا ہاتھ جیب کی طرف لے جانا چاہا مگر جیکب کی آواز آئی۔

”نہ نہ ایسی غلطی ہرگز بھی نہ کرنا۔ میں کوئی ی بچہ نہیں ہوں جو یہ سارے داؤ پیچ نہ جانتا ہو۔ تمہارے ہاتھوں کی ذرا سی جنبش میرے انگلیوں پر ٹریگر کو دبانے پر مجبور کر دے گی۔“ جیکب گن کا رخ ان کی طرف کیے زمین سے اٹھ رہا تھا۔

منصور سوچ کے گھوڑے دوڑانے لگا کہ کیا کروں۔ فاصلہ اتنا تھا اسکا جیکب سے کہ وہ اچھل کر یا چھلانگ لگا کر بھی جیکب تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ جیکب بھی درمیانی فاصلہ برقرار رکھے ہوئے تھا بلاشبہ وہ بھی ایک منجھا ہوا ایجنٹ تھا۔

”اب میں دیکھوں گا یہ انسانی ڈھال کتنی دیر تک ’ڈھال‘ رہتی ہے۔“ خولہ یہ فقرہ سن کر لرز گ ئی ی۔ اسے اس فقرے میں سفاکی نظر آئی ی۔ اس کا دل چیخ چیخ کر کہنے لگا کچھ بہت غلط ہونے والا ہے۔

جیکب نے اپنا فقرہ مکمل کرتے ہی رائی فل کا ٹریگر دبا دیا۔

ایک شعلہ چمکا اور گولی منصور کے کندھے میں جا گھسی۔ منصور کے جسم کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔

ضرار اور خولہ کو منصور کی ہلکی سی کراہ سنائی ی دی۔

دونوں نے تڑپ کر منصور کے پیچھے سے نکلنا چاہا مگر منصور پیچھے کی جانب ساری طاقت لگاتے ہوئے ان کو دیوار سے لگائے رکھا اور برہمی سے کہا۔

”جہاں ہو وہیں رہو۔ ورنہ زیادہ نقصان ہو گا۔“

"میں نے ایسی ڈھال آج تک نہیں دیکھی۔" جیکب کے لہجے سے لگ رہا تھا جیسے وہ اس سچویشن سے محظوظ ہو رہا ہے۔

دوسری گولی چلی اور منصور کی ران میں جا لگی۔

منصور تھوڑا لڑکھڑایا مگر پھر ہونٹ بھینچ کر سیدھا کھڑا رہا۔

تیسری گولی چلے اور دوسری ران میں جا لگی۔

منصور نے اپنا جسم کا بوجھ ضرار پر ڈالا مگر اس کا کانپتا وجود ابھی بھی ڈھال بنا رہا۔

چوتھی گولی چلی اور منصور کے پیٹ میں جا لگی۔

منصور نے زور سے آنکھیں بھینچ لیں۔ اسکے وجود کی لرزش بڑھ چکی تھی۔ بے پناہ قوت ارادی اب شاید بکھرنے لگی تھی۔ ضرار کو کراہ کے ساتھ منصور کے منہ سے لڑکھڑاتے مدھم سے الفاظ سنائی دیے۔

"یا۔۔۔۔۔۔ اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مد۔۔۔۔۔۔۔ مدد"

پانچویں گولی چلی اور منصور کے دوسرے کندھے پر جا لگی۔

جیکب اس صورتحال سے لطف اٹھا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ایسے چمک رہیں تھیں جیسے کسی بچے کے ہاتھ اسکا پسندیدہ کھلونا لگ گیا ہو۔

ایک گولی کی آواز آئی ی اور جیکب کے پیچھے کھڑکی کا شیشہ چھناک کی آواز کے ساتھ ٹوٹا جیکب چونک کر فوراً پیچھے مڑا لیکن اگلی گولی آئی ی اور جیکب کے ہاتھ پر لگی۔ رائی فل جیکب کے ہاتھوں سے چھوٹ کر زمین پر جا گری۔

دوسرے ہی لمحے کھڑکی سے ایک وجود اڑتا ہوا آیا اور اس کی فلائی نگ کک پوری طاقت سے کھڑکی کر طرف منہ کیے ہاتھ جھٹکتے جیکب کے منہ پر لگی۔ جیکب ہوا میں تھوڑا اچھلا اور کمر کے بل زمین پر جا گرا۔

ضرار اور خولہ نے بھی تڑپ کر جیکب کی طرف بڑھنا چاہا مگر پھر فوراً منصور کے گرتے وجود کو سہارا دینے لگے۔

"یا۔۔۔۔اللہ۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔تجھ۔۔۔۔۔۔۔۔سے ے۔۔۔۔۔۔۔اچھاااااا۔۔۔۔۔۔گگگگمان۔۔۔۔رکھتاااا

ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔میرے ے ے ے ے۔۔۔گناہہہہ۔۔۔۔معاف

کرناااااا۔۔۔۔۔۔۔اشھد اللہ

ہہہہ۔۔۔۔الاااااہ۔۔۔۔۔الا۔۔۔اللہ۔۔۔۔۔و۔۔۔اشھد دد۔۔۔۔انااااا۔۔۔۔۔۔محمد۔۔۔۔۔۔رسووووول۔۔۔۔اللہ۔۔۔"

منصور نے بچی ساری طاقت اور قوت کو سمیٹتے لڑکھڑاتے ہوئے الفاظ سے کہا اور گردن دھیرے سے موڑ کر اندر آنے والے نوجوان کو دیکھنے لگا۔ جو بڑے کرب, اور درد سے منصور کو دیکھ رہا تھا۔

اسے دیکھ کر منصور کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھری اور ہمیشہ کے لیے اس کے چہرے پر ثبت ہو گئی۔ شاید اجل کو یہ مسکراہٹ اتنی پسند آئی کہ اجل نے مسکراہٹ کو ہونٹوں پر پھیلتے ہی جان قبض کر کے اس مسکراہٹ کو امر کر دیا۔

نوجوان کے چہرے پر قہر اور غضب کی لہر ابھری۔ وہ جیکب کی طرف مڑا۔

جیکب نے بھی اسی نوجوان کی طرح نوجوان کو فلائی نگ کک مارنے کے لیے ہوا میں اچھل چکا تھا۔

نوجوان نے تیزی سے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے اور ہوا میں اپنی طرف کک کی شکل میں بڑھتی ٹانگ کو پکڑا اور تھوڑا پیچھے ہٹ کر جس طرف جیکب نے پرواز کی اسی سمت میں جیکب کو ٹانگ سے پکڑ کر گھما کر دیوار پر دے مارا۔

جیکب کی اپنی طاقت اور ساتھ ہی نوجوان کے زور نے جیکب کی رفتار میں اضافہ کیا۔ وہ کمر کے بل دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی۔

نوجوان فوراً آگے بڑھا اور زمین پر سے اٹھتے جیکب کی کہنی پر زوردار کک ماری۔ چیخ کے ساتھ ہڈی ٹوٹنے کی آواز آئی۔ جیکب کے منہ سے پھر چیخ نکلی۔ اس نے تڑپ کر اپنے بازو کو دوسرے ہاتھ سے سہارا دیا۔

نوجوان تو جیسے مشین بن چکا تھا۔اس نے زمین پر پڑے جیکب کی ٹانگ کو ایک پاؤں سے پکڑ کر تھوڑا ہوا میں اٹھایا اور پوری طاقت سے نوے ڈگری کے زاویے سے کک جیکب کے گھٹنے پر لگائی ی۔

اب تک کی سب سے زوردار چیخنے کی آواز آئی ی۔ جیسے کسی لکڑی کو زمین پر رکھ کر پاؤں مار کر توڑا جاتا ہے اور جیکب کے منہ سے چیخوں کا طوفان نکلنے لگا۔

نوجوان کے چہرے پر اتنا غضب تھا جو بھی دیکھتا خوف کھاتا۔اس نے جیکب کی دوسری ٹانگ کا حشر بھی پہلے والی ٹانگ جیسا کر دیا۔

چیختے چیختے جیکب کی آواز پھٹ چکی تھی۔

خولہ اور ضرار ان چیخوں سے بے نیاز منصور کے مسکراتے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

”آہا۔اب آئی ی اونٹنی پہاڑ کے۔“ خولہ کے ذہن کے پردے پر وہ منظر لہرایا۔ جب اس نے پہلی بار منصور کو دیکھا تھا۔

”یہ میری طرف سے‘ منصور نے پانی والی گن کارخ اس کی طرف کرتے ہوئ ے۔“ ایک اور منظر خولہ کی آنکھوں میں لہرایا۔خولہ کو احساس ہوا کہ اب پانی والی گن تو نہیں ہے مگر پھر بھی اس کا چہرا آنکھوں سے رستے رسنے والے پانی سے بھیگ رہا ہے۔

”آہ صاحب کیا بتاؤں یہ لڑکی پکی فراڈن ہے۔“ ایک زخمی ادھوری سی مسکراہٹ ابھرتے ہی خولہ کے لبوں پر دم توڑ گ ئ ی۔ آنکھوں پر صبر کا لگایا بند ٹوٹنے لگا۔

"میں ایک جادو گر ہوں۔" آنکھوں پر لگا بند ٹوٹا تو خولہ ہچکیوں پر صبر کا بند باندھنے لگی۔

"جادو کے ذریعے اس لڑکی کو قید کر لوں گا۔" خولہ کو لگا وہ واقعی اب کبھی آزاد نہیں ہو سکے گی۔

"بس اب یہ میری کنواری عزت کا سوال ہے۔" ایک اور زخمی مسکراہٹ ابھری اور ہچکیوں پر لگا بند بھی ٹوٹ گیا۔

"میں چاہوں تو پانی میں آگ لگا دوں۔" خولہ کو آنسوؤں کی حدت بڑھتی محسوس ہوئی۔

"چلو اب۔" خولہ نے سوچا کاش وہ چل سکتی۔

"بندے کو منصور کہتے ہیں۔" ایک مسکراتا ہوا چہرہ خولہ کی آنکھوں میں ابھرا اور آنسوؤں میں گم ہو گیا۔

نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک ایسا نوجوان اتنی جلدی۔۔۔ خولہ نے بے یقینی سے مسکراتے چہرے پر نظر ڈالی۔

کمرے میں خاموشی پھیل چکی تھی۔ یہ خاموشی کسی کے جوتوں تلے شیشے کے ٹکڑوں کے ٹوٹنے کی آواز سے ٹوٹی۔ خولہ نے سر اٹھا کر دیکھا ایک دلہن سی بنی لڑکی ایک بڑی سی سفید چادر میں لپٹی پتھریلی نگاہوں سے منصور کو دیکھتے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں انتہائی بے یقینی تھی۔

وہ قریب آئی اور گھٹنوں کے بل منصور کے قریب بیٹھ گئی۔ اس کی سفید چادر منصور کے خون سے سرخ ہونے لگی۔

اس کے منہ سے بس اتنا نکلا۔

"بس اتنا سا ساتھ۔۔۔" فقرہ مکمل نہیں ہوا اور وہ لڑکھڑائی ی اور ہوش گنوا کر زمین پر گر گ ئی ی۔

"خولہ اسے سنبھالو۔" اس نوجوان نے کہا جو کمرے میں آیا تھا۔ خولہ کو کچھ ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ دس افراد تھوڑی دور منصور کے گرد ایک گھیر ابنائی ے کھڑے ہیں۔ اور وہ نوجوان منصور کی دوسری طرف بیٹھا منصور کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کرب کی انتہا دیکھی جا سکتی تھی۔

خولہ خاموشی سی اٹھی اور طیبہ کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ خولہ کے آنسو طیبہ کے چہرے پر ایک ایک کر کے گرنے لگے۔ جیسے ہر قطرہ طیبہ سے معافی کا طلبگار ہو۔

"یار تو نے ایک وعدہ کیا تھا۔ ایک بات ماننے کا چل اب مان اور۔۔۔۔۔۔" نوجوان نے الفاظ ادھورے چھوڑے اور منصور کے ہاتھ کو آنسوؤں کے ساتھ لبوں پر لگا کر بوسہ دینے لگا۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور بابا جانی تیزی سے اندر آتے دکھائی ی دیے۔

نوجوان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بابا جانی قریب آئی ے اور منصور کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اور اپنی چادر سے منصور کے چہرے پر لگا خون، گرد و غبار صاف کرتے ہوئی ے روتے ہوئی ے کہنے لگے۔

"تو کتنا پیارا ہے، تو کتنا خوبصورت ہے، تو کتنا خوشبودار ہے۔" روتے روتے بابا مسکرانے لگے۔ خولہ کو حیرت ہوئی ی مسکرانے کے بعد بابا نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

خولہ کا سر درد کی شدت سے پھٹ رہا تھا۔

اس کے بعد کچھ بھی اسے صحیح سے یاد نہیں کہ کیسے وہ وہاں سے آئی ی۔

ضرار قبر کے پاس کھڑا تھا۔ نوجوان اور بہت سارے افراد بھی موجود تھے۔ تدفین ہو چکی تھی۔ قبلہ رو ہو کر بابا دعا کروانے لگے۔ اور دعا میں کہنے لگے۔

"یا اللہ تیرے اس بندے نے حضرت سعد اسودؓ کی سنت زندہ کی ہے۔ اسکا حشر بھی ویسے فرما جیسا انکا فرمایا تھا۔" بابا نے تین بار یہ فقرہ دہرایا جس پر سب نے آمین کہا۔

اگلے دن سب اسی ہال میں جمع تھے جہاں پہلے میٹنگ ہوئی ی تھی۔

خولہ فیملی کے دوسرے لوگوں کے ساتھ کیبن میں موجود تھی۔

سارا منظر وہی تھا جو پہلی میٹنگ کا تھا۔ بس فرنٹ رو میں ایک سیٹ خالی تھی۔

قرآن خانی ہو چکی تھی۔ بابا نے مائی ک سنبھالا اور کہنے لگا۔

"منصور ایک یتیم بچہ تھا۔ جسے اس کی بیمار والدہ اسے یتیم خانے میں لائی ی تھی۔ میں اسکے بیک گراؤ نڈ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے وہاں سے اسے سات سال کی عمر میں نکالا اور اس کے بعد وہ میری زیر نگرانی رہا۔ بلاشبہ وہ ایک ذہین اور ہنرمند نوجوان تھا۔ صوم و صلوۃ کا پابند ایک سچا اور کھرا مسلمان تھا۔ اس کا کل نکاح ہوا تھا۔" ہال میں ایک بے چینی کی لہر دوڑ گ ئی ی۔ خولہ کو گلے میں کچھ پھنستا محسوس ہوا۔

”اس کی شادی ہمارے ہی تنظیم کی ایک لڑکی جو دفتر میں کلیریکل کام کرتی ہے۔ اس سے ہوئی ی تھی۔ منصور تو ابھی اس کے لیے راضی نہیں تھا لیکن لڑکی کی والدہ کی پرزور خواہش پر یہ رشتہ بھی میں نے طے کیا تھا۔ کل جو واقعہ ہوا جلال جو کہ منصور کا نمبر ٹو بھی تھا۔ اس نے غلطی سے منصور کا نمبر ملایا لیکن فوراً کال کاٹ دی۔“

”منصور نے مس کال دیکھ کر کال کی اور حالات پتہ لگنے پر وہ رہ نہ سکا۔ جلال نے لوکیشن تو نہ بتائی ی لیکن منصور ٹیم لیڈر تھا اور ٹیم لیڈر کے پاس اپنی ٹیم کے سبھی افراد کے متعلق جی پی ایس ڈیٹا ہوتا ہے۔ جو ان افراد کی مختلف اشیاء پر ٹریسر لگا کر حاصل کیا جاتا ہے۔ منصور نے ٹریکر سے جلال کی لوکیشن ٹریس کی اور گھر سے نکل پڑا۔ شاید اس کو لگا تھا کہ جلال معاملات کو پرفیکٹلی ہینڈل نہ کر سکے۔ اسکے گھر سے غائ ب ہونے کے بعد اس کے دوستوں اور دلہن کو پریشانی ہوئی ی تو اس کے دوست نے تنظیم کے دوسرے افراد سے رابطہ کیا۔“

”موجودہ چلنے والے حالات کا پتہ چلا تو اسکے دوست کو پتہ چل گیا کہ منصور کہاں گیا ہے۔ اس نے سب کو بتایا اور منصور کے پیچھے چل نکلا لیکن اس کی دلہن کو بھی تنظیم کے معاملات کا پتہ تھا۔ وہ بھی نہ رہ سکی اور نوجوان کے ساتھ وہ بھی موقع پر پہنچ گ ئی ی۔ اسکے بعد کے حالات آپ سب سن چکے ہوں گے۔“ بابا نے یہاں پہنچ کر توقف کیا اور پھر کہنے لگے۔

”یاد رکھیے یہ اسلام ہم تک لہو کے دریا میں تیرتا ہوا پہنچا ہے۔ جس کی آج ہمیں قدر نہیں, کتنے ہی خاندان اجڑے اس دین اسلام کی خاطر لیکن وہ دنیا کی نظر میں اجڑے۔ حقیقت میں وہ بسے ہوئے ہیں۔“ بابا کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔

”یہ دکھ کے جو آنسو ہیں۔ وہ محبت میں نکلتے ہیں لیکن آپ لوگ یہ سوچیے کہ یہ قربانیاں کس مقصد کے لیے دی جا رہی ہیں اور دی گ ئی یں ہیں۔ کچھ لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ آپ کیوں اپنی زندگیاں برباد کر رہیں۔ آپ بھی دوسروں جیسی زندگیاں گزاریں سکون سے لیکن میرا یہ ماننا ہے کہ دین اسلام اللہ کا ہے اور اللہ چنتا ہے چند لوگوں کو اور ہمیں ان چند لوگوں میں ہیں۔ جن سے اللہ اپنے دین کا کام لے رہا ہے۔ اگر ہم اس سے منہ موڑلیں گے تو اس سے دین اسلام کو کوئ ی فرق نہیں پڑے گا۔ اللہ ہماری جگہ اور لوگوں کو چن لے گا۔ اس لیے ہم پر شکر ادا کرنا واجب ہے کہ اللہ نے ہمیں اس کام کے لیے چنا۔“ بابا تھوڑی دیر کے لیے رکے اور پھر کہنے لگے۔

”موت, موت بظاہر خوفناک لگتی ہے مگر اللہ فرماتے ہیں یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ موت ایمان والوں کے لیے ایک تحفہ ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے صحابہ کرامؓ شہید ہوتے وقت کہتے تھے۔ اللہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا۔ کوئ ی کہتا مجھے احد کے پہاڑوں سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ وہ شہادت کے لیے دعائ یں کرتے تھے۔ ایمان والے عزت سے جیتے ہیں اور عزت سے ہی مرتے ہیں۔ جیسے حضرت حسینؓ عزت سے جیے اور عزت سے ہی شہادت کا جام پیا۔ ایسے لوگوں کو موت سے ڈر نہیں لگتا بلکہ وہ کافروں کو یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ جتنا تم شراب کو محبوب رکھتے ہو اس سے زیادہ ہم موت کو محبوب رکھتے ہیں۔“

”جب مرنا ہی ہے اور کوئ ی پتہ نہیں کب وقت آ جائ ے تو کیوں نہ بندہ عزت اور

جوانمردی والی موت کو قبول کر۔ وقت اجل، اجل بھی احترام کرنے پر مجبور ہو جائے یہی وجہ ہے ہماری تنظیم کا نام بھی یہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس تنظیم کا ہر فرد موت کی آنکھیں میں آنکھیں ڈال کر زندگی گزارتا ہے۔اور یہی زندگی اصل زندگی ہے۔یہی زندگی شیر کی ایک دن کی زندگی ہے۔" بابا یہاں پہنچ کر خاموش ہو گئے۔

"آپ جب آئے، روئے پھر مسکرائے اور پھر منہ پھیر لیا تھا اور دعا میں حضرت سعد اسودؓ نامی صحابی کا ذکر بھی کیا تھا۔ آپ کے ہر کام کے پیچھے کوئی وجہ ہوتی ہے۔تو اس کی بھی وجہ بتا دیں۔" منصور کے نوجوان دوست نے بھرائی آواز میں کہا۔

"مجھے انتظار تھا کہ کوئی یہ سوال کرے۔" بابا نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"ایک صحابی تھے جن کا نام حضرت سعد تھا۔ حضرت سعد الاسودؓ کا اصل نام تو سعد تھا لیکن ان کی غیر معمولی سیاہ رنگت کی وجہ سے لوگ ان کو "سعد الاسود" یا "اسود" کہا کرتے تھے۔"

حضرت سعد الاسودؓ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نکاح کرنا چاہتا ہوں لیکن کوئی شخص میری بدصورتی کے سبب مجھے رشتہ دینے پر راضی نہیں ہوتا۔ میں نے بہت سے لوگوں کو پیام دیے لیکن سب نے رد کر دیے۔ ان میں سے کچھ یہاں موجود ہیں اور کچھ غیر حاضر ہیں۔" رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اس سیاہ فام شخص کو اللہ تعالیٰ نے نورانی جبلت عطا کی ہے اور جوشِ ایمان اور اخلاص فی الدین کے اعتبار سے اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔"

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت تھے، بیکسوں اور حاجت مندوں کے ملجا و ماویٰ تھے۔ اپنے ایک جاں نثار کی بیکسانہ درخواست سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحیمی نے گوارا نہ کیا کہ لوگ اس

کو محض اس وجہ سے ٹھکرائیں کہ وہ ظاہری حسن وجمال سے محروم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سعد گھبراو نہیں، میں خود تمہاری شادی کا بندوبست کرتا ہوں۔ تم اسی وقت عمروؓ بن وہب ثقفی کے گھر جاو اور سلام کے بعد ان سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی بیٹی کا رشتہ میرے ساتھ کر دیا ہے۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرت سعد الاسودؓ شاداں وفرحاں حضرت عمروؓ بن وہب کے گھر کی طرف چل دیئے۔“

”حضرت سعد بہت حیران ہوئے کیونکہ جس لڑکی سے نکاح کا پیام لے کر جا رہے تھے وہ حسین و جمیل اور بہت عقلمند لڑکی کے طور پر مشہور تھی۔“

”حضرت عمروؓ بن وہب ثقفی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ابھی ان کے مزاج میں زمانۂ جاہلیت کی درشتی موجود تھی۔ حضرت سعدؓ نے ان کے گھر پہنچ کر انہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے مطلع کیا تو ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ میری ماہ پیکر ذہین وفطین لڑکی کی شادی ایسے کریہہ منظر شخص سے کیسے ہوسکتی ہے! انہیں لگا شاید اس شخص کو غلط فہمی ہوئی ہے انہوں نے سوچے سمجھے بغیر حضرت سعدؓ کا پیام رد کر دیا اور بڑی سختی کے ساتھ انہیں واپس جانے کا کہا۔“

”سعادت مند لڑکی نے حضرت سعدؓ اور اپنے باپ کی گفتگو سن لی تھی، جونہی حضرت سعدؓ واپس جانے کے لیے مڑے وہ لپک کر دروازے پر آئی اور آواز دی: ”اللہ کے بندے واپس آئو، اگر واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں بھیجا ہے تو میں بخوشی تمہارے ساتھ شادی کے لیے تیار ہوں، جس بات سے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہیں۔ میں بھی اس پر راضی ہوں۔“

"اس اثناء میں حضرت سعدؓ آگے بڑھ چکے تھے، معلوم نہیں انہوں نے لڑکی کی بات سنی یا نہیں، بہر صورت بار گاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کر دیا۔ اُدھر ان کے جانے کے بعد نیک بخت لڑکی نے اپنے والد سے کہا:"

"ابا قبل اس کے کہ اللہ آپ کو رسوا کرے آپ اپنی نجات کی کوشش کیجیے۔ آپ نے بڑا غضب کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پروانہ کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ کے ساتھ درشت سلوک کیا۔"

"عمروؓ بن وہب نے لڑکی کی بات سنی تو اپنے انکار پر سخت پشیمان ہوئے اور ڈرتے ہوئے بار گاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا: "تم ہی نے میرے بھیجے ہوئے آدمی کو لوٹایا تھا۔"

"عمروؓ بن وہب نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک میں نے اس آدمی کو لوٹایا تھا لیکن یہ غلطی لاعلمی میں سرزد ہوئی۔ میں اس شخص سے واقف نہ تھا، اس لیے اس کی بات کا اعتبار نہ کیا اور اس کا پیام نامنظور کر دیا، خدا کے لیے مجھے معاف فرما دیجیے۔ مجھے اپنی لڑکی کی شادی اس شخص سے بسر و چشم منظور ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ بن وہب کا عذر قبول فرمایا اور حضرت سعد الاسودؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"سعد میں نے تمہارا عقد چار سو درہم کے عوض بنتِ عمرو بن وہب سے کر دیا۔ حق مہر ادا کر کے اب تم اپنی بیوی کے پاس جاؤ۔" حضرت سعدؓ نے عرض کی۔

"اے اللہ کے رسول میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں"

حضور اکرم محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا۔

"اچھا جاؤ حضرت عثمان غنیؓ کے پاس ان سے کہو حضور نے کہا ہے دو سو درہم دینے کا۔ پھر حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پاس جا کر سو سو درہم ان سے لے لینا۔"

حضرت سعد ان اصحابؓ کے پاس گ ئی ے تو انہوں نے بڑھا چڑھا کر دیا کہ حق مہر سے رقم زیادہ ہو گ ئی ی تو حضرت سعد حضور محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے پاس آئی ے ۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے باقی رقم بھی استعمال کرنے کا کہا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرت سعدؓ کو بے حد مسرت ہوئی، بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اٹھ کر سیدھے بازار گئے اور ارادہ کیا کہ نو بیاہتا بیوی کے لیے کچھ تحائف خریدیں۔ ابھی کوئی چیز نہیں خریدی تھی کہ ان کے کانوں میں ایک منادی کی آواز پڑی جو پکار رہا تھا:

"اے اللہ کے شہسوارو، جہاد کے لیے سوار ہو جائو اور جنت کی بشارت لو۔" سعدؓ نوجوان تھے۔ نئ نئ شادی ہوئی تھی۔ دل میں ہزار امنگیں اور ارمان تھے۔ بارہا مایوس ہونے کے بعد شادی کا مژدہ فردوس گوش ہوا تھا، لیکن منادی کی آواز سن کر تمام جذبات پر جوشِ ایمانی غالب آگیا اور نو عروس کے لیے تحائف خریدنے کا خیال دل سے یکسر کافور ہو گیا، جو رقم اس مقصد کے لیے ساتھ لائے تھے، اس سے گھوڑا، تلوار اور نیزہ خریدا اور سر پر عمامہ باندھ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپ کر کہ کہیں وہ منع نہ کر دیں۔ غزوہ میں جانے والے مجاہدین میں جا کر شامل ہوئے۔"

”اس سے پہلے نہ ان کے پاس گھوڑا تھا، نہ نیزہ و تلوار، اور نہ انہوں نے کبھی عمامہ اس طرح باندھا تھا، اس لیے کسی کو معلوم نہ ہوا کہ یہ سعد الاسودؓ ہیں۔ میدان جہاد میں پہنچ کر سعدؓ بہادری کے مظاہرے دکھائے یہاں تک گھوڑا بدک گیا۔ وہ نیچے اترے اور پیدل لڑنے لگے یہاں تک کی زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے۔“

”حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو ان کا سر اپنی گود میں رکھا اور اپنی کملی سے ان کا چہرہ صاف کیا اور فرمایا۔“

”تو اللہ اور اسکے رسول کو کتنا پیارا ہے, تو کتنا خوبصورت ہے, تو کتنا خوشبودار ہے۔“ پھر آپ رونے لگے پھر مسکرائے اور پھر منہ پھیر لیا۔“

”ساتھ کھڑے ایک صحابی ابولبابہؓ نے پوچھا حضور یہ کیا ماجرا ہے۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جواب دیا۔“

”میں حضرت سعدؓ کی جدائی پر رویا تو اللہ نے مجھے حضرت سعدؓ کا جنت میں مقام دکھا دیا۔ وہ اعلیٰ مقام دیکھ کر میں مسکرا دیا پھر میں نے دیکھا کہ جنت کی حوریں جن سے حضرت سعدؓ کا نکاح کر دیا گیا وہ دوڑتی ہوئی آ رہی ہیں۔ ہر ایک حور کی خواہش تھی کہ وہ پہلے پہنچ کر حضرت سعدؓ کو گلے لگائے تو اس دوڑ کی وجہ سے ان کی پنڈلیوں سے کپڑا ہٹ کر ان کی پنڈلیاں نظر آنے لگیں تو میں نے حیا سے منہ پھیر لیا۔“

(بروایت حضرت انسؓ ابن الاثیر (اسد الغابہ: 1/668)

أخرجه أبو موسى. (2/4188)۔

منصور نے تو حضرت سعدؓ کی سنت زندہ کی۔ میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی سنت زندہ کر دی۔ آپ محمد صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا فرمان ہے اللہ سے گمان اچھا رکھو۔ ہم گناہ گار ہیں۔ ہم نے نے وہ کر دیا جو ہمارے بس میں تھا مگر مجھے امید ہے کہ اللہ نے بھی وہ کر دیا ہو گا جو اللہ کے بس میں ہے۔" بابا نے بہتے آنسوؤں سے کہا۔

"میں طیبہ سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ یہاں آکر کچھ گوش گزار کرے۔" بابا نے یہ کہہ کر مائی ک چھوڑ دیا۔

اسی خون میں ڈوبی چادر میں لپٹی نقاب کیے طیبہ نے لرزتے ہاتھوں سے مائی ک پکڑا اور کہنے لگی۔

"نکاح کے وقت ملاقات میں منصور نے کہا تھا۔ ہم جنت کے راہی ہیں اور شہادت منزل ہے۔ اگر کبھی میں یہ منزل پالوں تو رونا مت کیونکہ منزل پر پہنچنے والوں پر رویا نہیں جاتا۔ انہیں مبارکباد دی جاتی ہے۔ اس لیے میں انہیں۔۔۔۔" الفاظ کا ربط یہاں ٹوٹ گیا مگر حوصلہ مضبوط کر کے طیبہ نے کہا۔

"میں انہیں اپنی منزل پانے پر مبارکباد دیتی ہوں۔ اور دعا کرتی ہوں اللہ ان کی اس شہادت کو قبول فرمائے۔"

"آمین" پورے ہال میں آواز گونجی۔

"صحابیاتؓ اشعار اور جنگی ترانوں سے صحابہؓ کے لہو کو گرماتیں تھیں اور صبر کرتیں تھیں۔ حضرت زینبؓ نے بھی شہادت حسینؓ کے بعد کوفے والوں کو دیکھ کر اپنے جذبات کا اظہار اشعار کی صورت

میں کیا تھا۔ میں بھی ان کی سنت پوری کرنے کی کوشش کروں گی اور ان اشعار کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔"

شہید تم سے یہ کہہ رہے ہیں، لہو ہمارا بھلا نہ دینا۔

قسم ہے تم کو اے سر فروشو لہو ہمارا بھلا نہ دینا۔

ہے دین کا دشمن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ عزتوں کا لٹیرا دشمن۔

لہو میں بھیگے دریدہ آنچل، قسم ہے تم کو بھلا نہ دینا۔

وہ اجڑا گلشن ویران گلستان وہ جلتے باغ اور اداس کلیاں۔

ہماری ماؤں کے بہتے آنسو، قسم ہے تم کو بھلا نہ دینا۔

جنہوں نے گلشن کے پھول مسلے حسین چمن کی کلیاں ہیں روندیں۔

وہ ہاتھ پاؤں ہی کاٹ ڈالوں، یہ فرض اپنا بھلا نہ دینا۔

وضو ہم اپنے لہو سے کر کے خدا کے ہاں سُرخرو ہیں ٹھہرے۔

ہم عہد اپنا نباہ چلے ہیں، تم عہد اپنا بھلا نہ دینا۔

رات کی تاریکی دم توڑ رہی تھی۔ بادِ صبا کی آمد کے ساتھ ہی مختلف پرندوں کی آوازیں ایک پر سکون سا سماں باندھ رہیں تھی۔

ننگے پاؤں گھاس پر چلتے ہوئے عمر کو محسوس ہو رہا تھا جیسے شبنم کی ٹھنڈک پاؤں کے تلوؤں سے داخل ہو کر اس کے ذہن تک پہنچ رہی ہو۔

سینے سے قرآن لگائے باغیچے میں لگے پھولوں کے درمیان اپنے لیے بنائی ی مخصوص جگہ پر وہ بیٹھا اور تعوذ و تسمیہ پڑھ کر قرآن کھولنے لگا۔ اچانک ایک خیال آیا اور اس نے قرآن کو دونوں ہاتھوں میں لے کر دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر اس نے دعا کی۔

"یا اللہ یہ آپکا کلام ہے اور آپکا اس میں فرمان ہے کہ میں اسکے ذریعے بعضوں کو گمراہ کرتا ہوں اور بعضوں کو ہدایت دیتا ہوں۔ پس اے پروردگار اسے میرے لیے ہدایت کا ذریعہ بنا اور اس کے اسرار و رموز میرے اوپر کھول دے۔" مختصر سی دعا کے بعد اس نے تلاوت شروع کر دی۔

وہ ایک آیت پڑھتا۔ اس کا ترجمہ دیکھتا پھر اس پر غور و فکر کرتا۔

ایک آیت پڑھی تو اس کا ترجمہ دیکھ کر وہ چونک گیا اور یہ آیت اور اسکا ترجمہ اسکے ذہن سے چپک گیا۔

اس نے آگے پڑھنے کی کوشش کی مگر بار بار یہی آیت اسکے ذہن میں چلنے لگی۔ اس نے بہت کوشش کی آگے سوچنے کی مگر نہ جانے کیوں یہ ایک آیت اس کے ذہن سے اتر ہی نہیں رہی تھی۔

اس نے قرآن بند کیا اور سینے سے لگا کر قریب موتیے کے ایک سفید پھول کو انگلیوں کے ہلکے سے لمس کے ساتھ چھیڑتے ہوئے اس آیت کے بارے میں سوچنے لگا۔

یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخۡبَارَهَا (الزلزال,4)۔

اس دن وہ (زمین) اپنی خبریں بیان کرے گی۔

بھلا خبریں کیسے بیان کی جاتی ہیں اور زمین کیسے خبریں بیان کرے گی؟ عمر نے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

ایک نیوز اینکر بڑے جوش و خروش سے شروع کرتا ہے۔ ایک تازہ ترین خبر آپ تک پہنچا رہے ہیں۔ نیوز اینکر کا چہرہ غائب ہوتا ہے۔ ایک ویڈیو چلنا شروع ہو جاتی ہے۔ جس میں ایک کیمرہ مین ایک لائیو ویڈیو دکھانا شروع کرتا ہے۔ کوئی سین چل رہا ہوتا ہے کچھ لوگ بھی وہاں کھڑے ہوتے ہیں۔

رپورٹر بڑے جوش و خروش سے وہاں موجود لوگوں سے سوال پوچھنا شروع کرتا ہے اور وہ لوگ گواہی دیتے، بیک گراؤنڈ بتاتے نظر آتے ہیں۔

گواہی کے لفظ سے عمر چونکا۔ اس کا مطلب ہے۔ زمین کی خبروں سے مطلب گواہی ہے لیکن یہ گواہی ایک رپورٹر کی طرح اکیلی نہیں دے گی اور گواہ بھی موجود ہوں گے۔

عمر کے ذہن میں ایک اور جھماکہ سا ہوا۔ اسے یاد آیا کہ ہاں ہاتھ پاؤں اور جسم کے حصے بھی نیک اور بد اعمال کی گواہی دیں گے۔ اور کتنے گواہ ہوں گے اس نے سوچا مگر اور کوئی گواہ اسکے ذہن میں نہ آئے۔

اچھا آج کیا سائنس اسے مانے گی کہ زمین بھی گواہی دے سکتی ہے؟ ایک اور خیال نے عمر کے ذہن میں آیا تو وہ بے چین ہو گیا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور تیز تیز چلتے ہوئے اپنے کمرے میں پہنچا۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے لیپ ٹاپ کھولا اور زمین کی گواہی کو سائی نس سے ریلیٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

مگر جیسے جیسے وہ سرچ کرتا جارہا تھا اسکی آنکھیں حیرانی سے پھیلتی جارہیں تھیں۔ کچھ لمحے وہ سکتے کی سی کیفیت میں رہا پھر کرسی سے ٹیک لگائی ی۔ لیپ ٹاپ کی سکرین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"او اللہ او اللہ، اللہ اکبر کبیر اا للہ اکبر کبیر ا"

۔**************۔

حیدر سپاہی کے ساتھ چلتا ہوا تھانے کی طرف جارہا تھا۔ سپاہی بار بار مڑ کر حیدر کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے حیدر کوئی ی عجوبہ ہو۔ آخر سپاہی سے رہا نہ گیا تو اس نے حیدر سے پوچھا۔

"اوئے کی ش ئے ایں توں؟"

حیدر ایک ثانیے کے لیے چلتے چلتے رکا اور پھر سپاہی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"چچا ادھر کان لاؤ میں ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔" سپاہی ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا لیکن پھر حیدر کے قریب آ کر جھک کر کہا۔

" ہاں ہن دس۔"

" چاچا میں ایک جن تھا لیکن بڑا شرارتی تھا۔ اس لیے سزا کے طور پر مجھے ایک بچہ بنا کر یہاں بھیج دیا گیا ہے۔" حیدر نے سنجیدہ ہو کر اتنے رازدرانہ لہجے میں کہا کہ کچھ لمحوں کے لیے تو سپاہی بھی ٹھٹک گیا مگر

حیدر کی زیرلب مسکراہٹ دیکھ کر اسکا پارہ ہائی ہی ہو گیا۔ اس نے بے اختیار تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ گھمایا لیکن مخالف سمت سے حیدر نے جھک کر اپنا ہاتھ بڑھایا اور سپاہی کے ہاتھ پر مار کر ہائی فائی کر دیا۔

"تو تھانے چل بیٹا پھر دیکھ تیرے ساتھ ہوتا کیا ہے۔" سپاہی نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔

دونوں چلتے ہوئے تھانے کی حدود میں داخل ہوئے۔ حیدر نے دیکھا سامنے والی کرسی پر تھانیدار بڑے کروفر سے بیٹھا تھا جبکہ اسکے سامنے پڑی میز کی ایک طرف تین آدمی اور تین لڑکے بیٹھے تھے۔ لڑکوں کے چہروں پر مختلف جگہ پٹیاں چپکی تھیں۔

"او بشیرے لے کر نہیں آیا خان کو۔" تھانیدار نے اونچی آواز میں سپاہی سے پوچھا۔

"سر اس نے بس اس بچے کو بھیج دیا ہے بلکہ یہ بچہ خود آیا ہے اور اپنے ابو کو منع کر دیا اس نے آنے سے۔ کہہ رہا تھا کہ میں خود ہی ہو کر آیا تھانے سے۔" سپاہی بشیر نے طنزیہ انداز سے حیدر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تھانیدار اور وہاں بیٹھے سب افراد حیرت سے حیدر کی طرف دیکھنے لگے۔ حیدر ان سب سے بے نیاز آگے بڑھا اور میز کی دوسری طرف والی کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر تو تھانیدار کو سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کرے مگر چند لمحوں بعد تھانیدار کے چہرے پر طیش اور غصہ کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

"اٹھ اوپر ادھر کھڑا ہو۔" ایس ایچ او دھاڑتے ہوئے حیدر سے کہنے لگا۔

"میں ملزم ہوں مجرم نہیں۔ اس لیے جب تک جرم ثابت نہیں ہوتا تب تک میرے بھی وہی حقوق ہیں جو ان کے ہیں۔" حیدر نے میز کی دوسری جانب بیٹھے لوگوں کی طرف اور ان کے سامنے پڑے لوازمات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"چچا باہر ریڑھی والے سے ایک گنے کا جوس تو لیتے آئیں۔" حیدر نے تھوڑی دیر کھڑے ایک سپاہی سے کہا۔ وہ بے یقینی سے حیدر کی طرف دیکھنے لگا غالباً سوچ رہا ہوگا لوگ یہاں آکر ہماری خوشامدیں اور خدمتیں کرتے ہیں اور یہ بچہ ہم سے اپنی خدمت کو کہہ رہا ہے۔

"تجھے تو میں پلاتا ہوں جوس۔" تھانیدار بھڑک کر اٹھا اور حیدر کی طرف بڑھا۔

تھانیدار نے جونہی ہی قریب آکر تھپڑ مارا۔ حیدر بجلی کی تیزی سے بیک فلپ لگا کر کرسی کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ تھانیدار کا مارا گیا تھپڑ کرسی کی پشت پر پڑا اور کرسی الٹ کر زمین پر جا گری۔

"اچھا اچھا!! ٹھیک ہے نہ پلاؤ۔" حیدر نے اتنے اطمینان سے کہا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہوا۔

تھانے میں موجود سب افراد ایسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تھانیدار اور حیدر کو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

"او بشیرے, او اسلم پکڑو اس کتے کے پلے کو, بند کرو اس کو حوالات میں۔ او منشی تو درج کر ایف آئی آر اس کی تیزی تو میں نکالوں گا اپنے ہاتھوں سے۔" تھانیدار خفت اور غصے سے دھاڑتے ہوئے بولا۔

"ایک منٹ,ایک منٹ میرے لیے آپ کے پاس سرپرائز ہے ایس ایچ او صاحب۔" حیدر نے اپنے موبائل پر چھیڑ چھاڑ کر کے موبائل کی سکرین تھانیدار کے آگے کر دی۔

"تیری سرپرائز کی تو ایسی کی۔۔۔۔" مگر موبائل کی سکرین پر نظر پڑتے ہی تھانیدار کی زبان ایسے بند ہوگئی جیسے چابی والے کھلونے کی چابی ختم ہو گئی ہو۔

تھانیدار کی آنکھیں پہلے تو بے یقینی سے پھیلیں اور پھر اس نے جھپٹ کر موبائل حیدر سے چھینا۔ آس پاس گبھرا کر دیکھنے لگا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ پھر موبائل سکرین کی طرف دیکھنے لگا۔اس کے چہرے کے رنگ بدلنے لگے تھے۔

تھانیدار نے تیزی سے موبائل پر اپنی انگلیاں چلانے لگا تو حیدر بول اٹھا۔

"کوئی فائدہ نہیں میں نے ٹائمنگ لگائی ہوئی ہے اور ٹھیک اکیس منٹ بعد یہ اپلوڈ ہو جائے گی سوشل میڈیا پر۔"

پھر حیدر نے کرسی اٹھا کر سیدھی کی اور آرام سے اس پر بیٹھ گیا۔دو سپاہی جو حیدر کو حوالات میں ڈالنے آئے تھے۔ ان میں سے بشیرے کو کہنے لگا۔

"چچا بشیر ایک گنے کا جوس تو لے آؤ۔" دونوں سپاہی گڑبڑا کر کبھی تھانیدار کو دیکھنے لگے تو کبھی حیدر کو۔

"جاؤ لے آؤ۔" تھانیدار نے مدہم سی آواز میں کہا۔

"یہ ہو کیا رہا ہے؟ ایک بچہ آتا ہے اور پورے تھانے کو تماشا بناتا ہے پھر اسی کی خاطر مدارت ہونے لگتی ہے۔ لگتا ہے اب تھانیدار ایک بچے سے بلیک میل ہو رہے ہیں۔" اب تک خاموش تماشائی بنے رہنے والوں میں سے کمال کے والد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ کے لیے بھی ایک سرپرائز ہے۔" حیدر نے کہا تو کمال کے ابو نے چونک کر حیدر کی طرف دیکھا۔

حیدر اٹھا اور تھانیدار کے ہاتھوں سے چھیننے کے انداز میں موبائل پکڑا اور اس پر کچھ کرنے لگا۔

"آپ ادھر آکر دیکھ لیجیے۔ آخر کچھ راز اپنوں سے بھی چھپانے پڑ جاتے ہیں۔" حیدر نے کہا تو کمال کے ابو کشمکش کے عالم میں سوچنے لگے پھر اٹھ کر حیدر کے پاس آگئے۔ حیدر نے موبائل سکرین آگے کر دی۔

پہلے پہل تو ان کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی لیکن جیسے جیسے وہ آگے دیکھتے گئے ان کے چہرے کے تاثرات بدلتے گئے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے خاموشی سے موبائل حیدر کو پکڑایا اور جھکے کندھوں کے ساتھ کمال کی طرف بڑھے۔

کمال کے قریب پہنچ کر انکا ہاتھ گھوما اور پوری قوت سے کمال کے منہ پر تھپڑ کی صورت جا لگا۔
نہ صرف کمال بلکہ باقی سب بھی ہکا بکا ہو کر کمال کے والد کی طرف دیکھنے لگے۔

"معذرت سر ہم اپنی درخواست واپس لیتے ہیں۔ ہمیں کوئی ایف آئی آر نہیں کٹوانی۔ چل تجھے تو میں گھر چل کر پوچھتا ہوں۔" کمال کے والد نے کمال پر بڑھکتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کیا کر۔۔۔" ساتھ آئی ے دانش کے ابو سے نہ رہا گیا تو وہ بول پڑے لیکن ان کی بات کاٹ کر کمال کے ابو بولے۔

"آپ کو میں گھر جا کر سب کچھ بتا دوں گا فی الحال یہاں سے چلیں۔" یہ کہہ کر کمال کے ابو باہر کی طرف چل پڑے۔ انکے ساتھ آئی ے باقی لوگ بھی نہ سمجھتے ہوئی ے الجھتے ہوئی ے ان کے پیچھے چل پڑے۔

اندر گنے کا جوس لاتا بشیر حیرت سے ان کو جاتا دیکھنے لگا۔

"کیا انہوں نے ڈاکٹ بنوا کر رزلٹ لے لیا تھا۔ تبھی ایف آئی ی آر درج ہو سکتی تھی۔" حیدر نے جوس کے سپ لیتے ہوئی ے تھانیدار سے پوچھا تو تھانیدار حیرانی سے حیدر کی طرف دیکھنے لگا۔

"پہلے وہ ویڈیو کی اپلوڈنگ کینسل کرو۔" تھانیدار نے پہلو بدلتے ہوئی ے کہا۔ حیدر نے فون پر انگلیاں چلاتے ہوئی ے کہا۔

" ہو گ ئی ی کینسل لیکن جس دن مجھے کچھ ہوا۔ اس دن اپلوڈ ہو جائی ے گی۔ اب میرے سوال کا جواب دو۔"

"ہاں ڈاکٹ بنوا کر لے گ ئی ے تھے یہاں سے اور پھر ڈاکٹر سے رزلٹ لے کر آئی ے تھے۔" تھانیدار نے ہونٹ بھینچتے ہوئی ے کہا۔

"کیا تم قانون پڑھ رہے ہو؟" تھانیدار نے بغور حیدر کو دیکھتے ہوئی ے پوچھا۔

"نہیں! میں قانون بنا رہا ہوں۔" حیدر نے کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے کہا۔

جب حیدر باہر نکل رہا تھا تو اس نے بشیرا اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ یہ بچہ راستے میں بتا رہا تھا کہ یہ جن ہے۔ اسے سزا کے طور پر بچہ بنا دیا گیا ہے۔

پتہ نہیں آگے سے اس کے ساتھی نے کیا کہا حیدر مسکراتا ہوا دروازہ پار کر کے باہر آ چکا تھا۔

۔******************۔

عمر ڈی سی او صاحب کے گھر مدعو تھا۔ وہ عشاء کی نماز پڑھ کر ڈی سی او طارق صاحب کے گھر باہر پہنچ گیا۔

بیل بجانے پر گیٹ کی کھڑکی سے ایک پولیس کی وردی ملبوس گارڈ نے باہر جھانکا اور سوالیہ انداز میں عمر کی طرف دیکھا۔ عمر اسکے بولنے سے پہلے بول اٹھا۔

"میرا نام عمر ہے۔ مجھے یہاں آنے کی دعوت دی گئی تھی۔" گارڈ نے کچھ بولے بغیر گیٹ کھول دیا اور عمر کی رہنمائی کرتے ہوئے اسے ڈرائنگ روم میں چھوڑ گیا۔

ڈرائنگ روم میں طارق صاحب کسی سے فون پر بات کر رہے تھے عمر کو دیکھ کر بولے۔

"اچھا میں بعد میں بات کرتا ہوں۔"

"آؤ آؤ بیٹا بیٹھو۔" انہوں نے اٹھ کر عمر کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" عمر نے کہا تو طارق صاحب نے جھینپ کر کہا۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" عمر بیٹھا ہی تھا کہ ایک ملازم جوس کا گلاس لے کر اندر آ گیا۔

عمر نے بسم اللہ پڑھ کر جوس کا گلاس پکڑا اور ہلکے ہلکے سپ لینے لگا۔

"اور سناؤ کیسی چل رہی یونی تمہاری, لاسٹ سمسٹر ہیں نا تمہارا۔" طارق صاحب نے شگفتگی سے پوچھا۔

"جی لاسٹ سمسٹر ہے اور الحمد للہ سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے۔" وہ یہاں آنے سے کترا رہا تھا مگر ایک بات سوچ کر اس نے ہامی بھری تھی کہ کھانے کی دعوت قبول کرنا بھی سنت ہے۔

ڈرائی نگ روم کا دروازہ کھلا اور ایک نفیس سی خاتون اندر داخل ہوئی ی۔

"یہ میری بیگم ہیں۔ ریحانہ۔"

"کیا حال بیٹا۔ طارق تمہاری بہت تعریف کر رہے تھے۔" ریحانہ بیگم نے عمر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ے کہا۔

"جی الحمد للہ بس اللہ کا کرم ہے۔" عمر نے نظر جھکا کر ادب سے جواب دیا۔

"کھانا لگا ہوا ہے۔ آؤ پہلے کھانا کھا لیں۔" ریحانہ نے عمر سے کہا۔

کچھ ہی دیر میں وہ ڈائی ننگ ٹیبل پر موجود تھے۔

ڈائی ننگ ٹیبل پر بیٹھے تو ایک انیس سالہ نوجوان جس کے ساتھ جینز کی پینٹ اور لانگ شرٹ میں ملبوس گلے میں دوپٹہ ڈالے سترہ سالہ لڑکی تھی۔ دونوں نے آ کر اپنی اپنی

کرسیاں سنبھالیں اور عمر کی طرف دیکھ کر ہیلو کہا۔ رسماً حال چال پوچھا۔ عمر نے لڑکی کی طرف نہ دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ میرا بیٹا ہے۔ دانیال اور یہ میری بیٹی ایمان ہے۔" طارق صاحب نے تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"عالیان بیٹا جلدی آؤ گیم بعد میں کھیل لینا۔" ریحانہ بیگم نے اونچی آواز میں اپنے تیسرے بیٹے کو پکارا۔

منہ بسورتا گلے میں ہیڈفونز ڈالے ہاتھ میں ٹیب پکڑے ایک چودہ سالہ بچہ ڈائی ننگ ٹیبل پر بیٹھا اور عمر کی طرف دیکھ کر اس نے کہا۔

"Most welcome to our home"

عمر نے جواباً شکریہ کہا۔

"چلیں شروع کریں۔" طارق صاحب نے کہا عمر نے قدرے بلند آواز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانے شروع کرنے سے پہلے کی دعا پڑھی۔

مقصد اسکا یہ تھا باقی سب بھی اگر نہ پڑھی ہو تو پڑھ لیں۔

"یہ دعا پڑھنے کا کیا فائی دہ ہوتا ہے؟" چودہ سالہ عالیان نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"بیٹا اس سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔" طارق نے جواب دیا۔

"اور یہ برکت کیسے ہوتی ہے اور کیا ہوتی ہے؟" ایمان نے پوچھا۔

طارق: ”بیٹا یہ سنت ہے۔ ثواب ملتا ہے۔“

دانیال: ”ویسے پاپا کھانے تو ویسا کا ویسا ہی ہے۔ نا دعا پڑھنے سے اس پر تو کوئی ی اثر نہیں ہو تا نا۔“

عمر آہستہ سے: ”اثر ہو تا ہے۔“ سب نے چونک کر عمر کی طرف دیکھا۔

عالیان حیرت سے: ”تمہارا مطلب ہے دعا پڑھنے سے کھانے پر اثر پڑتا ہے؟ اس میں تبدیلی آتی ہے؟“

عمر: ”نہ صرف کھانے پر اثر ہو تا ہے بلکہ ہر چیز پر اثر ہو تا۔ اس پلیٹ پر' اس میز پر' اس زمین پر موجود ہر چیز پر۔“ ایک لمحے کے لیے سب کھانا چھوڑ کر عمر کو دیکھنے لگے۔

عالیان: ”

Can you explain“

ریحانہ: ”او پلیز سب کھانا کھالو بعد میں یہ سب بحث کرتے رہنا۔“

سب نے مل کر کھانا کھالیا تو عالیان جو کب سے انتظار کر رہا تھا فوراً بول پڑا۔

”اب بتائیں کیسے اثر پڑتا ہے۔“

عمر: ”جو بھی الفاظ ہم بولتے ہیں وہ ضائع نہیں ہوتے بلکہ اس کا ہر چیز پر اثر پڑتا ہے۔ ایک جاپانی سائنس دان تھا جس کا نام تھا

Dr. Masaru Emoto

اس نے ایک کتاب لکھی۔

The hidden message in water۔

اس کتاب میں انہوں نے پانی کو اپنی لیبارٹری میں برف کے ذرات یعنی کرسٹلز کی شکل میں جمانے کا کام شروع کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ڈسٹلڈ واٹر، نلکے کے پانی اور دریا اور جھیل کے پانیوں کے نمونے لیے اور انھیں برف کے ذرات یعنی "Crystals کی شکل میں جمایا۔

"اس تجربے سے اسے معلوم ہوا کہ پانی، اگر بالکل خالص ہو تو اس کے کرسٹل بہت خوبصورت بنتے ہیں لیکن اگر خالص نہ ہو تو کرسٹل سرے سے بنتے ہی نہیں یا بہت بد شکل بنتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ ڈسٹلڈ واٹر سے خوبصورت کرسٹل بنے، صاف پانی والی جھیل کے پانی سے بھی کرسٹل بنے لیکن نلکے کے پانی سے کرسٹل بالکل ہی نہیں بنے کیوں کہ اس میں کلورین اور دوسرے جراثیم کش اجزا شامل تھے۔"

"اس نے ایک اور تجربہ کیا اور پانی کے مختلف نمونے لیے' چند ہفتوں تک ہر نمونے کو الگ الگ رکھ کر وہ ہر نمونے کے آگے کھڑا ہو کر مختلف الفاظ بولتا۔ کسی نمونے کے سامنے کھڑا ہو کر تھینک یو کہتا۔ کسی کے آگے کھڑا ہو کر گالیاں نکالتا اور برا بھلا کہتا۔ اپنے لیبارٹری میں موجود لوگوں کو بھی اس نے ایسا ہی کرنے کے لیے کہا۔ پھر جو نتیجہ نکلا وہ حیران کن تھا۔ یہ عمل 25 دن جاری رہا۔ 25ویں دن دونوں بوتلوں کے پانیوں کو برف بنانے کے عمل سے گزارا گیا۔"

”نتائج حیران کن تھے۔ ڈسٹلڈ واٹر سے (جو خالص پانی تھا اور اس سے پہلے اسی پانی سے بہت خوبصورت کرسٹل بنے تھے) کرسٹل تو بن گئے لیکن انتہائی بد شکل۔ ڈاکٹر اموٹو کے کہنے کے مطابق یہ کرسٹل اس پانی کے کرسٹل سے ملتے جلتے تھے جن پر ایک مرتبہ انھوں نے“

SATAN

”یعنی شیطان لکھ کر رکھ دیا تھا۔“

”نلکے والا پانی جس سے پہلے کرسٹل نہیں بنے تھے، اس مرتبہ اس پر ”تھینک یو“ لکھا ہوا تھا اور کئی لوگ 25 دن تک اس پانی کو دیکھ کر ”تھینک یو“ کہتے رہے تھے، اس پانی سے بہترین اور خوب صورت کرسٹل بن گئے تھے۔“

”اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ پانی باتوں کا بھی اثر لیتا ہے اور ویسی ہی ماہیت اپنا لیتا ہے. اچھی باتوں سے اچھی ماہیت اور بری باتوں سے بری۔“
سب حیرت سے سانس روکے عمر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

عالیان نے جلدی سے ٹیب پر انگلیاں چلائی یں اور پھر چلایا۔

”ہاں واقعی یہ کتاب موجود ہے گوگل پر اور 2004 میں یہ نیویارک کی بیسٹ سیلر بک تھی۔ بہت زیادہ خریدی گ ئی ی تھی۔“

عمر: ”جب ہم پانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہیں تو اس میں اس طرح برکت پیدا ہوتی ہے۔“

”کھانے پینے کی چیزوں پر سورت فاتحہ یا کوئی بھی کلام پاک پڑھتے ہیں تو پانی کی ماہیت اس طرح تبدیل ہو کر پینے والے شفا دیتی ہے۔“

”جب ہم روٹی کے ہر لقمے پر اللہ کا نام یا دعا پڑھ کر کھاتے ہیں تو وہ اس طرح ہمارے اندر نور پیدا کرتا ہے.“

”لیکن یہاں ایک اور تجزیہ بھی سامنے آتا ہے کہ ہم کھانے پینے کی اشیاء سامنے رکھ کر جو جو بولتے ہیں اور جو جو سوچتے ہیں۔ ہمارے کھانے اس کا بھی اثر لیتے ہیں. منفی سوچ اور منفی باتوں کا برا اثر اور اچھی باتوں کا اچھا اثر۔“

”کھانے کے دوران لوگوں کی غیبت کریں گے تو کھانا برا اثر لے کر ہمارے پیٹ میں جائے گا۔ اگر ٹی وی ڈرامے یا فلمیں دیکھتے ہوئے کھانا کھائیں گے تو وہ کھانا ہمارے پیٹ میں جا کر بھی ویسا ہی اثر دکھائے گا۔ اسی لیے ہمارے نبی نے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر ہر کام شروع کرو۔ کھانا خاموشی سے کھاؤ۔“

ایمان: ”امیزنگ“

ریحانہ: ”بیٹا اس کا مطلب ہے ہم جو بھی بولتے ہیں بے جان چیزوں پر بھی اسکا اثر ہوتا ہے۔“

عمر: ”جی بالکل، یہی وجہ ہم جب کسی ایسی جگہ جائیں جہاں عبادت ہوتی ہو یا نیک کام ہوتا ہو وہاں جا کر بیٹھ کر ایک عجیب سا سکون ملتا ہے کیونکہ وہاں موجود چیزوں نے اچھا اثر لیا ہوتا ہے۔“

دانیال (متاثر ہو کر): " چلو مان لیا کہ کھانے پر اثر ہوتا ہے۔ اسکی آپ نے ایک سائی نسی ثبوت بھی پیش کیا ہے۔ بے شک اس کے حق میں بھی اور اس کی مخالفت میں بھی بحث ہوتی رہی ہے مگر کیا بے جان چیزوں پر اثر کے حوالے سے بھی سائی نسی ثبوت ہیں؟"

عمر: "جی بالکل ہیں۔"

سب تجسس سے عمر کی طرف بغور دیکھنے لگے۔ عالیان نے گلے سے ہیڈ فونز اتار کر سائی یڈ پر رکھ دیے۔

عمر: "جس نے نائی ن اور ٹین کلاس سائی نس کے سبجیکٹس کے ساتھ پڑھی ہو گی۔ اس نے

law of conservatio of energy

ضرور پڑھا ہو گا۔"

"ہاں پڑھا ہے۔" سب نے بیک وقت کہا یہاں تک کہ طارق صاحب اور ان کی بیگم نے بھی۔ تینوں بچوں نے اپنے امی ابو کو دیکھا اور ہنس پڑے۔

عمر: "اس لاء کی کیا تعریف ہے؟"

ایمان: "

energy can neither be created nor destroyed – only converted from one form of energy to another"

عمر: ”سادہ الفاظ میں یہ بات کچھ اس طرح ہے کہ اس لاء کے مطابق انرجی کو نہ تو آپ پیدا کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کو ختم کر سکتے ہیں۔ یہ بس ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جیسے مثلاً آپ ایک کاغذ جلاتے ہیں تو اس کاغذ کی جو انرجی ہے وہ ختم نہیں ہوتی۔ بس اپنی شکل تبدیل کر لیتی ہے۔ اس کی گرمی آبی بخارات جذب کر لیتے ہیں۔ کاربن ڈائی ی آکسائیڈ ہوا میں چلی جاتی اور باقی میٹیریلز اور کاربن راکھ کی صورت میں باقی رہ جاتی۔ مطلب ساری انرجی کی شکل تبدیل ہو گ ئی ی مگر انرجی کو آپ ختم نہیں کر سکے۔ اب کوئی ی بتائے گا کہ آواز کی کیا تعریف ہے؟“

دانیال: ”سادہ الفاظ میں یہ کہ

sound is a form of energy۔

عمر: جی بالکل۔ جب یہ بات کہی جاتی ہے سب سائی نسدان اس پر متفق ہیں تو آواز بھی انرجی ہی ہے۔ جسے ارد گرد کی چیزیں اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہیں آواز ختم نہیں ہوتی۔ بس اس کی فارم تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ ارد گرد کی چیزوں میں جذب ہو جاتی ہے۔ اب یہ دونوں باتیں سائی نس میں لاء کا درجہ رکھتی ہیں اور سائی نس میں کوئی ی تھیوری یا ہائی پوتھیس لاء تب بنتا ہے جب بار بار اس پر تجربات کر کے اس کو درست پایا جائی ے۔“

”اور کوئی ی بھی سائی نس دان اس کے خلاف نہ جا سکے۔ اس کو غلط ثابت نہ کر سکے تو وہ چیز سائی نس میں لاء بن جاتی ہیں۔ اب اگر انرجی لاء درست ہے تو پھر یہ بھی درست ہے کہ آواز کبھی گم نہیں ہوتی۔ کبھی ختم نہیں ہوتی۔ بس اپنی شکل تبدیل کر لیتی ہے۔“

سب حیرت اور انکشافات کے سمندر میں ڈوب چکے تھے۔

طارق: ”بیٹا یہ دونوں لاء کے درمیان تم نے کمپیریژن کیا ہے اور ان دونوں کو ریلیٹ کیا ہے یہ کس سائی نس دان نے کیا ہے؟“

عمر: ” میں نے تو ابھی تک ایسا کوئی ی سائی نس دان نہیں دیکھا جس نے ان دونوں کو ایسے جوڑا ہو۔“

طارق: ”پھر تمہیں کیسے پتہ چلا یہ؟“

عمر (مسکراتے ہوئی ے): ”بس ایک آیت کو سمجھنے کو کوشش کی تو یہ سب کچھ جڑتا چلا گیا۔“

طارق: ”ہمیں بھی تھوڑا سمجھاؤ۔“

عمر: ” قرآن کریم میں ایک آیت ہے۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (4الزلزال)

”ترجمہ: اس دن وہ (زمین) اپنی خبریں بیان کرے گی۔“

”یہ زمین ہماری آوازیں جذب کر رہی ہے اور قیامت کے دن گواہی دے گی۔ اس سوچ سے میں نے اپنی تحقیق شروع کی تو ایک ن ئی ے جہان کے ن ئی ے ن ئی ے در کھلتے گ ئی ے۔ صرف زمین ہی نہیں ہمارے پورا جسم بھی یہ جذب کر رہا ہے۔ آس پاس کی چیزیں بھی نوٹ کر رہی ہیں۔ یہ سب قیامت والے دن اچھے اور برے کاموں کی گواہ بنیں گیں۔“

سارے یہ باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے۔ انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا ایک چھوٹی سی آیت کا مطلب اتنا وسیع بھی ہو سکتا ہے۔

دانیال (ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے): "اس کا مطلب یہ ہے کہ سائی نس اور قرآن دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔"

عمر: "نہیں قرآن بہت آگے ہے اور سائی نس بہت پیچھے۔"

ایمان: "وہ کیسے؟"

عمر: "سائی نس کی آواز کے متعلق تو تھیوریز ہیں۔ لیکن اس بات کی ایک وجہ جو میرے ذہن میں آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ گواہی تب دی جاتی جب کچھ سنا ہو۔ دیکھا ہو۔ بہت سے گناہ ایسے ہیں جو بنا آواز کے بھی ہوتے ہیں مثلاً کسی کو کچھ بولے بغیر رشوت دے دینا۔ چوری کرنا وغیرہ وغیرہ۔"

"تو میرا خیال ہے کہ ہمارے ارد گرد کی ساری چیزیں سن کر بھی جذب کر رہی ہیں اور دیکھ بھی رہی ہیں۔ اسی لیے تو وہ بنا آواز کے گناہ یا نیکی کی گواہ بنیں گے۔ سادہ لفظوں میں ہر چیز ہماری ویڈیو بنا رہی ہے آواز کے ساتھ۔"

"سائی نس اس بارے میں خاموش ہے۔ سائی نس تو پانچ سو سال پہلے بھی خاموش تھی۔ جب آواز کے متعلق تھیوریز کا علم ہی نہیں تھا۔ آج تو اسی آواز کو بیماریوں کے علاج کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے جسے sound healing

کہا جاتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے فیوچر میں یہ انکشافات بھی ہو جائیں کہ ہمارے ہر پل کا عکس چیزوں پر پڑتا ہے مگر قرآن تو کہہ رہا ہے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال سے۔ سب کچھ بتا رہا جو نشانیاں بتاتا ہے وہ عقل والے سمجھتے ہیں۔ ویسے تو سائنس آج تک حیران ہے کہ زم زم کے کنویں میں کائی کیوں نہیں لگتی۔ وہاں آبی جانور اور پودے کیوں نہیں پائے جاتے۔ زم زم پانی کا ایک قطرہ جس پانی میں ڈالیں وہ سارا پانی ہی آب زم زم کی خصوصیات کیوں حاصل کر لیتا ہے؟"

عالیان: "پاپا اٹس سو امیزنگ میں قرآن کا مطالعہ اور تحقیق کرنا چاہتا ہوں اور اس فیلڈ کو فیوچر میں اڈاپٹ کرنا چاہتا ہوں۔"

ایمان: "تم اکیلے نہیں میں بھی اب یہی کرنا چاہتی ہوں۔"

دانیال: "تم دونوں کا ساتھ تو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں اور مسٹر عمر تھینک یو سو مچ۔ ہمیں اس طرح قرآن کا علم نہیں تھا۔ آپ نے ایک حیرت انگیز پہلو سے روشناس کروایا ہے۔"

اس رات جب ڈی سی او طارق صاحب عمر کو گیٹ تک چھوڑنے آئے تو اپنا خاص نمبر دے کر کہا۔

"کبھی بھی کوئی بھی مسئلہ ہو اس نمبر سے رابطہ کر لینا۔ مجھے نہیں پتہ تھا تمہارا آنا اتنا فائدہ مند ہو ثابت ہو گا۔ آتے رہنا۔"

عمر خدا حافظ کہہ کر کچھ ہی دور چلا ہو گا کہ موبائ ل پر کال آنے لگی۔ اس نے دیکھا تو بابا کا نمبر تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئ ے کال اٹینڈ کی ۔ بابا نے سلام کر کے حال چال پوچھنے لگے۔

عمر نے آج کی ساری روداد سنا دی تو اسے بابا کی آواز سنائ ی دی۔

"ماشاء اللہ لیکن سب سے اہم اور سب سے بڑے دو گواہوں کو تو بھول ہی گ ئ ے۔" عمر نے یہ سن کر کہا۔

"فرشتے؟" بابا نے ہنس کر کہا۔

"نہیں جب ملو گے تب بتا دوں گا۔" عمر نے حیرت سے سوچنے لگا۔ زمین, جسم, فرشتے ان سے بڑھ کر اور کون سے دو بڑے اور اہم گواہ ہیں؟

خدیجہ نے مسکرا کر عائ زہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

"پتہ ہے جب اللہ قرآن میں فرماتے ہیں کہ میں یہ کرتا ہوں۔ میں وہ کرتا ہوں۔ اسکا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو کہہ رہا ہے کہ یہ کام کرو اس آیت میں تین چیزیں ہیں۔"

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (النحل, ۹۰)

نمبر ایک: عدل و احسان۔

نمبر دو: رشتے داروں سے حسن سلوک۔

نمبر تین: بے حیائی کی ممانعت۔ ان تین چیزوں میں ہر فرد، ہر قوم، ہر ملک کی ترقی کا راز چھپا ہے۔" عائزہ نے نظریں اٹھا کر خدیجہ کو دیکھا۔ یہ بھی عمر جیسی ملتی جلتی باتیں کر رہیں تھیں۔

عائزہ (حیرت سے): "رشتے داروں سے حسن سلوک اور بے حیائی کی ممناعت سے قوم و ملک کی ترقی کا لینا دینا؟"

خدیجہ (مسکراتے ہوئے): "پتہ ہے قرآن کو ایک زندہ معجزہ کیوں کہا جاتا ہے؟ کیونکہ اس کی ایک ایک آیت کو اگر کھولا جائے تو صرف ایک آیت ہی دریا کو نہیں سمندر کو کوزے میں بند کر دیتی ہے۔"

"قرآن کے الفاظ میں ایسا ردھم، ایسا چناؤ ایسی باریکی ایسی فصاحت اور اتنی گہرائی ہے کہ عرب والے بڑے بڑے شاعر پکار اٹھتے تھے یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا اور اسی لیے اللہ نے عرب والوں کو چیلنج کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ اس قرآن جیسی ایک آیت تو بنا کر دکھاؤ لیکن وہ نہ بنا سکے۔ حالانکہ وہ بہت فصیح تھے لیکن قرآن کی ایک آیت جتنی گہرائی والی ایک لائن وہ نہ بنا سکے۔ اس چیلنج کو اللہ نے پانچ بار قرآن میں کیا ہے۔"

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (البقرۃ 23)

اور اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اتارا ہے تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنالاؤ۔ اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلالو۔

"یعنی اللہ نے یہ تک کہا کہ ساری دنیا کے شعرا، دانش ور اکٹھے ہو کر بھی ایسا کچھ نہیں بنا سکتے۔" خدیجہ نے یہاں پہنچ کر ایک گہرا سانس لیا اور پھر کہنے لگی۔

"میں تو خود ایک طالب علم ہوں لیکن قرآن ایک ایسی کتاب ہے۔ جس پر تحقیق ساڑھے چودہ سو سال سے ہوتی آرہی مگر ہر دور میں اسی ایک آیت کا ایک اور نیا مفہوم سامنے آجاتا ہے۔ اب ان تین چیزوں کو دیکھ لو۔"

"پہلے نمبر پر عدل واحسان کو لے لو' ایک خاندان کا سربراہ عدل کرے گا تو بیٹی کو بھی وراثت میں حصہ ملے گا۔ ایک عام انسان عدل کرے گا تو وہ اپنے ہی اولاد پر ہاتھ اٹھا سکے گا اگر اسکی غلطی ہو گی۔ اس سے وہ بچہ بھی عدل سیکھے گا۔ ایک حکومت عدل کرے گی تو ملک میں امن رہے گا۔ جس ملک میں جتنا عدل ہو گا اتنا امن ہو گا۔"

"نمبر دو' احسان کوئی ی رشتہ داری توڑ رہا ہے۔ آپ جوڑ رہے ہو تو یہ احسان ہو گا اور احسان کا بدلہ اللہ دیتا ہے۔"

"یہاں ایک بات سمجھ لو عدل سے زمینی نظام قائ م رہتا ہے لیکن جب کوئی ی احسان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا زمینی نہیں غیبی نظام احسان کرنے والے کے حق میں حرکت میں آجاتا ہے۔"

”دوسرا پوائنٹ رشتے داروں سے حسن سلوک, پورا معاشرہ رشتے داری کی ایک ان دیکھی ڈوری سے بندھا ہوا ہے۔ ہمارے رشتے دار اور قرابت دار آگے انکے رشتے دار اور قرابت والے۔ اس طرح یہ چین چلتی ہے اور پورا ایک معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ جب رشتے داروں سے حسن سلوک ہو گا تو ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جو ترقی کی طرف گامزن ہو گا۔“

”تیسرا پوائنٹ حیا, جب حیا ہو گی چھوٹا بڑے کو عزت دے گا۔ جب حیا ہو گی تو آنکھ جھکے گی اور ہر بچی, لڑکی اور عورت محفوظ رہے گی۔ حیا ہو گی تو ایک جونئیر ایک سینئیر کی بات ماننا اور عزت کرنا سیکھے گا۔“

”یہ تینوں چیزیں ایک ہی چیز کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ کچھ سمجھ آیا۔“

عائزہ: جو بتایا وہ تو سمجھ آگیا لیکن یہ کس چیز کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ اسکا نہیں پتہ۔“

خدیجہ:” یہ اس چیز کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ نواز شریف, عمران خان, آصف زرداری, آمریت کوئی بھی آئے حالات نہیں بدلیں گے۔ تبدیلی نہیں آئے گی۔ جب تک یہ تین چیزیں پیدا نہیں ہوں گی۔ یہ ایک آیت ایک گھرانے کو سنبھالنا اور چلانا سکھا رہی ہے۔ یہی آیت ایک خاندان کو چلانا سیکھا رہی ہے۔ یہی آیت ایک حکومت چلانا سیکھا رہی ہے۔ آیت ایک ہی ہے لیکن اپلائی کہاں کہاں ہو رہی ہے۔ یہ ہے ایک آیت کا کمال۔ ابھی تو نہ جانے اسی ایک آیت کے اور کتنے رموز سامنے کھلیں گے۔“

”یہ آیت ایک حدیث کی طرف بھی اشارہ کرتی نظر آتی ہے۔ حدیث کے مفہوم کے مطابق جیسی عوام ویسے حکمران, جب فرد تبدیل ہو گا تو ایک گھرانہ تبدیل ہو گا۔ گھرانہ بدلے گا تو خاندان بدلے

گا۔خاندان بدلے گا تو معاشرہ بدلے گا۔ معاشرہ جب بدلتا ہے اپنی راہ چنتا ہے تو ایک زندہ قوم وجود میں آتی ہے"۔

عائزہ کافی دیر اس حیرت انگیز جہاں کو سوچتی رہی مگر پھر جب عمر اسکے ذہن میں آیا تو ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"دیکھیے میرا کوئی اور مسئلہ ہے۔ میں کسی سے بے پناہ محبت کرنے لگی ہوں۔ اسے دل سے نکال نہیں پا رہی۔" خدیجہ مسکرائی اور کہنے لگی۔

"لو اس کا حل تو تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہمارے نبی حضرت محمد محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم بتا چکے ہیں کہ ایسی محبتوں کو دل سے کیسے نکالا جاتا ہے۔"

عائزہ (حیران ہوتے ہوئے): "واقعی"۔ خدیجہ افسردہ سی ہو کر کہنے لگی۔

"یہ تو آجکل اسی نوے فیصد نوجوان نسل کا مسئلہ ہے محبت, محبت اور محبت,شیطان نے بھی چکر چلایا ہوا پاک محبت پاکیزہ محبت اسلامی محبت,جی وہ تو مجھے دین اسلام کی تبلیغ کرتا ہے۔وہ تو مجھ سے نماز کا پوچھتی ہے۔اس کی وجہ سے میں نمازی بن گیا ہوں وغیرہ وغیرہ۔نہ جانے کتنے جال بچھا رکھے ہیں شیطان اور نفس کی ہوس نے۔"

رنگ ورس کی ہوس اور بس

مسئلہ دسترس۔۔۔۔۔ اور بس

انسان یہ نہیں سمجھتا کہ

یوں بنیں ہیں رگیں جسم کی
ایک نس ٹس سے مس اور بس

"جب کوئی کچھ کہے تو الٹا چڑھ دوڑتے ہیں۔ ہم نے کبھی ایسی ویسی بات نہیں کی۔ اس نے آج تک چھوا نہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ایسا کہہ کر سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک ہیں۔ کیا یہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے زیادہ ذہین اور ان معاملات کو ان سے بہتر سمجھتے ہیں؟ نعوذ باللہ, جو انسان اللہ کا حکم توڑ کر بات کر رہا ہے۔ چاہے جو بھی کر رہا ہے تو وہ نیک کیسے ہو سکتا ہے۔" عائزہ نے تیزی سے کہا۔

" مگر یہ حق تو اسلام بھی دیتا ہے۔"

"اسلام اتنی اجازت دیتا ہے کہ والدین اور اولاد دونوں کی رضامندی شامل ہو یہ نہیں کہتا آپ سچی محبتوں کے چکر شروع کر دو۔" خدیجہ نے سنجیدگی سے کہا۔

" مگر دل پر کس کو اختیار ہے۔ یہ تو جس پر آجائے تو آ جائے۔" عائزہ گڑبڑا کر بولی۔

"جب بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹر کے پاس جایا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک روحانی بیماری ہے۔ اس لیے کبھی کوئی اس کے علاج کے لیے روحانی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے؟" خدیجہ نے اطمینان سے جواب دیا۔

عائزہ (تجسس سے): "اس بیماری کا علاج کیا ہے؟"

خدیجہ: ”اسکا علاج تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بتا دیا تھا۔ تم صرف سننا چاہتی ہو یا اس کے علاج کا عملی مظاہرہ دیکھنا چاہتی ہو؟“

عائزہ: ”میں دل سے کسی کو نکالنے کا عملی سبق سیکھنا چاہوں گی۔“

خدیجہ: ” اوکے پھر اپنے گھر والوں کو فون کر دو اور آج رات میرے پاس رکو اور ان شاءاللہ دل سے سب کچھ نکل جائے گا۔“

عائزہ موبائل پر نمبر ملا کر اپنی امی سے اجازت لینی لگی اور خدیجہ کی بات بھی کروا دی اپنی امی سے اور دل میں سوچنے لگی۔

ایسا کونسا طریقہ یا بات حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بتائی ہے۔ جس سے دل سے سب کچھ نکل جاتا ہے۔

۔*************۔

طیبہ مائک چھوڑ کر گئی ہی تھی کہ بابا نے مائک سنبھال لیا اور کہنے لگے۔

”منصور کی قربانی ان شاءاللہ رائیگاں نہیں جائے گی۔ جس عمارت میں یہ سب واقعہ ہوا۔ وہاں کیمروں کی ریکارڈنگز مل گئی ہیں۔ جس میں ملک دشمن تنظیم کے سارے اندرونی غداروں کی ہمیں تفصیل ملی ہے۔ جن کے ناپاک وجود سے اس ملک کو پاک کرنے کا مشن آج سے شروع ہو جائے گا۔“ اس سے پہلے بابا کچھ بولتے وہی منصور کا نوجوان دوست کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔

”سر میں یہ مشن اپنے ذمے لینا چاہتا ہوں۔“

”بیٹھ جاؤ۔ میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔“ بابا تھوڑی خفگی سے بولے۔ کچھ لمحے بابا خاموش رہے اور پھر کہنے لگے۔

”اکثر ٹیم ممبران اور بہت سے لوگ مجھ سے ایک سوال کرتے ہیں کہ آپ کو موجودہ دور میں کس زندہ شخصیت کی طرح بننا چاہتے ہیں اور کس کے نقش قدم پر چل رہے ہیں؟ آج میں اس بات کو جواب دینا چاہتا ہوں۔“

خولہ چونک کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ نہ صرف وہ بلکہ وہاں موجود ہر شخص سنسنی محسوس کرنے لگا تھا۔ بابا کا کردار ان کے سامنے تھا مگر بابا کس کردار کو پسند کرتے ہیں۔ یہ بات سب کو تجسس میں ڈال گئی۔ سب پوری طرح متوجہ ہو کر بغور بابا کو دیکھنے لگے۔ بابا نے دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

”آج کے دور میں وہ شخصیت جس سے میں بہت متاثر ہوں۔ وہ شخصیت ہے ملا ابراہیم صدر کی۔“

سارے حیرت سے بابا کو دیکھنے لگے۔ سب کو یہ لگا تھا کہ وہ کسی ایسی شخصیت کا نام لیں گے جنہیں وہ جانتے ہوں گے اور ایسی شخصیت بہت مشہور ہو گی مگر بابا نے جس کا نام لیا اس کو تو کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ غالباً بابا یہ بات سمجھ رہے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس شخصیت کے بارے میں بتانا شروع کیا۔

”سن 1960 کی دہائی کے آخر میں، غالباً 1969 کے آس پاس افغانستان کے جنوبی صوبہ ہلمند کے ضلع سنگین میں الکوزئی قبیلے کے ایک معزز گھرانے میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام خداداد رکھا گیا۔“

” یہ اس نام کا کمال اور اللہ کا کرم تھا کہ اس خداداد کے اندر خداداد صلاحتیں تھیں۔

24 دسمبر 1979 کو جب اس وقت امریکا سے بھی بڑی اور مغرور سپر پاور روس کی افواج نے ملک پر حملہ کیا۔ یہ لڑکا جو دس گیارہ سال کا ہو چکا تھا۔ اپنے والد کے ساتھ مل کر روس کے ساتھ جہاد شروع کر دیا۔ یوں اس لڑکے کا بچپن دھماکوں, گولیوں کی بوچھاڑ اور زخموں کی نشانیاں لیے افغانستان کے پہاڑوں میں اسی بھوک اور فاقے کی حالتوں میں گزرا۔ جس دور سے شروع میں صحابہؓ گزرے تھے۔“

”جب 1992 میں روس کے ٹکڑے ہو گ ئ ے تو اس خداداد نے افغانستان میں ہونے والی خانہ جنگی میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا۔ جس میں مسلمان ہی مسلمان پر ہاتھ اٹھائ ے۔ حالانکہ اگر وہ چاہتا تو ایک بہت بڑے اور طاقتور گروہ کا سردار اور لیڈر بن کر آسائ ش والی زندگی گزار کر سکتا تھا مگر اسکے ضمیر نے یہ گوارا نہ کیا۔ بجائ اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے پاکستان میں پشاور چلا آیا۔“

”اس وقت تک خداداد نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر اپنا نام ابراہیم رکھ لیا تھا۔ جلد ہی، اس کے ساتھی طلباء نے انہیں قدرتی قائدانہ صلاحیتوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئ اسے صدر کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔ ہر معاملے میں دور اندیشی, حکمت, لیڈر کا رول ادا کرنے کی بناء پر یہ صدر کا لقب مستقل اس لڑکے کے ساتھ جڑ گیا اور وہ ابراہیم صدر کے طور پر جانا جانے لگا۔“

”جب طالبان ابھرے انہوں اس خانہ جنگی کا خاتمہ کرنا شروع کیا۔ جو پیار سے سمجھے ان کو پیار سے سمجھایا۔ جو مار سے سمجھے ان کو مار سے سمجھا کر افغانستان میں ایک مکمل اسلامی اور پر امن حکومت قائی م کر دی۔ جس کا آئی ین ہی آئی ین قرآن تھا۔ طالبان کو ابراہیم صدر جیسے لوگوں کی قدر تھی۔ اس لیے انہوں نے انہیں افغانستان آنے کی دعوت دی اور نظم و ضبط میں مدد کرنے کا کہا۔ ابراہیم صدر طالبان کی اس اسلامی حکومت سے مطم ئ ن تھے۔ اس لیے لبیک کہتے ہوئ ے ایک درمیانے درجے کے فیلڈ کمانڈر کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔“

”ملا ابراہیم صدر نے پہلی بار افغانستان میں امریکی فوج کا مقابلہ کابل میں کیا۔ انہیں جنگ کی وحشیانہ حقیقت کا سبق دیا گیا۔ جسے وہ کبھی فراموش نہیں کر سکے۔“

”یہ 2001 کا خزاں تھا اور صدر ایک درمیانی درجے کے طالبان فیلڈ کمانڈر تھے۔ جنہیں کابل کا دفاع منظم کرنے کا کام سونپا گیا تھا۔ چونکہ امریکی فضائی حملوں نے اس شہر پر حملہ کیا۔ اس نے اپنے جنگجوؤں کو تربیتی مشقوں کے ذریعے گراؤنڈ کی کارروائی کو پسپا کرنے کے لئے تیار کیا اور دور اندیشی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ اگر امریکی کیمیائ ی ہتھیاروں سے بھی نشانہ بنائ یں تو ان کا دفاع کمزور نہ ہو۔ اس لیے انہوں نے اپنی ٹیم میں گیس ماسک تک تقسیم کیے۔“

”کابل پر امریکی بمباری ہوئ ی۔ جس میں بے انتہا بم برسائ ے گ ئ ے۔ طالبان پہاڑوں میں جا کر روپوش ہو گ ئ ے مگر ملا ابراہیم صدر نے کابل چھوڑنے سے انکار کر دیا اور محاذ پر ڈٹے رہے۔ مگر فضائ ی بمباری کا موثر جواب نہ سکنے پر اور یہ دیکھنے پر کہ اب

یہاں رہنے سے جانی و مالی نقصان ہو گا۔ ملا ابرہیم صدر نے بجھے دل سے کابل چھوڑ دیا۔ وہ آخری طالبان فیلڈ کمانڈر تھے جنہوں نے سب کے بعد جانے پر بھی محاذ نہیں چھوڑا تھا۔"

"مگر شیر بھی حملہ کرنے سے پہلے پیچھے ہٹتا ہے اور گھات لگاتا ہے۔ اسی بات کو پورا کرنے کی خاطر ملا ابراہیم صدر پیچھے ہٹے اور کابل چھوڑ دیا۔ یہ انکی زندگی کی پہلی شکست تھی۔ جس کا بدلے لینے کے لیے انکا خون پارے کی طرح مچلنے لگا۔"

"اگلے 19 سالوں میں ملا ابراہیم صدر نے گوریلا جنگوں کا آغاز کر دیا۔ ایسی ایسی کاروائیاں کیں کہ امریکی بلبلا اٹھے۔"

"2001 میں جنگ شروع ہونے کے بعد سے اب تک 3500 امریکی فوجی ملا ابراہیم کی قیادت میں جہنم واصل ہو چکے ہیں۔ یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو آن دی ریکارڈ ہیں مگر تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔"

"ان کی کاروائیوں اور جنگی حکمت عملیوں سے دشمن کا اتنا نقصان ہوا کہ وہ طالبان کے سب حلقوں میں بے انتہا مقبول ہو گئے۔ اور انٹرنیسنل میڈیا میں ملا ابراہیم کا نام آنے لگا۔ وہ ملا عمر کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہونے لگے تھے۔

2014 میں ان کو تمام طالبان کا عسکری اور مرکزی کمانڈر بنا دیا گیا۔ اسکے بعد طالبان کی کاروائیوں میں تیزی آنے لگی اور امریکا ہاتھ دھو کر ملا ابراہیم صدر کے پیچھے پڑ گیا۔"

"پوری دنیا کی حمایت لیے امریکا نے ڈرون ٹیکنالوجی, جی پی ایس ٹریکنگ اور سی آئی اے خفیہ ایجنسی اور نہ جانے کیا کیا قدم اٹھائے ملا ابراہیم کو گرفتار یا مارنے کے لیے مگر نیٹو, ساری ٹیکنالوجی ملا ابراہیم صدر کے سامنے ریت کا ڈھیر ثابت ہوئی۔"

”الٹااس کی کاروائیوں سے امریکا کو اندازہ ہو گیا کہ وہ یہ جنگ کبھی نہیں جیت سکتا۔ اس لیے مذاکرات کی طرف آنے پر مجبور ہو گیا اور یہ سلسلہ اور ماہدات تاحال جاری ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ امریکا کے لیے یہ تھا کہ ملا ابراہیم صدر کو ایک اسلامی حکم ماننے نے ان بچائے رکھا اور وہ یہ تھا کہ ملا ابراہیم نے کبھی کوئی تصویر نہیں بنوائی تھی۔ اس لیے امریکا نے اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیے۔“

”ان کاروائیاں نے انٹرنیشنل میڈیا کو یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ امریکا کو افغانستان سے بھگانے کے پیچھے صرف ایک انسان ہے اور وہ ہے ملا ابراہیم صدر۔“

”اور میں اسلام و پاکستان کے دشمنوں کے لیے پاکستان کا ملا ابراہیم صدر بننا چاہتا ہوں۔ میں ان سے صرف ایک بار ملا ہوں اور ان سے مل کر مجھے لگا تھا کہ وہ وہی پہاڑوں میں بسیرا کرنے والے خوددار شاہین ہیں۔ جس کا ذکر علامہ اقبال نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔“

سب خاموشی سے یہ حیرت انگیز باتیں سن رہے تھے۔ جوش سے وہی نوجوان دوبارہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

”سر پلیز یہ مشن مجھے دے دیں۔“ بابا نے اس نوجوان کی طرف دیکھ کر کہا۔

”حیدر بیٹھ جاؤ مجھے تم سے اس مشن سے بھی بڑا کام لینا ہے۔“ خولہ چونک کر شیشے کے پار اس نوجوان حیدر کی طرف دیکھنے لگی۔ جس کے چہرے پہ ایسا عزم تھا کہ جیسے وہ پہاڑوں سے بھی ٹکرانے کے لیے تیار ہے۔

خولہ سوچنے لگی ایسی بھی کیا چیز ہے جو پاکستان کو غداروں سے پاک کرنے کے مشن سے بھی بڑھ کر ہو سکتی ہے۔

\-----------------------

حیدر جب گھر میں داخل ہوا تو اس کے والد خان تھانے جانے کے لیے بس نکلنے ہی والے تھے۔ حیدر کو دیکھ کر انہوں نے ٹھنڈا سانس بھرا اور حیدر کو بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"کیا ہوا تھا وہاں؟"

حیدر: "کچھ نہیں ابو سب ٹھیک ہو گیا۔"

خان: "مگر کیسے؟"

حیدر نے جواباً ساری تفصیل بتائی تو خان اچنبھے سے حیدر کو دیکھنے لگا اور پوچھا۔

"ان ویڈیوز میں کیا تھا؟"

حیدر: "ان کے کالے کرتوتوں کے ثبوت۔"

خان: "تمہیں کہاں سے ملے؟"

حیدر: "میں ماسٹر کے پاس چلا گیا تھا کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ کسی ایسی ہی کاروائی کا سامنا ہو سکتا ہے تو ماسٹر نے تھوڑی میری مدد کر دی۔"

خان: "لیکن ماسٹر کا ان چیزوں سے کیا تعلق؟"

حیدر: "پتہ نہیں مگر اتنا پتہ ہے کہ ماسٹر بہت گہرا انسان ہے۔ وہ کوئی عام نہیں' نہ جانے کن معاملوں میں الجھا ہوا ہے۔"

خان: "کہیں یہ تمہاری ٹریننگ الٹا گلے نہ پڑ جائے۔"

حیدر: ”نہیں وہ جو بھی کر رہے ہوں گے۔ اچھائی کے لیے کر رہوں گے۔ اتنا مجھے یقین ہے۔“

حیدر کی امی اندر آئی اور آتے ہی زور سے حیدر کو گلے لگا کر خود سے بھینچتے ہوئے کہا۔

”بیٹا یہ تو کن چکروں میں پڑ گیا ہے۔ تجھے تو میرا ابھی خیال نہیں آتا کہ تیرے بغیر میں کیسے رہتی ہوں۔“

حیدر: ”امی جی ان چکروں میں اسی لیے تو پڑا ہوں کہ دنیا کے چکروں سے بچ کر نکل سکوں۔ دل تو چاہتا ہے کہ آپ کے پاس رہوں مگر دنیا کو دیکھتا ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے نمٹنے کے لیے تیاری کی ضرورت ہے۔ بس اسی لیے مجبوراً یہ راستہ اختیار کیا ہے۔“ حیدر کی امی نے حیدر کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

”تو کتنی جلدی بڑا ہو گیا ہے۔ اپنی عمر سے بھی بڑی باتیں کرنے لگا ہے۔“

حیدر: ”بس امی دعا کیجیے ماسٹر کا ساتھ یونہی رہے۔“

۔************۔

عمر کو آجکل کو یونیورسٹی میں ایک اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ یونی میں بنی کئی سرکردہ تنظیموں کے ممبران اور لیڈر عمر کو بار بار اپنی اپنی تنظیموں میں شمولیت کی دعوت دے رہے تھے۔ کوئی کسی مذہبی تنظیم اپنی تنظیم میں شمولیت اور فوائد بتا رہا تھا تو کوئی سیاسی تنظیم میں شامل ہو کر ملک و قوم کی خدمت کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔

عمر حسب معمول لائی بریری میں اپنی مخصوص سیٹ پر بیٹھا مطالعہ میں مصروف تھا۔ کرسی کھینچنے کی آواز پر اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو سامنے کرسی پر ایک چھوٹی بچی بیٹھی نظر آئی ی۔ عمر کو کوئی ی زیادہ حیرت نہ ہوئی ی۔ کبھی کبھار سٹاف اور سٹوڈنٹس کے ساتھ بچے بھی نظر آتے رہتے تھے کیونکہ سٹاف کی رہائی ش یونی کے ایک طرف تھی تو یونیورسٹی کے ہاسٹلز یونی کی دوسری طرف۔

یونی کی ایک مشہور سیاسی تنظیم کا لیڈر عمر کو اپنی طرف بڑھتا نظر آیا۔ عمر کو کوفت ہونے لگی۔ غالباً اس تنظیم کے ممبر نے عمر کے انکار کے بارے میں بتایا ہو گا۔ اس لیے اب وہ خود آ رہا ہے۔ عمر نے سوچا۔

"مجھے امید تھی آپ ہمارا ساتھ دیں گے۔" تنظیم کے لیڈر دلاور نے آتے ہی عمر سے کہا۔

"دیکھیں میں نے بتایا تھا کہ میں ان چکروں میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

دلاور: "آپ اتنی اچھی سوچ رکھتے ہیں تو اس پر عمل بھی کیجیے نا۔ آگے آئی یں ہم آپ کو ایسا پلیٹ فارم دے رہے ہیں جہاں آپ کی آواز دور دور تک سنی جائی ے گی۔ آپ ملک و قوم کی خدمت بھی کر سکیں گے۔"

عمر: "جی بے شک ملک و قوم کی خدمت فرض ہے لیکن میں کسی اور انداز میں یہ خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"

دلاور نے ایک اور پینترا پھینکتے ہوئے کہا۔

"تو آپ آئیں ہماری تنظیم کے لیڈر بنیں اور اپنے انداز سے کام کریں بلکہ تنظیم کو بھی اس انداز میں چلائیں۔"

عمر: "بہت شکریہ لیکن میں کسی بھی تنظیم میں شامل نہیں ہونا چاہتا۔ برائے کرم اصرار کر کے شرمندہ مت کریں۔"

"چلو تمہاری مرضی۔" دلاور نے چڑتے ہوئے کہا اور اٹھ کر چلا گیا۔

عمر دوبارہ مطالعہ میں مصروف ہونے لگا کہ اسے بچی کی آواز سنائی دی۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" عمر نے سر اٹھا کر حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں اس بچی کی طرف دیکھا۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

اسے حیرت اس لیے ہوئی کہ اس نے صرف بابا کو پورا سلام کرتے سنا تھا۔ کسی بچے کے منہ سے درکنار اس نے کسی بڑے کی منہ سے بھی پہلے سلام کرتے ہوئے پورا سلام نہیں سنا تھا۔

بچی: "آپ کیوں انکار کر رہے ہیں؟ میں نے دیکھا ہے آپ نے بہت سوں کو انکار کیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

عمر: "کیونکہ مجھے ان کا کام کرنے کا طریقہ نہیں پسند اور زیادہ تر ان میں اپنا فائدہ دیکھتے ہیں۔"

بچی: ”تو آپ دل میں بھی جھانک لیتے ہیں۔ جو آپ کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ سارے مطلبی ہیں۔“

عمر حیرت سے اس بچی کو تکنے لگا جو اپنی باتوں سے اپنی عمر سے زیادہ میچور لگ رہی تھی۔ اتنی سی عمر میں ایسی باتیں۔۔۔۔ عمر نے سر جھٹکتے ہوئے جواب دیا۔

”دل میں جھانکے بغیر بھی لوگوں کے کاموں اور ان کا مشاہدہ کر کے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ لوگے کیسے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔“

بچی: ”اس کا مطلب ہے آپ کا ایمان بہت کمزور ہے۔“ عمر نے دلچسپی سے بچی کی طرف دیکھا۔

”اس بات کا اس چیز سے کیا تعلق؟“

بچی: ”تعلق ہے۔ جس طرح آپ کو مشاہدے سے پتہ چل جاتا ہے کہ کون مطلبی ہے۔ اسی طرح ہماری سوچ ہمارے بول اور ہمارے اعمال سے پتہ چل جاتا ہے کہ ہمارا ایمان کیسا ہے؟“ عمر حیرت سے بچی کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔ اف خدایا اتنی سی بچی اور باتیں تو دیکھو۔

عمر: ”آپ کو کیسے پتہ کہ میرا ایمان کمزور ہے؟“

بچی: ”بابا نے ایک حدیث سنائی ی تھی وہ مجھے

یاد ہے۔ تم میں سے جو شخص کوئی ی غلط کام دیکھے تو اپنے ہاتھوں سے اس کو روک کرے اور اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کو روکے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

(مسلم، الصحیح، 1: 69، رقم: 49

أحمد بن حنبل، المسند، 3: 10، رقم: 11088

أبي داود، السنن، 4: 123، رقم: 4340،)

" اگر آپ کو وہ غلط لگے تو نہ آپ نے انہیں ہاتھ سے روکا۔ نہ آپ نے انہیں زبان سے روکا شاید دل میں آپ نے اسے برا سمجھا ہو تو دل کا مجھے پتہ نہیں۔" عمر بے اختیار اس بچی کو دیکھتا چلا گیا۔ اسے لگا جیسے اس پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہوں۔ وہ بچی کو دیکھے جا رہا تھا۔

بچی پھر بولی۔ "آپ اچھے انسان نہیں ہیں مجھے آپ سے دور رہنا چاہیے ن" یہ کہہ کر بچی اٹھ کر جانے لگی تو عمر بے اختیار بول پڑا۔

"اب یہ تو بتاتی جاؤ کہ میں اچھا انسان کیوں نہیں ہوں؟" بچی کھڑی ہوتی ہوئی ی بولی۔

"بابا کہتے ہیں کہ جو انسان دوسروں کو گھور کر دیکھے۔ وہ اچھا انسان نہیں ہوتا اس سے دور ہو جاؤ اگر وہ قریب آئیے تو پھر بابا نے مجھے سکھایا ہے کہ کیا کرنا ہے۔ اگر آپ قریب آئیے تو پھر میں وہی کروں گی جو بابا نے سکھایا ہے مگر آپ کو بہت تکلیف ہو گی۔" عمر جلدی جلدی بولا کہ کہیں یہ بچی چلی نہ جائیے۔

"اچھا دیکھو میں معافی مانگتا ہوں۔ میں تو حیرت سے آپ کو دیکھ رہا تھا کہ آپ اتنی چھوٹی سی ہو اور باتیں بہت بڑی بڑی کر رہی ہو۔ پلیز معاف کر دو۔" بچی تھوڑی جھجکی اور پھر کرسی پر بیٹھ کر بولی۔

"آپ اچھے انسان ہو۔" عمر کا دماغ اتھل پتھل ہونے لگا۔ کبھی یہ بچی کچھ بنا دیتی ہے کبھی کچھ۔

عمر (نظریں جھکا کر): "اب میں اچھا کیسے بن گیا؟" بچی نے معصومیت سے کہا۔

”امی کہتی ہیں جو معافی مانگ لے۔ وہ اچھے انسان ہوتا ہے۔ اسے معاف کر دینا چاہیے۔“

عمر کو بے اختیار بچی کی معصومیت پر پیار آنے لگا۔

عمر: ”اچھا مجھے یہ تو بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟“

”آپ کو سب کہہ رہے رہیں کہ ادھر آجاؤ ادھر آجاؤ۔ تو آپ سب کو ہی اپنی طرف بلا لو اور اکٹھا کر دو سب کو کیونکہ اکٹھے رہنے میں برکت ہوتی ہے امی کہتی ہیں“ بچی نے ٹیبل سے اوپر لائی بریرین کے ڈیسک کی طرف جھانکتے ہوئے کہا شاید اسے کسی کا انتظار تھا۔

عمر کو لگا جیسی وہ بچی کے سامنے نہیں کسی جہاندیدہ بزرگ کے سامنے بیٹھا ہے لیکن حقیقت تو یہ تھی وہ معصوم تو صرف اپنے ماں باپ کی باتوں پر عمل کر رہی تھی۔ جو وہ گھر میں ماحول دیکھتی تھی اسی چیز کو اپنا رہی تھی۔

اسے کیا خبر تھی اس کی چھوٹی چھوٹی امی ابو کی بتائی ی باتیں عمر کے لیے ایک ن ئ ے جہان کے دریچے کھول رہی تھی۔

اس سے پہلے عمر کچھ کہتا اسے ایک نسوانی آواز سنائی ی دی۔

”آؤ بیٹا چلیں۔ کام ہو گیا۔“ عمر نے جھکی نظروں کے کونوں سے ایک عبایا پہنے نقاب پوش لڑکی کو دیکھا۔ جو بچی سے یہ کہہ کر آگے چل پڑی تھی۔ بچی جانے لگی تو عمر نے بے اختیار اس سے پوچھا۔

”بیٹا تمہارا نام کیا ہے۔“ بچی جاتے جاتے بولی۔ ”میرا نام ام ہانی ہے“

بچی کے چلے جانے کے بعد عمر سوچنے لگا۔ جن کی بچی ایسی ہیں۔ وہ والدین خود کتنے عظیم انسان ہوں گے۔

بے شک ہمارے دوست ہماری اولادیں اور ہمارے قریب کے لوگوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہم کیسے انسان ہیں۔ ہماری پسند کیا ہے اور یہ تو اللہ کا نظام ہے برے کو برا ملتا ہے اور اچھے کو اچھا ملتا ہے۔

عمر کے ذہن میں ایک آیت کا ترجمہ گونجنے لگا۔ بے شکے نیک عورتیں ہیں نیک مردوں کے لیے۔

وہ سوچوں کے بھنور سے نکلا اور اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ اسے اب ساری تنظیموں کے سربراہان سے ملاقات کرنی تھی۔

عمر بھی اس بات سے بے خبر تھا کہ یہ سارا نظام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو سیدھی راہ پر لانا چاہے تو کسی بابا کے ذریعے لے آئے۔ کسی بچے کو ذریعہ بنا لے۔ کسی کتاب کو ذریعہ بنا دے۔ بے شک اللہ بہترین پلانر ہے۔ ضرورت ہے تو اس بات کی کہ نیت سچی دکھائی جائے۔ دل سے تڑپ کر مانگا جائے۔ جب کوئی ایسا کرتا ہے تو اللہ کا غیبی نظام حرکت میں آ جاتا ہے اور اسباب وہاں سے پیدا ہوتے ہیں جہاں سے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔

۔**********۔

خولہ کو اس میٹنگ سے آئے دوسرا دن تھا لیکن اس کا ذہن خالی خالی سا تھا۔ نہ جانے کیسی اداسی سی تھی جو اس کے ذہن سے چپک آگئی تھی۔

بار بار منصور کا خیال اسکے ذہن میں آجاتا تھا اور وہ بے چین ہو جاتی۔ بابا تو اس میٹنگ کے بعد گھر ہی نہیں تھے۔ وہ کچھ کرنا چاہتی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ابھی گھر سے نکل جائی ے اور دشمنوں کا قلع قمع کر دے مگر اس سے پہلے وہ بابا سے ملاقات کرنا چاہ رہی تھی۔ اور بابا کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟

کافی دیر اسی بے چینی میں رہنے کے بعد بھی جب بے چینی ختم نہ ہوئی ی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی ی اور پورچ کی طرف چلنے لگی۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ زیرو پوائی نٹ پر جائی ے گی اگر بابا مل گ ئی ے تو ٹھیک ورنہ وہاں جا کر فیصلہ کرے گی کہ اسے آگے کیا کرنا چاہیے۔

اسے لگا جیسے اس کا اکیلے جانا ٹھیک نہیں ضرار بھی بہت بے چین تھا۔ اسے بھی ساتھ لے لینا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ واپس مڑی اور ضرار کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کار میں سوار زیرو پوائی نٹ کی طرف جا رہے تھے۔

۔*************۔

عائی زہ ابھی اسی سوچ میں گم تھی کہ خدیجہ پاس آ کر بیٹھ گ ئی ی۔

عائی زہ: "آپ کو پتہ ہے کہ وہ بہت اچھا ہے۔ بہت نیک ہے۔"

خدیجہ: "اچھا تو کیا اللہ اچھے نہیں ہیں؟"

عائی زہ گڑبڑا کر بولی۔ "آپ بات کو غلط سائی ڈ پر تو نہ لے جائی یں۔"

خدیجہ: ”میں غلط سائیڈ پر کب لے گئی ہوں۔ یہ جو دل ہے نا اس میں صرف اللہ ہی رکھے جانے کے قابل ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ن“

عائزہ: ”مگر دل میں محبت بھی اللہ ہی ڈالتے ہیں نا۔“

خدیجہ: ”بے شک کوئی کام بھی اللہ کی مرضی کے بغیر نہیں ہوتا مگر اللہ نے اس دنیا کو اسباب کے ساتھ جوڑا ہے۔ہم جس چیز کے قریب جائیں اور اپنائیں گے وہی چیز ہمارے دل میں جگہ بناتی چلی جاتی ہے۔ اگر عمر کو تم نہ دیکھتیں اس کے قریب نہ جاتیں وہ تمہیں نظر ہی نہ آتا تو کیا اس کی محبت تمہارے دل میں اترتی؟“

عائزہ (پریشان سی ہو کر): ”جب وہ ملتا یا دکھتا ہی نہ تو محبت کیسے پیدا ہوتی۔“

خدیجہ: ”دل میں کسی کی محبت اترتی ہی تب ہے جب دل کا پیالہ خالی ہو۔اس دل کے پیالے کو خالی رہنے ہی نہ دو' جب پیالہ پہلے ہی بھرا ہو گا تو کوئی اور اس میں آ ہی نہیں سکے گا۔“

عائزہ: ”میں سمجھی نہیں۔“

خدیجہ: ”دل کے پیالے کو پہلے ہی اللہ کی محبت سے بھر لو تو کوئی اور کیسے آئے گا؟“

عائزہ: ”لیکن ماں باپ کی محبت' میاں بیوی کے درمیان محبت' یہ سب محبتیں بھی تو ہوتی ہیں نا۔“

خدیجہ: ”بلکل یہ محبتیں بھی ہوتی ہیں لیکن اس لیے ہوتی ہیں کیونکہ ہم ان کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ اب اگر بچے کو پیدا ہوتے ہی کسی دوسرے جوڑے کو دے دیا جائے۔ وہ اس کی محبت سے

پرورش کریں اور بڑا کریں۔ جب وہ بڑا ہو جائے اور اسے پتہ چلے کہ وہ کسی اور کا بیٹا ہے تو اس تعلق کی وجہ سے اسکا دل اصل پیدا کرنے والوں کے لیے نرم تو ہو گا مگر انکے ساتھ اسکا لگاؤ اور انس ویسا نہیں ہو گا جیسا کہ پرورش کرنے والوں کے ساتھ ہو گا۔"

"یہی فطرت کا قانون ہے۔ جس چیز کے بھی آپ قریب آپ جاؤ گے۔ اسکی محبت آپ کے دل میں گھر کرتی جائے گی۔ بھائی بھائی سے بہت پیار کرتا ہے مگر کئی ایسے بھائیوں کو بعد میں آپس میں لڑتے اور قتل تک کرتے دیکھا جاتا ہے۔ بہنوں بہنوں میں پیار ہوتا ہے مگر انہی بہنوں کو بعد میں دور دراز پہنچتے بھی دیکھا جاتا ہے۔ اللہ نہ کرے کہ کسی کے ساتھ ایسا ہو لیکن ایسا ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے۔"

عائزہ: "لیکن میں نے کئی ناولز میں پڑھا ہے۔ اس میں عشق مجازی کے بعد ہی عشق حقیقی کی منزل آتی ہے۔"

خدیجہ: "اس میں بھی قصور ہمارا ہی ہے۔ لکھنے والے کا بھی اور پڑھنے والے کا بھی۔ لکھنے والا لکھتے ہیں لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کے لکھنے کے بارے میں کل قیامت کے دن پوچھا جائے گا اور اگر لکھا اچھا گیا ہو تو پڑھنے والا اسی میں کھو کر یہ سمجھنے لگ جاتے ہے کہ عشق مجازی کے بعد ہی عشق حقیقی ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ انتہائی غلط اور فرسودہ خیال ہے۔"

عائزہ: "تو کیا ایسا نہیں ہوتا؟"

خدیجہ: "کیا صحابہؓ نے عشق مجازی کر کے پھر اللہ کی محبت کو حاصل کیا تھا؟ حضرت اویس قرنیؒ نے کسی لڑکی سے محبت کے بعد حضور محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور اللہ سے محبت کو پایا تھا؟ کیا جتنے ولی، قطب

اور ابدال گزرے ہیں سب نے دنیاوی محبتیں کر کے پھر اللہ کی محبت کو پایا تھا؟ کیا قرآن وحدیث میں کہیں اس شرط کو بیان کیا گیا ہے کہ پہلے عشق مجازی کرو پھر عشق حقیقی کی طرف آؤ؟ یہ تو ہمارا المیہ ہے کہ ہم جانے انجانے میں ایسی چیزیں لکھ جاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر کوئی اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنے لگ گیا تو کیا ہو گا۔ وہ تو دنیاوی محبت کی وجہ سے ہی تباہ ہو جائے گا۔"

عائزہ کو یہ سب سن کر چپ سی لگ گئی۔

خدیجہ: "ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ اللہ اور اسکے رسول کے حکموں کو توڑ کر یہ سمجھا جائے کہ مجھے اللہ مل جائے۔ اس معاملے میں بڑے دھڑلے سے کہا جاتا ہے کہ محبت تو عبادت ہے۔ وہ تو بڑا نیک ہے۔ میں بھی نیک بن جاؤں گی۔ یہ سوچ کر غلط قدم اٹھا لیے جاتے ہیں۔ وہ تو بڑی اچھی ہے۔ اسکی سیرت بہت اچھی ہے۔ مجھے تو وہ اسکی سیرت کی وجہ سے پسند ہے۔ اسی وجہ سے اس سے محبت ہے۔ یہ سب نفس اور شیطان کے دھوکے ہیں۔"

"ہاں اسلام یہ ضرور کہتا ہے کہ شادی سے پہلے دیکھ لو کہ نیک سیرت ہو مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس سے رابطے کر محبت کی پینگیں بڑھانا شروع کر دو۔"

عائزہ: "مطلب یہ کہ بس اللہ اور اسکی محبت دل میں رکھی جائے اور کسی کی نہیں۔" خدیجہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”یہ اللہ کی محبت جو ہے ناوہ دنیا کی تمام محبتوں سے انوکھی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ اگر دنیا میں کسی کا محبوب کسی اور کے قریب ہونے لگ جائے تو اسے کیسا محسوس ہوتا ہے؟ یا اگر ماں باپ ہی ایک بچے سے زیادہ محبت کا اظہار شروع کر دیں تو دوسرا بچہ کیا محسوس کرتا ہے؟“

عائزہ: ”ظاہر ہے اسے برا لگے گا۔ جیلسی ہو گی حسد ہو گا۔“

خدیجہ: ”بالکل لیکن اب دیکھو اللہ کی محبت انوکھی محبت ہے کیونکہ یہ ساری محبتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ اللہ کی محبت آپ کو مجبور کرے گی کہ آپ اپنے ماں باپ سے محبت کریں۔ یہی اللہ کی محبت آپ کو مجبور کر دے گی کہ آپ اپنے بہن بھائیوں, بچوں, بڑوں, انسانوں, مسافروں یہاں تک کہ پودوں اور جانوروں سے بھی محبت کریں۔“

”اس محبت میں محبوب اللہ اور اسکا رسول ہوتا۔ کوئی اور ان سے محبت کرنے لگے تو دنیاوی محبت کے اصولوں سے بالکل الٹ ہمیں اس سے خوشی ہوتی ہے اور الٹا ان لوگوں کو اپنے قریب کرتے ہیں تو ہوئی نہ انوکھی محبت' جو سب محبتوں کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔“

عائزہ: ”اس محبت کو دل میں کیسے پیدا کیا جائے؟“

خدیجہ: ”دنیاوی محبت کی طرح کوشش کر کے۔ جیسے محبوب کا پیچھا کیا جاتا ہے۔ گاڑیوں پر رکشوں پر اور مختلف چیزوں پر' گفٹ دیے جاتے ہیں اپنی استطاعت کے مطابق مہنگے سے مہنگے۔ مطلب پیسے خرچ کیے جاتے ہیں۔ دوسرا اپنا وقت ضائع کیا جاتا ہے۔ یاد کیا جاتا ہے۔ ساری رات باتیں ہوتی ہیں۔ رابطے رکھے جاتا ہیں۔“

”مطلب وقت کی قربانی دی جاتی ہے۔ محبوب کی پریشانی سے پریشانی ہوتی ہے۔ اس کی پریشانی کو دور کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے۔ مطلب جان کو سولی پر لٹکایا جاتا ہے۔“

خدیجہ نے اک لمبا سانس لیا اور پھر کہنے لگی۔

”اسی طرح اللہ کی محبت کو پانے کے لیے بھی جان, مال اور وقت کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ ایک درزی, پلمبر یا کچھ اور بننے کے لیے ان تینوں چیزوں کی قربانی دینی پڑتی ہے تو ایمان کوئی عام چیز ہے جو ایسے ہی مل جاتی ہے؟ ایمان کو پانے اور بڑھانے کے لیے بھی مال, جان اور وقت لگے گا تو یہ بنے گا۔ بڑھے گا۔“

عائزہ کچھ نہ بولی اور ان باتوں پر غور کرنے لگی لیکن پھر بھی عمر کا خیال دل سے نہیں جا رہا تھا۔

عائزہ: ”آپ نے باتیں بہت اچھی کی ہیں لیکن میرے دل سے عمر کا خیال نہیں جا رہا۔“

خدیجہ: ”اتنی آسانی سے جائے گا بھی نہیں' محنت کرنی پڑتی ہے۔ اچھا اگر پیار کی بات سمجھ نہ آئے تو پھر کیا کیا جاتا ہے؟“

عائزہ: ” ظاہر ہے پیار کا اثر نہ ہو پھر مارا جاتا ہے
سمجھانے کے لیے۔“

خدیجہ: ”بالکل مجھے یہی امید تھی کہ ایسا ہی کہو گے لیکن اب دوسرا طریقہ آزماؤ گی جو کہ مار والا طریقہ ہے۔ یہ جو آجکل کی محبت ہے نادر اصل روحانی بیماری ہے. جو روح کے ساتھ ساتھ جسم پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔“

”اکثر لڑکے لڑکیاں آج اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ اللہ نے اپنے پیارے رسولؐ کے ذریعے اس روحانی بیماری کا علاج ہم تک پہنچایا ہے۔ اسی علاج کا تجربہ میں آج تم پر کرنے جا رہی ہوں اور یہ ایسا طریقہ ہے جس سے وہ سب اپنا علاج کر سکتے ہیں جو اپنے گزشتہ اور موجودہ دنیاوی محبوبوں کو اپنے دل سے نکال کر اپنی روح کو از سر نو زندہ کر سکتے ہیں۔“ خدیجہ نے مسکراتے ہوئے عائزہ سے کہا۔ عائی زہ نے تجسس سے پوچھا۔

”کیا طریقہ ہے؟“

خدیجہ: ”وہ میں ابھی نہیں بتاؤں گی۔ رات گہری ہو جائی ے پھر چلیں گے۔ تم یہاں بیٹھو میں کھانا تیار کر کے آتی ہوں۔“

عائی زہ نے اٹھتے ہوئی ے کہا۔ ”چلیں میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔“

کھانا تیار کرتے اور کھاتے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا۔ باقی وقت باتیں کرتے ہوئی ے گزرا۔

رات تقریباً ایک بجے خدیجہ عائی زہ کو لیے گاڑی میں انجان منزل کی طرف روانہ ہو گ ئی ی۔

عائی زہ: ”ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ خدیجہ نے مبہم لہجے میں کہا۔

”تھوڑی دیر میں پتہ چل جائی ے گا۔“ عائی زہ خاموش ہو گ ئی ی۔

گاڑی شہر سے باہر جانے والی سڑک پر رواں دواں تھی۔ رات گہری ہونے کے باعث سڑکوں پر ٹریفک کم تھا۔

خدیجہ نے گاڑی ایک سائیڈ پر روکی اور عائزہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئی پھر کہنے لگی۔

"ایک بار اچھی طرح سوچ لو کہ کیا واقعی تم یہ تجربہ کرنا چاہتی ہو۔ دیکھ لو اس میں تمہیں تکلیف بھی ہو سکتی ہے۔ شاک بھی لگ سکتا ہے۔"

عائزہ حیرانگی سے خدیجہ کو دیکھنے لگی اور سوچنے گی ایسا کیا تجربہ ہو سکتا ہے مگر پھر عمر کا خیال آیا۔ خدیجہ کی باتیں یاد آئیں تو بول پڑی۔

"جی میں تیار ہوں۔"

خدیجہ: "کیا تمہیں دل کی تکلیف، بلڈ پریشر کا مسئلہ یا کسی قسم کی کوئی بیماری تو نہیں۔"

عائزہ: "نہیں، مگر کیوں؟"

خدیجہ: "تھوڑی دیر میں پتہ لگ جائے گا۔ منہ دوسری طرف کر لو میں تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھنے جا رہی ہوں۔" عائزہ گبھراتے ہوئے بولی۔

"مگر یہ سب کیوں؟ پٹی باندھنا ضروری ہے؟"

خدیجہ سنجیدگی سے بولی۔

"ہاں ضروری ہے۔ تھوڑی دیر صبر کرو تمہیں سب پتہ چل جائے گا۔"

عائزہ کے جسم میں سنسنی سی دوڑنے لگی۔ اس نے خاموشی سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

خدیجہ نے ہینڈبیگ سے ایک سیاہ پٹی نکال کر عائزہ کی آنکھوں پر کس کر باندھ دی۔

عائزہ نے آنکھیں کھولنا چاہیں مگر پٹی کے دباؤ کی وجہ سے نہ کھول سکی۔ اسے بس اتنا اندازہ ہو رہا تھا کہ گاڑی چل رہی مگر جا کہاں رہی ہے کوئی پتہ نہیں۔

تھوڑی دیر بعد اسے لگا جیسے گاڑی کسی کچے راستے پر اتر گئی ہو۔ ہچکولوں اور گاڑی کی رفتار سے واضح لگ رہا تھا۔ ہم شہر سے کافی دور آ چکے ہوں گے عائزہ نے دل میں سوچا۔

کافی دیر گاڑی اسی طرح ہچکولے کھاتی کسی کچے راستے پر چلتی رہی۔

خدیجہ: "لو ہم پہنچ گئے۔" گاڑی رکی اور عائزہ کو گاڑی کا دروازہ کھولنے کی آواز آئی۔

تھوڑی دیر بعد عائزہ کی سائیڈ والا دروازہ کھلا اور خدیجہ نے عائزہ کا بازو پکڑ کر کہا۔

"ایسے ہی باہر آ جاؤ۔" عائزہ خاموشی سے اتری تو اسے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ہر طرف اتنا سناٹا تھا جیسے دور دور تک کوئی ذی روح نہ ہو۔

خدیجہ اس کا بازو پکڑ کر چلتی رہی اور عائزہ اندھوں کی طرح خدیجہ کے ساتھ چل رہی تھی۔ البتہ پاؤں تلے پتوں کی چرچراہٹ اس بات کا پتہ دے رہی تھی کہ وہ کوئی ویران جگہ ہے۔

جھینگروں کی آوازیں سن کر عائزہ کے بدن میں انجانے خوف کی لہریں دوڑنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد خدیجہ رکی تو عائزہ بھی رک گئی۔

خدیجہ: ”یہاں تھوڑی سی ڈھلوان ہے ذرا سنبھل کر اترنا۔“

عائزہ خدیجہ کے ساتھ ساتھ سہارا لے کر ڈھلوان سے اترنے لگی لیکن مٹی میں پاؤں دھنسنے کی وجہ سے عائزہ کو اندازہ ہوا کہ جو ڈھلوان وہ اتر رہے ہیں وہاں کافی مٹی ہے۔ کچھ دیر بعد خدیجہ رک گئی تو عائزہ بھی رک گئی لیکن عائزہ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ اب وہ ہموار سطح پر پہنچ چکے ہیں۔

عائزہ: ”اب پٹی اتار دوں؟“

خدیجہ: ”نہیں، اب تم آہستہ آہستہ بیٹھو۔“

عائزہ بیٹھنے لگی۔ اس کے ہاتھوں نے زمین کو چھوا تو عائزہ کو اندازہ ہوا کہ کسی پکی جگہ نہیں بلکہ بھربھری مٹی والی کچی جگہ ہے۔
عائزہ بیٹھی ہی تھی کہ خدیجہ نے کہا۔

”لیٹ جاؤ۔“

عائزہ خاموشی سے لیٹ گئی اور سوچنے لگی پتہ نہیں وہ کہاں ہے۔ کیا ہو رہا ہے یہ سب۔ وہ انتظار کرنے لگی کہ آگے اب کیا کرنا ہے؟

خدیجہ نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک دس منٹ بعد تم پٹی اتار دینا اور اس کے بعد مجھے ڈھونڈنا ہے‘ میں تمہیں باہر جانے والے راستے پر ملوں گی۔“

عائی زہ حیران ہو کر سوچنے لگی یہ کیسا ہائیڈ اینڈ سیک کھیل ہے جو کھیلنے کے لیے خدیجہ اسے شہر سے باہر لے آئی ی ہے۔

عائی زہ تھوڑی دیر خاموشی سے لیٹی رہی۔ وہ دل ہی دل میں وقت گزرنے کا حساب کرنے لگی۔ آس پاس گہرا سکوت تھا۔ کبھی کبھی کسی جانور کی کریہہ آواز اس سکوت کو توڑ جاتی تھی۔ اندازاً دس منٹ گزرنے کے بعد عائی زہ نے آہستہ سے اپنے ہاتھوں اٹھایا اور آنکھوں پر لگی پٹی کو اتار دیا۔

تھوڑی دیر تو عائی زہ کو کچھ نظر نہ آیا مگر پھر اس کی نظر آسمان پر موجود چاند پر پڑی۔ چاند پر سے نظر پھسلتی ہوئ ی آسمان کی ایک طرف گ ئ ی۔ جہاں بادل اڈتے ہوئ ے نظر آ رہے تھے۔

عائی زہ اٹھ کر بیٹھ گ ئ ی اور اپنے اردگرد نظر دوڑائ ی تو خوف کی ایک لہر اس کے جسم میں سرائ یت کر گ ئ ی۔

اس نے دیکھا کہ وہ ایک گڑھے میں بیٹھی ہے۔ جہاں کہیں کہیں خودرو پودوں اور جڑی بوٹیوں کی بہتات تھی مگر عائی زہ قدرے صاف جگہ پر بیٹھی تھی۔ چاند کی روشنی میں آنکھیں کھول کر اس نے

گھاس پھونس میں جھانکنے کی کوشش کی۔ جہاں اسے ایک عجیب ساکئی ی ٹانگوں والا کیڑا رینگتا ہوا نظر آیا۔

بے اختیار اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ اپنی نکلتی چیخ کا گلا گھونٹا اور اچھل کر اچانک سے کھڑی ہوئی۔ مگر وہ تیزی سے پھسلتی ہوئی گڑھے سے باہر نکلی۔ لیکن باہر نکل کر جو منظر اس نے اپنے آس پاس دیکھا۔ وہ دیکھ کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بے اختیار اس کے منہ سے چیخ کی صورت میں آواز نکلی۔

"خدیجہ"

وہ ایک قبرستان میں کھڑی تھی۔ جہاں تاریک رات میں اسے وہاں موجود تیڑھے میڑھے درخت بھی ڈراؤنی شکل کی مخلوق نظر آ رہے تھے۔

"خدیجہ تم کہاں ہو؟ خدیجہ, خدیجہ, خدیجہ۔" وہ چلا چلا کر خدیجہ کو پکارنے لگی مگر اس کو جواب تو نہ ملا البتہ اپنے قریب درختوں اور جھاڑیوں میں اسے ہلچل محسوس ہوئی ی۔

خوفزدہ ہو کر کبھی وہ جھاڑیوں کو تو کبھی درختوں پر موجود ہلچل کرنے والوں دیکھنے کی کوشش کرتی۔

قبرستان کافی پرانا اور بہت بڑا لگ رہا تھا۔ دور دور تک اسے قبریں ہی نظر آ رہیں تھیں۔

باہر جانے والے راستے کا سوچ کر اس نے گڑھے کے کنارے لگے جوتوں کے نشانوں کو دیکھتے ہوئے سمت کا تعین کیا۔ وہ سہمی سہمی سی اس طرف کو آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی چلنے لگی۔

اچانک ایک کریہہ آواز نے سناٹے کو توڑا تو بے ساختہ اس کے منہ سے بھی چیخ نکل گ ئ ی۔ اس نے آواز کے ماخذ کی طرف دیکھا تو اسے ایک تیڑھی میڑھی شاخ پر ایک بڑا بھدے سے رنگ کا الو بیٹھا نظر آیا۔ جس کی بڑی بڑی آنکھیں عائ زہ کو لگا جیسے اسی کی طرف مرکوز ہیں۔

ڈر اور گبھراہٹ میں وہ تقریباً بھاگتی ہوئ ی چلنے لگی۔ مگر پھر اسے رکنا پڑا۔ آسمان پر موجود چاند کو بادلوں نے ڈھانپ لیا تھا اور اندھیرا گہرے سے گہرا ہونے لگا۔

انتہائ ی مدہم سی روشنی میں اس نے سنبھل سنبھل کر چلنا شروع کیا۔ اندھیرے کی وجہ سے اس کا پاؤ ں ایک گڑھے کے کنارے سے پھسلا اور وہ چیخیں مارتی لڑکھڑاتی، ہاتھ پاؤ ں مارتی ہوئ ی گھڑے میں جا گری۔

جلدی سے وہ اٹھی اور باہر کنارے پر موجود پودوں کو پکڑ کر نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے اپنے قریب بہت سی سرسراہٹیں سنا دے رہیں تھیں۔ بڑی مشکل سے اس نے خود کو گڑھے سے نکالا اور تیزی سے بھاگتی ہوئ ی وہاں سے دور جانے کی کوشش کرنے لگی مگر اندھیرے میں بھاگتے ہوئ ے اس کا گھٹنا کسی سخت چیز سے ٹکڑایا۔ وہ دہشت سے چیخیں مارتی کسی قبر کے اوپر جا گری۔

کچھ گھٹنے میں درد کی شدت، کچھ خوف کی انتہاء سے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤ ں کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔

"خدیجہ! خدیجہ! پلیز ہیلپ می۔" اس نے پوری طاقت سے چیختے ہوئے خدیجہ کو پکارا۔ جس کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

بادل پورے آسمان پر چھا چکے تھے۔ اندھیرا اتنا گہرا ہو چکا تھا کہ اس کو اپنے ہاتھ بھی مشکل سے نظر آ رہے تھے۔

وہ خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ کدھر جائے۔ راستہ نہ جانے کہاں گم ہو چکا تھا۔

اچانک تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چکا چوند ہو کر بند ہو گئیں اور چند لمحوں بعد بادل اس زور سے گرجا کہ اس کا دل دہل گیا۔

پلیز! کوئی تو مدد کو آ جائے۔ دل ہی دل میں وہ مدد کو پکارتی پاؤں سے زمین کو ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھنے لگی۔

اللہ مجھے بچا لیں پلیز میری ہیلپ کریں۔ راستہ نہ ملنے پر وہ وہیں بیٹھ کر بلک بلک کر رو پڑی۔

"اللہ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ میری مما بھی نہیں ہے یہاں۔ پلیز پلیز اللہ میری مدد کریں۔"

انسان بھی کتنا عجیب ہے نا۔ ساری زندگی رب کو بھلائے رہتا ہے اور جب کہیں ایسا پھنس جائے ہے جہاں کوئی امید نہیں ہوتی وہاں اسے رب یاد آ جاتا ہے۔

بجلی کی چمک کی روشنی میں وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگی اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں کہ بادل کے گرجنے کی آواز کانوں میں نہ پڑے۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ یہ گرج برداشت نہیں کر سکے

گی۔ بجلی چمکی تو اسے تھوڑی دیر ایک ہیولا سا نظر آیا۔ بے اختیار وہ تیزی سے بھاگی اور اس ہیولے کی جانب بڑھنے لگی۔

بارش کی بوندیں یک لخت برسنے لگی۔

جیسے ہی وہ اندھیرے میں اس ہیولے کے قریب ہونے لگی۔ جس کا آدھا جسم جھاڑیوں کے پیچھے چھپا تھا۔ اس کے قدموں کی آواز سے اس ہیولے نے اپنا سر اٹھا کر گھوم کر عائی زہ کی طرف دیکھا تو عائی زہ کے منہ سے ہذیاتی چیخیں نکلنا شروع ہو گ ئی یں۔

وہ کوئ ی جانور تھا۔ بجلی چمکی تو عائی زہ نے لمحے بھر میں دیکھا کہ اس جانور کے منہ سے خون ٹپک رہا تھا شاید کچھ کھا رہا تھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ جھاڑیوں کے پیچھے اس جیسے کچھ اور جانور بھی تھے۔

عائی زہ ہذیاتی چیخیں مارتی الٹے پاؤں واپس بھاگی۔ گھٹنے کا درد شدید ہوتا جا رہا تھا مگر یہ اس کی قوت ارادی تھی جو اسے چیخنے اور بھاگتے رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔

بارش نے کچی زمین پر پھسلن پیدا کر دی تھی۔ عائی زہ کا پاؤں پھسلا اور وہ بری طرح زمین سے جا ٹکرائ ی۔ قبر کا کتبہ اس کے سر کی ایک طرف لگا اور خون بہنے لگا۔

جوتے نہ جانے کہاں گر چکے تھے۔ دوپٹہ بھی کہیں گم ہو چکا تھا۔ زمین پر لیٹے لیٹے اس نے سر گھما کر پیچھے دیکھا کہ کہیں وہ جانور تو اس کے پیچھے نہیں آ رہا۔

ہذیتی چیخوں کی وجہ سے اس کا گلا درد کر تھا۔

ایکدم اسے اپنے پاؤں پر کچھ رینگتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے سر اٹھا کر پاؤں کی طرف دیکھا تو کیچوے اس کے پاؤں پر رینگ رہے تھے۔ مگر اب اس میں اتنی ہمت نہیں بچی تھی کہ وہ ان کو جھٹک سکتی۔

خوف, درد اور دہشت سے اس کو اپنا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا محسوس ہوا۔ بارش برسنے کے بعد اب تھمنے لگی تھی۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس کو لگا بس اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔

اس کی لاش کب تک ایسے پڑی رہے گی اور شاید درندے اور دوسرے جانور اس کا گوشت کھانا شروع کر دیں۔ یہ سوچ کر اس کے کانپتے وجود میں ایک آخری خوف کی لہر دوڑی اور اس کے حواس فنا ہونے لگے۔

آخری منظر جو اس کی آنکھوں نے دیکھا وہ آسمان پر چمکتی بجلی کی ایک لہر تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے حواس کھو بیٹھی اور اندھیروں میں ڈوبتی چلی گ ئی ی۔

موت کے اندھیرے یا پھر بیہوشی کے اندھیرے اس پر حاوی ہوتے چلے گ ئی ے۔

کتنی بڑی نعمت ہے ایسا اندھیرا جو انسان کو ہر درد ہر خوف سے بے نیاز کر دیتا ہے مگر موت کا اندھیرا ایک ایسا اندھیرا ہے جو یا تو درد اور خوف کی انتہا پر لے جاتا ہے یا پھر لذت و آسائ ش کی انتہا پر پہنچا دیتا ہے۔

عائ زہ کی آنکھیں دھیرے دھیرے کھلنے لگیں۔ پہلے پہل وہ خالی خالی نظروں سے چھت کو تکتی رہی۔ اس کے ذہن میں کچھ نہیں تھا۔ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ پھر آہستہ آہستہ اس

کے ذہن میں شعور کی روشنی بڑھنے لگی مگر جیسے ہی اس کے ذہن نے شعور کو چھوا بے اختیار اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔

وہ اپنے جسم کو ایسے جھٹکنے لگی جیسے اس کے جسم سے بہت سارے کیڑے چپکے ہوں۔ وہ ہاتھوں سے ان کیڑوں کو دور پھینکنے کی کوشش کرنے لگی۔

اس کو اپنے سینے پر دباؤ سا محسوس ہوا اور دور کہیں ایک پر نم عاجزانہ آواز ذہن میں گونجنے لگی۔

”عائزہ سب ٹھیک ہے۔ تم میرے گھر ہو۔ اب کچھ نہیں ہے یہاں' خود کو سنبھالو پلیز“ مگر بہتے آنسوؤں کے ساتھ عائزہ پاگلوں کی طرح ایسے ہاتھ چلا رہی تھی جیسے خود کو انجانی چیزوں سے بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔

”پلیز عائزہ سب ٹھیک ہے۔ مجھے معاف کر دو مجھ سے غلطی ہو گئی۔“ ایک ہچکیوں میں ڈوبی آواز اس کی سماعتوں کو جھنجوڑنے لگی۔

رفتہ رفتہ اس کے آنکھوں کے سامنے مناظر واضح ہونے لگے۔ سب سے پہلے اس کی نظریں اپنے پاس کھڑی خدیجہ پر پڑی جس کا چہرا آنسوؤں میں ڈوبا تھا۔ وہ بار بار عائزہ کو پرسکون رہنے کی درخواست کر رہی تھی۔

عائزہ کی نظریں خدیجہ کے چہرے سے پھسلتی ہوئی خدیجہ کے پیچھے دروازے پر کھڑے دو بچوں پر پڑیں جو حیرت سے عائزہ کو دیکھ رہے تھے۔

عائزہ کو احساس ہوا اس کا پورا جسم کپکپکا رہا ہے۔ حرارت کی لپیٹیں اس کے جسم سے نکل رہی ہیں۔ اس کو اپنے حلق میں کانٹے پھستے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس نے بے اختیار اپنے گلے پر ہاتھ رکھا اور پانی مانگنا چاہا مگر اس کی آواز نہ نکل سکی۔

خدیجہ سمجھ گئی۔ اس نے تیزی سے سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے گلاس میں پانی ڈالا اور عائزہ کے منہ سے لگا دیا۔ عائزہ نے بے اختیار پانی اتنی تیزی سے پینا شروع کیا کہ جیسے صدیوں سے پیاسی ہو۔ کچھ پانی چھلک کر عائزہ کے کپڑوں پر گرنے لگا۔

خدیجہ نے دوسرا گلاس بھرا اور عائزہ کے منہ سے لگا دیا۔ بے صبری سے عائزہ ایک ہی سانس میں وہ گلاس پی گئی۔ تیسرا گلاس پینے کے بعد عائزہ کو سکون سا محسوس ہوا۔ رفتہ رفتہ اس کے جسم کی لرزش میں کمی آنے لگی۔ اس نے خود کو بستر پر گرا کر آنکھیں موند لیں۔ دکھتی آنکھیں دوبارہ نہ کھل سکیں اور وہ نیند کی گہری وادیوں میں ڈوبتی چلی گئی۔ شاید سکون آور انجکشنز کا بھی اثر تھا۔

دوبارہ جب عائزہ کی آنکھ کھلی تو عائزہ نے چہرہ گھما کر دیکھا۔ کھڑکی سے ابھرتے سورج کی کرنیں کمرے میں داخل ہو رہیں تھیں۔ ان کرنوں میں سورج کی طرف رخ کیے خدیجہ قرآن کھولے بیٹھی تھی۔

''يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ. يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا

انۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِکُمۡ قِیۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَکُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا فَضُرِبَ بَیۡنَہُمۡ بِسُوۡرٍ لَّہٗ بَابٌ بَاطِنُہٗ فِیۡہِ الرَّحۡمَۃُ وَظَاہِرُہٗ مِنۡ قِبَلِہِ الۡعَذَابُ (الحدید,12,13)

"جس دن تو ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو دیکھے گا ان کی روشنی ان کے آگے اور ان کی دائیں طرفوں میں دوڑ رہی ہوگی۔ آج تمہیں ایسے باغوں کی خوش خبری ہے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہیں، ہمیشہ ان میں رہنے والے ہو، یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔ جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ان لوگوں سے کہیں گے جو ایمان لائے ہمارا انتظار کرو کہ ہم تمہاری روشنی سے کچھ روشنی حاصل کرلیں۔ کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پس کچھ روشنی تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار بنادی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اس کی اندرونی جانب، اس میں رحمت ہوگی اور اس کی بیرونی جانب، اس کی طرف عذاب ہوگا۔"

خوش الحان آواز میں دو آیتیں پڑھ کر خدیجہ نے بلند آواز سے ترجمہ پڑھا اور قرآن بند کر کے سوچنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد خود سے باتیں کرتی ہوئی ی خدیجہ کہنے لگی۔

"اس کا مطلب ہے ایمان والوں کے ساتھ ان کے اعمال کا نور ہوگا۔ جو انہیں راستہ دیکھائی ے گا اور منافق لوگ کہیں گے کہ رک جاؤ ہمیں بھی اس روشنی میں ساتھ لے چلو لیکن ایمان والے اللہ کی منشاء کے مطابق نہیں کریں گے ۔ منافق لوگ پیچھے کھڑے رہ جائیں گے اور ایمان والے آگے نکل جائیں گے۔"

”یہاں ایک حدیث آ رہی ہے ذہن میں کہ پل صراط ایک پل ہے۔ جو دوزخ کے اوپر بچھایا گیا ہے اور گہرے اندھیرے میں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ پل صراط سے گزرتے وقت یہ سب ہو گا۔ ایمان والے راستے سے گزر جائیں گے۔ باقی راستہ بھٹک کر دوزخ میں گر جائیں گے۔“

عائزہ کو بے اختیار رات کا منظر یاد آ گیا۔ جب وہ انتظار کرتی تھی کہ کب بجلی چمکے اور وہ اس روشنی میں راستہ دیکھ سکے۔ بے اختیار وہ کانپ گئی اور سوچا اگر قیامت کے دن بھی ایسا ہوا تو؟ اس سے آگے وہ نہ سوچ سکی اور آنسو امڈ امڈ کر باہر آنے لگے۔

اس کے رونے کی آواز سن کر خدیجہ چونکی۔ وہ جلدی سے قرآن پاک الماری میں رکھ کر عائزہ کی طرف لپکی۔

”دیکھو اب سب ٹھیک ہے۔ مجھے معاف کر دو عائزہ۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔“ خدیجہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

عائزہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو اسے خدیجہ کے سر پر پٹی بندھی نظر آئی جو رات نہیں تھی۔

”آپ مجھے وہاں کیوں لے گئی تھیں؟“ عائزہ نے بیٹھی آواز سے پوچھا۔

”کچھ چیزیں بتانے سے نہیں اس ماحول میں جا کر سمجھ میں آتی ہیں۔ اچھا ایک بات بتاؤ جب تم وہاں تھیں تو کیا عمر نہیں آیا تمہارے ذہن میں؟ اسکی یاد نہیں آئی؟“ عائزہ خاموشی سے خدیجہ کو دیکھنے لگی اور نفی میں سر ہلا دیا۔

”موت کی یاد دنیا کے دھوکے کو سمجھا دیتی ہے۔ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دنیا کی لذتوں کو توڑ دینے والی چیز موت کی یاد ہے۔“ خدیجہ نے سمجھاتے ہوئے کہا اور پھر ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

”موت کی یاد اور سوچ نہ صرف دنیا کی اہمیت جتا دیتی ہے بلکہ ہر غم اور ہر فکر سے آزاد کر دیتی ہے۔ کوئی ی غمزدہ یاد کرے گا تو اپنا غم بھول جائے گا۔ اب اگر کوئی ی دنیاوی محبت کرنے والے کو پتہ چلے وہ آج مر جائے گا اور موت کے بعد کے مناظر اس کی آنکھوں میں چلنے لگیں تو کیا اسے اپنی محبت یاد رہے گی؟“

خدیجہ نے عائزہ کی طرف سنجیدگی سے کہا۔

۔***************۔

عمر مسجد میں داخل ہونے لگا تو چونک کر رک گیا اور حیرت سے اندر سے آتی بابا کی آواز سننے لگا۔ بابا لہک لہک کر ایک شعر پڑھ رہے تھے۔

میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

عمر حیرت سے وہیں کھڑا یہ شعر سنتا رہا جو بابا اک بار پڑھتے اور پھر کہتے۔

وجبا الشکر علینا (آج ہم پر شکر واجب ہے!) اور پھر یہی شعر لہک کر پڑھتے۔ عمر بابا کے اس انداز کو پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

ہچکچاتا ہوا عمر اندر داخل ہوا۔ حسب معمول بابا مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے تھے اور خوشی ان کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی۔ جیسے کہ بہت خوش ہوں۔ عمر قریب گیا اور پورا سلام کیا۔ بابا نے آنکھیں کھولیں۔ خوشدلی سے عمر کو سلام کا جواب دیا اور حال چال پوچھا۔

عمر: ”بابا خیریت آج تو آپ بہت خوش نظر آرہے ہیں۔“

بابا: ”ہاں بات ہی ایسی ہے۔ ایک نئی صبح کا آغاز ہونے والا ہے۔“

عمر (حیرت سے): ”کیسی صبح؟“

بابا: ”وہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تم سناؤ کیسی گزر رہی ہے۔ دو گواہوں کا پتہ چلا؟“

عمر: ”نہیں بابا جی۔ آپ بتائیں اس وقت سے تجسس میں ہوں۔ ایسے اور کون سے دو گواہ ہوں گے؟“

بابا نے مسکراتے ہوئے کہا: ”دنیا میں عدالت جب قائم کی جاتی ہے تو کیا مناظر ہوتے ہیں؟“

عمر: ”بابا ایک جج ہوتا ہے دو وکیل ہوتے ہیں اور ملزم پر جرح کی جاتی ہے۔ گواہوں کو پیش کیا جاتا ہے۔“

بابا: ”لیکن اللہ کی عدالت میں وہ کچھ ہوگا جو یہاں کی عدالتوں میں کبھی نہیں ہوا۔“ بابا کے چہرے پر یک لخت اداسی چھا گئی۔

عمر: ”ایسا کیا ہوگا بابا؟“

بابا: ”فَكَيۡفَ إِذَا جِئۡنَا مِن كُلِّ أُمَّةِۭ بِشَهِيدٖ وَجِئۡنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدٗا“ (النساء, 41)

”تو اس وقت کیسا سماں ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول مکرم) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔“

«وَأَشۡرَقَتِ ٱلۡأَرۡضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ ٱلۡكِتَٰبُ وَجِاْيٓءَ بِٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيۡنَهُم بِٱلۡحَقِّ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ» [39-الزمر:69]

” زمین اپنے رب کے نور سے چمکنے لگے گی نامہ اعمال دیئے جائیں گے اور نبیوں اور گواہوں کو لا کھڑا کیا جائے گا۔“

”مختلف روایات کے مطابق آپ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے ساری امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے آپ بھی گواہی دیں گے۔ اب عمر بیٹے قیامت میں شفاعت کرنے والے اور ہم سب کے واحد وکیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی ہوں گے۔ اگر وہ بھی ہمارے گناہوں کی گواہی دینے لگے تو وہ شخص بھلا کیسے بچ سکتا جس کا وکیل ہی اس کے خلاف گواہی دینے لگ جائی ے۔“

سکتے کی حالت میں بیٹھے عمر کو اپنے جسم میں کپکپاہٹ کی ایک لہر دوڑتی محسوس ہوئی ی۔ بابا کی آنکھیں بھی نم ہو چکی تھیں۔

عمر نے دل برداشتہ لہجے میں پوچھا۔

”اور آخری گواہ کون ہو گا؟“ بابا چند لمحے تو عمر کی طرف دیکھتے رہے۔ جیسے انہیں بولنے میں مشکل ہو رہی ہو پھر آخر کار پست آواز میں بولے۔

”کوئی ی چیز مجھ (اللہ) سے پوشیدہ نہیں جو تم عمل کرتے ہو، قیامت کے دن ہم اس پر گواہ ہوں گے۔“ (یونس,61)

عمر کو لگا جیسے اس کے سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو۔ وہ خاموشی سے بابا کو تکتا رہا۔ جس عدالت میں وکیل اور جج ہی آپ کے خلاف گواہ بن جائی یں۔ وہاں بچنے کی ہے کوئی ی امید؟

بابا نے آنکھیں صاف کرتے ہوئی ے کہا۔

”بیٹا وہ بہت انوکھی عدالت ہو گی۔ اتنے گواہ پیش کیے جائی یں گے کہ مجرم خود ہی قبول گناہ کرنے پر مجبور ہو جائی ے گا۔ تب کوئی ی راستہ ہی نہیں بچے گا۔“ عمر نے غمزدہ ہو کر بابا سے کہا۔

”بابا انسان کمزور ہے۔ گناہ ہو ہی جاتے ہیں۔ ایسے تو بچنے کی کوئی ی گنجائی ش ہی نہیں بچی۔“ بابا نے شفقت سے جواب دیا۔

”گنجائی ش ہے۔ گناہ ہو جائی ے فوراً توبہ کرو۔ سچے دل سے خلوص نیت سے اعمال صالح کرنے کی کوشش کرتے رہو۔ اللہ تو وہ ہے جو بندے کی نیتوں پر فیصلہ کرتا ہے اگر اسی کوشش میں موت آ گ ئی ی تو اللہ بہت رحیم و کریم ہے۔ وہ بخش دے گا اور بغیر حساب کتاب کے اپنی رضا کا پروانہ عطا کر دے گا۔“

"بس ضرورت ہے سچی نیت کی اور کوشش کی' پھر اگر گناہ ہو جائی ے تو فوراً توبہ کر لو کیونکہ توبہ سب گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ نامہ اعمال کو پاک کر دیتی ہے۔ فرشتوں کی اس گناہ کی یاداشت کو ختم کر دیتی ہے۔ ہمارے جسم کے اعضاء پر سے اس گناہ کی نحوست اور گواہی کو مٹا دیا جاتا ہے۔ بس نیت سچی نیت ہونے چاہیے۔توبہ سچی نیت سے ہو۔نیک اعمال کی کوشش ہو تو سچی نیت سے ہو اور سچی نیت یہ ہے کہ اپنے گناہ پر شرمندگی ہو اور آئی ندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو۔"

عمر نے اثبات میں سر ہلا دیا جیسے ساری بات سمجھ گیا ہو۔کافی دیر عمر اور بابا ایسے ہی خاموشی سے بیٹھے نہ جانے کیا سوچتے رہے۔
پھر عمر کو یاد آیا تو پوچھنے لگا۔

"بابا آپ وہ شعر پڑھ رہے تھے میر عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے۔ میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے۔ خیریت! آج تک میں نے تو آپ کو کبھی شعر پڑھتے نہیں سنا۔"

بابا: "کیوں کیا وطن سے محبت نہیں ہونی چاہیے؟"

عمر: "ہونی چاہیے لیکن اتنے مسائی ل ہیں ہمارے ملک میں کہ دل کڑھتا ہے۔" بابا نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اچھا کیا مسائی ل ہیں؟"

عمر: ”آپ کو بھی تو سب پتہ ہوں گے کرپشن, عدل و انصاف کا فقدان, غربت, بے روزگاری, ایماندار قیادت, لوگوں کا عمومی رویہ, لاء اینڈ آرڈر وغیرہ۔ ہر چیز کا ہی فقدان ہے۔ کوئی ی راہ ہی نہیں متعین کی گ ئی ی اب تک جس پر چل کر معاشرے میں بہتری لائی جاسکے' یہ ملک ترقی کر سکے۔“

بابا نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ”بس یہی مسائ ل ہیں؟“

عمر نے حیرت سے بابا کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ ”آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے یہ مسائ ل ہی نہ ہوں۔“ بابا نے مسکراتے ہوئ ے کہا۔

”اچھا ان سب مسائ ل کا حل کیا ہے؟“ عمر کو چپ لگ گ ئ ی۔ وہ ان مسائ ل کا حل ایک ہی نشست میں کیسے بتا سکتا تھا؟

بابا تھوڑی دیر عمر کو دیکھتے رہے اور پھر بولے۔

”ایسے حالات میں ان سے رہبری لینی چاہیے جو قیامت تک کے تمام مسائ ل کا حل بتا کر گ ئ ے ہیں۔“

عمر نے حیرت سے بابا کو دیکھا اور کہا۔

”اور ان معاملات کے حل کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟“

بابا: ”ترمذی شریف اور الفتن میں ایک ایک حدیث ہے۔ جس میں آپ محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا کہ جب فتنوں کا دور آئ ے تو دو شخص اس وقت بہترین ہوں گے۔ ایک تو وہ جو اللہ کے

دشمنوں سے تلوار کے ذریعے جہاد کرتا ہو اور دوسرا وہ جو اپنی سب کچھ چھوڑ کر اپنی بھیڑ بکریوں میں مصروف رہے اور اللہ کی بندگی کرتا رہے۔"

"بخاری و مسلم کی صحیح حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جہنم کے دروازوں کی طرف دعوت دیں گے۔(یعنی ان کی دعوت ایسی گمراہی پر مشتمل ہو گی جو جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔)جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے گا وہ اسے جہنم میں پھینک دیں گے۔(حدیث کے راوی کہتے ہیں)میں نے کہا:

"کہ یارسول اللہ ﷺ؛اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی اکثریت اور ان کے امام (سربراہ) کے ساتھ وابستہ رہنا۔میں نے عرض کیا کہ اگر مسلمانوں کی نہ کوئی اکثریتی جماعت ہو، نہ امام (یعنی برحق سربراہ) تو پھر میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے میں ان تمام فرقوں، پارٹیوں، گروہوں سے مکمل علیحدگی اختیار کر لینا۔"
بابا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر کہنے لگے۔

"حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عنقریب فتنوں کا ظہور ہو گا۔یاد رکھو پھر فتنے پیدا ہوں گے۔ان فتنوں میں بیٹھا ہوا شخص چلنے والے شخص سے بہتر ہو گا اور چلنے والا شخص اس فتنہ کی طرف دوڑنے والے شخص سے بہتر ہو گا۔ پس آگاہ رہو!جب وہ فتنہ پیش آئے تو جس شخص کے پاس جنگل میں اونٹ ہوں۔وہ اپنے اونٹوں کے پاس جنگل میں چلا جائے۔جس شخص کے بکریاں ہوں وہ بکریوں کے پاس چلا جائے اور جس شخص کے

پاس اس فتنہ کی جگہ کہیں دور کوئی زمین و مکان وغیرہ ہو وہ اپنی اس زمین پر یا اس مکان میں چلا جائے۔"(مسلم) بابا نے عمر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ سمجھ آئی ی؟"

عمر:"جی آئی ی ہے مزید آپ سمجھا دیں۔"

بابا:"مطلب سادہ سایہ ہے کہ جب فتنوں کا دور آئی ے تو تمام گروہوں سے الگ ہو جاؤ اور اپنی عبادت میں مشغول رہو۔ نہ کسی کو اچھا کہو نہ کسی کو برا۔ میلاد منانا جائی ز ہے یا ناجائی ز, تقلید کرنی ہے یا نہیں, آپ محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم بشر ہیں یا نور ہیں۔ ایسی سب چیزوں سے دور ہو جاؤ۔ جو مسلمان کے درمیان تقسیم کا باعث بن رہی ہیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ (ال عمران, 103)

(اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو۔) خاموشی سے اپنی عبادت اور اللہ کی بندگی میں مصروف رہو۔ جو کام آپ اور آپکے صحابہؓ نے کیے ان پر مضبوطی سے ڈٹ جاؤ اور باقی سب کام چھوڑ دو بس اور انتظار کرو ان کا جن کے بارے میں حضور محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم بتا چکے ہیں۔"

"کن کا انتظار؟" عمر نے اشتیاق سے پوچھا۔

بابا:"تمہیں پتہ ہے اسرائی یل پاکستان کو اپنا سب سے بڑا دشمن مانتا ہے اور یہ بات ان کے کئی ی وزیر اعظم کہہ چکے ہیں؟"

عمر: ”ہاں یہ بات تو معلوم ہے۔ اسرائیل عربوں کی پرواہ نہیں کرتا لیکن پاکستان کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا ہے۔“

بابا: ”ایسا اس لیے ہے کیونکہ مستقبل میں پاکستان ہی ایک بڑے دشمن کے طور پر ان کے سامنے آئے گا۔ وہ ان حدیثوں کو جانتے ہیں جو اس خطے کے بارے میں آپ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بیان کی ہیں۔ مدینہ کے بعد پوری دنیا میں صرف یہی دو ممالک ہیں جو مذہبی بنیادوں پر بنے ہیں۔ یہ اتفاق ہر گز نہیں ہے بلکہ یہ مستقبل کا وہ میدان سج رہا ہے جس میں یہ دو قوتیں ٹکرائیں گی۔ وہ کہتے ہیں نا کہ بیماری سے پہلے اللہ تعالی علاج کو پیدا فرماتے ہیں۔ اسی لیے اسرائیل کے قیام سے سات ماہ قبل اللہ نے پاکستان کو وجود بخشا۔“عمر حیرت سے اس ن ئی ے

جہان کی سیر کر رہا تھا جو بابا اس پر کھول رہے تھے۔ بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم نے وہ شعر سنانا جو میں پڑھ رہا تھا۔ وہ علامہ اقبال کا شعر تھا اور اللہ اقبال پر کروٹ کروٹ رحمتیں نازل فرمائے۔ بڑا دور اندیش شخص تھے۔ دراصل یہ شعر ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں آپ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ۔ ”مجھے مشرق (ہند) سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔“

عمر: ”مگر بابا اس کا مطلب کیا ہوا؟“ بابا نہ جانے کہاں گم تھے اسی حالت میں وہ کہنے لگے۔

”پاکستان اور مدینہ میں بہت سی چیزیں ایک جیسی ہیں۔ دونوں ناموں مدینہ اور پاکستان کا ایک ہی مطلب ہے۔ پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ یا شہر۔ مدینہ کے مسلمانوں کے دشمن بھی مشرک تھے۔

جن کی مدد یہودی کر رہے تھے اور پاکستان کے دشمن بھی مشرک ہیں۔ جن کی مدد یہودی کر رہے ہیں۔"

"اس وقت بھی پہلی جنگ میں مسلمانوں کو بدر میں فتح ہوئی ی اور ادھر بھی 1965 کی جنگ میں مسلمانوں کی فتح ہوئی ی۔ ادھر بھی احد کی جنگ میں اپنوں کی غلطی سے شکست ہوئی ی۔ ادھر بھی 1971 میں اپنوں کی غلطیوں سے شکست ہوئی ی۔"

"ادھر بھی خندق کی محدود سی جنگ ہوئی ی اور ادھر بھی کارگل کی محدود سی جنگ ہوئی ی۔ اُدھر چوتھی جنگ میں مکہ فتح ہوا تھا۔ اِدھر بھی چوتھی جنگ میں انڈیا فتح ہو گا۔ ادھر بھی فتح مکہ کے بعد مسلمان بیت المقدس تک پہنچے تھے۔ ادھر بھی مسلمان انڈیا فتح کر کے بیت المقدس تک پہنچیں گے۔ ان شاء اللہ۔"

"بیٹا عمر یہ سب اتفاق نہیں ہے۔ یہ سب میرے رب کا نظام ہے۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم آج بھی رہبری کر رہے ہیں۔ ان کی جو فرقہ پرستی چھوڑ کر قرآن و سنت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اہل شعور خوب سمجھ رہے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ ایسے ہی تو نہیں کہتے نا کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم قیامت تک کے نبی ہیں۔"

"وہ واقعی ہی قیامت تک کے نبی ہیں اور وہ رہبری کرتے رہیں گے۔"

عمر گم صم ہو کر یہ سب ہوشربا انکشافات سن رہا تھا۔ جو اس کے ذہن سے کوسوں دور تھے۔ عمر نے وفورِ جذبات سے مغلوب ہو کر بابا کے ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا اور کہنے لگا۔

”بابا آج جتنے راز ہیں اس بارے میں وہ سب کھول دیں۔“ بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے بیٹے جو مجھے پتہ ہے میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔“ تھوڑی دیر بابا سوچ میں مبتلا رہے اور پھر کہنے لگے۔

”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ آپ محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب کالے جھنڈے مشرق سے نکلیں گے تو ان کو کوئی چیز نہیں روک سکے گی۔ حتیٰ کہ وہ ایلیا (بیت المقدس میں ایک جگہ کا نام) میں نصب کر دیے جائیں گے۔“ (مسند احمد, 8760, ترمذی 2269)
بابا خاموش ہوئے اور عمر کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔

”دریائے سندھ سے دریائے آمو (افغانستان) کے درمیان کا علاقہ اور ایران کے سرحد کے علاقے ان سب کو ملا کر خراسان کہا جاتا تھا اور اس حدیث کا مطلب ہے۔ یہاں سے ایک لشکر نکلے گا جو اپنی راہ میں آنے والے سارے علاقے فتح کرتا ہوا بیت المقدس تک جا پہنچے گا۔“

”ہلال ابن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے شیر خدا حضرت علیؓ کو یہ فرماتے سنا کہ ”ایک شخص ماوراء النہر سے چلے گا۔ اسے حارث حراث کہا جاتا ہو گا۔ اسکے لشکر کے اگلے حصہ پر مامور شخص کا نام منصور ہو گا جو آلِ محمد کے لیے (خلافت کے مسئلہ میں) میں راہ ہموار کرے گا اور مضبوط کرے گا۔ جیسے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کو قریش نے ٹھکانہ دیا تھا۔ سو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس لشکر کی مدد کرے اور اس (امیر) کی اطاعت کرے۔“ (ابو داؤد, 4290) عمر نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ ماوراء النہر کونسی جگہ ہے؟“

بابا: "ماوراء النھر جسے

Transoxiana

بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے جو دریائے آمو اور دریائے سیر کے درمیان یا آس پاس موجود ہے۔ اس علاقے میں افغانستان, ازبکستان, کرغزستان, قازقستان کے علاقے شامل ہیں۔ ان دو دریاؤں کی وجہ سے ہی اس علاقے کو ماوراء النھر کا نام دیا گیا تھا۔ یہ ساری حدیثیں غزوۃ الہند کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔"

"ایک اور حدیث حضرت ثوبانؓ جو کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان سے روایت ہے آپ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: "جب تم دیکھو کالے جھنڈے خراسان کی طرف سے آئے ہیں تو ان میں شامل ہو جانا کیونکہ ان میں اللہ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔" (مسند احمد جلد 5 صفحہ 277, کنزالعمال 264/14, مشکوۃ شریف فصل ثانی)

"عمر بیٹا قرآن و حدیث اشارات میں بتاتے ہیں۔ اب اس حدیث کے دو مطلب ہیں کہ یا تو امام مہدی بذات خود ان میں شامل ہوں گے۔ جن کی پہچان مکہ میں حج کے موقع پر ہو گی۔ جہاں ان کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی یا پھر یہ لشکر ان سے جا ملے گا۔"

عمر بھول چکا تھا وہ کہاں بیٹھا ہے؟ ایسے ایسے راز تھے جو عمر کو مبہوت کیے جا رہے تھے۔

مبہوت ہو کر ہی عمر نے بابا سے پوچھا۔

”کیا ایسی کوئی ی جماعت تیار ہو رہی ہے؟ کیا ایسا ہو رہا ہے؟“ بابا نے دیوار سے ٹیک لگائی ی اور ہوا میں کسی غیر مرئی ی نقطے کو گھورتے ہوئی ے کہنے لگے۔

”یہاں پھر ہم حدیث سے رہنمائی ی لیتے ہیں کیونکہ انسان غلط ہو سکتا ہے مگر حدیث نہیں۔ آپ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

”جب تک آسمان سے بارش برستی رہے گی۔ تب تک جہاد تر و تازہ رہے گا اور لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جب ان کے علماء یہ کہیں گے کہ یہ جہاد کا زمانہ نہیں ہے۔ لہٰذا ایسا دور جس کو ملے تو وہ ”جہاد کا بہترین زمانہ“ ہو گا۔“

”صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا کوئی ایسا کہہ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ”ہاں وہ جس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت ہو! یہی لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔“ (السنن الواردۃ فی الفتن ج:۳ص:۷۵۱، کنز العمال۔)

”ایک اور جگہ ایک روایت ہے ”میری امت سے ایک گروہ قیامت تک ہمیشہ حق کے لئے لڑتا اور غالب رہے گا۔ آخر عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے اس (گروہ) کے امیر ان سے کہیں گے۔ ”آیئے ہماری امامت کیجئے“ تو وہ کہیں گے۔ ”نہیں اللہ نے اس امت کو یہ شرف بخشا ہے کہ تم ہی آپس میں ایک دوسرے کے امیر ہو“۔ (صیحیح مسلم, ابو داؤ د, ومسند احمد ،بروایت عن جابر بن عبد اللہ ؓ۔)

”اب اگر تم دیکھو آج ک ئی ی ایسے علما کی شکل اختیار ک ئی ے لوگ ملیں گے جو یہ کہتے ہیں نظر آئی یں گے کہ اب جہاد کا دور نہیں رہا۔ حالانکہ مسلمانوں کی ذلت و پستی کی وجہ ہی

جہاد چھوڑ دینا ہے جبکہ آپ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جب میری امت جہاد چھوڑ دے گی تو ذلیل و رسوا ہو جائے گی۔ وہی ہو رہا ہے۔“

”اب دوسری طرف دیکھو کہ ایک جماعت جہاد کرتی رہے گی اور غالب رہے گی۔ جس کو کوئی شکست نہیں دے سکے گا۔ اب ذرا نظر دوڑاؤ اپنے آس پاس۔ ایسی کون سی جماعت ہے جو لڑ رہی اور ناقابل شکست ثابت ہوئی ہے؟“ بابا نے عمر سے سوال کرتے ہوئے کہا۔ عمر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”افغان طالبان“ بابا نے سر جھکا کر کہا۔

”ہم صرف قرآن و سنت کو دیکھتے ہیں۔ جو اس کے مطابق ہے وہ درست جو نہیں ہے وہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ محمد کی آیت نمبر 38 میں فرماتے ہیں کہ اگر تم منہ پھیرو گے اللہ کے راستے میں جہاد سے دین سے تو میں تم سے یہ نعمت چھین لوں گا اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آؤں گا جو اس کو سنبھالیں گے۔“

”عمر بیٹا یاد رکھنا۔ اللہ کا یہ دین اسلام ہمارا محتاج نہیں ہے۔ اللہ چاہے تو ابابیلوں سے اپنے دین کو بچانے کا کام لے سکتا ہے۔ دعا کیا کرو کہ اللہ مجھے اور میری اولاد کو دین اسلام کی سربلندی کے لیے قبول فرما لے ورنہ اللہ کا دین تو قائم رہے گا۔ ہم محروم ہو جائیں گے۔ اب توجہ سے سنو۔“

”یہ ساری دنیا حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں کی اولاد ہے۔ حضرت سام، حضرت یافث اور حضرت حام علیہ السلام۔“

”اسلام کو دو بار عروج ملا ہے۔ پہلی بار عروج اسلام کو عربوں نے دیا اور ایک ہزار سال تک دین اسلام کی سربلندی کی نعمت ان عربوں کے پاس رہی۔ جو حضرت سام علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے پھر عربوں نے اس نعمت کی بے قدری کی تو ان پر زوال آگیا اور اللہ نے ان سے یہ نعمت چھین کر ترکوں کے حوالے کر دی۔“

”جنہوں نے اسلام کا پرچم سربلند کیے رکھا۔ جس میں ارطغرل غازی جیسے حکمران آئی ے۔ ترک جو کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حضرت یافث علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے تقریباً نو سو سال اسلام کا جھنڈا سر بلند رکھا۔ جب انہوں نے بھی بے قدری کی تو خلافت عثمانیہ ٹوٹ گ ئی ی اور یہ نعمت اب حضرت نوح علیہ السلام کے تیسرے بیٹے حضرت حام کو منتقل ہو چکی ہے اور اسلام کا جھنڈا اب سربلند ہو تا چلا جائی ے گا۔ اس کو سربلند کرنے والے پاکستان, افغانستان, قازقستان, ازبکستان, کرغزستان, ترکمانستان, تاجکستان اور ایران کے لوگ ہوں گے۔“

”یہ سارا میدان اسی طرح سج رہا ہے۔ جیسے مکہ, مدینہ, طائف, یمن وغیرہ کے لوگوں کے ذریعے اسلام کے پرچم کو پہلی صدی میں سربلند کیا گیا تھا اور دوسری بار ترکی, شام, عراق وغیرہ کے لوگوں کے ذریعے دوسری صدی میں پرچم اسلام کو سربلند رکھا گیا تھا۔ سن 2000 سے تیسری صدی شروع ہو چکی ہے اور اب اس پرچم کو حضرت نوح علیہ السلام کے تیسرے اور آخری مسلمان بیٹے حضرت حام علیہ السلام کی اولاد سنبھالنے جا رہی ہے۔ اب یہ پرچم اسلام پوری

دنیا پر لہرا کر رہے گا کیونکہ اس کو سربلند کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ امام مہدی اور حضرت علیہ السلام کو بھیجیں گے اور یہ آخری بار اسلام کا عروج ہو گا۔"

" ایسا عروج ہو گا کہ کفر مٹ جائے گا۔ پوری دنیا پر اسلام چھا جائے گا۔ اس کے بعد پھر اگر لوگ گناہوں کی طرف مائل ہوئے اور اسلام کو چھوڑا تو پھر کوئی نئی لہر عروج کی نہیں اٹھے گی۔ پھر بس قیامت آئے گی۔" بابا بولتے بولتے تھک کر خاموش ہو گئے اور اپنے پاس پڑے ڈھانپے مٹی کا گلاس اٹھایا اور پانی پینے لگے۔

عمر ایسا گم صم ہوا ان باتوں میں کہ وہ بس خالی خالی نظروں سے بابا کے نورانی اور باریش چہرے کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کا ذہن تمام سوچوں سے خالی ہو چکا تھا۔

عمر: "بابا لیکن یہ سب ہو گا کیسے؟ پاکستان کی عوام تو طالبان کو دہشت گرد اور ظالم سمجھتی ہے۔ باقی تمام وسطی ایشیا کی ریاستیں جیسے کہ تاجکستان وغیرہ ان کا قابل ذکر کوئی کردار نہیں سامنے آیا ابھی تک' تو یہ سب کیسے ہو گا؟"

بابا نے مسکراتے ہوئے عمر کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"ایسا ہونا شروع ہو چکا ہے۔" عمر نے تعجت سے بابا کو دیکھا حیرانگی سے پوچھا۔

"کیا مطلب کیا ہونا شروع ہو چکا ہے؟ کیا ہوا ہے؟"

بابا نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

”ایک غریب گھرانہ میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ اس نے حقانیہ مدرسہ خیبر پختونخواہ سے تعلیم حاصل کی اور روس کے خلاف افغانستان میں جہاد کرنے لگا۔ روس کے ٹکڑے ہو گئے تو افغانستان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ مختلف قبائل آپس میں قتل و غارت کرنے لگے۔“

”اس جوان کو بڑا دکھ ہوا کہ ہم نے اس لیے تو روس سے جہاد نہیں کیا تھا کہ یہاں خانہ جنگی شروع ہو جائے۔ اس نے ایک چھوٹی سی کچی مسجد میں اپنے دوست طالب علموں کے سامنے اپنا دکھ بیان کیا اور خواہش ظاہر کی کہ کاش کہ وہ اس خانہ جنگی کو روک کر اسلامی نظام لا سکے۔ اس کے دوستوں نے اسے اپنی مدد کا یقین دلایا۔ یوں طالب علموں کا ایک گروپ بن گیا۔“

”روس کا چھوڑا اسلحہ وافر مقدار میں دستیاب تھا۔ ان طالب علموں نے ہتھیار اٹھا لیے اور ایک ایک کر کے خانہ جنگی کرنے والوں سے لڑ پڑے۔ ان کی نیت نیک اور صاف تھی۔ اس لیے لوگوں نے نہ صرف انہیں خوشدلی سے ویلکم کیا بلکہ ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ ایک چھوٹا سا طالب علموں کا گروپ' ایک چھوٹی سی فوج بن گیا۔ جن گروپس نے صلح کر لی۔ انہیں اس فوج میں شامل کر لیا گیا۔ جو نہ مانے ان کو تلوار کے زور سے زیر کر لیا گیا۔ یوں رفتہ رفتہ 1996 میں اس فوج جس کی بنیاد مدرسے کے طالب علموں نے رکھی تھی۔ طالبان کہلانے لگی۔ جد نے پورے افغانستان پر اسلامی اقتدار نافذ کر دیا اور خلافت کی طرز پر حکمرانی کرنے لگے۔“

”میں خود افغانستان کے کئی افراد سے مل چکا ہوں۔ ان کا کہنا تھا طالبان کا دور بہترین دور تھا۔ یہ خلافت کی طرز پر قائم حکومت دیکھ کر اسلام دشمن قوتیں بوکھلا گئیں کہ اگر یہ حکومت مضبوط ہو گئی تو یہ نظام حکومت اپنے آس پاس کے ملکوں جن میں پاکستان

بھی شامل ہے کو لپیٹ میں لے لے گا۔ مغرب کو شدید خطرہ لاحق ہو جائی ے گا۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور اسامہ بن لادن کا بہانہ بنا کر امریکہ ساری دنیا کو ساتھ لیے افغانستان پر چڑھ دوڑا۔"

"ساتھ ہی سارے دجالی میڈیا نے ان کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ ان کے ظلم کی جھوٹی کہانیاں پھیلائی ی گ ئی یں۔ تحریک طالبان پاکستان جیسے دشمن گروپس کے ذریعے انہیں بدنام کیا گیا لیکن یہ اپنی جنگ لڑتے رہے یہاں تک کہ اب امریکا بھی ان کے آگے بے بس ہو چکا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ مدرسے کے پڑھے لوگوں نے جدید ٹیکنالوجی سے لیس دو بڑی سپر پاورز کو شکست سے دوچار کر دیا ہے۔"

"حکومت پاکستان اور پاکستان آرمی طالبان کے بہت قریب آچکی ہے۔ دونوں کے مفاد ایک ہوتے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی طالبان پاکستان آ رہے ہیں اور کبھی پاکستانی قیادت طالبان قیادت سے ملنے جا رہی ہے۔ امریکا پاکستان کی منتیں کر رہا ہے کہ باعزت طریقے سے امریکا کو افغانستان سے نکالا جائی ے۔ انڈیا اور افغانستان حکومت میں گہرے مراسم قائی م ہو چکے تھے۔ انڈیا افغانستان میں بے پناہ سرمایہ لگا چکا تھا اور وہاں سے پاکستان کے خلاف کاروائی یاں کر رہا تھا مگر طالبان کی فتح سے اس کے سارے خواب ملیامیٹ ہو چکے ہیں۔ وہ بلبلا رہا ہے۔"

"ابھی جو خوشی میرے چہرے سے جھلک رہی ہے۔ وہ اسی وجہ سے ہے کہ ایک بہت اچھی خبر ملی ہے۔ اس ہفتے 13 ستمبر کو امریکا اور طالبان کے درمیان مذاکرات تھے۔ اس سے پہلے مذاکرات کے آغاز میں 8 جولائی 2019ء کو "روڈ میپ" لکھا گیا، تو امریکا اور طالبان نے اس کے آغاز میں تحریر کیا کہ

"Both Groups Agree To Institutionalizing Islamic System For The Implementation Of The Comprehensive Peace"

”یعنی امریکا بھی مان رہا ہے کہ جی ٹھیک ہے۔ آپ لے آؤ اسلامی نظام۔ طالبان نے کہا تھا کہ وہ دو شرطوں پر مذاکرات کریں گے۔“

”ایک تو ان کے قیدیوں کو رہا کیا جائے اور دوسری امریکا کا ایک بھی فوجی افغانستان میں نظر نہ آئے۔“

”ان کی یہ دونوں بات مان لی گئیں اور مذاکرات کا وہ مرحلہ وہاں ختم ہو گیا تھا۔ کابل حکومت طالبان قیدیوں کے رہا کرنے پر راضی نہیں تھی لیکن امریکا کی اس کٹھ پتلی حکومت کی اپنے مالک امریکا کے آگے کچھ نہ چل سکی۔ جس کی وجہ سے انہیں طالبان قیدی چھوڑنے پڑے۔ بھارت بھی اس معاملے پر امریکا سے بہت ناراض دکھائی دیا۔ اس نے احتجاج بھی کیا لیکن امریکا اپنا مزید نقصان برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس نے پرواہ نہ کی ایک ہفتہ پہلے مذاکرات کا اگلا مرحلا شروع ہوا۔“

”امریکی افواج کا انخلا شروع ہو چکا تھا، مگر قیدیوں کے تبادلے میں رکاوٹیں شروع کر دی گئیں۔ ادھر جنگ جاری رہی، قیدی رہا ہوتے رہے اور آخر کا ستمبر 2020ء کا مہینہ آ گیا۔ افغان حکومت کے پاس اب صرف چھ اہم طالبان رہ گئے۔ جن کے بارے میں آسٹریلیا، فرانس یہاں تک کہ امریکی پینٹاگون کے بھی کچھ حلقے دباؤ ڈال رہے تھے کہ انہیں رہا نہ کیا جائے۔“

”دونوں گروپ مذاکرات کے لئے قطر میں موجود تھے، لیکن گفتگو شروع نہیں ہو پا رہی تھی۔ طالبان کا مطالبہ تھا کہ ان چھ قیدیوں کی رہائی کے بغیر ہم مذاکرات کی میز پر نہیں آئیں گے۔ کئی دن کی گفت و شنید کے بعد وہ عالمی طاقتیں جو اس غرور میں تھیں کہ ہم بہت طاقتور ہیں، خاموشی سے سر جھکائے کھڑی تھیں اور دوحا کے ہوائی اڈے سے ایک چھوٹا سا طیارہ ان چھ طالبان کو لانے کے لئے پرواز کر چکا تھا۔ بگرام جیل سے باہر نکلنے کے بعد ان چھ طالبان سے درخواست کی گئی کہ آپ اپنے حلیے تھوڑے درست کر لیں اور نیا لباس جو ہم لائے ہیں۔ وہ زیب تن کر لیں، تا کہ انہیں دنیا کے سامنے بہتر بنا کر اس لئے پیش کیا جائے کہ لوگ ان کے چہروں سے جیل کو صعوبتیں نہ پہچان سکیں۔“

”جہاز میں جتنی تعداد طالبان کی تھی اتنی ہی تعداد میں صحافیوں کو بھی بٹھایا گیا تھا تا کہ وہ فوراًان کی رہائی کی تصدیق کر دیں اور مذاکرات شروع ہوں۔ ادھر جہاز روانہ ہوا اور دوسری جانب مذاکرات کا آغاز۔“

” ان رہائی پانے والے چھ طالبان لیڈروں کو کرونا وائرس کی وجہ سے احتیاطاً قطر کے ایک گھر میں علیحدہ رکھا گیا۔“

”ان مذاکرات میں بھارت کے وزیر خارجہ سبرامنیم جے شنکر نے کہا۔ یہ مذاکرات افغانستان میں انسانی حقوق، جمہوریت، اقلیتوں، عورتوں اور محروموں کے معاملات پر غور کرے اور افغانستان میں شدت پسندی کے بارے میں بھی سوچے۔ یہاں بھارتی وزیر خارجہ نے حسرت اور اپنی سرمایہ کاری کا رونا روتے ہوئ ے کہا۔“

”افغانستان کی سرزمین کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں ہمارے چار سو ترقیاتی منصوبے پر کام نہ ہوا ہو۔“ یہ بات کہہ کر بابا مسکرانے لگے اور کہنے لگے۔

” بھارت ہر جگہ پٹ گیا۔ اس کی چاہ بہار بندرگاہ بھی طالبان کی فتح کے ساتھ ڈوب گئی۔“ پاکستان کے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی نے کہا۔

”افغانوں کو بغیر کسی بیرونی دباو کے اپنے فیصلے خود کرنے چاہئیں اور انہیں اپنی قسمت کا خود مالک ہونا چاہیے۔‘ اس کا مطلب یہ تھا کہ افغان طالبان اپنی مرضی کریں اور کسی کی بات کو اہمیت نہ دیں۔ اس بیان سے پاکستان نے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ دل و جان سے طالبان کے ساتھ ہیں۔“

”اس مذاکرات میں بھارت, کابل حکومت اور ان کے دوسرے ہمنوا ایک ہی راگ الاپتے رہے کہ آئین جمہوریت اور حقوق نسواں کا یقین دلایا جائے مگر طالبان قیادت نے سر عام ان کے یہ مطالبات ٹھکراتے ہوئے کیا خوب کہا۔“

”جو کچھ ہو گا شریعت کی بالادستی اور نفاذ کے تحت ہو گا۔ خواہ وہ عورتوں یا اقلیتوں کے حقوق ہوں یا اقتدار کا طریقِ کار۔ انہوں نے کہا، "ہم نے انیس سال نہ علاقے فتح کرنے کے لئے لڑائی کی اور نہ ہی قومی آزادی کے لئے، ہم نے تو صرف اور صرف اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کے نفاذ کے لئے لڑائی کی ہے۔ اگر یہ قبول نہیں تو ہم واپس جنگ کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔“

”ان کے دوٹوک جواب سے سب کے منہ بند ہو گئے۔ اور امریکا ان کی ہر بات ماننے پر مجبور ہو گیا۔“

”جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں سینٹر برائے ساؤتھ ایشین سٹڈیز کے پروفیسر سنجے کے بھاردواج کا کہنا ہے۔ ”طالبان ہمیشہ سے ہی اسلامی قانون کے نفاذ کے حق میں رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جنگ بندی پر راضی ہوں لیکن جمہوری آئینی حکومت کے لیے ان کا تیار ہونا مشکل ہے۔ ایسی صورتحال میں دونوں ممالک کے باہمی تعاون پر اثر پڑے گا اور ساتھ ہی ساتھ انڈیا کی سلامتی کو بھی خطرہ لاحق ہو گا۔“ اور واقعی اب انڈیا کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو چکا ہے۔“ بابا خاموش ہو کر پھر پانی پینے لگے اور پانی پی کر خاموشی سے عمر کو دیکھنے لگے۔

عمر نے بے تاب ہو کر بابا سے کہا۔

”بابا آگے بتائیں نا کیا ہو گا؟“ عمر کا جواب دینے کی بجائے بابا نے کہا۔

”پتہ ہے طالبان نے اپنی گفتگو کا آغاز کس طرح کیا تھا؟“ عمر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ بابا بتانے لگے کہ انہوں نے اس ایک آیت سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا“ (النساء,59)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ اختیار ہوں، اُن کی بھی۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے۔“

"معلوم ہے اس آیت کو پڑھ کر انہوں نے دنیا کو کیا بتانے کی کوشش کی ہے؟" بابا نے عمر سے پوچھا۔ عمر نے پھر سر نفی میں ہلا دیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا کتنا نالائق ہوں میں۔ بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس آیت کے ذریعے انہوں نے بتایا ہے کہ ان کا نظام حکومت کیسا ہو گا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہاں بیٹھے لوگوں میں شاید ہی کوئی اس بات کو سمجھا ہو۔ ان کے لیے تو یہ شاید ایک روٹین کی تلاوت ہو مگر طالبان نے اس آیت کے ذریعے اپنا پیغام دیا ہے اور اپنی طرز حکومت کے بارے میں بتایا ہے۔ اس آیت سے پہلی آیت میں انتظامیہ اور عدلیہ کے ذکر کے بعد اب دوسری آیت میں مقننہ کا ذکر ہے کہ قانون سازی کے اصول کیا ہوں گے؟"

"اس کا مطلب ہے کوئی بھی قانون اللہ اور اس کے رسول کی منشا کے خلاف نہیں بنایا جا سکتا۔ انہی قوانین کو اپنایا جائے گا جو أَطِيعُواْ اللَّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ کے زمرے میں آئیں گے۔"
بابا خاموش ہو گئے اور عمر کو بھی چپ لگ گئی اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ اس نے بابا کو کچھ زیادہ ہی تکلیف دے دی شاید بابا نے بھی اس کے دل کی بات کو جان لیا تھا اسی لیے مسکراتے ہوئے شگفتگی سے بولے۔

"جو پوچھنا چاہو پوچھ سکتے ہو۔"

عمر: "بابا اب آگے کا ہو گا؟"

بابا: "اب افغانستان میں ایک اسلامی حکومت ابھرے گی اور طاقتور سے طاقتور ہوتی جائے گی۔ اس نظام کی قوت اور تاثیر کا اثر قریبی اسلامی ممالک پر پڑے گا۔ یوں یہ ایک دوسرے

سے جڑتے چلے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے پاکستان کی عوام یہی اسلامی نظام لانے کا مطالبہ کر دے اور انقلاب آ جائے یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کوئی ایسا لیڈر آ جائے جو پاکستان میں بھی اسلامی اور خلافت راشدہ والے قوانین لاگو کر دے۔"

"یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ واللہ اعلم یہ اب اندازے ہی لگائے جاسکتے ہیں مگر اتنا ضرور پتہ ہے کہ ایک مضبوط اسلامی بلاک بننے کا کام شروع ہو چکا ہے اور اگلے چند سالوں میں بہت بڑی تبدیلیاں آنے والی ہیں۔ جو غزوۃ الہند ہو گا اس میں پاکستان نے لیڈنگ رول ادا کرنا ہے اگر آج حکومت کشمیر میں جہاد کا اعلان کر دے اور عوام کو اجازت دے دے تو نہ جانے کتنے سر فروش سر سے کفن باندھ کر نکل کھڑے ہوں گے۔"

"اسی طرح جب جنگ کا میدان گرم ہو گا تو افغانستان اور وسطی ایشیا سے بھی مسلمان آ پہنچیں گے۔ جیسے روس کے خلاف پاکستان سے مجاہد افغانستان پہنچ گئے تھے۔ اب اللہ بہتر جانتا ہے کیا ہو گا۔ کیسے ہو گا۔ ہم تو اندازے ہی لگا سکتے ہیں لیکن جو احادیث کے الفاظ ہیں وہ تو پورے ہو کر ہی رہیں گے۔"

عمر: "تو بابا ایک عام مسلمان کو کیا کرنا چاہیے۔"

بابا: "وہی جو فتنوں کے دور آپ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ الگ ہو جائے جو جتنا دنیا سے دور ہو۔ اتنا بہتر ہے۔ مطلب میڈیا خاص طور پر پاکستانی میڈیا کی خبریں نہ دیکھے۔ سیاسی پارٹیوں وغیرہ کے لیے اپنی جان نہ مارے. کسی کو برا نہ کہے۔ کسی پر تنقید نہ کرے۔ آج کچھ پتہ نہیں کون ٹھیک ہے۔ کون غلط اس لیے بس شریعت پر عمل کرے۔"

"کتاب وسنت رسول پر عمل کرے۔ باقی سب چیزیں چھوڑ دے اور اپنے آپ کو جہاد کی نیت سے تیار کرے۔ کالے جھنڈے والوں کا انتظار کرے۔ اللہ بہتر جانتا ہے ان میں کون کون شامل ہوں گے۔ ان میں شامل ہونے والوں اور شہید ہونے والوں کو اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے افضل الشہداء کہا ہے اور اس لشکر کے ساتھ اللہ کی مدد و نصرت کا بتایا ہے تو بس خاموشی سے شریعت پر عمل کرے اور خود کو اور اپنی اولاد کو اس جہاد کے لیے تیار کرے۔ جو آگے آنے والا ہے۔ جتنا ہو سکے دوسروں کی مدد کرے۔ سیاست دانوں سے امیدیں نہ لگائے۔ مفہوم حدیث ہے وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا۔"

" جس نے جہاد میں حصہ نہ لیا ہو اور نہ کبھی جہاد میں شرکت کی خواہش رکھی ہو۔ بس یہی کام میں بھی کر رہا ہوں اور انتظار کر رہا ہوں وہ لشکر آئے اور میں شہید ہو جاؤں۔" بابا نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

عمر خاموشی سے بابا کی باتوں پر غور کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد بابا نے عمر کو جانے کا کہا کہ وقت کافی ہو چکا تھا۔

عمر نے مسجد سے باہر نکلتے ہوئے بابا کی آواز سنی جو لہک لہک کر چند اشعار پڑھ رہے تھے۔

شہید کا ہے ______ مقام کتنا

افق کے اس پار جا کے دیکھو

حیات تازہ کے ______ کیا مزے ہیں

ذرا یہ گردن ______ کٹا کے دیکھو

کسی کے دل پہ ____ گماں نہیں

نہ خبر ذرا چشم و گوش کو ہے

شہید پر جو ______ عنایتیں ہیں

کتاب و سنت اٹھا کے دیکھو

نکھر تا جائے گا ______ تن بدن

اور جمال آئے گا خال و خط پہ

بڑھے گا ____ حسن و جمال کتنا

ذرا لہو میں _____ نہا کے دیکھو

************۔

یہ حسن فانی کی کیا طلب ہے

خدا کے عاشق بنو تو تب ہے

گلاب بن کر ___ مہک اٹھیں گے

جگر پہ یہ زخم کھا کے دیکھو

نہیں ہے ناداں کو کچھ خبر یہ

شعور والے ہی _____ جانتے ہیں

خدا کی جو ____ میز بانیاں ہیں

وفا کی رسمیں نبھا کے دیکھو

غرور تم کو ______ نہیں ہے زیبا

اسے نہ اوڑھو خدا کا حق ہے

ملیں گے عظمت کے تاج کیا کیا

ذرا سا خود کو مٹا کے دیکھو

خدیجہ اشعار پڑھ رہی تھی اور عائزہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔ پھر خدیجہ کہنے لگی۔

”یہ ایک نظم ہے جو میرے بابا بچپن میں مجھے سنایا کرتا تھے۔ مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔ اس کے اشعار ابھی تک مجھے یاد ہیں۔“

ایک ہال نما کمرے میں گہری خاموشی چھائی تھی۔ وہاں موجود افراد آنکھیں بند کیے عجیب سی دعا کرنے میں مشغول تھے جیسے کسی کو خراج تحسین پیش کر رہے ہوں۔

چند لمحوں بعد یہ خاموشی میز کے سرے پر کھڑے ایک کالے رنگ کا لمبا چغہ پہنے اور سر پر ایک کالی ٹوپی لیے شخص کی آواز سے ٹوٹی جو کہ یہاں موجود سب یہودی لیڈر شپ کا ربی تھا۔

"ہم سے ہمارا ایک پیارا دوست جیکب ہم سے بچھڑ چکا ہے۔ اسکی قربانی رائیگاں نہیں جائی گی۔ اس ایک کے بدلے ہم ہزاروں کا خون بہائیں گا اور غیر یہود کا ناپاک خون بہانا ہمارے لیے اجر و ثواب کا بھی باعث ہے"۔"

ہال میں موجود دس کے قریب افراد نے تائید میں آوازیں نکال کر اپنے عزم کا اظہار کیا۔ اپنے سامنے موجود شراب کے جام اٹھا کر ہوا میں بلند کیے اور سب نے ایک آواز میں کہا۔

"فار جیکب آور ہیرو" اس کے ساتھ ہی سب نے کرسیاں سنبھالیں اور بیٹھ گئے۔

"جیکب میری ٹیم کا سب سے ہونہار اور قابل ایجنٹ تھا۔ وہ آج تک کسی مشن سے ناکام نہیں لوٹا تھا۔" ایک ادھیڑ عمر شخص نے کہا جس کے سر کی دونوں اطراف میں چند ہی بال بچے تھے۔

"کیا ہمیں کچھ پتہ چل سکا ہے ایسا کس نے کیا ہے؟" ایک بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس شخص نے پوچھا۔

”اس معاملے میں ہم اندھیرے میں ہی ہیں۔ سوائے ایک خولہ نامی لڑکی کے اور کسی بات کا ہم ابھی تک پتہ نہیں چلا سکے۔ اس معاملے میں ہم نے معزز ربی سے درخواست کی تھی اب شاید وہ ہی کچھ بتا سکیں۔“ اسی ادھیڑ عمر شخص نے کہا جسکا نام شمعون تھا۔

اس کی بات مکمل ہوتے ہی سب کی سوالیہ اور تجسس بھری نگاہیں ربی کی جانب اٹھ گئیں۔

”میں نے اپنے خصوصی ’علم‘ سے پتہ چلانے کی کوشش کی ہے اور سراغ مل گیا ہے۔“ ربی کی بات مکمل ہوتے ہی وہاں تحسین و داد کے لیے ٹیبل پر سب نے ہاتھ مار کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ وہ پوری توجہ سے ربی کی طرف دیکھنے لگے۔

”میرے حساب سے جو بات سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک کوئی گروپ ہے۔ جس کی سربراہی ایک شخص کر رہا ہے اور اس نے بہت سے روپ دھارے ہوئے ہیں. اسے کسی ایک روپ کو پہچاننا مشکل ہے اس مشکل کے حل کے لیے میں نے مزید "حساب" کیا تو ایک بات سامنے آئی کہ اگر اس لڑکی خولہ اور اس خولہ سے جڑے دو تین افراد کو کوور کر لیا جائے تو اس شخص تک پہنچا جا سکتا ہے۔ میرے علم نے بتایا کہ ہم اس کوشش میں کامیاب ہو جائیں گے۔“ ربی نے مسکراتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

اس کی بات سن کر سب نے ایک بار پھر ٹیبل بجا کر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔

”اس مشن میں چونکہ میری ٹیم کے ایک جانباز کو بڑی بے دردی سے مارا گیا ہے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق جیکب کی پچیس بڑی ہڈیاں ٹوٹی ہوئیں تھی اور اس کی موت ناقابل برداشت درد اور اذیت کی وجہ سے ہوئی ہے۔“

"میں چاہتا ہوں اس کے قاتل کو اس سے دوگنی تکلیف و اذیت میں موت آئے۔ اس لیے میں معزز ممبران سے اپیل کرتا ہوں کہ اس مشن کو مجھے مکمل کرنے دیا جائے۔" شمعون نے جذباتی ہو کر کہا۔

"یہ مشن کسی کا ذاتی مشن نہیں ہے۔ اس لیے بے شک سربراہی تم ہی کرو لیکن یہاں بیٹھے سبھی ذیلی تنظیموں کے لیڈرز تمہاری مدد کریں گے۔" ربی نے شمعون کو مخاطب کر کے کہا۔

سب نے شمعون کی طرف دیکھ کر سر تھوڑے جھکا کر اسے اپنی پوری حمایت اور مدد کی یقین دہانی کروائی۔

"اب تم میرے ساتھ آؤ' آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں کچھ ڈسکس کر لیں۔" ربی نے اٹھتے ہوئے شمعون سے کہا۔ نہ صرف شمعون بلکہ تمام افراد ربی کو عزت دینے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

شمعون باہر نکلتے ربی کے پیچھے چلنے لگا۔

۔*************۔

خولہ اور ضرار کی خوش قسمتی تھی کہ زیرو پوائنٹ پر پہنچتے ہی انہوں نے دیکھا بابا کہیں باہر جانے کے لیے پورچ سے نکل رہے تھے۔

ان دونوں کو دیکھ کر وہ ٹھٹک کر کار کے دروازے کے پاس ہی کھڑے ہو گئے اور سوالیہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھنے لگے۔

"بابا پلیز ہم سے نہیں رہا جا رہا۔ ہم سے بھی کوئی کام لے لیں۔" قریب پہنچتے ہی خولہ نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ کام نہیں ہو رہا؟" بابا نے چبھتے لہجے میں سوال کیا۔

"نہیں بابا ہمیں پتہ ہے کہ کام ہو رہا ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ہم سے بھی کوئی کام لیا جائے۔ اگر آپ خولہ کی وجہ سے نہیں دے رہے تو اس کو رہنے دیں۔ مجھ سے تو لے لیں۔" خولہ کی بجائے ضرار نے بابا کو جواب دیا تو اس کے جواب پر خولہ نے گھور کر ضرار کو دیکھا۔ ضرار نے آنکھیں چرا لیں۔

"اندر چلے جاؤ۔ وہاں حیدر کام کر رہا ہے وہ تمہیں تمہارا کام سمجھا دے گا۔ مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تم لوگ چین سے بیٹھ ہی نہیں سکتے۔" بابا نے کہا اور کار کا دروازہ کھول کر کار میں بیٹھ گئے۔

"تھینک یو بابا جانی۔" دونوں نے خوشی سے سرشار ہو کر کہا اور تیز تیز قدموں سے اندر کی طرف بڑھنے لگے۔

*************۔

عمر باہر جاتے جاتے رکا اور پھر اشعار پڑھتے بابا کے سامنے جا کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"بابا جو معلومات آپ نے مجھے دی ہیں کیا میں انہیں آگے بتا سکتا ہوں؟"

"ظاہر ہے بیٹے یہ تو ایسی باتیں ایسی حقیقت ہے جو آج کے ہر مسلمان کو پتہ ہونی چاہیں۔" بابا نے جواب دیا۔

"بابا کیا میں اس لشکر میں شریک ہو سکوں گا؟" عمر نے حسرت آمیز لہجے میں پوچھا۔

”غیب کا علم تو صرف اللہ کی ذات پاک کے پاس ہے۔ لشکر میں شاید شریک ہو سکو یا نہ ہو سکو مگر مجھے لگتا ہے کہ تم اس لشکر کے دشمنوں سے ضرور ٹکراؤ گے۔“ بابا نے گہری نظروں سے عمر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یعنی میں یہودیوں سے ٹکراؤں گا مگر کب؟ کیسے؟“ عمر نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

”تمہارے ان سوالوں کا جواب نہیں ہے میرے پاس لیکن یہ میرا بس اندازہ تھا جو تمہیں بتا دیا۔“ بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مگر اس بات کا اندازہ آپ نے کیسے لگایا؟“ عمر نے استعجاب سے پوچھا۔ بابا نے شفقت سے عمر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”تیل دیکھو۔ تیل کی دھار دیکھو۔“

”جی بہتر بابا جی سمجھ گیا۔ مجھے اس کے لیے تھوڑا انتظار کرنا ہو گا۔“ عمر نے پرجوش ہو کر کہا اور سلام کر کے واپس ہو لیا۔

”میں اس ٹکراؤ کو جلد ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ میرے بچے۔“ عمر کے جانے کے بعد بابا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

عمر کے جانے کے بعد بابا نے حجرے کے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میرے پیارے دوست آ جاؤ۔“

حجرے کا دروازہ کھلا اور ایک شخصیت اندر آئی جو بابا کی طرح سفید باریش نورانی چہرے والی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا دو بابے اکٹھے ہو گئے ہوں۔

۔*****************۔

ماسٹر نے حیدر کی دو دن کی چھٹیوں کی کسر نکال دی تھی۔ جس کے نتیجے میں حیدر کو مغرب کے بعد اپنا جسم کا ہر ہر جوڑ الگ ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے انگ انگ پر کسی نے ڈنڈوں کی برسات کی ہو۔

"فریش ہو کر پندرہ منٹ میں میرے کمرے میں پہنچو۔" ماسٹر نے دن بھر کے تھکے ہارے حیدر کو نیا حکم دیتے ہوئے کہا۔

"پلیز ماسٹر بس اب ریسٹ کرنے دے دیں۔" حیدر نے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"نو مرسی۔" ماسٹر نے اطمینان سے کہا اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔

مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق پندرہ منٹ کے بعد حیدر تازہ دم ہو کر ماسٹر کے سامنے بیٹھا تھا۔

ماسٹر: "کیا تم اس قابل ہو کہ جو کچھ میں بتاؤں تم اچھی طرح سے سمجھ لو؟"

حیدر نے تن کر بیٹھتے ہوئے کہا: "جی ماسٹر۔"

ماسٹر: "دشمن سے لڑنے کے لیے تین طرح کی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے جسمانی, ذہنی اور روحانی۔ تمہارا سب سے بڑا دشمن کون ہے؟"

حیدر نے حیرت سے کہا: "جی ابھی تو کوئی نہیں ہے۔"

”غلط! ہر انسان جو یہ سوچ رکھتا ہو کہ اسکا کوئی دشمن نہیں وہ غلطی پر ہے۔ چاہے اس کا مذہب کوئی بھی ہو بطور مسلمان ہمیں ہر وقت دو دشمنوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ایک ہمارا نفس جو کہ غدار ہے اور دوسرا شیطان۔“

” نفس ہے تو ہمارا مگر ساتھی شیطان کا ہے۔ ان دونوں سے لڑنے کے لیے جسمانی, ذہنی اور روحانی تربیت ضروری ہے کیونکہ ان کے ساتھ انکے لشکر بھی ہوتے ہیں اور انکے مقابلے میں ہمارے پاس ہوتا ہے ہمارا دوست ایمان۔ اس ایمان کے بھی اپنے لشکر ہوتے ہیں۔ کیا تم ان کے خلاف یہ تینوں تربیتیں مکمل کر چکے ہو؟“ ماسٹر نے حیدر سے پوچھا۔

حیدر: ”جی ابھی لے رہا ہوں ان شاء اللہ جلد ہی مکمل ہو جائے گی۔“

ماسٹر: ”نہیں انکے خلاف تربیت مرنے تک چلتی رہتی ہے کیونکہ یہ دو ایسے دشمن ہیں جو وقت کے مطابق اپنی چالیں اور روپ بدلتے رہتے ہیں۔“

حیدر: ”جی بہتر“

ماسٹر: ” اگر تم کسی دوست کے گھر جاتے ہو اور اس کے گھر کے باہر پہنچتے ہی تمہیں دوست کا کتا نظر آتا ہے اور وہ بھونکتے ہوئے تم پر حملہ کرتا ہے تو تم کیا کرو گے؟“

حیدر: ”میں اسے مار کر بھگا دوں گا۔“

ماسٹر: ”تم نے بھگا دیا لیکن اگر پھر وہ حملہ کرے گا تو کیا کرو گے؟“

حیدر: ”میں پھر مار کر بھگا دوں گا۔“

ماسٹر: ”اگر وہ پھر آ گیا تو۔“

حیدر کنفیوز ہوتے ہوئے بولا: ”میں اس کو مار مار کر بھگا دوں گا۔“

ماسٹر: ”یہی غلط اپروچ ہے۔ کب تک اس کتے سے لڑتے رہو گے۔ کب تک بھگاتے رہو گے۔ اس موقع پر اصل کام جو کرنا ہے وہ بس ایک ہے کہ تم اس کتے کے مالک کو آواز دو وہ آئے گا تو کتا خود ہی پیچھا چھوڑ دے گا۔ بس اسی طرح کب تک نفس اور شیطان سے لڑتے رہو گے۔ اس لیے جب بھی ان سے مقابلہ درپیش ہو تو اللہ کو پکارو اور مسئلہ حل ہو جائے گا۔“ حیدر خاموشی سے یہ سب سن رہا تھا۔

ماسٹر: ”قرآن پڑھتے ہو؟“

حیدر: ”جی روز تلاوت کرتا ہوں۔“

ماسٹر: ”صرف تلاوت نہ کیا کرو‘ اس کے معنی اور مفہوم کو بھی سمجھا کرو۔ اب جیسے کہ ایک مثال دیتا ہوں سورت بقرہ کی آیت نمبر 26 ہے۔“

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ

”ہاں، اللہ اس سے ہر گز نہیں شرماتا کہ مچھر یا اس سے بھی حقیر تر کسی چیز کی تمثیلیں دے جو لوگ حق بات کو قبول کرنے والے ہیں، وہ انہی تمثیلوں کو دیکھ کر جان لیتے ہیں کہ یہ حق ہے جو ان کے رب ہی کی طرف سے آیا ہے، اور جو ماننے والے نہیں ہیں، وہ انہیں سن کر کہنے لگتے ہیں کہ ایسی تمثیلوں سے

اللہ کو کیا سروکار؟ اس طرح اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہ راست دکھا دیتا ہے اور گمراہی میں وہ انہی کو مبتلا کرتا ہے جو فاسق ہیں."

"سمجھ آگئی؟" ماسٹر نے پوچھا۔

حیدر: "جی آگئی۔"

ماسٹر: "کیا سمجھ آئی؟"

حیدر حیران ہوتے ہوئے بولا۔ "یہی کہ اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ مچھر یا اس سے بھی کم تر حقیر چیز کی مثال دے اور وہ اس ایک بات ہی کو گمراہی اور ہدایت کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔"

ماسٹر: "بے شک اللہ تعالیٰ قرآن کو بعض لوگوں کے ہدایت دیتے ہیں اور بعض کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ اس لیے جو منافق ہوتے ہیں وہ گمراہ ہو جاتے ہیں اور مسلمان ہدایت پاتے ہیں لیکن تم اب اس کی گہرائی میں جاؤ اور گہرائی جا کر اس کا تجزیہ کرو۔"

حیدر نے حیران و پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ "میں گہرائی میں کیسے جاؤں؟"

ماسٹر: "ان لفظوں پر غور کرو' اللہ تعالیٰ نے ایک مچھر کو انتہائی حقیر کہتے ہوئے اس کی مثال دی ہے اور اللہ کی دی ہوئی مثال کوئی عام بات نہیں ہوتی۔ چلو تم سب چھوڑو بس ایک لفظ مچھر کو ہی لے لو اور اس کے بارے میں جانو، تم مچھر کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

حیدر نے پھر حیران و پریشاں ہو کر کہا۔ "مچھر تو بس مچھر ہوتا ہے۔" ماسٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں مچھر بس ایک مچھر نہیں ہوتا۔ وہ ایک سرویئر، ایک سائنس دان، ایک سرجن، ایک کیمسٹ، ایک دنیاوی ذہانت سے لبریز چیز، ایک پلانر، ایک غوطہ خور، ایک مائکروبیالوجسٹ، ایک فزیسٹ، یہ سب ہوتا ہے۔ یہ ساری خوبیاں ایک مچھر میں پائی جاتی ہیں۔“

حیدر آنکھیں بے یقینی سے سانس روک کر ماسٹر کو دیکھنے لگا۔ سوچنے لگا کہ کیا ماسٹر کا دماغ چل گیا ہے جو منہ میں آرہا ہے کہی جارہا ہے اور حیران ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

”کچھ سمجھ نہیں ائی۔“

ماسٹر کھڑا ہو گیا اور کمپیوٹر آن کر کے حیدر کی طرف دیکھ کر ٹہلتے ہوئے کہنے لگا۔

”مچھروں کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ یہ خون چوستے اور اسی خون پر زندہ رہتے ہیں مگر یہ بالکل سچ نہیں ہے۔ اس لئے کہ تمام مچھر خون نہیں چوستے، صرف مادہ مچھر خون چوستے ہیں۔ مادہ مچھروں کو خون چوسنے کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کیونکہ ان کو انڈوں کے لیے ایسے مادوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کی انڈوں کی افزائش کے لیے ضروری ہیں۔ وہ خون اسی لیے چوستے ہیں تاکہ اپنی نسل جاری رکھ سکیں۔“

”سب سے پہلے ایک فزیسٹ کا رول ادا کرتے ہوئے ایک نر مچھر مادہ مچھر کو تلاش کرنے کے لئے اپنے اینٹینے سے ویوز اور سگنلز نشر کرتا ہے۔ یہ سگنلز مادہ مچھروں کے انٹینوں سے نکلنے والے سگنلز کو کیچ کرتا ہے۔ اسی طرح جیسے ایک ریڈار کام کرتے ہوئے دشمن جہازوں کو ٹریس کرتا ہے۔ نر مچھروں کے انٹینے

(Antenna)

مادہ مچھروں کے انٹینوں سے مختلف کام کرتے ہیں۔"

"نر مچھر کے ساتھ کچھ ایسے اضافی حصے ہوتے ہیں جو ہوا میں اڑتے ہوئے مادہ مچھر سے جفتی کے لئے اسے دبوچ لینے میں مدد دیتے ہیں۔ نر مچھر جھنڈ بنا کر اڑتے ہیں۔ جب ایک مادہ مچھر ان میں داخل ہوتا ہے تو نر مچھر اسے اڑتے اڑتے قابو کر لیتا ہے اور اسی دوران عمل جفتی واقع ہوتا ہے۔ جفتی کا وقت بہت مختصر ہوتا ہے اور نر مچھر بہت جلد واپس اپنے جنڈ سے جاملتا ہے۔"

"یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جس میں مادہ مچھر کو اپنے انڈوں کی نشوونما کے لئے خون کی ضرورت ہوتی ہے۔" حیدر حیران ہو کر یہ سب سن رہا تھا اور پوری توجہ ماسٹر پر مرکوز کیے بیٹھا تھا کہ کہیں کوئی لفظ سننے سے رہ نہ جائے۔

"اب اس مرحلے سے مادہ مچھر ایک سروئیر کی طرح کام کرتے ہوئے سروے شروع کر دیتی ہے۔ مادہ مچھر زمین کا ابتدائی جائزہ بڑی احتیاط سے لیتی ہے۔ جس کے لیے وہ اپنے پیٹ کے نیچے موجود نازک قدرتی آلہ یعنی ریسیپٹرز

(Receptors)

استعمال کرتی ہے۔"

”جونہی کوئی مناسب جگہ مل جاتی ہے۔ وہ اپنے انڈے وہاں موجود پانی پر جمع کرنے شروع کر دیتی ہے۔ بہترین مینجمنٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ انڈے جو لمبائی میں ایک ملی میٹر سے کم ہوتے ہیں۔ انہیں اکھٹا قطاروں میں یا ایک ایک کر کے قطار میں رکھ دیا جاتا ہے۔“

”اکھٹے رکھے ہوئے انڈوں میں بعض اوقات تقریباً تین تین سو انڈے ہوتے ہیں۔ اب یہاں سے کیمسٹری شروع ہو جاتی ہے۔ صاف ستھرے طریقے سے رکھے گئے یہ انڈے شیل میں موجود کیمیکلز کی وجہ سے جلد سیاہ پڑنے شروع ہو جاتے ہیں اور پھر دو گھنٹوں کے اندر اندر سیاہ لاروے باہر آجاتے ہیں۔ سیاہ رنگ انہیں دوسرے کیڑے مکوڑوں اور پرندوں کی نظروں سے بچائے رکھتا ہے۔ یہیں سے یعنی انتہائی بچپن سے ہی یہ سیلف ڈیفنس کا مظاہرہ کرتے ہوئے لاروے اپنی کھال کے رنگ اپنے ارد گرد کے ماحول کے مطابق تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ یہ ان کی حفاظت کرنے میں مدد دیتا ہے۔“

”انڈوں اور لاروے کے رنگ مختلف پیچیدہ کیمیائی عوامل کے ذریعے تبدیل ہوتے ہیں۔“
ماسٹر ٹہلتے ٹہلتے رکا اور کرسی پر بیٹھ کر کی بورڈ کا کوئی بٹن دبایا اور پروجیکٹر پر مائیکروسکوپک تصاویر کا سلائڈ شو چلنا شروع ہو گیا۔ جن میں اب تک کی بتائی گئی باتوں کے ثبوت تھے۔ حیدر حیرت، شوق و اشتیاق اور انتہائی دلچسپی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ یہ سب دیکھنے لگا۔

”یہ لاروا جب انڈے سے باہر آتا ہے تو یہ پانی میں الٹا لٹک جاتا ہے اور غوطہ خوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک نالی جس کا ایک سرا پانی سے باہر ہوتا ہے۔ اس سے سانس لیتا رہتا ہے اور اس کے جسم سے ایک رطوبت

viscous secretion

خارج کرتا ہے جو کہ پانی کو اس نالی کے اندر داخل نہیں ہونے دیتی۔"

"خوراک حاصل کرنے کے لیے یہ اپنے انتہائی چھوٹے پروں سے سمندر کی سطح پر گرداب پیدا کرتا ہے اور مائیکرو بیالوجسٹ بن کر اس گرداب کے ذریعے بیکٹیریا اور دوسرے خوردبینی جانداروں

Micro organisms

کا شکار کرتا ہے۔"

"آخری بار کھال کی تبدیلی دیگر تبدیلیوں سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جس میں لاروا اپنے آخری بلوغت کے مرحلے میں پہنچ جاتا ہے۔ جسے 'پیوپائی مرحلہ' کہا جاتا ہے۔ وہ خول جن میں ان کو رکھا جاتا ہے کافی تنگ ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب وہ وقت آ گیا ہے جب لاروا کو اس خول سے باہر نکلنا ہے۔"

"تبدیلی کے اس آخری مرحلے میں اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ یہ جاندار دم گھٹنے سے مر نہ جائے۔ اس لئے کہ اس کی سانس لینے کے لئے کھلنے والی جگہیں جو ایک ہوائی نالی کے ذریعے پانی سے اوپر نکلی ہوئی ہوتی ہیں، بند کر دی جاتی ہیں۔ تاہم اس مرحلے کے بند سانس لینے کا کام ان سوراخوں سے نہیں لیا جاتا بلکہ ان دو نلکیوں سے سانس لیا جاتا ہے جو اس جاندار کے جسم کے اگلے حصے میں نئی نئی نمودار ہوئی ہوں۔"

”یہی وجہ ہے یہ نلکیاں کھال کی تبدیلی سے قبل سطح آب سے باہر نکل آتی ہیں۔ ریشمی پردے میں لپٹا ہوا مچھر اب بلوغت کو پہنچ چکا ہوتا ہے۔ اب یہ اپنے تمام اعضاء اور خلوی اعضاء کے ساتھ اڑ سکتا ہے۔ جن میں انٹینا، دھڑ، پاؤں، سینہ، پر، پیٹ اور بڑی آنکھیں شامل ہوتی ہیں۔“

”پیوپائی والی ریشمی پردے کو اوپر والے سرے سے پھاڑا جاتا ہے۔ اس وقت سب سے بڑا خطرہ یہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں پانی اس ریشمی پردے کے اندر نہ چلا جائے۔ تاہم ریشمی پردے کے اوپر والے حصے کو ایک خاص کیمیکل رطوبت سے ڈھانپ دیا جاتا ہے تاکہ مچھر کے سر کو پانی بچایا جاسکے۔ یہ لمحہ بے حد اہم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ہوا کا ایک جھونکا اسے پانی میں گرا کر مار دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ مچھر کو پاؤں کی مدد سے پانی کی سطح پر اپنے پاؤں جماتے ہوئے پانی کے اوپر آنا ہوتا ہے۔“ ماسٹر بولتے بولتے رکے اور حیدر سے پوچھا۔

”کچھ پلے بھی پڑھ رہا ہے یا نہیں؟“ حیدر بوکھلا کر بولا۔

”جی ماسٹر آرہی ہے سمجھ۔“

”اب مچھر جاسوس بن کر اپنے شکار کی تلاش میں نکلتا ہے۔ مچھر ہر چیز کو اس کے رنگ اور اس چیز سے نکلنے والی حرارت سے پہچانتا ہے۔ اس جاسوس کے لیے وہ اپنے سر پر موجود سو آنکھوں سے کام لیتا ہے۔“

”مچھر کی سو آنکھیں ہوتی ہیں؟“ حیدر نے نہ چاہتے ہوئے بھی حیرت سے دہرایا جیسے اس نے واقعی ٹھیک سنا ہے یا سننے میں غلطی ہوگئی ہے۔

"ہاں' مچھر کی لگ بھگ سو آنکھیں ہوتی ہیں۔ اس کے اندر حرارت کو کیچ یا ڈیٹکٹ کرنے والے آلات لگے ہوتے ہیں۔ مچھر کے درجہ حرارت جانچنے کے انتہائی حساس اعصاب 1000 / 1 سینٹی گریڈ کے فرق کو بھی معلوم کر لیتے ہیں۔"

"اس طرح مچھر اندھیرے میں بھی اپنے شکار کو ڈھونڈ لیتا ہے اور خون والی رگوں کو بھی پہچان لیتا ہے۔ اب یہ مچھر ایک ڈاکٹر اور سرجن بن جاتا ہے۔ سب سے پہلے یہ دو دھاری آرے کی مانند اپنے تقریباً 47 دانتوں سے یہ جلد کو کاٹتا ہے۔ اس کے بعد اپنی دو نیڈلز سے انسانی جسم کے ٹشوز کو پکڑتا ہے اور فوراً سوراخ والی جگہ کے ارد گرد ایک کیمیکل لگا دیتا ہے۔ پتا ہے وہ یہ کیمیکل کیوں لگاتا ہے؟" بتاتے بتاتے اچانک ماسٹر نے سوال پوچھ لیا۔

جواباً حیدر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"انسانی خون میں وائٹ بلڈ سیلز ہوتے ہیں جو کہ زخم لگنے پر زخم کے اوپر ایک تہہ بناتے ہیں تاکہ خون باہر نہ نکل سکے۔ اسی لیے معمولی زخم چند منٹوں میں بھر جاتا ہے۔ اب مچھر کو پتہ ہوتا ہے کہ جیسے ہی سوراخ ہو گا تو فوراً خون میں موجود یہ وائٹ بلڈ سیلز اس انتہائی معمولی سوراخ کو فوراً بند کر دیں گے۔"

"اس لیے وہ اپنے پاس آل ریڈی موجود کیمیکل سے سوراخ کی اندرونی اطراف میں ایک دیوار کھڑی کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وائٹ بلڈ سیلز سوراخ تک نہیں پہنچ پاتے اور یوں مچھر کو موقع مل جاتا ہے اپنا آپریشن پورا کرنے کا۔ جب وہ نیڈلز سے ٹشوز کو پکڑ لیتا ہے تو پھر اپنے پائپ نما ڈنگ سے کور ہٹاتا ہے اس کے۔۔۔" اس سے پہلے ماسٹر کچھ بولتا حیدر حیرت سے بول پڑا کہ۔

"اس کے پائپ نما ڈنگ پر کور بھی ہوتا ہے؟"

ماسٹر نے کہا۔ "ہاں کوور بھی ہوتا ہے اور وہ کوور ہٹا کو پائپ نما ڈنگ سے خون پینا شروع کر دیتا ہے۔"
اب پروجیکٹر پر ایک ویڈیو چل رہی تھی جسے حیدر بغور دیکھ رہا تھا۔

"حیرت انگیز! یہ سب حیرت انگیز ہے۔" حیدر نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"اس سے زیادہ حیرت انگیز قرآن ہے۔ جس کے اندر نہ جانے کتنے اسرار و رموز چھپے ہیں۔ اب ایک ایسی چیز جسے اللہ تعالیٰ انتہائی حقیر کہہ رہا ہے۔ وہ ایسی ہے تو پھر وہ چیز کیسی ہو گی جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی۔"

"اب اس مچھر کا ایک اور پہلو بھی ہے۔" ماسٹر نے کہا تو حیدر چونک کر ماسٹر کو دیکھنے لگا۔

"پتہ ہے کئی مچھروں کی موت کیسے ہوتی ہے؟"
حیدر نے اپنی حسب معمول عادت کو برقرار رکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

"جیسے جیسے مچھر خون پیتا چلا جاتا ہے۔ ویسے ویسے اس کا دماغ کا وہ حصہ جو خون کی مقدار حسب ضرورت رکھنے کا حکم جاری کرتا ہے۔ وہ کمزور ہوتا چلا جاتا ہے اور یہاں تک وہ اتنا خون پی لیتا ہے کہ اس کا پیٹ پھٹ جاتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔"

"اس سے ہمیں دو سبق ملتے ہیں۔ پہلا یہ کہ کبھی پیٹ بھر کر نہ کھاؤ کیونکہ جیسے جیسے پیٹ بھرتا جاتا ہے۔ ویسے ویسے اس کی عقل اور دانش پر برا اثر پڑتا چلا جاتا ہے۔ اسی لیے نوٹ کرنا جتنے بھی دانشور گزرے ہیں وہ کھانا صرف اتنا ہی کھاتے تھے جتنی ضرورت ہوتی تھی۔"

"اور دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس مچھر کے ذریعے اللہ تعالیٰ وارننگ دے رہا ہے حریص، لالچی اور ظالم لوگوں کو کہ ایسا نہ سمجھو کہ تم خون پیتے رہو گے تو کچھ نہیں ہو گا۔ یہی لالچ اور یہی ظلم تمہیں لے ڈوبے گا۔ سنبھل جاؤ کہ میری رسی دراز ہے اور اگر میں نے رسی کھینچ لی تو تمہیں سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملے گا اور تمہاری عقلوں پر پردے پڑ جائیں گے۔" ماسٹر اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

حیدر کبھی ماسٹر کو دیکھتا اور کبھی سامنے چلنے والی ویڈیو، سلائیڈ شو کو دیکھتا۔ اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ قرآن میں ایسا بھی کچھ ہو سکتا ہے۔

بس ایک لفظ مچھر سے اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ سمجھا دیا۔ اپنی زبردست قدرت کا مظاہرہ کیا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ یہ تو میرے لیے انتہائی حقیر ہے۔ اس مچھر کی مثال دیتے ہوئے منافقین اور مسلمانوں کے درمیان فرق بتا دیا۔ کھانا کھانے کا بہترین طریقہ بتا دیا۔ حریص اور ظالم لوگوں کو وارننگ بھی دے دی۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے ایک ایک حرف میں وہ راز چھپے ہیں جس سے عقل انسانی دنگ رہ جائے۔

یہ تو ابھی تک کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ آئندہ نہ جانے اس یہ ایک لفظ مچھر اور کتنے اسرار و رموز کھولے گا۔

یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

_******************

خولہ اور ضرار کمرے میں داخل ہوئے تو سامنے ایک کمپیوٹر کی سکرین پر نظریں جمائے ایک نوجوان راکنگ چئیر پر جھول رہا تھا۔ جسے بابا نے حیدر کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ ضرار اور خولہ دونوں آگے بڑھے اور سلام کر کے ایک طرف پڑیں دو کرسیاں سنبھال لیں۔ حیدر نے سلام کو جواب دے کر اپنا رخ ان کی طرف کیا لیکن اس کی نظریں صرف ضرار پر مرکوز تھیں۔

"یقیناً بابا نے آپ کو ہمارے بارے میں بریف کر دیا ہو گیا۔" ضرار نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"بریف کا تو مجھے نہیں پتہ لیکن اتنا ضرور کہا تھا کہ دو بیوقوف آئیں گے ان کو ہینڈل کر لینا۔" حیدر نے سادہ سے لہجے میں کہا مگر اسکی بات سن کر خولہ اور ضرار ایسے اچھلے جیسے کرسیوں میں کرنٹ دوڑ رہا ہو۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" خولہ نے تیز لہجے میں بگڑتے ہوئے کہا۔

"اب اس بات کا تو مجھے نہیں پتہ کہ تمیز کیا ہے؟ میں نے تو بس وہ کہا جو بابا نے کہا شاید وہ بدتمیز ہوں" حیدر کا اطمینان سے یہ کہنا خولہ کو آگ لگا گیا۔ وہ بے اختیار اچھل کر کھڑی ہوئی اور حیدر کی طرف بڑھتے ہوئے چیخ کر کہنے لگی۔

"تم ایک نمبر کے اجڈ، گنوار، جاہل انسان، کسی جنگل کے جانور، تمہیں بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے، پتہ نہیں تم بابا کی ٹیم میں کیسے ہو؟" جارحانہ تیور کے ساتھ آگے بڑھتی خولہ کو ضرار نے بے اختیار بازو پکڑ کر پیچھے کی طرف کھینچا۔

حیدر نے اپنے ایک کان میں انگلی ڈال کر تھوڑا ہلایا اور زیر لب تپا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جو مجھے جانتے ہیں وہ اس سے زیادہ میری تعریف کرتے ہیں۔ آپ نے تو بہت کم تعریف کی ہے۔" بلا کی لاپرواہی اور اطمینان تھا حیدر کے لہجے میں۔

"مسٹر ہمیں مجبور نہ کرو کہ ہم کچھ ایسا کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ جس پر بعد میں ہمیں خود پر اور بابا کو ہم پر افسوس ہو۔" دانت پیستے ہوئے ضرار نے تلخ لہجے میں کہا۔

"چچ چچ کیا پدی کیا پدی کا شوربہ, گرجنے والے کہاں برسا کرتے ہیں بھلا۔" حیدر نے ہنوز آ بیل مجھے مار والی دعوت دیتے ہوئے ہونٹوں کو گول کر کے تھوڑا سر میں کہا تو ضرار نے نہ صرف خولہ کا بازو چھوڑا بلکہ خود اٹھ کر تیزی سے حیدر کی جانب لپکا۔

ضرار اور خولہ دونوں نے الگ الگ حیدر پر وار کیا مگر یہ الگ بات ہے کہ حیدر انتہائی پھرتی سے پھسلتا ہوا ان دونوں کی ککس کے نیچے سے گزر کر ان کے عقب میں آ کھڑا ہوا۔

ضرار کی کک کرسی کی پشت کے اوپر سرے پر اور خولہ کی کک پشت کے درمیان بیک وقت لگی تو کرسی گھومتی ہوئی اڑ کر ایک دھماکے سے دیوار سے جا ٹکرائی۔

حیدر ہوا میں اچھلا اس کا ایک پاؤں خولہ اور ایک پاؤں ضرار کی پشت سے زور سے ٹکرایا۔ وہ دونوں اپنی جھونک میں آگے کی طرف لڑکھڑائے اور خود پر قابو نہ پا کر زمین پر جا گرے جبکہ حیدر ان کی پشت پر نہ صرف کک مار کر بلکہ ان دونوں کی پشت کا ہلکا سا سہارا لیتے ہوئے بیک فلپ لگا کر ہوا میں گھوما اور ضرار کی کرسی کے ہتھوں پر اپنے ہاتھوں کے سہارا لے کر آرام سے براجمان ہو گیا۔

خولہ اور ضرار تیزی سے زمین سے اٹھے اور گھوم کر حیدر کو دیکھنے لگے۔ وہ نہ صرف ان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا بلکہ اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے وہ اس سچویشن سے محظوظ ہو رہا ہو۔

خولہ کے تن بدن میں جیسے آگ سی بھڑک اٹھی۔ دل چاہا کہ وہ اس حیدر کے بچے کی ہڈیاں توڑ ڈالے۔

وہ تیزی سے آگے بڑھی اور محتاط ہو کر بائیں ٹانگ اٹھائی جیسے اس سے وہ کک لگانے لگی ہو اور پھر فوراً پینترا بدل کر بائیں ٹانگ ہوا میں ہی تھی کہ فوراً دائیں ٹانگ حیدر کے سینے پر رسید کرنا چاہی مگر حیدر اس جھانسے میں نہ آیا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے سمپلی ایک بازو آگے بڑھایا اور اپنی طرف بڑھتی خولہ کی ٹانگ کو ہلکی سی "تھپکی" دی۔

خولہ کے لیے یہ ہلکی سی دھپکی بھی خطرناک ثابت ہوئی۔ چونکہ وہ ابھی ہوا میں ہی تھی اس تھپکی نے اس کا بیلنس خراب کر دیا اور وہ ایک بار پھر پیٹھ کے بل دھم سے زمین پر جا گری۔

ضرار بھی تیزی سے آگے بڑھا مگر اس بار حیدر پہل کرتے ہوئے اپنی کرسی سے اچھلا اور آگے بڑھتا ضرار ایک لمحے کے لیے گڑبڑایا۔ اسی لمحے کا فائدہ اٹھا کر حیدر نے ایک فرنٹ فلائی نگ کک ضرار کی سینے پر جڑ دی ضرار بھی اس کی شدت برداشت نہ کرتے ہوئے خولہ کی طرح پشت کے بل زمین پر جا گرا۔

حیدر ہاتھ جھاڑتا ہوا مصنوعی گرد کو اڑانے لگا پھر اطمینان سے کرسی پر بیٹھ کر شوخ نظروں سے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

دو دفعہ گرنے کے باعث انہیں اپنے اندر سب کچھ درہم برہم ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ دونوں اکھٹے اٹھے اور اب کی بار انتہائی محتاط انداز میں حیدر کی طرف بڑھنے لگے۔

"بس! اب آرام سے بیٹھ جاؤ اور میری بات غور سے سنو۔" حیدر نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔ وہ دونوں ٹھٹک کر اپنی جگہ رک گئے۔ قدرے اچنبھے سے حیدر کو دیکھنے لگے جس کے چہرے کے عضلات سخت اور تاثرات یک دم بدل چکے تھے۔ آواز اتنی سرد تھی کہ وہ دونوں رکنے پر مجبور ہو گئے۔

"بیٹھ جاؤ۔" انتہائی سنجیدگی سے حیدر نے کہا۔ دونوں تھوڑی ہچکچاہٹ کے بعد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ حیدر نے اپنا رنگ اتنی تیزی سے بدلا تھا کہ وہ حیرت کی شدت سے کچھ بول بھی نہ سکے۔

"غصہ اور جذبات، یہ دو ایسی کیفیات ہیں جن میں انسان کا اٹھایا ہر قدم غلط ثابت ہوتا ہے۔ جب غصہ آتا ہے تو عقل چلی جاتی ہے۔ خاص کر جنگ میں جہاں حکمت عملی اختیار کرنی پڑتی ہے وہاں یہ غصہ اور جذبات اتنا نقصان پہنچاتے ہیں جتنا دشمن بھی نہیں پہنچا سکتا۔ تم دونوں میں برداشت کی انتہائی کمی ہے اور جذباتی ہو۔ مجھے بھی بہت کچھ کہا تم نے لیکن میرے ماتھے پر ایک شکن بھی آئی ہو تو بتاؤ؟" حیدر نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو وہ دونوں خاموش رہے۔

"جہاں تک بات ہے تم دونوں کی فیلڈ میں حصہ لینے کی تو تمہیں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ عنقریب دشمن تم سے ہی ٹکرائے گا پہلے کیونکہ تم وہ واحد ذریعہ ہو جو دشمن کے سامنے موجود ہے۔ وہ تمہارے ذریعے تنظیم تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ الہذہ تم آل ریڈی خود کو فیلڈ میں

سمجھو, دشمن کبھی بھی کسی بھی طریقے سے تم پر وار کر سکتا ہے۔ اس لیے ضرار کا بھی تمہارے ساتھ رہنا ضروری ہے۔" حیدر نے سنجیدگی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"میں اب ہر وقت تیار رہتی ہوں۔ پہلے جو کچھ ہوا وہ میرے لیے پہلے تجربہ تھا لیکن اب اگر کوئی ی کچھ کرنے کی کوشش کرے گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ یہ اسے کتنا مہنگا پڑے گا۔" خولہ نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو لیکن دشمن کو کبھی کمزور مت سمجھنا اور خاص کر اس وقت جس دشمن سے سامنا ہے۔ وہ سفاکیت اور عیاری میں بہت مشہور ہے۔ تم دونوں یہاں موجود لیب کا چکر لگا لو اور جس چیز کو مناسب سمجھو لے لو اور ہر وقت مسلح رہو۔" حیدر نے تنبیہہ اور نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

"وہ تو لے لیں گے لیکن یہ تو بتاؤ کہ جو ملک دشمن غدار سامنے آئے تھے ان کا کیا بنا؟" ضرار نے پوچھا۔

"ان پر کام جاری ہے۔ جیکب کی موت کے بعد وہ سب سمجھ چکے ہیں کہ عنقریب وہ بھی زیر عتاب آنے والے ہیں۔ اس لیے ایک امریکا بھاگ گیا ہے۔ ان شاء اللہ وہاں بھی وہ بچ نہیں سکے گا۔ کچھ اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں اور کچھ روپوش ہو چکے ہیں۔" حیدر نے قدرے ناخوشی سے کہا۔ شاید اس لیے کہ اس مشن کو وہ حاصل کرنا چاہتا تھا مگر بابا نے کسی اور کے ذمے لگا دیا تھا۔

"تم سے کیا کام لیا جانا ہے؟" ضرار نے تجسس سے پوچھا تو حیدر نے جواب دیا۔

"اس بات کا تو بابا کو ہی پتہ ہو گا۔"

اس کی بات مکمل ہوتے ہی خولہ اٹھ کھڑی ہوئی ی۔ شاید اسے لیب دیکھنے کا بہت اشتیاق تھا۔ اسکے اٹھتے ہی حیدر اور ضرار بھی اٹھ کھڑا ہوا اور حیدر ان کی لیب کی طرف رہنمائی ی کرنے لگا۔

****************۔

”تمہارے بابا کہاں ہیں؟“ عائی زہ نے پوچھا تو خدیجہ کے چہرے پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ دوڑ گ ئی ی اور وہ بولی۔

”پتہ نہیں اب کہاں ہیں؟ پہلے تو ہفتے میں ایک دو بار ملاقات ہو جاتی تھی لیکن شادی کے بعد ان سے بہت کم ملاقات ہوتی ہے۔“

عائی زہ: ”کیا کرتے ہیں وہ؟“

خدیجہ: ”پتہ نہیں۔“

عائی زہ کے فون پر کال آنے لگی۔ اس نے دیکھا تو اس کی ماما کا فون تھا۔ اس نے کال ریسیو کی دوسری طرف سے پتہ نہیں کیا کہا گیا۔ عائی زہ نے جواب دیا۔

”جی ماما میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس تھوڑی دیر تک آ رہی ہوں“ خدیجہ بولی۔

” میری بات بھی کروانا۔“ عائی زہ نے فون خدیجہ کو پکڑایا تو خدیجہ کہنے لگی۔

” تم اتنی دیر میں فریش ہو آؤ ' میں تب تک بات کرتی ہوں۔“عائی زہ نے سر ہلایا اور باتھ روم کی طرف چلی گ ئی ی۔ خدیجہ عائی زہ کی امی سے نہ جانے کیا باتیں کرنے لگی۔

تھوڑی ہی دیر بعد خدیجہ عائی زہ کے ساتھ اسے چھوڑنے گھر جا رہی تھی۔ عائی زہ نے بہت منع کیا کہ میں چلی جاؤں گی لیکن خدیجہ نہ مانی اور کہنے لگی کہ میں ساتھ جاؤں گی۔

عائی زہ گھر پہنچی تو اس کی امی باہر ہی عائی زہ کا ویٹ کر رہی تھی۔ عائی زہ وہاں پہنچتے ہی دوڑ کر اپنی امی سے لپٹ گ ئی ی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے نہ جانے کتنے دنوں بعد اپنی امی سے مل رہی حالانکہ وہ تو بس ایک ہی رات ان سے دور رہی تھی مگر اس ایک رات کے تجربے نے عائی زہ پر ایسے نقوش چھوڑے تھے کہ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک لمبے عرصے کے بعد گھر لوٹی ہے۔

امی سے گلے لگتے ہی عائی زہ کی آنکھوں میں نہ جانے کیوں آنسو آ گ ئی ے۔

"کیا ہوا بیٹی؟" امی کے پوچھنے پر عائی زہ نے بس اتنا ہی کہا۔

"کچھ نہیں امی۔" اس سے پہلے امی کچھ کہتی خدیجہ نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ وہ خدیجہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

ڈرائنگ روم میں خدیجہ کی عائزہ نے خوب آؤ بھگت کی اور خدیجہ عائزہ کی امی سے باتیں کرتی رہی۔

اچانک عائزہ کی امی عائزہ کی طرف دیکھ کر بولیں۔ "بیٹی ایک بات کہوں، مانو گی؟"

عائزہ: "جی امی! کہیں۔"

امی: "بیٹی! تمہارے ہی بھلے اور بہتری کی بات ہے اس میں' میرا کوئی فائدہ نہیں۔"

عائزہ: "جی جی امی بتائیں نا۔"

امی: ”میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں تمہارا ہی فائدہ ہے۔“ عائزہ پریشان ہو کر بولی۔

” امی قسم کیوں کھا رہیں ہیں۔ آپ حکم کریں۔“ لیکن عائزہ کی امی نے پھر کہا۔

”میں اپنی جان کے مالک کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ فائدہ تمہارا ہی ہے میرا کوئی فائدہ نہیں۔“ عائزہ روہانسی سے ہو کر کہنے لگی۔

”امی پلیز بس کریں۔ آپ بتائیں تو سہی میں ضرور آپ کی بات مانوں گی۔“

امی: ”میں تمہاری اور تمہارے ابو کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔“

عائزہ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے مگر اس کی امی نے مزید بولتے ہوئے کہا۔

”میں اپنے مرے ہوئے امی ابو کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تمہاری بہتری کی بات ہے۔ میرا اس سے کچھ لینا دینا نہیں۔“ یہ کہتے ہوئے عائزہ کی امی کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ عائزہ روتے ہوئے آگے بڑھی اور اپنی امی کے قدموں میں بیٹھ کر کہنے لگی۔

”امی مجھے آپ پر خود سے زیادہ یقین ہے۔ پلیز بس کریں آپ ایک بار کہہ کر تو دیکھیں، میں نے کبھی آپ کا حکم نہیں ٹالا۔“ لیکن اس کی امی نے آنسوؤں سے پھر کہا۔

”میں تمہارے اس معصوم بھائی کی جو پیدا ہوتے ہی فوت ہو گیا تھا۔ اس معصوم اور اس کی معصومیت کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ میں جو کہنے لگی ہوں بیٹی اس میں تمہارا ہر جہاں کا فائدہ ہے۔“ عائزہ بلک اٹھی اور اپنی امی کی ٹانگوں سے لپٹ کر سسکیوں سے رونے لگی اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہنے لگی۔

"امی جی خدا کا واسطہ، بس کریں ایک بار حکم تو کریں میں اپنی جان بھی دے دوں گی۔" سامنے بیٹھی خدیجہ کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری تھے اور وہ نہ جانے کیا زیر لب پڑھ رہی تھی۔ اسکے بس ہونٹ ہلتے نظر آرہے تھے۔

"میں اس پاک پروردگار اور اس کی کے پاک کلام کی قسم کھاتی ہوں۔" امی نے مزید قسم کھائی تو عائزہ نے ہچکچیوں لیتے کچھ کہنا چاہا مگر اسکی امی نے آنکھیں بھینچ کر لرزتے ہونٹوں سے کہنے لگیں۔

"میں اپنے سہاگ کی قسم کھاتی ہوں۔ میں اپنے ایمان کی قسم کھاتی ہوں۔ جو کچھ کہوں گی تمہارے بھلے کے لیے۔۔۔" عائزہ نے اپنی امی کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور تڑپتے، بلکتے ہوئے کہنے لگی۔

"بس امی آگے کچھ مت کہنا۔ کوئی قسم مت کھانا، بس پلیز آپ بتا دیں آپ کیا چاہتی ہیں؟" اس کی امی نے بجائے کچھ کہنے کے اپنا ہاتھ اٹھایا اور زیر لب آنسو بہاتی کچھ پڑھنے میں مصروف خدیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آگے وہ بتائے گی۔" عائزہ کو ایک شاک سا لگا اور اس نے آہستہ سے اپنا منہ خدیجہ کی طرف کیا۔ لیکن اسکی آنسوؤں بھری آنکھوں میں حیرت واضح تھی کہ خدیجہ کا امی کی قسموں سے کیا تعلق؟

خدیجہ نے انگلیوں کے پوروں سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"بہت شکریہ آنٹی!" اور عائزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"وہ بات میں اپنے الفاظ میں نہیں بتاؤں گی بلکہ ان الفاظ میں بتاؤں گی جو الفاظ رب کائنات نے اپنے کلام پاک میں استعمال کیے ہیں۔ عائزہ! سمجھانے کے لیے یہ قسمیں میں بھی کھا سکتی تھی لیکن میں نے

تمہاری امی کو ایسا کرنے کو کہا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کو ماں کی محبت سے تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں ستر ماؤں سے زیادہ اپنے ایک ایک بندے سے محبت کرتا ہوں۔"

"تم اپنی ایک ماں کی ان قسموں سے تڑپ اٹھی ہو۔ اپنا سب کچھ وار دینے کو تیار ہو ایسی ماں کی قسموں کی خاطر جو فنا ہونے والی ہے۔ جو گناہ گار بھی ہے۔ جو غلاظت بھی کرتی ہے۔ جو سوتی بھی ہے۔ جو بھول بھی جاتی ہے۔ جس میں بہت ساری خامیاں میں بھی ہیں اور شاید ان سے بڑھ کر برا حال ہمارا ہے یہ تو پھر بزرگ ہیں لیکن آؤ میں تمہیں بتاتی ہوں اس ہستی کے بارے میں' جو ہماری ماؤں سے زیادہ ہم سے پیار کرتے ہیں۔ اور وہ ہم پر احسان کرتا چلا جاتا ہے جب مائیں بھی تنگ آکر اولاد کو دھتکار دیتی ہیں۔ وہ ہستی صرف دل سے اتنا کہنے پر ہی معاف کر دیتی ہے۔ بس میری توبہ اور اس بندے بندی کا پچھلا سارا ریکارڈ صاف کر کے اس کا سارا گند صاف کر کے وہ ہستی اس گناہگار کو اپنی رحمت کی گود میں لے لیتی ہے۔ ایسی عظیم محبت ایسا ظرف دنیا میں کہیں دیکھا؟"

"وہی ہستی جب اپنے بندوں کو اپنے سے دور جاتا دیکھتی ہے تو افسوس و محبت سے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی خاطر واسطے دیتی ہے۔ قسمیں اٹھاتی ہے تمہاری امی نے گیارہ قسمیں میرے کہنے پر کھا لیں لیکن کبھی کسی کو عام روٹین میں ایک ہی بار مسلسل گیارہ قسمیں کھاتے دیکھا ہے؟ اور ہم تو اس بندے کو قسم کھانے ہی نہیں دیتے جن پر ہمیں اعتماد ہوتا ہے۔ جن پر یقین ہوتا ہے کہ یہ میرا برا سوچ ہی نہیں سکتا۔ اس کی تو بات پر ہی ہمیں یقین آجاتا ہے لیکن قربان جاؤں اس پاک ذات پر اللہ تعالیٰ پر وہ اپنے بندوں کو سمجھانے اور اپنی طرف بلانے کی خاطر، اپنے بندوں کی محبت میں ایک ہی جگہ مسلسل گیارہ ایسی قسمیں کھا کر فرماتے ہیں۔ جو قسمیں ہر چیز کا احاطہ کر لیتی ہیں کہ اے بندو کدھر جا رہے ہو؟

تمہارا فائدہ تو اس میں ہے اور پھر یقین دلانے کے لیے قسم پر قسم کھاتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اللہ جن کی کہی بات ہی کافی تھی مگر یہ ان کی محبت ہے اور زور دینے کے لیے یقین دلانے کے لیے وہ قسم کھاتے ہیں۔"

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا (1)

"سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی۔"

"سب سے پہلے سورج اور اس کی روشنی کی قسم کھاتے ہیں۔ یہ صرف سورج اور اس کی روشنی کہنے کو تو دو قسمیں ہیں لیکن یہ ہو نہیں سکتا کہ جو لفظ اللہ تعالیٰ استعمال کریں وہ اتنا سادہ ہے۔ اس قسم جو کھولیں تو وہ جامعیت سامنے آتی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کا مطلب ہے ہر اس چیز کی قسم جس پر سورج چمکتا ہو ہر اس مخلوق کی قسم، ہر اس نباتات، جمادات کی قسم جو اللہ نے دست قدرت سے بنائی اور اس پر سورج چمکتا ہو اور اسکی روشنی اس پر پڑتی ہو۔ اندازہ لگالو یہ کتنی قسمیں بن جاتی ہیں اس لحاظ سے۔"

وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا (2)

"اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے۔

ذائقے اور مٹھاس چاند کی روشنی سے پیدا ہوتے ہیں۔ سمندر کی لہروں اور پانی کو چاند اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ان سب چیزوں کو، پانی کے قطروں کو اس قسم میں شامل کرو۔"

وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا [3]

”اور دن کی جب وہ اس (سورج) کو ظاہر کر دے!

سورج تو رات کو بھی موجود ہوتا ہے تو ساتھ ہی دن کی قسم بھی کھائی۔ جب اندھیرے میں سویرا ہوتا ہے اور دن ہر چیز کو خوب روشن کر دیتا ہے۔“

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا[4]

اور رات کی جب وہ اس (سورج) کو ڈھانپ لے!

رات کی ایک اپنی ہیبت ہوتی ہے اور رات کو بنانے والے کی ہیبت کے تو کیا کہنے۔ رات کی ہیبت بھی ہے اور رات کا دوسرا رخ سکون ہے جب ہر تھکی شئے کو رات آ کر سکون سے سلا دیتی ہے۔“

وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا[5]

اور آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا!

یہاں کس آسمان کی بات ہو رہی ہے؟ یا سارے آسمانوں کی بات ہو رہی ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے مگر آسمان کے فرشتے اور دوسری آسمانوں کی مخلوقات اور اللہ خود اپنی ذات کبریائی کی قسم کھائی کہ اس کے بنانے والے کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔

وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا[6]

”اور زمین کی اور اس ذات کی جس نے اسے بچھایا! زمین اور اس کے خزانے سب کو پتہ ہیں۔ اور زمینیں بھی سات ہیں جو اللہ کے علم میں ہیں۔ اسکے بعد پھر دوبارہ اپنی اعلیٰ وارفع ذات کی قسم کھائی۔

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا[7]

”اور نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک بنایا!“

”یہاں انسانوں اور تمام جاندار مخلوقات کی قسم کھائی اور تیسری بار پھر اپنی قسم کھا کر یاد دلایا کہ میں نے ’ٹھیک ٹھیک‘ بنایا۔ کیسے ٹھیک ٹھیک بنایا۔ ایک مچھر ایک مکھی کی بناوٹ دیکھ لیں تو بات انسانی سوچ سے تجاوز کر جائے کہ کیسے ٹھیک بنایا۔ اگر انسان کی بات کی جائے تو لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم‘ اگر انسان کے صرف دماغ میں موجود الجھے اور گڈ مڈ ریشوں کی ایک تار بنائی جائے تو اتنی لمبی تار بنے کہ چاند کے گرد گھوم کر واپس زمین پر آ جائے۔“

”یہ سارے اور جامعیت رکھتی قسمیں کھا کر اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ کامیابی کیا ہے، دنیا و آخرت کی کامیابی‘ کس چیز میں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ نبیوں یا مسلمانوں سے مخاطب ہو کر نہیں فرمایا بلکہ انسانوں سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں۔“

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا[8] قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا[9] وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا[10]

”پھر اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیز گاری (کی پہچان) اس کے دل میں ڈال دی۔ یقیناوہ کامیاب ہو گیا جس نے اسے (نفس) پاک کر لیا۔ اور یقیناوہ نامراد ہو گیا جس نے اسے (نفس) مٹی میں دبا دیا۔“

”مطلب یہ کہ وہ کامیاب ہے ہر جگہ جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کر لیا۔ اپنی خواہشات کو پس پشت ڈال کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس نے اپنے نفس کو شریعت کے تابع کر لیا۔ وہ

شخص کامیاب ہے چاہے پھر گھریلو معاملات ہوں، کاروباری معاملات ہوں، دنیاوی معاملات ہوں یا پھر اخروی معاملات ہوں۔ یہ شخص کامیاب ہے اور جس نے ایسا نہ کیا وہ ناکام ہے۔“

”یہ ہے کامیابی وناکامی کا معیار جو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے اور ہم نے کامیابی کا معیار پاور فل نوکریوں، بینک بیلنس، بنگلہ گاڑیاں کا معیار بنا رکھا ہے۔“

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا [11]

”(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے جھٹلا دیا۔“

”جیسے کوئی اپنا انتہائی پیار سے سمجھانے کے بعد، قسمیں اور واسطے دینے کے بعد بھی نہ سمجھ رہا ہو تو پھر وہ اپنا دھمکی بھی دیتا ہے۔ اور مثالیں دیتا ہے کہ دیکھو فلاں نے ایسا کیا تھا۔ اس کے ساتھ یہ ہوا۔ فلاں نے یہ کیا تھا اس کے ساتھ وہ ہوا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قسمیں اور واسطوں کے بعد، پیار سے سمجھانے کے بعد اپنے پیاروں بندوں کو ایک مثال بھی دے کر سمجھا رہے ہیں کہ دیکھو انہوں نے یہ کیا تھا تو ان کا ایسا حشر ہوا تھا تاکہ کسی طرح میرے بندے میری طرف لوٹ آئیں۔“

”اب عائزہ! تم اپنی ماں کی قسمیں کھانے پر اتنا تڑپ اٹھیں اور ان پر پورا اعتماد کرتے ہوئے ان کی ہر بات ماننے کی یقین دہانی کروائی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اتنی قسمیں کھا رہے ہیں اور ہر ماں سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کو اس پیار اور محبت کا بدلہ کیا دے رہے ہیں؟“

”کوئی کھاتا ہے مسلسل ایک ہی بات کے لیے اتنی قسمیں؟ جتنی اللہ تعالیٰ نے کھائی ہیں اپنے بندوں کے لیے؟ کتنا بڑا ظرف ہے۔ کیا محبت ہے ہم سے اللہ تعالیٰ کی اور ہم، کن محبتوں کے پیچھے اس رب کی

بے غرض محبت بے لوث محبت کا کیسے جواب دے رہے ہیں؟ یہ ہر کوئی خود ہی بہتر جانتا ہے۔" خدیجہ نے بہتے آنسوؤں سے اپنی بات مکمل کی۔

عائزہ اور اسکی امی کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ کتنی زیادہ اور بے لوث محبت کو وہ انجانے میں بے قدری کا نشانہ بناتے چلے آ رہے تھے۔

اور ان کے آنسوؤں وہ آنسو نہیں تھے جن کی کوئی وقعت نہ ہوتی۔ یہ آنسو وہ آنسو تھے جو گناہوں کے پہاڑوں کو اڑانے کی طاقت رکھتے تھے۔ یہ آنسو وہ آنسو تھے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر فرماتے ہیں اور ایسے آنسو فرشتوں کو بھی رلا دیتے ہیں۔

خوش قسمت ہے وہ آنکھ، جس سے اللہ کے ذکر سے، اللہ کی محبت میں، اللہ کے ڈر سے آنسو نکل آئے۔

ایک خالی کلاس روم میں ایک کرسی پر عمر اکیلا بیٹھا تھا۔ کمرے میں ہر جگہ کرسیاں بنا کسی ترتیب کے بکھری پڑی تھیں۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک یونیورسٹی کی ایک سیاسی تنظیم کا سربراہ کلیم اندر داخل ہوا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ ایک لمحے کے لیا ٹھٹکا مگر پھر عمر کی طرف دیکھ کر آگے بڑھا۔ وہ عمر کو سلام کرتا ہوا عمر ہی کے نزدیک ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس سے پہلے وہ کوئی بات کرتا دروازہ ایک بات پھر کھلا۔ ایک اور یونی کی سیاسی تنظیم جو کہ کلیم کے مخالف تھی اس کا سربراہ دانش اندر داخل ہوا۔ اس نے حیرت سے اپنی مخالف تنظیم کے سربراہ سٹوڈنٹ لیڈر کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک

ناگواری کی لہر آکر گزر گئی لیکن اس نے عمر کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلایا اور عمر کی دوسری طرف ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں کمرے میں مختلف سیاسی و مذہبی سٹوڈنٹ تنظیموں کے سرکردہ سٹوڈنٹس الگ الگ کرسیاں سنبھال کر بیٹھے تھے۔ ان میں سے چند اپنے اپنے مخالفین کو خشمگیں نظروں سے وقتاً فوقتاً گھور بھی رہے تھے۔

"السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ" عمر نے سب کو سلام کرتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ" مختلف آوازیں سلام کا جواب دینے کے لیے ابھریں۔

"آپ سب کا یہاں آنے کا شکریہ، امید کرتا ہوں کہ آپ آپس کے اختلاف کے باوجود مجھے تھوڑا وقت دیں گے تاکہ میں آپ سب پر یہاں بلانے کا اپنا مقصد واضح کر دوں اور اپنی سوچ، آپ تک پہنچا دوں۔" عمر نے اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ اپنی بات کہاں سے شروع کروں اور اپنی سوچ کو کیسے آپ سب تک پہنچاؤں؟ پھر بھی میں کچھ کہنے جارہا ہوں امید ہے وہ الفاظ آپ کو میری سوچ کے عکس تک لے جائیں گے۔" عمر نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور پھر گویا ہوا۔

"میں جانتا ہوں یہاں موجود سبھی افراد کو ایک دوسرے سے اختلاف ہے۔ کسی کو سیاسی نظریات کی بناء پر، تو کسی کو مذہبی نظریات کی بناء پر اپنے مخالفین سے اختلاف ہے لیکن پلیز میری ایک درخواست ہے سب اس پر عمل کریں۔ بس تھوڑی دیر کے لیے ان پوائنٹس کو سوچیں، ان مقاصد کو سوچیں اور

ان پر غور کریں جو آپ اور آپ کے مخالفین، دونوں میں کامن ہیں۔ پلیز تھوڑی دیر کے لیے۔" عمر اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا اور اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ ان افراد میں سے کچھ نے کیمرے اور موبائل فونز سٹینڈز پر لگا کر عمر کی طرف فوکس کیے ہوئے تھے۔

عمر تقریباً پانچ منٹ خاموش رہا۔ اس کے بعد بولنا شروع کیا۔

"یقیناً ایسے چند نہیں بہت سارے پوائنٹس ہوں گے جو آپ اور آپ کے مخالفین کے ایک جیسے ہیں۔ مثلاً سیاسی تنظیموں کے مقاصد سب ایک جیسے ہیں، ملکی ترقی، ایماندار قیادت، کرپشن کا خاتمہ، مہنگائی کا خاتمہ وغیرہ وغیرہ۔ تقریباً ہر سیاسی تنظیم بار بار انہی مقاصد کا راگ الاپتی ہے۔ اسی طرح مذہبی تنظیموں اور ان کے عقائد و مقاصد میں زیادہ چیزیں ایک جیسی ہوں گی اور جن پر اختلاف ہو گا وہ ان مشترکہ چیزوں سے بہت کم ہیں۔ جب ایک ترازو میں کچھ تولا جاتا ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ جو چیز ہمیں ملے وہ پلڑا زیادہ سے زیادہ جھکے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ کر، ان سب سیاسی و مذہبی باتیں جو ہمارے درمیان مشترک ہیں ان کو چھوڑ کر ان باتوں کو پکڑتے ہیں، اس طرف بھاگتے ہیں جدھر اختلاف ہوتا ہے؟"

"ایسا کر کے ہم اپنے مشترکہ دشمنوں کی اس ڈیوائیڈ اینڈ رول کی سوچ کو پورا کر رہے ہوتے ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ یہ اختلاف ایک گلی، ایک گھرانے سے لے کر حکومتی اور عالمی سطح تک پھیل چکا ہے۔ برداشت ختم ہو چکی ہے۔ ہر ایک دوسرے پر اپنے نظریات ٹھونسنے پر لگا ہوا ہے۔"

دانش: "دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک فریق یا تو حق پر ہوتا ہے یا پھر نہیں، اب یہ آپ بتا دو کون حق پر ہے اور کون نہیں؟"

عمر: ”ایک تیسری صورت بھی ہوتی ہے جس میں کچھ تو حق کو اپنا لیا جاتا ہے اور کچھ اپنی مرضی کے اصول بنا کر ایک ملغوبہ بنا لیا جاتا ہے۔ جو آج کل اکثر ہر کوئی استعمال کر رہا ہے مذہب کا نام لے کر، اس کی بنیاد پر اپنی اپنی دکان چمکائی جا رہی ہے۔“

ایک اور مذہبی و سیاسی تنظیم کا لیڈر عباس بولا۔

”آج کل اگر صحیح معنوں میں امریکا اور اسرائیل کے سامنے کوئی ڈٹا ہوا ہے تو وہ ایران ہے۔ اور مشرق وسطیٰ میں بھی اسلام کی سربلندی کے لیے لڑ رہا ہے۔“

”ہاں، ہاں بالکل' بشار الاسد کو سپورٹ کر کے۔ لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کر کے اسلام کا جھنڈا سر بلند کر رہا ہے۔ یہ تو ترکی اور سعودیہ ہیں جو ان مظالم کے خلاف لڑ رہے ہیں اور اس ظلم کا خاتمہ کر رہے ہیں۔ اسلام کی سربلندی کے لیے کام کر رہے ہیں۔“ ایک اور ایسی ہی تنظیم کے لیڈر عبد اللہ نے طنزیہ جواب دیتے ہوئے کہا۔

دونوں کی باتیں سن کر عمر کے منہ سے بے اختیار قہقہہ نکلا۔ سارے چونک کر حیرت سے عمر کی طرف دیکھنے لگے۔ غالباً سبھی یہی سوچ رہے تھے کہ اس میں ہنسنے والی کون سی بات تھی۔ سب کی سوالیہ نظریں عمر پر جم گئیں۔ عمر نے سب کو اپنی طرف دیکھتے پائے تو کہنے لگا۔

”پتا ہے کشمیر کیوں نہیں آزاد ہو سکا؟ فلسطین کیوں نہیں آزاد ہو سکا؟ خلافت عثمانیہ کیوں ٹوٹی؟ کیونکہ پچھلے سو سالوں میں اسلام کے نام پر جنگیں لڑیں تو گئیں لیکن ان میں اسلام تھا نہیں۔ صرف اسلام کا نام استعمال کیا گیا۔“

”یہ تمام جنگیں صرف اور صرف نسلی افتخار، قومیت، اپنے ملک کے دفاع، علاقائی بنیادیں، زبان کی بنیاد پر یہ تمام جنگیں لڑی جارہی ہیں۔ میں تازہ مثال دیتا ہوں ہو آج کل آرمینیا اور آذربائیجان کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔ جو کہ اس مہینے میں تیز سے تیز تر ہو چکی ہے۔ آذربائجان میں اکثریت شیعہ کی ہے اور آرمینیا میں عیسائیوں کی اکثریت ہے لیکن مزے کی بات بتاؤں! ترکی جو کے ایک سنی ملک ہے اور سنیوں کو سپورٹ کرتا ہے۔ وہ آذربائجان یعنی شیعوں کو سپورٹ کر رہا ہے اور جب کہ ایران ان آرمینیا کے عیسائیوں کو سپورٹ کر رہا ہے حالانکہ آذربائجان میں ان کے اپنے فرقے کے لوگ شیعہ رہتے ہیں۔“

”کیونکہ آذربائجان میں میں جو شیعہ رہتے ہیں وہ نسلی طور پر ترک ہیں اور ایران کے اندر بھی تقریبا دو ملین کے قریب ترک رہتے ہیں۔ ایران اس لئے آرمینیا کے عیسائیوں کی سپورٹ کر رہا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر آذربائیجان کے شیعہ یہ جنگ جیت جاتے ہیں تو اس کا اثر ایران میں رہنے والے ترکوں پر پڑے گا اور ترکی کی پہلے ہی کوشش کر رہا ہے مسلمانوں کو لیڈ کرنے کی کی۔ ایران سمجھتا ہے کہ ترکی دوبارہ خلافت کا نظام قائم نہ کرلے۔ دوسری طرف ترکی اس لیے آذربائیجان کے شیعہ کو سپورٹ کر رہا ہے کہ وہ ہمارے ترک بھائی ہیں۔ ہمیں ان کو اپنے ساتھ ملانا ہے اور اپنا اثر و رسوخ بڑھانا ہے۔ اس میں اسلام کی سربلندی کہاں ہے؟ دعویٰ دونوں کرتے ہیں کہ ہم اسلام کی سربلندی کے لیے کام کر رہے ہیں مگر درحقیقت ہر کوئی اپنے مفاد کے لیے اپنے، پسندیدہ گروہوں کو سپورٹ کر رہا ہے۔ صرف اور صرف اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے اپنی چودھراہٹ کو قائم رکھنے کے لیے اور اپنی علاقائی اور نسلی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لیے کر رہا ہے۔ یہ ایک مثال ہے۔“

”سعودی عرب اپنی چودھراہٹ بنانا چاہتاہ۔ ایران اپنی برتری قائم رکھنا چاہتا ہے دریائے نیل کے ساحل تک کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں انکی حکومت ہوا کرتی تھی۔ صرف ایک گروہ ہے جو اس مقصد کے لیے لڑرہا ہے کہ ہم نے ہے مدینے والا قانون نافذ کرنا ہے۔ اسلام کا جھنڈا سربلند کرنا ہے۔ اس گروہ میں کوئی نسلی تفریق نہیں نہ کوئی احساس تفاخر، مختلف قومیتوں کے لوگ ملیں گے ان میں اور ان کے ساتھ اللہ کی مدد واضح ہے۔ پچاس سے ساٹھ ہزار کی تعداد میں موجود یہ افغان طالبان سپر طاقت روس جو کہ بہت سے ملکوں کو کھا گیا تھا۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔“

”امریکا آیا اپنے ساتھ پوری دنیا کو لے کر اور نیٹو کی فوجیں لے کر‘ وہ بھی ان کی منتیں کرنے پر پر مجبور ہو گیا۔ اس کے علاوہ جتنی بھی جنگیں عراق، شام اور یمن وغیرہ کی لڑی جا رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اسلام کی سربلندی کے لئے لیے نہیں ہیں۔ یاد رکھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کا وعدہ کسی ترک، کسی عربی، کسی ایرانی، کسی پاکستانی سے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کا وعدہ ان لوگوں سے کیا ہے جو خالص اللہ کے لیے اسلام کی سربلندی کے لیے لڑتے ہیں۔ گذشتہ ستر سالوں میں اس مسلم اُمّہ کے بیشتر ممالک سے، بحیثیت مجموعی ایک ’یہودی امت‘ کی حیثیت سے صرف اسرائیل نے جنگ کی ہے۔ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے کسی یہودی نے ان تمام جنگوں میں کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ امریکی، برطانوی، فرانسیسی یا جرمن ہے۔“

”اپنی بساط کے مطابق‘ اس سے جو بن پڑا، اس نے رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر اسرائیل کی نذر کر دیا۔ اسرائیل کے قیام کے فوراً بعد 1948ء میں اس سے لڑنے والے صرف عرب ممالک ہی تھے۔ اسلئے

دنیا اسے عرب اسرائیل جنگ کہتی ہے۔ ملائیشیا سے ایران تک پھیلی ہوئی امت کے ملک اس جنگ میں خاموش تماشائی تھے۔“

”اگلی جنگ جو 1967ء میں ہوئی، اس میں بھی صرف عربوں نے حصہ لیا اور عربوں نے ہی شکست بھی کھائی۔ تیسری جنگ مصر اور اسرائیل کی قومی ریاستوں کے درمیان ہوئی اور مصر فتح یاب ہوا۔ چوتھی جنگ لبنان، حزب اللہ اور اسرائیل کے درمیان ہوئی۔ باقی مسلم دنیا تماشہ دیکھتی رہی۔ اس جنگ میں اسرائیل کو ہزیمت اٹھانا پڑی، لیکن اس جنگ کی کوکھ سے ایک اور طرح کا تنازع کھڑا ہوا اور وہ بہت خطرناک تھا۔ حزب اللہ کی کامیابی کو ایران کے کھاتے میں ڈال کر عرب بالادستی کی مذموم جنگ شروع ہو گئی۔“

”آج اس جنگ کا ایندھن، سادہ لوح مسلمان ہیں۔ مگر اس جنگ میں حصہ لینے کیلئے جس گرم جوشی، جذبے اور کٹ مرنے کی ضرورت تھی اسے صرف اور صرف ’مسالک کی بالادستی‘ کے نعرے سے ہی پیدا کیا جا سکتا تھا۔ ہر مرنے والا مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے ہاتھوں ہی مرا اور ہر مارنے والے نے بھی مسلمان ہی کو مارا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک کو جنت کا پروانہ دینے والے ایک مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے کو ایک اور مسلک والے نے جنت کی بشارت دی ہوتی ہے۔“

”قوم پرستی ایک ایسی لعنت ہے کہ یہ دین تو دور کی بات ہے، مسلک تک فراموش کرا دیتی ہے۔ جہاں کہیں اپنے ملک کا مفاد آ گیا تو پھر کون سنّی کون شیعہ۔ ترکی کو صدیوں پرانا خلافتِ عثمانیہ کا خواب یاد آ جاتا ہے اور قطر کو ہزاروں سال پرانی بابل و نینوا کی سرزمین سے اپنا تعلق۔ پڑوس میں متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب ہم مسلک تھے، لیکن ایسے ایک دوسرے پر برسے کہ جیسے صدیوں کی

دشمنیاں نکالیں گے۔ ان ساری منافقتوں کے باوجود ہر لڑنے والے نے یہی نعرہ بلند کیا کہ ہم اسلام کی سربلندی اور امتِ مسلمہ کے لئے لڑ رہے ہیں۔" سب خاموشی سے یہ سن رہے تھے۔ اکثر کے چہروں پر حیرت کی شدت نظر آ رہی تھی۔

دانش: "تو پھر آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آگے کیا ہونے والا ہے؟"

عمر: "تباہی، اور کچھ نہیں، کبھی کبھی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس دور میں بیٹھ کر آج کے حالات کا نقشہ بتا دیا تھا۔ ان کی ایک حدیث ہے ترک دو مرتبہ خروج کریں گے، ایک مرتبہ آذربائیجان اور دوسری مرتبہ فرات کے کنارے۔" (کتاب الفتن: 1925)۔

دوسری جگہ فرمایا: "ترک دو مرتبہ خروج کریں گے، ایک آذربائیجان کے کھنڈرات میں اور دوسری مرتبہ جزیرہ میں۔ پازیب والی عورتوں کو پیچھے پالن میں بٹھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کرے گا، اور اس کی طرف سے ان پر بہت آفت آئے گی۔ اس کے بعد کوئی ترک باقی نہیں رہے گا۔" (کتاب الفتن: 905)

"ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے فارس (ایران) والے ہلاک ہوں گے۔ پھر عرب والے۔ غرض عرب، فارس اور ترک سب کوچ کر جائیں گے باقی وہی رہے گا جو اللہ کے دین پر خالص ہو گا۔"

"استنبول بھی ابھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ جسے وہ بعد میں پھر فتح کریں گے۔ اس کے بعد استنبول کی اس فتح کے بعد دجال بھی نکل آئے گا۔"

"ایک لبرل تنظیم کے لیڈر حامد کہنے لگا۔

"میں آپ کی باتوں سے اتفاق نہیں کرتا اور نہ طالبان کی تھیوری سے متفق ہوں۔"

عمر: "پھر آپ نہ سپورٹ کریں' نہ یقین کریں۔ آپ پھر وہ کریں جو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پر فتن دور کے فتنوں کے بارے ارشاد فرمایا ہے اور ایک طرف ہو کر بیٹھ جائیں۔ انتظار کریں جب حق بالکل واضح ہو جائے گا۔" اس کے بعد عمر نے فتنوں کے دور سے متعلقہ احادیث بیان کیں اور انکی وضاحت کرنے لگا۔

حامد: "کیا آپ بتا سکتے ہو کہ ایک مسلمان کو کیا عقائد رکھ کر ایسا کرنا چاہیے کہ فتنوں کے دور میں اپنی عبادت تک محدود ہو جائے؟"

عمر: "دل سے اور زبان سے اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کرنا، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ صفات کا مطلب ہے کہ ایسے کاموں کی کسی اور سے توقع رکھنا، کسی اور سے وہ مانگنا جو اللہ تعالیٰ کی ذات دیتی ہے۔ مثلاً اولاد وغیرہ، کسی اور کو سجدہ کرنا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی ماننا، اہل بیت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت رکھنا۔"

حامد: "اگر کوئی آپ کی باتوں سے اتفاق نہ کرے تو؟"

عمر: "تو نہ کرے لیکن آج کا دور فتنوں سے بھرا ہے تو کسی کو برا بھلا نہ کہے۔ خاموشی سے اس پر عمل کرتا رہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اہل بیت اور صحابہ کرام کرتے رہے ہیں, پھر بھی مجھ سے اتفاق نہیں کرنا تو نہ کرے۔ پر فتن دور کے بارے میں دو مسلمانوں کو بہترین کہا گیا ہے۔"

"ایک تو وہ جو کفار سے جہاد کرتا ہو اور دوسرا جو اپنی عبادات میں مشغول رہے اور کسی فتنے میں نہ پڑے۔" پتہ نہیں کس جذبے کے تحت عمر کا چہرہ اور آنکھیں سرخ پڑنے لگیں۔ وہ اپنی کرسی سے کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

"عراقی نور نامی لڑکی کی عزت کو ابو غریب جیل میں کتنی بار پامال کر کے مختلف افراد کے ساتھ تصاویر بنائی جاتی ہیں۔ ایسی 1800 سے زائد تصاویر لے کر فن کے لیے دوسروں کا دکھا کر ہنسا جاتا ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے وہ کونسی ہماری بہن تھی؟ لیکن ان کی طنزیہ ہنسی آج کے مسلمان کی غیرت پر ہے۔"

"ایک 70 سال کی عورت کو اسی جیل میں ہراساں کر کے اس کو گدھی بنا کر اس پر سواری کی جاتی ہے۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ کونسا میری ماں ہے۔ میثھل الحسن کو پاخانہ کھانے اور پیشاب پینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ وہ کونسا ہماری کچھ لگتی ہے۔ کشمیر، فلسطین اور نہ جانے کہاں کہاں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں مر رہے ہیں۔ بچے سے لے کر بوڑھوں تک، لیکن کیا فرق پڑتا ہے۔"

"وہ کونسا ہمارے کچھ لگتے ہیں۔ لیکن ایک بات پر غور کرو، ان سے کسی نے مسلک کا نہیں پوچھا تھا۔ کفار جب بھی ظلم کرتا ہے وہ مسلمان سمجھ کر اپنی نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ اسکے لیے یہ معنی نہیں رکھتا کہ تمہارا تعلق کس فرقے سے ہے، سب سے بڑا المیہ بھی یہی ہے کہ دشمن ہم سب کو ایک سمجھتا ہے اور ہم سب دشمن کو بھول کر آپس میں ایک دوسرے کو دشمن سمجھ رہے ہیں۔"

"خدارا اسلام کے نام پر نہ اکٹھے ہو' انسانیت کے نام پر تو اکٹھے ہو جاؤ۔ زینب اور نہ جانے کتنی عصمتیں یہاں بھی لٹ رہی ہیں۔ کوئی مسلک یا فرقہ پوچھ کر یہ کام نہیں کرتا۔ کتنے بے گناہ مارے جا رہے ہیں۔ کوئی مسلک یا فرقہ نہیں پوچھتا۔ خدارا خدارا اپنے عقائد پر جمے رہو، اپنے عقائد اپنے تک محدود کر لو۔

کسی دوسرے کو ٹھیس پہنچانے والے الفاظ مت بولو، بس انسانیت کے لیے اکٹھے ہو جاؤ۔ خدارا انسانیت کے لیے، خدارا انسانیت کے لیے، خدادا انسانیت کے لیے اکٹھے ہو جاؤ۔" عمر کی آواز بلند سے بلند ہوتی گئی اس کی آنکھوں سے کچھ آنسوؤں کے قطرے نیچے جا گرے تھے لیکن وہ اپنے ان آنسوؤں سے بے خبر بولنے میں مصروف رہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا اور وہاں موجود افراد ٹکٹکی باندھ کر عمر کو دیکھے جا رہے تھے۔

ایسا سوز تھا عمر کی آواز میں جو وہاں موجود ہر شخص کے دل پر اثر کر رہا تھا۔ عمر خاموش ہوا تو اسے احساس ہوا کہ اس کے رخسار بھیگ چکے ہیں۔ وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھا اور نامحسوس انداز میں اپنا چہرہ اور آنکھیں صاف کرنے لگا۔

کافی دیر خاموشی ایسے چھائی رہی جیسے کوئی بولے گا تو نہ جانے کیا ہو گا۔ آخر کار کلیم نے سب سے پہلے خاموشی توڑی اور کرسی سے اٹھ کر کہنے لگا۔

"آج سے میں اور میری تنظیم آپکے ساتھ ہیں۔ میں آپکو اپنا لیڈر مانتا ہوں، اگر میری تنظیم کے افراد میرا ساتھ نہیں بھی دیں گے۔ تب بھی میں آپکے ساتھ ہوں۔ آپ جو کہو گے اس پر من و عن عمل ہو گا۔" اس کے خاموش ہوتے ہی دانش کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"میں سارے اختلافات کو ایک طرف رکھتے ہوئے اپنے مخالفین سے مل کر کام کرنے کو تیار ہوں اور عمر کو اپنا سربراہ تسلیم کرتا ہوں۔" عمر ششدر ہو کر یہ سب دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں نے یہ سب اپنے لیے تو نہیں کہا۔ خود کو لیڈر بنانے کے لیے تو نہیں کہا کہ یہ لوگ ایسا سمجھ رہے ہیں؟ یہ سوچ آتے ہی وہ تڑپ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"آپ سب لوگ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں نے ایسا لیڈر بننے کے لیے نہیں کہا اور مجھے رتی بھر بھی اس میں دلچسپی نہیں ہے۔ آپ لوگ جیسے کام کر رہے ہو ویسے کرتے رہو لیکن ان باتوں کو بھی ذہن میں رکھ لیں جو میں نے کہی ہیں۔" اس کا جواب دانش نے دیا اور کہنے لگا۔

" مسٹر عمر سورج ایک مرکز ہے۔ جس کی کشش تمام سیاروں کو اپنے گرد باندھے ہوئے ہے اگر یہ مرکز ہی نہ ہو تو سارا شیرازہ ہی بکھر جائے۔ اسی طرح یہاں موجود سب افراد میں آپ مرکز بنے ہوئے ہیں۔ آپ کی ذات کی کشش ان سب کو آپ سے جوڑے ہوئے ہے۔ اب اگر آپ پیچھے ہٹو گے تو یہ شیرازہ قائم نہیں رہ سکے گا اور بکھر جائے گا۔" دانش چپ ہوا تو کئی آوازیں دانش کی حمایت میں ابھرنے لگیں۔ عمر گڑبڑا کر سب کو دیکھنے لگا۔

سب کے چہروں پر ایسی دلچسپی اور عجیب سی جوش وخروش کی لہر نظر آرہی تھی جیسے وہ اس تجربے کے لیے پرجوش ہو رہے ہوں۔

"واہ کیا ڈرامیٹک سین ہے۔ ذرا سا الفاظ سے کیا کھیلا سارے ہی جذباتی ہو گئے۔ یہ تو وہ ہنر ہے کہ چند واقعات کو اچھال کر اپنی ریپوٹیشن بنانا صرف اور صرف پیسوں اور شہرت کی خاطر۔ ایسے ہی لوگ جب آگے آتے ہیں وہی سب سے زیادہ لوٹ مار مچاتے نظر آتے ہیں۔ یہ جو ایسی باتیں کر کے ایموشنل کر رہے ہو یہ تشدد کو ابھارے گا لوگوں کو شدت پسند بنائے گا۔" حامد نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

عمر نے دکھ بھری نظروں سے حامد کو دیکھا اور کہنے لگا۔

"خدا میری نیت کو جانتا ہے۔ جو میرے دل میں تھا آپ سب کو بتا دیا۔ کفر جب چاہتا ہے کسی بھی مسلمان ملک پر چڑھ دوڑتا ہے۔ وہ لاکھوں بے گناہوں کو مار کر بھی تہذیب یافتہ ہیں اور ہم ان کے ظلم پر آواز اٹھانے اور جہاد کا نام لینے پر ہی دہشت گرد بن جاتے ہیں۔ آپ لوگوں کا مجھ سے متفق ہونا یا نہ ہونا یہ آپ پر ہے۔ ہر انسان اپنے فیصلوں میں آزاد ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے وقت دیا اور میری باتیں سننا گوارا کیں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

حامد نے استہزائیہ لہجے میں "ہوں" کہا ہی تھا کہ کمرے کا دروازہ زور سے کھلا اور دو تین نوجوان سٹوڈنٹس سرخ چہرے لیے اندر داخل ہوئے۔

ان کے ہاتھوں میں موبائلز تھے۔ آتے ہی ان میں سے ایک تیزی سے حامد کی طرف بڑھا اور ایک زناٹے دار تھپڑ حامد کو دے مارا پھر کہنے لگا۔

"تجھے ہم نے اس لبرل تنظیم کا سربراہ بنایا ہوا ہے۔ ہماری محنت سے تو اس مقام تک پہنچا ہے مگر آج مجھے احساس ہوا ہے کہ میں کس طرف جا رہا تھا تو ابھی سے اپنے آپ کو اس تنظیم سے باہر سمجھ، تنظیم کے جو افراد میرے ساتھ ہوں گے۔ وہ میرا ساتھ دیں گے اور میں عمر بھائی کے ساتھ کھڑا ہوں۔ جتنا خون پسینہ میرا اس تنظیم میں لگا ہے۔ یہ بات تو بھی جانتا ہے کہ تنظیم کا ہر فرد ان شاء اللہ میرا ساتھ دے گا۔ مانا کہ اب ہمیں این جی اوز سے فنڈز نہیں ملیں گے مگر مجھے اب اس کی کوئی پرواہ نہیں۔"

حامد حیرت سے گال پر ہاتھ رکھے اس نوجوان کو دیکھتا رہا جس کا نام سکندر تھا۔ سکندر کے ساتھ کھڑے دو نوجوانوں کے چہروں پر بھی غضب کے آثار تھے۔ ان کے عزائم بھی جارحانہ لگ رہے

تھے۔ حامد نے ایک غصے اور انتقام بھری نظروں سے عمر کو دیکھا اور خاموشی سے باہر کی طرف چل پڑا۔

عمر کی نظر اس نوجوان سکندر کے موبائل پر پڑی جس کی سکرین پر عمر کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اس وقت عمر کو پتہ چلا کہ اس کو لائیو کوریج کے ذریعے یونی کے بہت سارے یا شاید سب کو دکھایا جا رہا ہے اور نہ صرف کمرے میں موجود بلکہ یونی اور ساتھ ہوسٹلز میں بھی نہ جانے کتنے سٹوڈنٹس اب تک عمر کو لائیو دیکھ اور سن رہے تھے۔

عمر کو پیٹ میں ایک مروڑ سا اٹھتا محسوس ہوا اور عجیب سے جذبات ابھرنے لگے جسے عمر کوئی نام نہ دے سکا۔

"ایک شرط پر ہم بھی سب اختلاف ایک طرف رکھ کر عمر کو اپنا رہنما مانتے ہوئے کام کرنے کو تیار ہیں۔" ایک اور ذیلی تنظیم کے لیڈر عثمان نے کہا۔

"کیا اور کیسی شرط؟" عمر نے بھنویں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہم آپ کو ایک بار پھر ایڈیٹوریم میں روسٹرم کے پیچھا کھڑا دیکھنا چاہتے ہیں۔ جسے اس دن مباحثہ میں دیکھا تھا۔ اسی دن میں آپ سے متاثر ہوا تھا لیکن اب کی بار کوئی پینل نہیں ہو گا جو سوال کرے گا۔ اب کی بار اس یونیورسٹی کے سٹوڈنٹس آپ سے سوالات کریں گے۔ عام زندگی سے متعلقہ، اور وہ سوالات جو کوئی سٹوڈنٹ کرنا چاہے گا۔" اس کی بات سن کر وہاں موجود ہر شخص پر جوش سا نظر آنے لگا لیکن عمر پزل سا ہو کر ان کو دیکھنے لگا۔

"مگر یہ سب۔۔۔" عمر نے اتنا ہی کہا تھا کہ دانش بول اٹھا۔

"اگر مگر کچھ نہیں' یہ ایک زبردست آئیڈیا ہے جو نہ جانے میرے ذہن میں کیوں نہیں آیا۔ آخر یونیورسٹی کے طلباء کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنے ایسے لیڈر کو جانیں جسے سب اپنا مشترکہ لیڈر مان چکے ہیں۔" عمر نے گبھراکر کہا۔

"دیکھو مجھے نہیں پتہ آپ لوگ مجھ سے کیا توقعات لگائے بیٹھے ہیں۔ میں جب یہاں آیا تھا تو ایسی کوئی بھی سوچ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ میں کوئی لیڈر نہیں ہوں۔ ایک عام سا انسان ہوں بس۔"

"میرے دل سے آپ کے لیے دعائیں نکلتی ہیں اور آپ پر رشک آتا ہے۔ سچا لیڈر ہمیشہ کوئی بھی خود سے نہیں بنتا ہمیشہ لوگ ہی ایسے شخص کو لیڈر بنا دیتے ہیں۔ جو واقعی اس کے قابل ہوتا ہے۔ لوگ برے کاموں اور غلط مقاصد کی خاطر خود کو ڈنکے کی چوٹ پر لیڈر کہتے ہیں۔ اب اللہ نے آپ کو کچھ اچھا کرنے کا موقع دیا ہے تو ہچکچا کیوں رہے ہیں؟"

عمر کو بے اختیار بابا کی یاد آئی اور بابا کی کہی ایک بات اس کے کانوں میں گونجی، اللہ چن لیتا ہے کچھ لوگوں کو اپنے دین کی خاطر۔ اگر ایسا کوئی موقع آئے تو عاجزی کے ساتھ اس ذمہ داری کو قبول کر لینا جو ملے گی ورنہ اللہ میرا یا تمہارا محتاج نہیں وہ کسی اور کو یہ نعمت سونپ دے گا لیکن ہم محروم رہ جائیں گے۔

یہ یاد آتے ہی بے اختیار عمر کے منہ سے نکلا۔

”دعائیں دینی ہیں تو اس شخص کو دو جس نے ایک عام انسان کو وہ عمر بنا دیا جو آج لوگوں کے سامنے کھڑا ہے۔ میرے بابا، میرے رہنما، میرے والد، میرے دوست، میرا سب کچھ۔“ سب اچنبھے سے عمر کو دیکھنے لگے۔

”ٹھیک ہے۔ میں کوشش کروں گا جیسا آپ چاہتے ہیں ویسا کرنے کی اور سوالات کا جواب بھی دینے کی کوشش کروں گا۔“ عمر کی بات سن کر وہاں موجود اکثر افراد کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اس دن عمر جب گھر آنے کے لیے نکل رہا تھا جانے کس کس نے اس کے کندھے پر تھپکیاں دیں، کس کس نے بلند آواز سے کہا۔

”وی آر ود یو عمر۔“ کس کس نے پرجوشی سے مصافحے کیا۔ زیادہ مسئلہ تو عمر کو لڑکیوں کے ری ایکشنز سے ہو رہا تھا۔ ان کی باتوں سے، مگر وہ نظریں جھکائے دل ہی دل میں درود شریف اور اپنے رب کا شکر ادا کرتا جا رہا تھا۔ جس نے اسے اتنی عزتوں سے نوازا۔

بے شک عاجزی ایک ایسا عمل ہے جو نعمتوں کو بڑھا دیتا ہے۔

”یہ قسمیں کھانا اسلام کی رو سے جائز نہیں۔ تمہاری امی نے کھائیں لیکن قسم کھا کر کچھ کہا نہیں‘ یہ صرف سمجھانے اور دل میں اتارنے کے لیے کھائی تھیں ورنہ مجبوری میں صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے کی اجازت ہے۔“ خدیجہ نے عائزہ کی طرف دیکھ کر وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”میں اب چلتی ہوں۔ امید ہے عائزہ! شاید تمہاری زندگی میں تبدیلی آجائے۔“ خدیجہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

”تبدیلی آنی کہاں؟ تبدیلی آچکی ہے۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔“ عائزہ نے ممنویت بھرے لہجے میں کہا۔

”کچھ لوگ ہوتے ہیں جو حق واضح ہونے پر بھی تاویلیں اور بہانے بناتے ہیں۔ اسے اپنانے میں ہچکچاتے ہیں لیکن کچھ ہوتے ہیں جو حق واضح ہوتے ہی اسے اپنا لیتے ہیں۔ اپنی ساری سوچ کو پس پشت ڈالتے ہوئے۔ ایسے لوگ خوش قسمت ہوتے ہیں۔ فی امان اللہ۔“ خدیجہ نے باہر جانے والے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

۔****************۔

خولہ اور ضرار نے لیب سے اپنی پسند کے چھوٹے اور ہلکے ہتھیاروں کا انتخاب کیا اور حیدر کے ساتھ واپس کمرے میں آکر بیٹھ گئے۔

حیدر بھی بیٹھ کر ہی کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ سیل کی بیل بجنے لگی۔ اس نے چونک کر سیل کی طرف دیکھا اور کان سے لگا کر کہنے لگا۔

”السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ سر۔“ دوسری طرف سے جانے کون تھا اور وہ کیا کہتا رہا۔ حیدر نے بس ہوں ہاں، جی بہتر سر کہہ کر کال کاٹ دی اور ضرار کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔

”بابا کا فون تھا۔ انہوں نے ایک لڑکی اور ایک لڑکے کو تمہاری نگرانی کرنے کا کام سونپا ہے۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔“

”لیکن ہم اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔“ ضرار نے قدرے ناگواری سے کہا۔

"یہ بابا کے فیصلے ہیں۔ جو ہمارے لیے پتھر پر لکیر ہوتے ہیں۔ ہم پر ان کی تکمیل کرنا فرض ہے۔“ حیدر نے سنجیدگی سے کہا اور دوبارہ کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کچھ منٹوں بعد ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک لڑکی لڑکے کے ہمراہ اندر داخل ہوئی۔

لڑکی نے چہرے پر سکارف لیا ہوتھا اور نیچے عبایا پہنا رکھا تھا جبکہ لڑکے نے سفید شلوار قمیض کے اوپر سیاہ رنگ کی واسکٹ پہنی ہوئی تھی۔ دونوں نے قریب آ کر بلند آواز میں سلام کیا۔ سلام کر کے لڑکا تو خاموش ہو گیا لیکن لڑکی کی زبان چلنے لگی۔

”کیا حال ہے شہر خاموشاں کے باسیو!“ حیدر نے ان کی طرف دیکھا اور فوراً اس کی آنکھوں میں شناسائی کی ایک چمک دوڑی۔ اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ رینگ گئی۔ ادھر لڑکا اپنا تعارف کروانے لگا۔

”میرا نام سرمد چغتائی ہے۔ یہ میری بہن نور چغتائی۔“ ضرار نے اپنا اور اپنی بہن کا تعارف کروایا۔

سرمد نے سوالیہ نظروں سے حیدر کی طرف دیکھا جو ابھی بھی زیر لب مسکراتا ہوا دلچسپی سے سرمد اور نور چغتائی کی طرف دیکھ رہا تھا کیونکہ حیدر نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کروایا تھا۔

"سرمد چغتائی، کیا نور چغتائی کی زبان کی تیزی میں کوئی کمی آئی؟" حیدر نے مسکراتے ہوئے سرمد سے پوچھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" نور نے قدرے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"لوگوں کے دکھاوے کے مطلب میں بھی کئی مطلب چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ کچھ سمجھ آئی۔ چغتائی؟" حیدر نے لطف لینے کے انداز میں کہا۔

"کیا تمہارا دماغ خراب ہے؟" نور نے انگلی اپنے سر پر گھما کر اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"آہا، لمبی زبان میں اور بھی آگئی لمبائی' واہ چغتائی۔" حیدر نے جھومنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ تمہیں بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔" نور کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آنا شروع ہو چکے تھے لیکن سرمد اب غور سے حیدر کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"تمیز سے نہ ہو سکی شناسائی۔ بے بس ہوئی خدائی، اے بھنائی ہوئی چغتائی!" حیدر نے بھی ڈھیٹ بن کر اس کے نام کے لفظ چغتائی کو پکڑ کر اس سے قافیے ملا کر کہنے لگا۔

خولہ اور ضرار حیرت سے حیدر کا یہ روپ دیکھ رہے تھے جبکہ سرمد غور سے حیدر کو دیکھنے کے بعد ضرار کے پاس جا کر اس کے کان میں سرگوشی کر کے پوچھنے لگا۔

"اس کا نام کیا ہے؟" ضرار نے بھی سرگوشی سے جواب دیا۔

"حیدر" سرمد کے منہ سے "اوہ" کی آواز نکلی اور پھر سرگوشی میں ہی کہنا لگا۔

"کچھ دیکھی دیکھی لگی تھی صورت، اب یاد آگیا۔" اور پھر دلچسپی سے حیدر اور نور کو دیکھنے لگا۔

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گی اب اگر کچھ اور اس طرح کی بے ہودگی کی بات کی تو۔" آہستہ آہستہ نور کا پارہ چڑھتا جارہا تھا۔

"حقیر فقیر کے سامنے کیوں ہیں مرچیں چبائی، فدائی۔" حیدر نے جب یہ فقرہ کہا تو نور چونک گئی اور قدرے غور سے حیدر کی طرف دیکھنے لگی۔ حیدر نے گھبرانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"بس کرو نظروں سے دھلائی، مجھے شرم سی آئی۔" لیکن اب کی بار نور کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ سی رینگ گئی اور کہنے لگی۔

"اچھا تو یہ تم ہو۔" اور آرام سے خولہ کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی تو خولہ نے پوچھا۔

"تم اسے جانتی ہو؟" نور نے جواب دیا۔

"بچپن میں ایک بار ملاقات ہوئی تھی بس۔"

"ہاں' وہ میرے سب سے اچھے اور سب سے مشکل دن تھے ٹریننگ کے زمانے میں۔ تو پھر کیسے نکلے تھے اس جہنم سے؟" حیدر نے بھی بیتے لمحوں کو یاد کرتے ہوئے پوچھا۔ نور اور سرمد دونوں ہنس پڑے اور سرمد کہنے لگا۔

"اس وقت واقعی ایسا لگتا تھا لیکن اب احساس ہوتا ہے وہ سب ہمارے لیے کتنا ضروری تھا۔"

"ماسٹر کہاں ہیں آج کل؟ مجھے بہت یاد آتے ہیں۔" حیدر نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"تمہارے لیے تو وہ ماسٹر تھے لیکن ہمارے تو وہ بابا جان تھے۔ جب ٹریننگ مکمل ہوگئی تو کچھ دنوں بعد ان سے آخری ملاقات ہوئی تھی۔ اس میں انہوں نے بس اتنا کہا تھا کہ وہ ایک نئی منزل کی جانب

جانے لگے ہیں اگر دو ہفتوں تک وہ رابطہ نہ کر سکے ہم سے تو ہم انہیں بھول جائیں اور یہ سمجھ لیں کہ اب ان سے کبھی ملاقات نہیں ہو گی۔ اس صورتحال میں انہوں نے ایک رابطہ نمبر اور ایڈریس دیتے ہوئے کہا تھا کہ دو ہفتے انتظار کے بعد اس پتے پر چلے جانا اور جو شخص تمہیں ملے گا وہ میری ہی طرح کا ہو گا اور تمہیں میری کمی محسوس نہیں ہونے دے گا۔ اس کی ہر بات ماننا۔"

"ہم بہت روئے، چیخے، تڑپے اور ساتھ آنے کی بھی ضد کی لیکن وہ نہ مانے اور چھوڑ کر چلے گئے۔ دو ہفتوں تک انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہ آئے تو ہم اس پتے پر پہنچے۔ وہاں بابا جان ملے۔ جنہوں نے پرجوشی سے ہمارا استقبال کیا اور تنظیم کا تعارف کروا کر ہم پر چھوڑ دیا کہ فیصلہ تم لوگوں کا ہو گا اگر شامل ہونا چاہیں تو موسٹ ویلکم۔ ہمارے پاس کوئی اور آپشن نہیں تھا۔ اس کے مقاصد بھی اچھے لگے تو شمولیت اختیار کر لی اور واقعی بابا نے ایسے سنبھالا کہ ماسٹر بابا کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔" سرمد نے تفصیلاً اپنی روداد سناتے ہوئے کہا۔

"سب کچھ ویسا ہی ہوا جیسے میرے ساتھ ہوا، مجھے تو لگتا ہے کہ وہ اب بھی کہیں موجود ہوں گے۔ کوئی نیا حیدر تیار کر رہے ہوں گے۔ ایسے لوگ جذبات کو پس پشت ڈال کر اپنوں کو بھی نظر انداز کر کے بس اپنے فرض کو یاد رکھتے ہیں۔ اسے پورا کرنے کی خاطر آگے بڑھتے رہتے ہیں۔" حیدر نے بھی افسردہ لہجے میں کہا۔

"ہمیں بھی ایسا ہی لگتا ہے۔" نور نے کہا۔

"لیکن اس سے ملتا جلتا واقعہ تو ہم دونوں کے ساتھ بھی ہو چکا ہے۔ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا تھا خود کو ماسٹر کے ہاں پایا لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ ماسٹر نے ہم دونوں کو یہ بتایا ہوا تھا کہ ہم دونوں کے بابا

جانی کوئی اور ہیں۔ جو ملکی خدمات کے سلسلے میں اتنے مصروف ہیں کہ ہم سے دور ہیں لیکن ہماری ٹریننگ مکمل ہوتے ہی ہمیں اپنے بابا جانی کے پاس بھیج دیا جائے گا۔"

"اسی سوچ نے ہمارے اندر جوش بھر دیا تھا اور ہم جلد سے جلد اپنی ٹریننگ مکمل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب مکمل ہوگئی تو ہمیں بابا جانی کے پاس بھیج دیا گیا۔ جنہوں نے واقعی ایک باپ کی طرح ہمارا خیال رکھا لیکن اس کے بعد ہم بھی ماسٹر کو نہیں دیکھ سکے۔ بابا جانی سے بھی ان کا پوچھا لیکن بابا جانی بھی ٹال گئے اور کچھ نہ بتایا۔" خولہ نے بھی ایک نیا انکشاف کرتے ہوئے کہا تو وہاں موجود سب افراد حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور شاید سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ یہ کیا گورکھ دھندہ ہے۔

مگر اس الجھی گتھی کو ان کی سوچیں سلجھا نہیں پا رہیں تھیں جبکہ ان سے تھوڑی دور ایک اور خفیہ کمرے جس کے وجود کا صرف اس کمرے میں موجود شخص کو ہی علم تھا جو ایک راکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے مسکراتے ہوئے سکرین پر ان پانچوں افراد کی باتیں سن رہا تھا اور اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے اسے ان کی گفتگو سے لطف مل رہا ہو۔

۔**********************

ایک نیم روشن کمرے میں موجود سب روشنی وہاں موجود ایک سٹینڈ کی وجہ سے تھی جس کی شکل ہاتھ کی طرح تھی اور انگلیوں کی طرح اس سٹینڈ کی ہر انگلی کے سرے پر ایک ایک موم بتی جل رہی تھی۔

ان موم بتیوں کی روشنی پورے کمرے کو روشن کرنے میں ناکام تھی۔ کمرے کا منظر قدرے ڈراؤنا ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قدیم زمانے کے کسی کمرے کا منظر پیش کر رہا تھا۔

کمرے میں کسی کرسی، صوفے یا بیڈ جیسی چیز کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ عین بیچوں بیچ ایک بڑا سا چھے کونوں والا ستارا کھدا ہوا تھا۔ اس ستارے کے ہر کونے پر ایک ایک شخص بیٹھا تھا۔

ان سب کی کلائیاں اپنے اپنے کونے کے اوپر ہوا میں معلق تھیں اور ان کی کلائیوں سے رسنے والے خون کے قطرے ہر کونے کے سرے پر ایسے گر رہے تھے کہ کونے پر گرنے والا خون کونے کے دونوں اطراف میں کھدی باریک سی نالیوں میں ایک جیسی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔

کمرے کی فرنٹ والی دیوار کے بیچ ایک عجیب سا مجسمہ کھڑا تھا۔ جس کا لرزتا سایہ کھدے ہوئے ستارے کے اوپر والے کونے کے سرے پر بیٹھے شخص پر پڑ رہا تھا۔ اس کے سر پر ایک لمبی سی کالی ٹوپی اور جسم پر پاؤں تک ایک کالا جبہ تھا۔
اس کی کلائی سے بھی خون رس کر کونے پر گر رہا تھا اور اسکی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

"ہم یہ وعدہ کرتے ہیں۔ ہم ہر حال میں جیکب اور اپنی پاکستان میں موجود تنظیم کو ختم کرنے والے ذمہ دار شخص کو جہنم پہنچا کر رہیں گے اور اعلی ترین اپنے مذہب کی برتری کو ثابت کر دیں گے۔ اس مقصد کے لیے ہمیں اپنا لہو بھی بہانا پڑا تو ہم دریغ نہیں کریں گے۔" جیسے جیسے وہ شخص بولتا جا رہا تھا۔ ہر ایک کا خون سفر کرتا ہوا ایک دوسرے کونے کی نالیوں میں ایک دوسرے کے خون سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ تقریباً ایک ہی وقت میں سب کا خون ستارے کی باریک نالیوں میں ایک دوسرے کے خون سے ملا اور کھدا ستارا ایک سرخ رنگ کا ستارا بن کر واضح ہو گیا۔

جیسے ہی یہ واضح ہوا۔ ستارے کے سب سے اوپر والے کونے پر بیٹھے ربی کا ہاتھ حرکت میں آیا اور ستارے میں آگ لگ گئی لیکن یہ آگ صرف نالیوں میں موجود خون کو لگی تھی اور ایک جلتا ہوا چھ کونوں والا ستارا پورے کمرے کو روشن کر گیا۔

اس کے آگ کی روشنی نے وہاں بیٹھے افراد کے پتھر کی طرح سخت ہوئے چہروں کو واضح کر دیا تھا۔ ربی اٹھ کر کھڑا ہوا تو وہاں موجود سب افراد بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ربی کہنے لگا۔

"آپ تمام کو ایک خوشخبری سناتا چلوں۔ میں حساب کر چکا ہوں اور میرے حساب کے مطابق کچھ نقصان کے بدلے اس بات کے بہت واضح اشارات ملے ہیں کہ آپ لوگ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیں گے۔" یہ بات سن کر وہاں موجود سب افراد کے چہروں پر خوشی اور پر جوشی کی ایک لہر دوڑ گئی کیونکہ وہ سب جانتے تھے کہ ربی نے آج تک اپنے حساب کر کے جو بات کی ہے وہ ہمیشہ سچ ثابت ہوئی ہے۔ اس بات کو وہ سب آزما چکے تھے۔

ربی کی مزید ہدایات سننے کے بعد جب وہ کمرے سے باہر نکل رہے تھے تو ان کے چہروں پر پر جوشی تھی اور چال میں اعتماد کیونکہ ربی نے انہیں جیت کی پیشن گوئی سنائی تھی۔

ان دوستوں اور پاکستان میں موجود ان پالتو کتوں کی نشاندھی بھی کر دی تھی جن کو وہ نہ جانے کب سے ہڈیاں ڈال رہے تھے۔ ان دوستوں اور کتوں کی مدد سے شکار کرنے انہیں آج ہی پاکستان پہنچنا تھا۔

ایک کو مصر کے پاسپورٹ پر تو ایک کو برطانیہ کے پاسپورٹ پر، دو کو امریکا اور ایک کو ایران کے پاسپورٹ پر۔ ان سے دور پاکستان میں رات کے آخری پہر کا آغاز ہو چکا تھا۔ لوگ بے خبر، نیند کی وادیوں میں گم تھے۔

-*****************-

حیدر اور ماسٹر فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر آئے تھے۔اب ماسٹر اور حیدر دونوں تلاوت کر کے اب قرآن مجید پر غور وفکر کے لیے مختص وقت میں غور وفکر کرنے بیٹھے تھے۔ماسٹر نے حیدر کو آیت پڑھنے کا کہا تو حیدر نے سورت حشر کی آیت اور ترجمہ پڑھا۔

"هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔

"وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، ٹھیک ٹھیک بنانے والا، صورت دینے والا، اس کے اچھے اچھے نام ہیں، سب چیزیں اسی کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔"

"تو بتاؤ کیا سمجھ آتی ہے اس آیت سے؟" ماسٹر نے حیدر سے پوچھا تو حیدر آیت کے ترجمے پر غور کرنے لگا۔وہ غور کرنے کے تھوڑی دیر بعد بولا۔

"میری سمجھ میں تو بس یہی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والے ہیں، اور ہر چیز کو بہت اچھے طریقے سے اور ٹھیک ٹھاک بنانے والے ہیں۔کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہے اور اللہ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، وہ بہت زبردست حکمت والے ہیں۔"

ماسٹر: "بس؟ اس کی تشریح تو کرو۔" لیکن حیدر نے گومگو کی حالت میں اپنی بے بسی ظاہر کی تو ماسٹر نے خلا میں گھورتے ہوئے دیوار کے ساتھ پڑے گول تکیے سے ٹیک لگائی۔وہ چند ثانیے بعد گویا ہوئے۔

”ایک آیت تو کیا قرآن کے ایک لفظ کی تہہ تک پہنچنا بہت مشکل بلکہ میرے لیے تو ناممکن ہے۔ پھر بھی تھوڑی بہت سمجھ ہے۔ وہ بیان کر دیتا ہوں۔“

”سب سے پہلے لفظ خالق دیکھو‘ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والے ہیں لیکن کیسے، یہاں ہم پھر قرآن سے مدد لیتے ہیں۔“

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى (طٰہٰ، 20 : 55)

ترجمہ: ”(زمین کی) اسی (مٹی) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری مرتبہ (پھر) نکالیں گے۔“

”ایک دوسری آیت میں ہے۔“

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ،

(الحجر، 15 : 26)

”اور بیشک ہم نے انسان کی (کیمیائی) تخلیق ایسے خشک بجنے والے گارے سے کی جو (پہلے) سِن رسیدہ (اور دھوپ اور دیگر طبیعیاتی اور کیمیائی اثرات کے باعث تغیر پذیر ہو کر) سیاہ بودار ہو چکا تھا۔ ایک تیسری آیت میں ہے۔“

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ (النحل، 16 : 4)

”ترجمہ: اُسی نے انسان کو ایک تولیدی قطرہ سے پیدا فرمایا۔“

”اب یہاں دو چیزیں ہیں۔ جن کا کہا جا رہا ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے بنایا اور دوسری جگہ ہے کہ ایک نطفے (سپرم) سے انسان کو بنایا۔ اب سوال ذہن میں آتا ہے کہ اگر مٹی سے بنایا ہے تو نطفے سے کیسے بنایا؟ لیکن عموماً مشاہدہ یہی ہے کہ نطفے سے بنایا تو پھر مٹی سے کیسے بنایا؟“

”بیٹا قرآن اسرار و رموز کی زبان ہے۔ اس پر غور کرنے سے مجھے جو سمجھ آیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو مٹی سے بنانا دو طرح سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک تو سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کو مٹی سے بنا کر اس میں روح پھونکی گئی تھی تق اس کا اطلاق پھر سب انسانوں پر ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی اس بات کو نہیں مانتا تو پھر ایک دوسری منطق بھی ہے کہ چلو نطفے سے بنایا لیکن اب اگر غور کریں یہ سپرم یہ نطفہ کیسے بنا ہے؟“

جواب یہی ہو گا کہ اسے انسانی جسم میں موجود testes، seminal vesicles، prostate اور bulbourethral glands، نے بنایا۔ اب اگر پوچھا کس چیز سے بنایا تو جواب ہے کہ کیلشیم، کلورائیڈ، سٹریٹ، فریکٹوز، گلوکوز، لیکٹک ایسڈ، پروٹین، سوڈیم، میگنیشیم اور یوریا وغیرہ سے بنایا۔ اب پوچھا جائے یہ سب کہاں سے آئے تو جواب ہے خوراک سے حاصل ہوئے۔ خوراک کہاں سے ملی جواب ہو گا سبزیوں، پھلوں اور گوشت سے، گوشت کہاں سے آیا جانوروں سے۔ جانوروں کو یہ کہاں سے ملے جواب پودوں سبزیوں اور پھلوں سے، پودوں، سبزیوں اور پھلوں میں۔ یہ نیوٹرینٹس کہاں سے ملے جواب ہو گا مٹی سے، مطلب مٹی ہے تو ساری زندگی ہے ورنہ نہیں۔“

”ویسے تو اس حوالے سے اور بھی آیات ہیں لیکن اگر انہیں کھولا تو بات کتابوں تک جا پہنچے گی۔ پھر بھی اس لفظ خالق کی تشریح نہیں ہو سکے گی اتنی گہرائی اور تفصیل ہے اس ایک لفظ خالق کی۔ صرف ایک

مثال دیتا ہوں کیا صرف انسان پیدا ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے اس کا جواب ہے نہیں ایک ہی وقت میں ایک ہی منٹ میں اگر ایک انسانی بچہ پیدا ہو رہا ہے۔ اسی ایک منٹ میں ایک شیر کا بچہ، ہرن، غرض اسی ایک منٹ میں چرند، پرند، خشکی، تر، ہوا، خلا، زمین، سمندر، ستارے، سیارے، کہکشاں، بیکٹیریا سے لے کر ہاتھی تک، وائرس سے لے کر سورج سے بڑے ستاروں تک، پاتال سے لے کر عرش تک، ساتویں آسمان کی بلندیوں سے لے کر سمندر کی ان گہرائیوں تک جہاں سورج کی روشنی بھی نہیں پہنچ سکتی۔ جہاں کی اسی فیصد مخلوق کو انسان ابھی دریافت ہی نہیں کر سکا، ان گہرائیوں تک صرف اسی ایک منٹ میں وہ خالق کروڑوں نہیں اربوں نہیں کھرب یا کھرب سے بھی زیادہ مخلوق کو پیدا کر رہا ہے۔ بس اسی ایک منٹ میں' لیکن آج تک وہ بھولا نہیں۔ اس سے غلطی نہیں ہوئی۔ وہ تھکا نہیں۔ وہ بھٹکا نہیں۔ ہر مخلوق کو درست اور پرفیکٹ بنا رہا ہے۔"

) کو ملا رہا ہے۔ نئے پتوں کو وجود دے رہا ہے۔ آج تک وہ گھبرایا Cells" پودے کے مادہ اور نر سیلز (نہیں۔ تھکا نہیں۔ یہ نہیں ہوا کان کی جگہ غلطی سے ناک لگ گیا ہو۔ یہ نہیں ہوا منہ کی جگہ سر لگ گیا ہو۔ وہ ایسا خالق ہے انسان کو پیدا کرنے کا طریقہ اور میتھڈ اور ہے۔ پرندوں کو پیدا کرنے کا طریقہ اور ہے۔ بچھو کو ماں کا پیٹ پھاڑ کر باہر لانے کا طریقہ اور ہے۔ فنجائی کو پیدا کرنے کا طریقہ اور ہے۔ ستاروں کو پیدا کرنے کا طریقہ اور ہے۔ سمندر میں آکٹوپس کو پیدا کرنے کا طریقہ اور ہے۔ ہر ہر مخلوق کے پیدا کرنے کا طریقہ دوسری مخلوق سے مختلف ہے لیکن وہ اللہ ہے وہ کبھی نہیں گڑبڑایا۔"

"وہ کبھی نہیں الجھا۔ کبھی نہیں تھکا۔ اسے کبھی کسی اسسٹنٹ کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ اسے کبھی نیند نہیں آئی۔ یہ خالق کا ایک 'مختصر' سا ترجمہ ہے۔ تفصیل کے لیے تو سمندروں کی سیاہی بنالی جائے وہ

بھی کم ہے۔" ماسٹر خاموش ہوا تو حیدر کو ہوش آیا کہ وہ کہاں ہے ورنہ اس کے ذہن ان باتوں میں اتنا کھو چکا تھا کہ اسے اپنا آپ بھی محسوس ہونا بھول چکا تھا۔ آج اسے لفظ خالق کا صحیح معنی پتہ چلا تھا۔

ماسٹر: "اگلا لفظ ہے البارِی' وقت مختصر ہے اس لیے مختصر ہی بتاؤں گا۔ البارِی کا مطلب ہے بنانا یا ایجاد کرنا ہے۔ یہ جو سنتے ہیں نا کہ فلاں سائنسدان نے فلاں چیز ایجاد کی ہے تو وہ غلط کہتے ہیں۔ وہ ایجاد نہیں 'دریافت' کرتے ہیں کیونکہ ایجاد کا مطلب ہے کسی بھی پہلے سے موجود چیزوں کا سہارا لیے بنا ایسی چیز کو بنانا کرنا جس کا پہلے کوئی وجود نہ ہو۔"

"جہاز ایجاد نہیں ہوا دریافت ہوا ہے کیونکہ لوہا پہلے سے ہی موجود تھا۔ پہیہ ایجاد نہیں دریافت ہوا ہے کیونکہ لکڑی پہلے سے ہی موجود تھی۔ اگر تمہیں برش، کینوس، رنگ دے دیے جائیں کہ تصویر بناؤ تو تم الٹی سیدھی کوئی نہ کوئی تصویر بنالو گے کیونکہ تمہاری پاس رنگ ہیں۔ برش ہے، کینوس ہے لیکن اگر تمہیں کہا جائے کہ خالی ہاتھ تصویر بناؤ کوئی برش نہیں، کوئی رنگ نہیں، کچھ نہیں تو تم نہیں بنا پاؤ گے۔"

"اسی طرح ان سائنسدانوں نے موجود چیزوں کا استعمال کیا ہے۔ کچھ نے جہاز کی تصویر بنا دی تو کسی نے کار کی لیکن اللہ تعالیٰ ایک ایسی ذات ہے جس نے بنا رنگ کے، بنا برش کے، بنا کینوس کے، کچھ نہ ہونے کے باوجود تصاویر بنا دیں اور ایسی ذات جو کچھ نہ ہونے کے باوجود کسی چیز کو وجود دے۔ اس ذات کو کہتے ہیں البارِی۔"

حیدر: "ماسٹر آپ کی سوچ کو میں کبھی نہیں
پہنچ پاؤں گا۔" ماسٹر نے حیدر کی بات کو نظر انداز کیا اور آگے کہنے لگا۔

”اگلا لفظ ہے مصور، مصور اسے کہتے ہیں جو رنگوں سے ایسی تخلیق بنا ڈالے جو دیکھ کر انسان حیرت سے دنگ رہ جائے۔ اس کی وضاحت میں بول کر نہیں اللہ تعالیٰ کی مصوری دیکھا کر کروں گا۔ اس لیے اسے بعد میں دیکھتے ہیں۔ آگے دیکھتے ہیں۔ کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح اور تعریف کرتی ہے۔ کیسے کرتی ہے؟ یہ کچھ اندازہ تمہیں بھی ہو گا۔ کچھ مجھے بھی ہے لیکن یہ راز مکمل کسی کو بھی معلوم نہیں۔“

”اس سے آگے پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں پھر قرآن کا سہارا لینا پڑے گا۔ قرآن میں ہے کہ:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا [60] فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا [61] فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا [62] قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا [63] قَالَ ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا [64] فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا [65]

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا میں نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچ جاؤں، یا مدتوں چلتا رہوں۔ [60] تو جب وہ دونوں ان کے آپس میں ملنے کے مقام پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، تو اس نے اپنا راستہ دریا میں سرنگ کی صورت بنا لیا۔ [61] پھر جب وہ آگے گزر گئے تو اس نے اپنے جوان سے کہا ہمارا دن کا کھانا لا، بے شک ہم نے اپنے اس سفر سے تو بڑی تھکاوٹ پائی ہے۔ [62] اس نے کہا کیا تو نے دیکھا جب ہم اس چٹان کے پاس جا کر ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی بھول گیا اور مجھے وہ نہیں بھلائی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں اور اس نے اپنا

راستہ دریا میں عجیب طرح سے بنالیا۔[63] اس نے کہا یہی ہے جو ہم تلاش کر رہے تھے، سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے۔[64] تو ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے ہاں سے ایک رحمت عطا کی اور اسے اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا۔[65]

”اس کی تفسیر ہم حدیث سے دیکھتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا۔ نوف کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام سے ملنے والے موسیٰ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہ تھے۔“

”سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ وہ دشمن رب جھوٹا ہے، ہم سے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سنا کہ موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر بنی اسرائیل میں خطبہ کر رہے تھے جو آپ سے سوال ہوا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟“

”آپ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں، تو چونکہ آپ علیہ السلام نے اس کے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ اللہ جانے، اس لیے رب کو یہ کلمہ ناپسند آیا۔“

”اسی وقت وحی آئی کہ ہاں مجمع البحرین میں ہمارا ایک بندہ ہے۔ جو تجھ سے بھی زیادہ علم رکھتا ہے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پھر پروردگار میں اس تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟“

”حکم ہوا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لو، اسے توشے دان میں ڈال لو، جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے۔ وہیں وہ مل جائیں گے۔ تو آپ علیہ السلام اپنے ساتھ اپنے ساتھی یوشع بن نون علیہ السلام کو لے کر چلے۔ پتھر کے پاس پہنچ کر اپنے سر اس پر رکھ کر دو گھڑی سو گئے۔“

”مچھلی اس توشے دان میں تڑپی اور کود کر اس سے نکل گئی۔ سمندر میں ایسی گئی جیسے کوئی سرنگ لگا کر زمین میں اتر گیا ہو۔ پانی کا چلنا بہنا اللہ تعالیٰ نے موقوف کر دیا اور طاق کی طرح وہ سوراخ باقی رہ گیا۔“

”موسیٰ علیہ السلام جب جاگے تو آپ کے ساتھی یہ ذکر آپ سے کرنا بھول گئے۔ اسی وقت وہاں سے چل پڑے۔ دن پورا ہونے کے بعد رات بھر چلتے رہے۔ صبح موسیٰ علیہ السلام کو تھکان اور بھوک محسوس ہوئی۔ اللہ نے جہاں جانے کا حکم دیا تھا جب تک وہاں سے آگے نہ نکل گئے، تھکان کا نام تک نہ تھا۔ اب اپنے ساتھی سے کھانا مانگا اور تکلیف بیان کی۔“

”اس وقت آپ کے ساتھی نے فرمایا کہ پتھر کے پاس جب ہم نے آرام کیا تھا۔ وہیں اسی وقت مچھلی تو میں بھول گیا اور اس کے ذکر کو بھی شیطان نے بھلا دیا۔ اس مچھلی نے تو سمندر میں عجیب طور پر اپنی راہ نکال لی۔ مچھلی کے لیے سرنگ بن گئی اور ان کے لیے حیرت کا باعث بن گیا۔“

”موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اسی کی تو تلاش تھی۔ چنانچہ اپنے نشان قدم دیکھتے ہوئے دونوں واپس ہوئے۔ اسی پتھر کے پاس پہنچے دیکھا کہ ایک صاحب کپڑوں میں لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے سلام کیا۔ اس نے کہا تعجب ہے آپ کی سرزمین میں یہ سلام کہاں؟“

”آپ علیہ السلام نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے پوچھا۔ کیا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں اور میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ سکھائیں جو بھلائی آپ کو اللہ کی طرف سے سکھائی گئی ہے۔“

”آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ مجھے جو علم ہے وہ آپ علیہ السلام کو نہیں اور آپ کو جو علم ہے وہ مجھے نہیں، اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جداگانہ علم عطا فرما

رکھا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ میں صبر کروں گا اور آپ کے کسی فرمان کی نافرمانی نہ کروں گا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا اچھا اگر تم میرا ساتھ چاہتے ہو تو مجھ سے خود کسی بات کا سوال نہ کرنا۔ یہاں تک کہ میں آپ تمہیں اس کی بابت خبر دار کروں۔"

"اتنی باتیں طے کر کے دونوں ساتھ چلے۔ دریا کے کنارے ایک کشتی تھی۔ ان سے اپنے ساتھ لے جانے کی بات چیت کرنے لگے۔ انہوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ لیے دونوں کو سوار کر لیا۔ کچھ ہی دور چلے ہوں گے جو موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ خضر علیہ السلام چپ چاپ کشتی کے تختے کلہاڑے سے توڑ رہے ہیں۔"

"موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ کیا؟ ان لوگوں نے تو ہمارے ساتھ احسان کیا۔ بغیر کرایہ لیے کشتی میں سوار کیا اور آپ نے اس کے تختے توڑنے شروع کر دیے جس سے تمام اہل کشتی ڈوب جائیں گے۔ یہ تو بڑا ہی ناخوش گوار کام کرنے لگے۔ اسی وقت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔"

"دیکھو میں نے تو تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام معذرت کرنے لگے کہ خطا ہو گئی۔ بھولے سے پوچھ بیٹھا۔ معاف فرمایئے اور سختی نہ کیجیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واقعی یہ پہلی غلطی بھول سے ہی ہوئی تھی۔"

"فرماتے ہیں کشتی کے ایک تختے پر ایک چڑیا آ بیٹھی اور سمندر میں چونچ ڈال کر پانی لے کر اڑ گئی۔ اس وقت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: میرے اور تیرے علم نے اللہ کے علم میں سے اتنا ہی کم کیا ہے جتنا پانی سے سمندر میں سے اس چڑیا کی چونچ نے کم کیا ہے۔"

”اب کشتی کنارے لگی اور ساحل پر دونوں چلنے لگے۔ جو خضر علیہ السلام کی نگاہ چند کھیلتے ہوئے بچوں پر پڑی ان میں سے ایک بچے کا سر پکڑ کر خضر علیہ السلام نے اس طرح مروڑ دیا کہ اسی وقت اس کا دم نکل گیا۔ موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے' فرمانے لگے۔ بغیر کسی سبب کے اس بچے کو آپ نے ناحق مار ڈالا ؟“

”آپ نے بڑا ہی منکر کام کیا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا دیکھو' اسی کو میں نے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ تمہاری ہماری نبھ نہیں سکتی۔ اس وقت خضر علیہ السلام نے پہلے سے زیادہ سختی کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا اب اگر میں کوئی سوال کر بیٹھوں تو بیشک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ یقیناً اب آپ معذور ہو گئے۔“

”چنانچہ پھر دونوں ہمراہ چلے' ایک بستی والوں کے پاس پہنچے۔ ان سے کھانا مانگا لیکن انہوں نے ان کی مہمانداری سے صاف انکار کر دیا۔ وہیں ایک دیوار دیکھی جو جھک گئی تھی اور گرنے کے قریب تھی۔ اسی وقت خضر نے ہاتھ لگا کر اسے درست کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا خیال تو فرمایئے، ہم یہاں آئے۔ ان لوگوں سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے نہ دیا۔ مہمان نوازی کے خلاف کیا۔ ان کا یہ کام تھا۔ آپ ان سے اجرت لے سکتے تھے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ ہے مجھ میں اور تم میں جدائی۔“

”اب میں تمہیں ان کاموں کی اصلیت بتلادوں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کاش کہ موسیٰ علیہ السلام صبر سے کام لیتے تو ان دونوں کی اور بھی بہت سی باتیں ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں « وَكَانَ وَرَاءَهُمْ » کے بدلے « وَكَانَ اَمَامَهُمْ »

ہے اور «سَّفِينَةٍ» کے بعد «صَالِحَةٍ» کا لفظ بھی ہے اور «وَاَمَّا الْغُلَامُ» کے بعد «فَكَانَ كَافِرًا» کے لفظ بھی ہیں۔ [صحیح بخاری:4725]

"کشتی کیوں توڑی؟ حضرت خضر (علیہ السلام) کشتی کے مطلق بتانے لگے کہ وہ کشتی مساکین کی تھی جو دریا میں کشتی چلا کر گزر بسر کرتے تھے۔ مجھے اپنے علم لدنی سے معلوم ہوا کہ ان کے پیچھے ایک ظالم بادشاہ ہے جو ہر ثابت کشتی کو چھین لیتا ہے۔ جبکہ عیب والی کشتیاں چھوڑ دیتا ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں۔"

"بچے کو کیوں قتل کیا؟ بچے کے قتل کے متعلق بتانے لگے کہ اے موسیٰ! وہ بچہ کافر تھا، جبکہ اس بچے کے والدین ایمان والے مومنین تھے۔ ہمیں خدشہ ہوا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو بھی کفر اور سرکشی پر نہ پھیر دے' اس لیے میں نے اسے اللہ کے حکم سے اسے قتل کر دیا۔"

"مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ 'وہ بچہ پیدائشی کافر تھا۔' جب موسیٰ (علیہ السلام) نے خضر (علیہ السلام) کو کہا کہ آپ نے ایک پاک نفس کو بغیر کسی وجہ کے قتل کر دیا تو خضر کو یہ بات مشکل محسوس ہوئی۔ خضر نے بچے کی گردن توڑ کر گوشت الگ کر کے دیکھا تو وہاں بھی یہی لکھا تھا کہ 'کافر ہے، کبھی بھی اللہ پر ایمان نہیں لائے گا۔"

"حضرت خضر (علیہ السلام) نے کہا میں نے اسے اس لیے قتل کیا کہ میں اس کے باطن کو دیکھ رہا تھا۔ وہ پیدائشی کافر تھا۔ ہمیں خدشہ ہوا کہ یہ اپنے مومن ماں باپ کو بھی کفر اور سرکشی پر مجبور کر دے گا۔ اس لیے ہم نے چاہا کہ اللہ (عزوجل) اس کے ماں باپ کو اس سے زیادہ بہتر پاکیزگی والا اور اس سے بھی زیادہ محبت والا بچہ عطا فرمائے۔"

”مفسرین لکھتے ہیں کہ پھر اس کے والدین کو اللہ (عزوجل) نے ایک بیٹی عطا فرمائی۔ جو ایک نبی کی بیوی بنی۔ اس بیٹی سے ایک اور نبی پیدا ہوئے۔ جس کے ہاتھ پر اللہ (عزوجل) نے ایک اُمت کو ہدایت بخشی۔ میں نے بہت تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن اس بیٹی کا نام اور ان انبیاء کے نام نہیں ڈھونڈ سکا۔ شاید کوئی تاریخ دان اس معاملے میں میری رہنمائی کر دے۔“

”دیوار کیوں سیدھی کی؟ دیوار کے قصے کے مطلق خضر (علیہ السلام) بتانے لگے کہ وہ دیوار شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی۔ ان یتیم بچوں کا باپ بڑا نیک آدمی تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے اپنے بچوں کے لیے اس دیوار کے نیچے خزانہ چھپایا تھا۔ اس دیوار کے نیچے ان یتیموں کا خزانہ تھا۔ تیرے رب کی چاہت یہ تھی کہ یہ یتیم بچے بڑے ہو کر اپنا خزانہ اپنے رب کی مہربانی اور قدرت سے خود نکالیں۔“

”یہ تھی ان واقعات کی اصل تاویل جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ دیوار 'اصرم اور صریم' نام کے دو یتیم بھائیوں کی تھی۔ ترمذی کی حدیث مبارکہ میں ہے کہ اس دیوار کے نیچے سونا اور چاندی دفن تھا۔“

”یہ ہوتی ہیں اللہ کی حکمتیں، ایک اور واقعے سے حکمت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یوسف کو بادشاہی کا خواب دکھایا۔ باپ کو بھی پتہ چل گیا۔ ایک موجودہ نبی ہے تو دوسرا مستقبل کا نبی ہے! مگر دونوں کو ہوا نہیں لگنے دی کہ یہ کیسے ہو گا؟“

”خواب خوشی کا تھا مگر چکمہ غم کا چلا دیا!

یوسف دو کلو میٹر دور کنوئیں میں پڑا ہے۔ خوشبو نہیں آنے دی اگر خوشبو آ گئی تو باپ رہ نہیں سکے گا۔ جا کر نکلوا لے گا۔ جبکہ بادشاہی کے لئے سفر اسی کنوئیں سے لکھا گیا تھا۔ سمجھا دوں گا تو بھی اخلاقی طور پہ

بہت برا لگتا ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو بادشاہ بنانے کے لئے اسے کنوئیں میں ڈال کر درخت کے پیچھے سے جھانک جھانک کے دیکھ رہا ہے کہ قافلے والوں نے اٹھایا ہے یا نہیں۔"

"لہذا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اگر یوسف کے بھائیوں کو پتہ ہوتا کہ اس کنوئیں میں گرنا بادشاہ بننا ہے۔ وہ یوسف کی مخالفت کر کے اصل میں اسے بادشاہ بنانے میں اللہ کی طرف سے استعمال ہو رہے ہیں تو وہ ایک دوسرے کی منتیں کرتے کہ مجھے دھکا دے دو۔"

"یوسف عزیز کے گھر گئے تو نعمتوں بھرے ماحول سے اٹھا کر جیل میں ڈال دیا کہ: ان مع العسرِ یسراً۔"

"جیل کے ساتھیوں کی تعبیر بتائی تو بچ جانے والے سے کہا کہ میرے کیس کا ذکر کرنا بادشاہ کے دربار میں، مگر مناسب وقت تک یوسف کو جیل میں رکھنے کی اسکیم کے تحت شیطان نے اسے بھلا دیا۔"

"یوں شیطان بھی اللہ کی اسکیم کو نہ سمجھ سکا اور بطورِ ٹول استعمال ہو گیا اگر اس وقت یوسف علیہ السلام کا ذکر ہو جاتا تو یوسف سوالی ہوتے اور رب کو یہ پسند نہیں تھا۔ اس کی اسکیم میں بادشاہ کو سوالی بن کر آنا تھا اور پھر بادشاہ کو خواب دکھا کر سوالی بنایا۔"

" یوسف علیہ السلام کی تعبیر نے ان کی عقل و دانش کا سکہ جما دیا۔ بادشاہ نے بلایا تو فرمایا میں 'این آر او' کے تحت باہر نہیں آؤں گا۔ جب تک عورتوں والے کیس میں میری بے گناہی ثابت نہ ہو جائے گی۔ عورتیں بلوائی گئیں۔ سب نے یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دی۔ مدعیہ عورت نے بھی جھوٹ کا اعتراف کر کے کہہ دیا کہ:

" انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین۔"

”وہی قحط کا خواب جو بادشاہ کو یوسف کے پاس لایا تھا۔ وہی قحط ہانک کر کے یوسف کے بھائیوں کو بھی ان کے دربار میں لے آیا اور دکھا دیا کہ یہ وہ بے بس معصوم بچہ ہے جسے تمہارے حسد نے بادشاہ بنا دیا۔“

”فرمایا پہلے بھی تم میرا کرتہ لے کر گئے تھے۔ جس نے میرے باپ کی بینائی کھالی کیونکہ وہ اسی کرتے کو سونگھ سونگھ کر گریہ کیا کرتے تھے۔ فرمایا اب یہ کرتہ لے جاؤ۔ یہ وہ کھوئی ہوئی بینائی واپس لے آئے گا۔“

”اب یوسف نہیں یوسف کا کرتا مصر سے چلا ہے تو کنعان کے صحراء مہک اٹھے ہیں یعقوب چیخ پڑے ہیں:

”انی لَاجِدُ ریح یوسف لولا ان تفندون۔“

”تم مجھے سٹھیایا ہوا نہ کہو تو ایک بات کہوں؟ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔“

”سبحان اللہ‘ جب رب نہیں چاہتا تھا تو 2 کلومیٹر دور کے کنوئیں سے خبر نہیں آنے دی۔ جب چاہا ہے تو مصر سے کنعان تک خوشبو سفر کر گئی ہے۔“

”واللہ غالب علیٰ امرہ ولٰکن اکثر الناس لایعلمون۔“

اللہ جو چاہتا ہے وہ کر کے ہی رہتا ہے مگر لوگوں کی اکثریت یہ بات نہیں جانتی۔“

”یاد رکھو تمہارے عزیزوں کی چالیں اور حسد شاید آپ کے بارے میں اللہ کی خیر کی اسکیم کو ہی کامیاب بنانے کی کوئی خدائی چال ہو۔ انہیں کرنے دیں جو وہ کرتے ہیں۔ اللہ پاک سے خیر مانگیں اور

یقین رکھنا چاہیے جو ہو گا میری بہتری کے لیے ہو گا۔ یہ سب چند اشارے ہیں جو اللہ کی زبردست حکمت کو ظاہر کرتے ہیں۔" اتنا کہہ کر ماسٹر اٹھ کر کھڑا ہوا۔ حیدر بھی فوراً ہوش میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

ماسٹر پروجیکٹر روم کی طرف بڑھنے لگا تو حیدر بھی دلچسپی اور اشتیاق کے جذبات لیے ماسٹر کے پیچھے تیز تیز چلنے لگا۔ پروجیکٹر روم میں پہنچ کر ماسٹر نے سسٹم آن کیا۔ وہ کی بورڈ پر مصروف ہو گیا اور چند لمحوں بعد سامنے دیوار پر ایک رنگوں بھری تصویر آ گئی۔ ماسٹر کہنے لگا۔

"ویسے تو اللہ کی ساری مصوری کو دیکھ پانا، سمجھ پانا بہت مشکل ہے۔ کتنے ہی نظارے ہیں جنہیں دیکھ کر انسان مبہوت ہو جاتا ہے لیکن یہاں صرف چند جانوروں کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے جو مصوری کی ہے۔ وہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کی مصوری ایک آنکھ میں کس قدر بھری ہوئی ہے۔" ماسٹر نے یہ کہہ کر سلائیڈ شو چلا دیا۔

مختلف تصاویر ایک کے بعد ایک، آنے لگیں۔ ہر تصویر کے نیچے وضاحت بھی تھی کہ یہ کس جانور کی تصویر ہے۔ جیسے جیسے حیدر وہ تصاویر دیکھتا جا رہا تھا اس پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔

عمر کے جانے بعد حجرے سے ایک اور باریش چہرے والا شخص باہر آیا اور بابا کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

"نوجوان کافی قیمتی اور اچھی سوچ رکھنے والا ہے۔ ایسے نوجوان آج کل بہت کم ملتے ہیں۔" اس شخص جس کا نام طیب تھا، بابا کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"ہاں! ملتے تو کم ہیں لیکن ملتے تو ہیں' شاید ایسے ہی نوجوان قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔" بابا نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

"خیریت آج مجھے کیسے یاد کیا؟ کوئی کام تھا کیا؟" طیب نے پوچھا۔

"اچھا! اب کیا میں بنا خیریت اور بنا کام کے اپنے دوست کو بلا بھی نہیں سکتا؟" بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس کرو، تم جیسا مصروف بندہ بنا مطلب کے اپنے دوستوں کو بھی وقت نہیں دیتا۔" طیب نے بھی مسکراتے ہوئے کہا تو بابا ہنس پڑے۔

"تمہیں بڑا پتہ ہے میرا؟" بابا نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا تو طیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آؤ باہر چلتے ہیں' یہ مسجد ہے، یہاں جتنی ہو سکے باتیں کم ہونی چاہیے۔"

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو۔ نفلی اعتکاف کی نیت تو کی ہوئی ہے لیکن پھر بھی احتیاط لازم ہے۔" بابا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے مسجد سے باہر آئے اور خراماں خراماں گھاس کے میدان کی طرف چلنے لگے۔

"تم کہہ رہے تھے، تمہیں بڑا پتہ ہے میرا؟ تو بتاؤ میرے علاوہ اور بھی کوئی ہے جو تمہیں بچپن سے جانتا ہو؟" طیب نے بابا کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہیں بھی پتہ ہے، ایسا اور کوئی نہیں۔" بابا بھی نہ جانے کن سوچوں میں گم ہو گئے۔ دونوں خاموشی سے چلتے ہوئے ایک درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھ گئے۔ کافی دیر اسی طرح خاموشی رہی دونوں شاید بچپن کی یادوں میں گم ہو چکے تھے۔

بعض اوقات کچھ بتانے اور احساس کروانے کے لیے باتیں ضروری نہیں ہوتیں۔ بس ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر خاموشی کے ذریعے بھی باتیں کی جاسکتی ہیں اور ایسی باتیں بولنے سے زیادہ پر اثر ہوتی ہیں۔

"طیب! میں تمہارے ذمے کچھ کام لگانا چاہتا ہوں، ؟اور کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ یہ کام تم سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ اس کام کے لیے جو کچھ چاہیے وہ سب تمہارے پاس ہے اور امید ہے مجھ سے بہتر کر لو گے۔ بابا نے نہ جانے کن سوچوں میں گم ہوتے ہوئے کہا۔

"کام کا مجھے اندازہ ہے اور تم مجھے ایک بہت بڑی ذمہ داری دینا چاہ رہے ہو۔ میں سمجھ رہا ہوں لیکن میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا۔" طیب نے سنجیدگی سے بابا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب پرانے رابطے ابھی تک بحال ہیں۔" بابا نے مسکرا کر کہا تو طیب نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

”میں نے تو چھوڑنے چاہے تھے مگر وہ کمبل والی بات ہے کہ میں تو کمبل چھوڑتا ہوں مگر کمبل مجھے نہیں چھوڑ رہا۔“ بابا طیب کی یہ بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے۔

”تو اچھا ہے نا۔ یہ چیز بھی تمہارے کام آئے گی۔ مجھے تم پر فخر ہے اور تمہاری دوستی پر بھی۔ میرے لیے تم نے بہت سی مشکلات مول لیں تھیں اور لیتے رہے ہو۔“ بابا نے ممنویت بھرے لہجے میں کہا تو طیب نے بابا کی پشت پر ایک ہلکا سا مکا رسید کرتے ہوئے کہا۔

”بس کرو یہ انکساری' جتنے کام تم کر چکے ہو میں اس کے سامنے کچھ بھی نہیں کر سکا۔“ بابا نے جیب سے ایک یو ایس بی نکال کر طیب کو دیتے ہوئے کہا۔

”اس میں وہ سب کچھ ہے جسے تمہیں جاننے کی ضرورت پڑے گی۔“ طیب نے یو ایس بی پکڑتے ہوئے کہا۔

”بہت کچھ تو میں پہلے بھی جانتا ہوں۔“ بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مطلب تم میری جاسوسی کرواتے رہے ہو؟“ طیب نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

”اب دوستوں کی خیر خبر تو رکھنی پڑتی ہے نا۔“ پھر طیب نے اپنی جیب سے ایک یو ایس بی نکال کر بابا کو دیتے ہوئے کہا۔

”یہ تم رکھ لو، ابھی ہم دونوں کو نہیں پتہ کہ کب کس کو' کس کی ضرورت پوری کرنی پڑے۔ کب کس کو کس کی جگہ لینی پڑی اگر یو ایس بی اگر آگے پیچھے ہو بھی جائے تو تمہیں پتہ ہے میرے سارے راز کہاں چھپے ہیں۔ پاسپورڑ وہی ہے جس تاریخ کو ہم پہلی بار بچپن میں ملے تھے۔ اور پہلا فقرہ جو میرے

منہ سے نکلا تھا۔" طیب نے بھی ایک یو ایس بی نکال کر بابا کو دیتے ہوئے کہا۔ بابا نے ہنستے ہوئے یو ایس بی پکڑ لی اور کہنے لگے۔

"تمہیں بھی پتہ ہے میرے سارے راز کہاں چھپے ہیں اور اس کا پاسورڈ بھی وہی تاریخ ہے اور وہ پہلا فقرہ جو تمہارے فقرے کے جواب میں میرے منہ سے نکلا تھا۔" طیب بھی یہ سن کر ہنسنے لگا اور اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے۔ تمہیں بھی بہت سے کام ہیں اور مجھے بھی' جو مجھے خبر ملی ہے وہ میں نے تمہیں بتا دی ہے۔ اس بارے میں ہوشیار رہنا۔" بابا نے طیب کی طرف دیکھا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے۔

"تم کبھی اپنی ڈیوٹی نہیں بھولتے۔ لیفٹیننٹ جنرل صاحب!" طیب نے یہ سن کر قہقہہ لگایا اور بولا۔

"ساتھ ریٹائرڈ بھی لگانا تھا کیونکہ میں کب کا ریٹائرڈ ہو چکا ہوں مگر تم نے تو کسی عہدے اور پوسٹ کے باوجود اکیلے اتنا کچھ کیا ہے۔ جتنا میں کبھی نہ کر سکا۔ ہماری جب دوستی ہوئی تھی اس وقت نہ کوئی پوسٹ تھی نہ کوئی عہدہ۔" بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر ہوتا تو شاید ہماری دوستی بھی نہ ہوتی۔" طیب نے ایک بار پھر بابا کے کندھے پر ہاتھ مارا اور بولا۔

شاید، مگر میں اس دوستی کے لیے اپنا عہدہ بھی قربان کر دیتا۔" بابا بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے بازو وا کیے تو طیب بھی آگے بڑھ کر بابا کے گلے لگ گیا۔ اسنے بابا کو گلے لگا کر بھینچا اور کافی دیر خاموشی سے ایک دوسرے کے ساتھ گلے لگے رہے۔

شاید کچھ باتیں ایسی تھیں جن کو کرنے کے لیے نہ زبان کی ضرورت تھی نہ الفاظ کی۔ جب دونوں الگ ہوئے تو دونوں کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"پتہ نہیں پھر کبھی ملنا نصیب ہو یا نہ ہو۔" طیب نے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ بابا نے بھی اثبات میں سر ہلاتے اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہاں نہ سہی تو منزل پر پہنچنے کے بعد سہی۔"

"Destiny is martyrdom"۔

"منزل، شہادت ہے" طیب نے ایک قہقہہ لگایا اور واپس مڑتے ہوئے کہنے لگا۔

"چھا دوست فی امان اللہ"

"فی امان اللہ" بابا کے ہونٹوں سے نکلا اور وہ جاتے ہوئے طیب کی پشت کو تکنے لگے اور نہ جانے کن سوچوں میں گم ہو گئے۔

۔*******************۔

پانچ افراد جو کہ اسرائیل کی مختلف خفیہ تنظیموں کے مختلف شعبوں کے انچارج تھے۔ کریو میگا

Krave Maga

اسرائیلی مارشل آرٹ میں انتہا درجے کی مہارت رکھتے تھے۔

مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے پاکستان پہنچ چکے تھے اور اب امریکن ایمبیسی کے ایک کمرے میں جمع تھے۔

وہ آتے ہی اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے اپنا فیلڈ ورک مکمل کر چکے تھے۔

"کیا رپورٹ ہے مسٹر جوزف۔" ان میں سے ایک نے ایک یورپین نژاد شخص کو مخاطب کر کے کہا۔ جس کا نام تو شاید کچھ اور تھا مگر وہ ایک دوسرے کو پاسپورٹ پر درج ناموں سے ہی پکار رہے تھے۔ اسی لیے ڈیوڈ نے جوزف کو بھی فرضی نام سے پکارا۔

"فیلڈ کا سروے مکمل ہو چکا ہے۔ جس کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس متاثرہ لڑکی کی رہائش گاہ پر ایک پروفیسر، اسکی بڑی بہن اور بھائی، دو چھوٹے بچے بھی رہائش پذیر ہیں۔ ایک بڑی عمر کا آدمی جس ان سے رشتہ کنفرم نہیں ہو سکا۔ اسے آتا جاتا دیکھا گیا ہے۔"

"تو آپ کو کیا لگتا ہے؟ ان میں سے کس کو ہماری زیادہ ضرورت ہے؟ کس کو یہ موقع اور سکالرشپ دیا جائے تاکہ وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے یہاں اپنے ملک کے لیے خدمات کو سرانجام دے سکے۔" ڈیوڈ نے مسکراتے ہوئے جوزف سے پوچھا جبکہ باقی افراد خاموشی سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ حالانکہ وہ امریکن ایجنسی میں ایک "محفوظ" جگہ بیٹھے تھے اور یہاں وہ سینئرز تھے۔

اس بات کو امریکن سفیر کے سامنے بھی واضح کر دیا گیا تھا لیکن وہ جانتے تھے ہر ملک کی ایجنسیاں سفارت خانوں پر خاص طور پر نظر رکھتی ہیں۔ اس لیے وہ اس وقت بھی کوڈ ورڈز میں بات کر رہے تھے۔

”میرے خیال میں تو باقی سب اپنی اپنی جگہ سیٹل ہیں۔ اگر ان دو بچوں کو ایسا موقع دیا جائے تو یقیناً یہ موقع اور سکالر شپ ان کو بہت فائدہ دے گا۔ ہمیں بھی اپنے نیک مقاصد میں کامیابی مل جائے گی۔“

”بالکل یہ کام میرے خیال میں سب سے آسان طریقہ ہے۔ ان لوگوں کی خدمت اور ان کی مدد کرنے کا۔“ اب تک چپ بیٹھے ایک تیسرے فرد جارج نے اپنی رائے دیتے ہوئے کہا۔

”کیا ان بچوں کے گھر والے مان جائیں گے؟ ان کو قائل کیسے کرنا ہے؟ سب اپنی اپنی رائے دیں؟“ ڈیوڈ نے پوچھا تو جوزف نے کہا۔

”میرے خیال میں پہلے بچوں کو قائل کیا جائے۔ ایک بار بچے قائل ہو جائیں گے تو ہم انہیں اپنا سیٹ اپ دکھائیں گے۔ بچے یقیناً خوشی سے جھوم اٹھیں گے اور اپنے والدین کو بھی یہ سیٹ اپ، سکولز اور یونیورسٹی دیکھائیں گے۔ جب وہاں ان کے والدین آئیں گے تو ہم سب اپنی ٹیمز کے ساتھ وہاں موجود ہوں گے۔ ان کا پرتپاک استقبال کریں گے۔ اور ان کو بھی قائل کرنے کی کوشش کریں گے۔“

"میرا خیال ہے جوزف کا آئیڈیا ٹھیک ہے۔ ہمیں یہی لائحہ عمل اپنانا چاہیے لیکن ان بچوں کے رشتے دار بھی ہوں گے یہاں۔ ایسا ہوتا ہے کہ والدین کے ساتھ رشتے دار بھی ہر تقریب میں پہنچ جاتے ہیں۔“ جارج نے کہا تو ڈیوڈ نے جواب دیا۔

”اچھی بات ہے اگر ان کے رشتے دار بھی آجائیں گے۔ شاید ان میں بھی مستحق لوگ ہوں جن کی ہم مدد کر سکیں۔ اس میں تو ہمیں اور بھی خوشی ہو گی۔“

”کیا سب اس بات پر ایگری ہیں؟“ ڈیوڈ نے پوچھا تو سب نے اثبات میں سر ہلا دیے۔

کوڈورڈز میں کی گئی بات سب کو سمجھ آچکی تھی۔ انہیں پتہ چل چکا تھا کہ متاثرہ لڑکی یعنی خولہ، انکل راشد اپنی آپی، بھائی ضرار اور دو بچوں کے ساتھ رہتی ہے اور بابا جانی کا انہیں پتہ نہ چل سکا۔ بس اتنا پتہ تھا کہ کوئی ان کے گھر آتا جاتا ہے۔

پلاننگ یہی فائنل کی تھی کہ ان بچوں کو استعمال کیا جائے اور اغوا کر کے اپنے کنٹرولڈ جگہ پر ان کو لایا جائے۔ جن کی وجہ سے وہ لڑکی اور بچوں کے گھر والے بھی وہاں بلائے جانے پر مجبور کیے جائیں گے اور اگر وہ اپنے رشتے داروں کو بھی ساتھ لائے مطلب کہ اپنی تنظیم یا ساتھیوں کو بھی ایکشن کا سوچ کر ساتھ لائے تو ان کی بھی خیر خبر لے لی جائے گی۔ اس چیز کی توقع رکھتے ہوئے ہی انہیں سارا سیٹ اپ تیار کرنا تھا۔

اس کے بعد وہ سارے اس سیٹ اپ اور مطلوبہ جگہ کے بارے میں تبادلہ خیال کرنے لگے لیکن کوئی ان کی باتیں سنتا تو یہی سمجھتا کہ وہ یونیورسٹی اور سکولز میں ترقیاتی کاموں پر بحث کر رہے ہیں۔

*************************۔

حیدر فائٹنگ رنگ میں ماسٹر کے سامنے کھڑا ہانپ رہا تھا۔ ماسٹر اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا کہہ رہا تھا۔

” ہر جگہ سب سے بنیادی کردار دماغ کا ہوتا ہے۔ فوکس کرنا سیکھو' دشمن کے اگلے قدم کو ذہن میں لا کر اس کا توڑ کرنا سیکھو۔ نہ صرف توڑ کرنا ہے بلکہ اپنے آپ کو کسی بھی ممکنہ وار سے محفوظ رکھتے ہوئے ایسا وار کرنا ہے جو دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچائے۔“

”تمہارے ساتھ مسئلہ یہ آرہا ہے کہ شروع شروع میں تم پر سکون ہو کر لڑتے ہوئے لیکن اپنے وار خطا جاتے دیکھ کر اور دشمن کے وار پڑنے پر غصے میں آکر جذباتی ہو کر زیادہ اوچھے وار کرنے کی کوشش کرتے ہو۔“

”جس چیز کا فائدہ اٹھا کر دشمن تمہارے کمزور پہلوؤں کو آسانی سے نشانہ بنا سکتا ہے۔“

”ماسٹر میں کوشش کر رہا ہوں۔“ حیدر نے تکلیف ضبط کرتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

”آؤ میرے ساتھ۔“ ماسٹر نے رنگ سے باہر جاتا ہوئے کہا۔ حیدر بھی ماسٹر کے پیچھے چل پڑا۔

پروجیکٹر روم میں پہنچ کر ماسٹر کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گیا۔ حیدر بھی ایک کرسی کے پیچھے کھڑے ہو کر ماسٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ ماسٹر نے ماؤس اور کی بورڈ سے چھیڑ چھاڑ کی اور سامنے سکرین پر ایک ویڈیو نظر آنے لگی۔

جسے ماسٹر نے پش کر کے سٹاپ کر دیا اور کرسی گھما کر حیدر کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی جنگی تربیت سیکھنے سیکھانے میں دلچسپی لیتے تھے۔ یہاں تک مسجد نبوی کے صحن میں بھی یہ کھیل جاری رہتا تھا۔ ایک بخاری شریف کی حدیث ہے۔ ایک بار عید کے موقع پر اہل حبشہ مسجد نبوی ؐ کے وسیع دالان میں جنگی کرتب دکھا رہے تھے۔“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ ؓ سے فرماتے ہیں کہ کیا تم بھی یہ کرتب دیکھنا پسند کرو گی اور پھر ان کی خواہش پر انہیں اپنے پیچھے کر لیتے ہیں۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ وہ دیر تک آپ ؐ کے

کندھے پر ٹھوڑی رکھے آپؐ کے رخسار کے ساتھ رخسار ملا کر یہ کھیل دیکھتی رہیں۔ آپؐ بوجھ سہارے کھڑے رہے یہاں تک کہ میں خود تھک گئی۔ آپؐ فرمانے لگے اچھا کافی ہے تو اب گھر چلی جاؤ۔ (بخاری کتاب العیدین باب الحراب والدرق یوم العید حدیث نمبر 897)

" یہ نہ صرف ایک عید پر ایسا ہوا بلکہ اس وقت تقریباً ہر عید پر ایسے ہی جنگی کرتبوں اور مظاہروں سے خود بھی اور دوسروں کو بھی لطف اندوز کرتے تھے۔ اس وقت تلوار، نیزہ اور تیر کمان کو تقریباً لباس کا حصہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے انہی میں مہارت اور قابلیت کو حاصل کیا جاتا تھا۔"

" قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اس چیز کی دعوت دیتا ہے کہ اپنے آپ کو بہتر بناؤ چنانچہ ارشاد ہے۔"

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (الانفال)

"کہ اے مسلمانو! تمہارے بس میں جتنی قوت ہو۔ اسے کافروں کے لیے تیار کر کے رکھو۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کو کچھ کھیلوں کی طرف راغب کرتے تھے۔ جیسے دوڑ، تیر اندازی، تلوار بازی، تیراکی، گھڑ سواری وغیرہ اور ان تمام کھیلوں کی تصدیق احادیث بھی کرتی ہیں۔ جو احادیث کی مستند کتابوں میں موجود ہیں۔"

" آج ہمارے بچوں کو بھی انہی کھیلوں کی طرف راغب کرنے کی ضرورت ہے۔ جو صرف ایک کھیل نہ ہو بلکہ ایک مقصد بھی ہو۔" حیدر غور سے ماسٹر کی باتیں سن رہا تھا۔ ماسٹر نے دوبارہ کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

”دنیا میں مختلف علاقوں میں مختلف مارشل آرٹس کے طریقوں کو اپنایا جاتا ہے۔ جیسا کہ جوڈو کراٹے، تائی کوانڈو، کنگ فو اور موئے تھائی وغیرہ۔ پہلے ہر مارشل آرٹس کے سٹائل کا ایک اپنا انداز اور نظم و ضبط ہوتا تھا لیکن آج کل مکس مارشل آرٹ کو عروج مل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تمام سٹائلز اب ایک دوسرے میں مکس ہوتے جارہا ہیں۔“

”اس مکس سٹائل مارشل آرٹ کو عروج دینے میں ایک اہم کردار بروس لی کا تھا۔ جس نے مکسنگ کر کے ایک اپنا نیا سٹائل نکالا۔ جسے اس نے جیٹ کونڈو

Jeet kune do

کا نام دیا۔ مجھے ذاتی طور پر دفاع کے لیے بیسٹ کنگ فو

King Fu

اور جارحانہ کاروائی کے لیے موئے تھائی

Muay Thai

سٹائل پسند ہے۔“

”موئے تھائی سٹائل میں مکے، کہنی، گھٹنے، کک اور گھٹنے سے پاؤں کی طرف جانے والی ہڈی کے وار کیے جاتے ہیں۔ جو دشمن کا زیادہ سے زیادہ نقصان کرتے ہیں۔“

”تمام ممالک کی فوج میں ایسے سپیشل کمانڈوز تیار کیے جاتے ہیں جن کو مارشل آرٹ کا ہنر سیکھایا جاتا ہے۔ پوری دنیا میں شہرت رکھنے والے پاکستانی ایس ایس جی کے کمانڈوز کو بھی مارشل آرٹ کی ٹرینگ دی جاتی ہے۔ جس کے لیے باقاعدہ

Unarmed combat complex

اور

Army school of physical training

کے نام سے ڈیپارٹمنٹس بنائے گئے ہے جو یہ ٹرینگ دیتے ہیں۔“

”ماسٹر! مجھے کون سا سٹائل سیکھایا جارہا ہے؟“ حیدر نے اشتیاق سے پوچھا تو ماسٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تمہیں تمام اہم سٹائلز سیکھا کر انہیں مکس کر کے اپنا دفاع اور اٹیک کرنا سیکھایا جائے گا۔ یہ کام اب سے ماسٹرز کریں گے۔ میرا تمہارا ساتھ یہیں تک تھا اور اب آگے تم انہی سے سیکھو گے۔“ حیدر نے یہ سنا تو شاک سی کی کیفیت میں آگے بڑھا اور ماسٹر کی طرف دیکھ جذبات کی شدت سے ہکلا کر کہنے لگا۔

”مگر آپ کیوں نہیں؟ آپ کہاں جارہے ہیں؟ مجھے نہیں سیکھنا کسی اور سے، اگر آپ نہیں ہوں گے میں یہ سب کچھ چھوڑ دوں گا۔“ حیدر کو سمجھ ہی نہیں آرہی تھی وہ کیا کہے اور کس طرح اپنے جذبات ماسٹر کو بتائے۔ اسکی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

ماسٹر نے شفقت سے حیدر کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”کیوں میرے لیے سیکھ رہے ہو؟ اور تمہیں کیا لگتا ہے کہ میرے پاس بس یہی کام ہے؟ بیٹے مجھے اور بھی بہت سے کام ہوتے ہیں۔ اسی لیے اپنے سٹوڈنٹس کو زیادہ سے زیادہ دو ماہ کا وقت دیتا ہوں کسی کو ایک ماہ، کسی کو پندرہ دن، جب دیکھتا ہوں میری ضرورت اب نہیں تو آگے بھیج دیتا ہوں۔“

” تم تیاری کرو اب تمہیں بھی یہاں سے اگلے مقام پر شفٹ ہونا ہے لیکن میں تم سے ملوں گا ضرور مگر اس دن، جو تمہاری ٹریننگ کا آخری دن ہو گا۔“ حیدر بس ماسٹر کو تکے جا رہا تھا۔ اس کے لیے یہ ایسا شاک تھا جو ابھی تک اس کا دل دہلا رہا تھا۔ اس نے ماسٹر سے اتنا کچھ سیکھا تھا جو وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اسے اپنا پہلا دن یاد آیا۔ جب ماسٹر نے حیدر کو دماغ پر قابو اور درد کو قابو کرنے کا طریقہ سمجھایا تھا۔

اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی ماسٹر سے یوں جدا بھی ہونا پڑے گا۔ حیدر نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن قابو پاتے پاتے بھی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

جب حیدر سے نہ رہا گیا تو وہ آگے بڑھ کر ماسٹر سے لپٹ گیا جو کرسی سے اٹھ کر باہر جانے کو تھے۔ بس ایک بار ماسٹر سے لپٹنا تھا کہ حیدر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ ہچکیاں لے کر رونے لگا اور کہنا لگا۔

”ماسٹر! پلیز مت جائیں' مجھے آپ سے ہی سیکھنا ہے۔“ ماسٹر نے شفقت سے حیدر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”بیٹا! اس بات کو سمجھو' مجھے اس سے بھی زیادہ ضروری کام ہیں۔ مجھے وہ بھی کرنے ہوتے ہیں اور ان شاء اللہ ہمارا تعلق ہمیشہ بنے رہے گا۔ تم پریشان نہ ہو' بس جلدی سے اپنی ٹریننگ مکمل کر لو پھر ہم

ملیں گے۔" ماسٹر نے آہستگی سے حیدر کو الگ کیا۔ سر پر ہاتھ پھیر کر باہر جانے کے لیے کمرے کے دروازے کی طرف جانے لگا۔

حیدر آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے ماسٹر کو جاتے دیکھتا رہا۔

ایڈیٹوریم کا ہال ایک بار پھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا لیکن اس بار ہال میں لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ سیٹوں کے علاوہ بھی سیٹوں کے ساتھ ساتھ دیواروں کے ساتھ بھی لوگ کھڑے تھے۔

ایڈیٹوریم کے سٹیج کے درمیان میں موجود ایک میز کے پیچھے کرسی پر عمر بیٹھا تھا۔ جس کے آس پاس یونیورسٹی کے مختلف تنظیموں کے کرتا دھرتا بیٹھے تھے اور ان کا اس طرح ساتھ بیٹھنا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ اب عمر کے ساتھ ہیں۔"

"السلام و علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ" سٹیج سیکرٹری نے مائک ہاتھ میں لے کر کہا تو ہال میں ایک دفعہ خاموشی چھا گئی اور پھر مختلف آوازیں ابھریں۔ کسی نے صرف وعلیکم السلام کہا تو کسی نے پورا جواب دیا۔

"جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں۔ آج ہم یہاں مسٹر عمر فاروق کی وجہ سے جمع ہوئے ہیں اور ایسا شاید یونیورسٹی کی تاریخ میں پہلی بار ہونے جارہا ہے کہ ایک ہی شخص نے یونیورسٹی کی تمام تنظیموں کو اپنا ہم نوا بنالیا ہو۔ تمام تنظیموں نے عمر کو متفقہ طور پر اپنی سربراہی کی دعوت دی ہے۔ آج ہم یہاں جمع ہیں تاکہ عمر بھائی سے کچھ گفتگو ہو جائے اور سب کے سامنے ان سے سوالات کیے جائیں تاکہ سب کو ان کے کردار اور سوچ کا پتہ چل سکے۔ ہماری کوشش ہو گی کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو سوال کا موقع دیا

جائے۔ تو بلا تاخیر ہم چلتے ہیں اپنے پہلے سوال کی طرف، تو کون پہلا سوال کرنا چاہے گا؟" سٹیج سیکرٹری نے جیسے ہی یہ کہا تو ہال میں بہت سارے ہاتھ فضا میں لہرانے لگے۔

عمر خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے عجیب سا محسوس ہو رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اس اہمیت اور اس قابل نہیں ہے جو اہمیت اسے دی جا رہی ہے۔ نہ جانے لوگ اس سے کیا توقعات لگائے بیٹھے ہیں؟ وہ بہت ان کنفرٹیبل محسوس کر رہا تھا لیکن اللہ اسے جو موقع دے رہا تھا۔ وہ اسے ضائع کر کے ناشکری نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ بس ایک ہی بات دل میں سوچ رہا تھا۔ اللہ نے جو چاہا وہی ہو گا اس سے جو ہو سکا وہ کرے گا۔ عمر انہی سوچوں میں گم تھا کہ سیکنڈ لاسٹ رو کے ایک کونے میں بیٹھے لڑکے کو پہلا سوال کرنے کا موقع دیا گیا۔ اس نے جب بولنا شروع کیا تو عمر نے ذہن سے ساری سوچوں کو جھٹکا اور اس کی طرف متوجہ ہو گیا جو ایک مختصر سا سوال پوچھ کر بیٹھا لیکن اس کا سوال سن کر اکثر لوگوں نے ناگواری سے اس کے سوال پر ناگواری کا اظہار کیا تھا۔

اس نے پوچھا تھا کہ بس اتنا بتا دیں کہ زیادہ سے زیادہ دولت مند کم وقت میں کیسے بنا جا سکتا ہے؟ عمر نے خاموشی سے سنا اور پھر مائک اٹھا کر منہ کی طرف کیا اور تھوڑی دیر خاموش رہا جیسے کسی سوچ میں گم ہو پھر کہنے لگا۔

"دولت کے حصول کی کوشش کرنا یا سوچنا کوئی بری بات نہیں لیکن فرق بس اس بات سے پڑتا ہے کہ وہ جائز اور حلال طریقے سے حاصل کی جاتی ہے یا حرام۔ اس کمائی سے لوگوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور

ہو، اسلام میں سب سے زیادہ نفع دینے والی چیز تجارت یعنی کاروبار کو کہا گیا ہے۔ تجارت ہی سے انسان کم وقت میں بہت اوپر جا سکتا ہے۔"

"یہی تجارت تھی کہ جس کی وجہ سے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مدینہ میں ہجرت کرے کے آئے تو کچھ بھی پاس نہیں تھا مگر اس تجارت کے ذریعے وہ امیر ترین صحابی بن گئے تھے۔ ان کی تجارت کے تین اصول تھے۔ نمبر ایک، گاہک کو مال کی خوبی اور خامی دونوں بتاتے تھے۔ نمبر دو، نہ ادھار دیتے تھے نہ ادھار مال لیتے تھے۔ نمبر تین، منافع ملتے ہی مال بیچ دیتے تھے۔ چاہے وہ منافع کم ہی کیوں نہ ہوتا۔ مطلب زیادہ منافع کے لالچ میں مال ذخیرہ نہیں کرتے تھے بلکہ منافع ملتے ہی اپنا مال فروخت کر دیتے تھے۔ ان سب سے بڑھ کر وہ اللہ کی راہ میں بہت خرچ کرنے والے تھے اور جتنا وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ اللہ اسے بڑھا چڑھا کر واپس کر دیتے تھے۔"

"اس سے ایک موجودہ دور کا بھی ایک واقعہ یاد آرہا ہے کہ جنید جمشید جو ایک مشہور گلوکار تھے۔ اللہ نے اسے ہدایت تھی تو انہوں نے میوزک چھوڑ دیا۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین لیکن یہی میوزک ان کی کمائی کا ذریعہ تھا اور حرام کمائی انہوں نے گوارہ نہ کی تو نوبت فاقوں تک پہنچ گئی۔ ایک دن جیب میں آخری ایک سو روپے بیوی کو دیتے ہوئے کہا کہ بس یہی آخری ایک سو روپے ہیں۔ کل کے لیے کچھ بھی نہیں۔ اس مشکل وقت میں ان کا ذہن کافی بار بھٹکا کہ اللہ میری مدد نہیں کر رہے۔ میں نے سب کچھ چھوڑ دیا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اللہ کے فضل سے وہ ثابت قدم رہے۔"

”اس دن وہ اپنے ایک دوست سے ملے اور کام کے حوالے سے بات کی تو دوست نے کپڑے کا کاروبار کرنے کا مشورہ دیا۔ کہا کہ پچیس لاکھ تم لے آؤ اور پچیس میں، اور مل کر کام شروع کرتے ہیں۔ جنید جمشید کے منہ سے نکل گیا کہ جی ان شاء اللہ لیکن وہ گھر آکر سوچ میں پڑ گئے کہ کہاں سے لائیں اتنے پیسے؟ لیکن یہ بیچ وہ بیچ نہ جانے کیا کچھ کر کے پچیس لاکھ کر لیے۔ اس کے بعد دونوں مفتی تقی عثمانی کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ ہم مشترکہ کاروبار کرنا چاہتے ہیں ہمیں۔ یہ کاروبار کیسے کرنا چاہیے تو انہوں نے تین باتیں طے کرنے کا کہا۔“

”نمبر ایک دونوں ابھی لکھ لیں کہ اس کاروبار میں جب علیحدگی ہو گی تو کس طرح اور کیسے ہو گی۔ نمبر دو، دونوں ایک دوسرے سے حلف لیں کہ ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیں گے۔ نمبر تین، کاروبار اس طرح کریں کہ لوگوں کا فائدہ ہو۔ دونوں نے ان شرائط پر عمل کیا اور اللہ کو اپنا تیسرا پارٹنر بنالیا کہ اس طرح ہی لوگوں کا فائدہ ہو گا۔“

”کاروبار کے آغاز کے لیے کپڑا خریدا اور شلوار قمیضیں تیار کروالیں لیکن ایسا کرتے وقت غلطی سے لارج سائز میڈیم بن گیا۔ میڈیم سمال اور سمال سائز ایکسٹرا اسمال بن گیا۔ دونوں سر پکڑ کر بیٹھ گئے یہ کیا ہو گیا؟ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بنگلہ دیش کی ایک پارٹی اتفاقاً ملی جنہیں اس طرح کا مال چاہیے تھا اور سارا مال دو دن میں نکل گیا۔“

”اس کے بعد دونوں نے پرانے بابے ڈھونڈے جو کھڈی پر ہاتھ سے کپڑا بنانا جانتے تھے۔ ان سے کپڑا تیار کروانا شروع کیا۔ تقریباً دس ہزار افراد جو جابز دیں۔ جو تیار شدہ مال تھا وہ لے کر پشاور کے بازار

میں میں پھرنے لگے اور دکان داروں کو اپنا مال رکھنے کے لیے کہنے لگے لیکن کوئی نہ مانا دونوں تھک ہار کر روڈ پر کھڑے تھے کہ ایک شخص آیا اور جنید جمشید کو کہنے لگا آپ کو میرے والد بلا رہے ہیں۔"

"وہ ایک دکان میں گئے۔ جہاں ایک پٹھان بابا بیٹھے تھے۔ انہوں نے جمشید سے پوچھا تم وہی ہو جو پہلے گانے گاتا تھا تو جمشید نے کہا ہاں، اس نے کہا اب بھی گاتے ہو؟ تو جنید کہنے لگے گاتا ہوتا تو یہ کپڑے بیچنے کی کوشش کیوں کر رہا ہوتا۔ اس بابا نے بازار کے درمیان ایک ڈبل سٹوری والی مین بلڈنگ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہ دکان کے لیے کیسی جگہ ہے؟ جنید نے کہا۔ بہت اچھی اور زبردست ہے۔"

"بابا نے کہا یہ تم رکھ لو اور کرایہ دیتے رہنا۔ جنید نے پوچھا کتنا کرایہ دیتا تھا پرانا دکاندار تو اس بابا نے کہا اڑھائی لاکھ تو جنید کہنے لگا میں تو اتنے نہیں دے سکتا۔ اس نے کہا جتنے دے سکتے ہو اتنے دے دینا۔ جنید سوچنے لگا کہ میں تو ایک لاکھ بھی نہیں دے سکتا لیکن بابا اصرار کرنے لگا کہ بتاؤ کتنے دے سکتے ہو تو جنید مارے شرم کے چپ رہا تو وہ بابا خود ہی کہنے لگا۔"

"پینسٹھ ہزار دے سکتے ہو؟ جنید نے کہا پچاس ہزار دے سکتا ہوں۔ بابا نے کہا جاؤ دکان تمہارے حوالے ہے۔ وہاں سے جنید جمشید کا کام شروع ہوا، پورے کام میں اس نے کسی عورت یا کسی لڑکی کی تصویر کو کاروبار کا ذریعہ نہیں بنایا اور پھر یہ کاروبار ملکوں تک پھیل گیا۔"

"بقول جنید جمشید یہ سب اس لیے ہوتا چلا گیا کیونکہ ہم نے اللہ کو اپنا پارٹنر بنا لیا تھا۔ یہ ہوتی ہے ایمانداری اور اللہ کی مدد۔ ایمانداری، ان اصولوں اور اللہ پر توکل سے آپ بہت کم وقت میں بہت امیر بن سکتے ہو۔" عمر نے اپنا جواب مکمل کیا تو پورے ہال میں خاموشی تھی۔

سٹیج سیکرٹری نے کھنکھارتے ہوئے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کروائی۔ ہال میں سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس نے کہا۔

”اگلا سوال؟“

ہال میں بہت سارے ہاتھ بلند ہوئے۔ اس بار ایک لڑکی کو موقع دیا گیا تو اس نے سوال کیا۔

”کیا وجہ ہے کہ ہمارے گھروں میں پیسہ ہوتے ہوئے بھی پریشانیاں ہیں۔ پیسا آتا ہے تو ایسے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے کہ پتہ بھی نہیں چلتا؟“

”برکت! کیونکہ ہمارے گھروں میں اور مال میں برکت نہیں ہے۔ اسی لیے ایسا ہوتا ہے۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ برکت کا مطلب ہے کہ برکت سے بہت زیادہ مال و دولت ملتا ہے۔ روپے کی ریل پیل زیادہ ہو جاتی ہے۔ حالانکہ برکت اسے نہیں کہتے۔ برکت کا مطلب ہے تھوڑی چیز ہی سب کے لیے کافی ہو جائے۔“

”اس کو میں ایک مثال دے کر سمجھاتا ہوں۔ ایک کتیا کے سات سے آٹھ یا اس کے آس پاس بچے پیدا ہوتے ہیں جبکہ اس کے مقابلے میں بھینس اور گائے کا عموماً ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ہر روز لاکھوں بچھڑوں اور کٹوں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ دنیا کے ہر کونے میں ان کا گوشت کھایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود آپ کو کتوں کی بجائے ان جانوروں کی تعداد ہمیشہ ہی زیادہ لگے گی حالانکہ نہ تو کتوں کو عموماً ذبح کیا جاتا ہے، ان کا حمل ٹھہرنے سے پیدائش تک دورانیہ بھی کم ہوتا ہے اور بچے بھی اتنے زیادہ ہوتے ہیں لیکن پھر بھی آپ کو ان کے ریوڑ نظر نہیں اتے۔“

"یہ ہوتی ہے برکت۔ برکت سے تھوڑی چیز بھی سب کے لیے کافی ہو جاتی ہے اور گھروں میں یہ برکت پیدا ہو گی۔ گھر میں نیک اعمال سے، مال میں برکت پیدا ہو گی حلال کمائی سے۔" یہ کہہ کر عمر چپ ہی ہوا تھا کہ ہال میں تالیوں کی آواز گونجنے لگی۔

اگلا سوال کرنے کا موقع جسے ملا وہ بھی ایک لڑکی تھی۔ وہ عبایا پہنے نقاب پوش لڑکی فرنٹ رو میں عین عمر کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس نے سوال کرنا شروع کیا۔ اس کی آواز سن کر بے اختیار عمر کی نظریں اوپر اٹھیں اور بس ایک ثانیے کے لیے عائزہ پر پڑیں اور پھر فوراً اس کی نظر جھک گئیں لیکن یہ ایک نظر ہی نے عمر کو ایک خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔

نہ صرف اسے بلکہ ہال میں کافی لوگ اس کی آواز پر اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے کیونکہ یہ تبدیلی ان کے لیے بھی نئی تھی۔ عمر نظر جھکا کر عائزہ کا سوال سننے لگا۔

*************** ۔

ام ہانی اور عبید گھر کے قریب ایک پارک میں کھیل رہے تھے۔ جب ایک سفید رنگ کی ہائی ایس پارک کے گیٹ کے پاس آ کر رکی۔

ام ہانی اور عبید کے ہاتھوں میں سٹکس تھیں۔ جس سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ فرضی تلوار بازی کا کھیل، کھیل رہے تھے۔ جبکہ کچھ بچے ان کے گرد گھیر اڈالے ان کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

دونوں اس طرح مہارت کا مظاہرہ کر رہے تھے جیسے واقعی کوئی مشتاق تلوار باز ہوں۔ ان کے جسم پر ایک دوسرے کی چھڑی سے ضربیں بھی لگ رہیں تھیں لیکن وہ ان ضربوں کو بآسانی برداشت کر کے اور زیادہ جوش وخروش کے ساتھ اسی کھیل میں مگن رہے۔

تلوار بازی میں عبید کا پلڑہ بھاری تھا۔ اس کھیل سے اکتا کر اب دونوں نے اپنے اپنے بیگز سے بچوں کے کھلونے کے طور پر استعمال ہونے والے تیر کمان نکال لیے تھے اور ایک دور پڑی ایک بوتل کو نشانہ بنا کر اسے گرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس معاملے میں ام ہانی آگے جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد شام کی سرخی گہری ہونا شروع ہوئی۔ دونوں نے اپنا اپنا سامان سنبھالا اور گھر کی طرف چل پڑے۔

وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ ایک گاڑی دھیرے دھیرے ان کے پیچھے آ رہی ہے۔

جیسے ہی وہ اپنی گلی کا موڑ موڑنے لگے اچانک گاڑی کی رفتار تیز ہوئی۔ گاڑی ان دونوں کے پاس پہنچی تو بریک کی آواز فضا میں گونجی اور گاڑی کی ایک سائیڈ کا سلائیڈنگ دروازہ کھلا اور اس میں سے چار ہاتھ آگے بڑھے۔ دو نے عبید، اور دو ہاتھوں نے ام ہانی کو جکڑا اور گاڑی کے اندر کھینچ لیا۔

دونوں بری طرح مچلنے لگے لیکن ان کے منہ پر جمے ہاتھوں میں موجود کلوروفارم میں ڈوبے رومالوں نے زیادہ دیر انہیں مچلنے نہ دیا اور وہ دونوں بے ہوش ہو گئے۔

گاڑی انجانی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئی۔

_**********

ماسٹر کے جانے کے بعد حیدر بہت افسردہ تھا لیکن جو نئے ٹرینرز تھے۔ انہوں نے اس افسردہ کیفیت کو برقرار نہ رکھنے دیا۔

تین ٹرینرز نے حیدر کی ٹف روٹین میں ایسا اضافہ کیا کہ حیدر سارے دن کا تھکا ہارا جب بیڈ پر گرتا تو اسے دنیا و مافیہا کا ہوش نہ رہتا اور وہ گہری نیند سو جاتا۔

اگلے سات ماہ حیدر کی زندگی کی اب تک کے مشکل ترین دن تھے۔ اب وہ بچپن سے نکل کر نوجوانی کی حدود میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کا جسم حالات کے اثرات کی وجہ سے سخت ہوتا جا رہا تھا شاید یہی وجہ تھی کہ اب وہ اپنی عمر سے بڑا دکھائی دینے لگا تھا۔

سخت ٹریننگ کی بھٹی میں وہ مشقت کی آگ سے اب کندن بن چکا تھا۔ تقریباً ہر فن حرب میں مہارت سے وہ اپنے ٹرینرز کو متاثر کر چکا تھا۔ لیکن اب بھی کبھی کبھی اسے ماسٹر کی بہت یاد آتی تھی۔

بے شک اس کی اخلاقی تربیت بھی جاری تھی، لیکچرز، مثالوں اور ویڈیوز سے اسے اخلاقی لحاظ سے بھی برتر بنانے کی کوششیں جاری تھیں لیکن جیسے ہر ٹیچر کا ایک اپنا انداز ہوتا ہے۔ اسی طرح ماسٹر کا ایک اپنا انداز تھا۔ جس سے حیدر بہت مانوس ہو چکا تھا لیکن حیدر کو اس بات کی سمجھ آچکی تھی کہ نہ جانے ماسٹر نہ کیا کیا بکھیڑے پال رکھے تھے اور صرف حیدر کی وجہ سے وہ اپنے سارے کام نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

آخر اللہ اللہ کر کے وہ دن آیا۔ جب حیدر کو اس کی ٹریننگ مکمل ہونے کا مژدہ سنایا گیا۔ اسے بتایا گیا کہ پرسوں اسے فارغ کر دیا جائے گا اور اسے موقع پر ماسٹر بھی حیدر سے ملنے آئے گا۔

حیدر کو یہ خبر سن کر عجیب سا احساس ہونے لگا۔ جیسے اس کے وجود سے کوئی چیز کاٹی جانے لگی ہو اور وہ سوچ رہا تھے کہ اتنی مانوسیت اور لگن والی جگہ سے وہ کہاں جائے گا اور کیا کرے گا لیکن ماسٹر کے آنے اور ماسٹر سے ملنے کی خوشی ان تمام احساسات پر غالب آگئی۔ وہ بے چینی سے ماسٹر سے ملاقات کا انتظار کرنے لگا۔

دو دن حیدر نے بڑی بے چینی سے گزارے۔ ملاقات والے دن فجر کی نماز کے بعد حیدر روٹین کی مشقوں کے بعد فریش ہو کر ماسٹر کا انتظار کرنے لگا۔

خدا خدا کر کے حیدر کا انتظار ختم ہوا اور اسے خبر ملی کہ ماسٹر جمنازیم میں آچکے ہیں۔ وہ بھاگم بھاگ جمنازیم میں پہنچا تو ماسٹر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے تین کرسیوں پر حیدر کے تین ٹرینرز بیٹھے تھے۔ حیدر کو دیکھ کر ماسٹر مسکرایا اور کھڑا ہو گیا۔

حیدر دوڑ کر ماسٹر سے جا لپٹا۔ ماسٹر نے شفقت سے حیدر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولا۔

”السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ بچے“ حیدر نے شرمندہ ہو کر جواب دیا۔

”وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' میں معذرت خواہ ہوں۔ سلام مجھے کرنا چاہیے تھا۔“

”کوئی بات نہیں، انسان جذبات میں آکر غلطیاں کر ہی جاتا ہے۔“ ماسٹر تو پھر ماسٹر تھا ایسے جذباتیت بھرے ماحول میں بھی جذبات پر قابو پا کر سبق دینا نہیں بھولے۔

حیدر کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی لیکن اس کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا۔ وہ ماسٹر کے اشارہ کرنے پر بڑے ادب سے ماسٹر کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ماسٹر نے حیدر کی طرف ستائشی انداز میں دیکھا اور کہنے لگے۔

"حیدر تمہارے ٹریز تمہاری تعریف کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کچھ سٹوڈنٹس ایسے بھی ملتے ہیں۔ جنہیں سیکھانے اور پڑھانے میں بہت مزہ آتا ہے۔ تم ان میں سے ایک ہو۔"

حیدر نے بڑی ممنونیت سے اپنے ٹریز زجی جانب دیکھا۔

"ماسٹر در حقیقت یہ ان کی شفقت ہے۔ آپ اور ان استاتذہ کی بدولت ہی میں کچھ سیکھ پایا ہوں۔ یہ آپ لوگوں کا ایسا احسان ہے جو میں کبھی نہیں چکا پاؤں گا۔" ماسٹر تھوڑی دیر سوچتے رہے اور پھر گھڑی پر نظر ڈال کر بولے۔

"وقت کم ہے میرے پاس لیکن جانے سے پہلے حیدر بیٹا میں تم سے کچھ خاص باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے مستقبل کے بارے میں، اب تم کیا کرنا چاہو گے؟ مستقبل کے تمہارے کیا پلانز ہیں؟"

حیدر نے یہ سوال سن کر ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔ یہی وہ سوال تھا جو اس کے ذہن میں پچھلے کچھ دنوں سے گونج رہا تھا لیکن وہ چاہ کر بھی اس سوال کا جواب نہیں ڈھونڈ پایا تھا۔ اب اسے لگ رہا تھا کہ اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا ماسٹر کی مدد سے۔ حیدر گلہ کھنکھار کر کہنے لگا۔

"یہ سوال کئی دنوں سے میرے ذہن میں مچل رہا ہے لیکن اس سوال کا جواب میں نہیں ڈھونڈ پایا ہوں۔ میں کسی مقصد کے تحت اپنی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ کھانا، کمانا، اچھی نوکری اور پوسٹ، شادی بچے اور بس ایسے ہی زندگی گزارنے کا سوچ کر مجھے الجھن ہوتی ہے۔ میں کچھ الگ کرنا چاہتا ہوں۔"

ماسٹر یہ سن کر خاموش سا ہو گیا اور گھڑی پر نظریں جما دیں۔ وہ نہ جانے کس سوچ میں گم ہو گئے۔ جیسے گھڑی پر آٹھ بجنے میں دو منٹ رہ گئے تو ماسٹر نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور ساتھ ہی کمپیوٹر آن کیا۔ وہ کچھ دیر کمپیوٹر اور اور لیپ ٹاپ سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔

حیدر نے نوٹ کیا کہ ماسٹر کیمرے کا اینگل سیٹ کرتے ہوئے۔ اس کا رخ اپنی طرف کر رہے ہیں۔ سکرینز پر کیا چل رہا ہے حیدر یہ دیکھنے سے قاصر تھا۔ اس دوران حیدر کو ماسٹر کو مخاطب کرنے اور اپنے سوال کا جواب پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

جیسے ہی گھڑی پر آٹھ بجے ماسٹر نے کرسی سے ٹیک لگائی اور بولنا شروع ہوئے۔

"زندگی کا مقصد انسان خود طے کرتا ہے۔ اپنی عادات اور سوچ کی بنیاد پر، لیکن چونکہ آپ ایک لوگ عرصہ ہماری زیر نگرانی رہ چکے ہیں تو بطور اساتذہ ہم یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ آپ کو زندگی کے مقصد کے بارے میں کچھ گائیڈ لائنز دے دیں۔ فیصلہ آپ نے خود کرنا ہے۔" یہ باتیں سن کر حیدر کو اندازہ ہوا کہ ماسٹر صرف اسی سے نہیں بلکہ اور بھی کئی لوگوں سے مخاطب ہیں جن کو حیدر نہیں جانتا۔

تھوڑی دیر ماسٹر جیسے سوچ میں گم سے ہو گئے۔ غالباً سوچ رہے تھے کہ کہاں سے شروع کریں۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے تعوذ و تسمیہ پڑھی اور پھر پڑھنے لگے،

"وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا [4] فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا [5] ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا [6] إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا [7] عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا [8]

(بنی اسرائیل, القرآن)

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں فیصلہ سنا دیا تھا کہ بے شک تم زمین میں ضرور دوبار فساد کرو گے اور بے شک تم ضرور سرکشی کرو گے، بہت بڑی سرکشی۔ [4] پھر جب ان دونوں میں سے پہلی کا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے سخت لڑائی والے کچھ بندے بھیجے، پس وہ گھروں کے اندر گھس گئے اور یہ ایسا وعدہ تھا جو (پورا) کیا ہوا تھا۔ [5] پھر ہم نے تمھیں دوبارہ ان پر غلبہ دیا اور تمھیں مالوں اور بیٹوں سے مدد دی اور تمھیں تعداد میں زیادہ کر دیا۔ [6] اگر تم نے بھلائی کی تو اپنی جانوں کے لیے بھلائی کی اور اگر برائی کی تو انھی کے لیے، پھر جب آخری بار کا وعدہ آیا (تو ہم نے اور بندے تم پر بھیجے) تاکہ وہ تمھارے چہرے بگاڑ دیں اور تاکہ وہ مسجد میں داخل ہوں، جیسے وہ پہلی بار اس میں داخل ہوئے اور تاکہ جس چیز پر غلبہ پائیں اسے برباد کر دیں، بری طرح برباد کرنا۔ [7] تمھارا رب قریب ہے کہ تم پر رحم کرے اور اگر تم دوبارہ کرو گے تو ہم (بھی) دوبارہ کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔ [8]"

”جو کتاب بنی اسرائیل پر اتری تھی۔ اس میں ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے ہی سے خبر دے دی تھی کہ وہ زمین پر دو مرتبہ سرکشی کریں گے اور سخت فساد برپا کریں گے۔“

”بس ان کے پہلے فساد کے وقت ہم نے اپنی مخلوق میں سے ان لوگوں کو ان کے اوپر مسلط کیا جو بڑے ہی لڑنے والے سخت جان اور ساز و سامان سے پورے لیس تھے۔ وہ ان پر چھا گئے۔ ان کے شہر چھین لیے لوٹ مار کر کے ان کے گھروں تک کو خالی کر کے بے خوف و خطر واپس چلے گئے۔“

”اللہ کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ جالوت کا لشکر تھا۔ جس نے پورے بنی اسرائیل کو تحس نحس کر کے رکھ دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے طالوت بادشاہ اور پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کی مدد فرمائی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں یہ عروج پر تھے۔ ان کے بعد یہ پھر سرکشی پر اتر آئے۔ جب ان کے ظلم حد سے بڑھنے لگے تو نبیوں تک کو سرِعام قتل کیا گیا۔“

”علماء کو اذیتیں دے دے کر شہید کیا گیا تو اللہ نے دوسری بار ٹائٹس بادشاہ کے ہاتھوں ان کو شکست فاش دی۔ جس نے ان سے فلسطین بھی چھین لیا اور یہ وہاں سے بھاگ نکلنے پر مجبور ہوئے۔ ان کے بچوں اور عورتوں تک کو بڑے پیمانے پر ذبح کیا گیا۔“

”اس کے بعد یہودی کبھی اپنی ایک سلطنت قائم نہیں کر سکے۔ ان پر مختلف بادشاہوں کا عتاب اترتا رہا اور یہ دربدر ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت کرتے رہے لیکن اپنی خصلتوں سے پھر بھی باز نہ آئے۔ اسی وجہ سے اور غداری کی وجہ سے یہ ہٹلر کے ہاتھوں بھی ذلیل ہوئے۔ لیکن اس کے بعد اچانک ان کا عروج شروع ہوا اور 1948 میں اسرائیل کا وجود بنا جس کی بنیاد بھی پاکستان کی طرح مذہبی تھی۔“

"یہی دو ممالک پوری دنیا میں ایسے ہیں جو مذہبی بنیادوں پر وجود میں آئے۔ ایسا ہونا تھا کیونکہ اسی سورت بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ آگے فرماتے ہیں۔"

وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا (بنی اسرائیل، 104)

ترجمہ: اور ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس سرزمین میں رہو، پھر جب آخری وعدے کا وقت آئے گا ہم تمھیں اکٹھا کر کے لے آئیں گے۔"

"صدیوں بعد آج یہودی اسی جگہ جمع ہو رہے ہیں جہاں سے ان کی ابتدا ہوئی تھی۔ انہیں عروج ملا تھا اور وہیں سے انہیں نکالا گیا تھا لیکن اب کی بار یہ واضح ہے کہ یہ آخری بار جمع ہو رہے ہیں کیونکہ اب جو ان پر وقت آئے گا وہ انہیں دنیا کے نقشے سے مٹا دیا جائے گا۔"

"یہاں میں ایک حدیث سنانا چاہوں گا۔ آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت المقدس کی آبادی، مدینہ طیبہ کی ویرانی ہے اور مدینہ کی ویرانی بڑی جنگ کا ظہور ہے اور بڑی جنگ کا ظہور قسطنطنیہ کی فتح ہے اور قسطنطنیہ کی فتح دجال کا نکلنا ہے (ابو داؤد 15، 5424)۔"
یہاں پہنچ کر ماسٹر رک گئے اور تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد بولے۔

"ایسا ہونا شروع ہو چکا ہے اگر آپ 1948 سے اب تک اسرائیل کا نقشہ اٹھا کر دیکھیں تو وہ دن بدن بڑا ہوتا جا رہا ہے۔ گریٹر اسرائیل بنانے کی طرف رواں دواں ہے۔ بیت المقدس کو اسرائیل کا

دارالحکومت قرار دیا جا چکا ہے۔ ابھی چند دن پہلے ہی انہوں نے بیت المقدس میں بڑی بڑی رہائشی و کمرشل بلڈنگز بنانے کے پلان پر عملدرآمد شروع کر دیا ہے۔"

"احادیث کی رو سے یہ آباد ہوتا جائے گا اور مدینہ ویران، یہ کیسے ہو گا؟ یہ اللہ بہتر جانتا ہے مگر ایسا ہو گا ضرور اور بہت جلد ایسا ہونے والا ہے۔

مدینے کی ویرانی کے ساتھ ہی دنیا کی اب تک کی سب سے خوفناک ترین جنگ عظیم شروع ہو گی۔ جسے حدیث میں ملحمتہ الکبریٰ کہا گیا ہے جبکہ عیسائی اور یہودی سے آرمیگڈون کے نام سے پکارتے ہیں کیونکہ ان تینوں مذاہب کا ماننا ہے کہ ایسا ہونا ہے۔"

"بس ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ جیت ان کی ہو گے لیکن در حقیقت جیت اسلام کی ہو گی مگر بہت خوفناک جنگ کے بعد۔ احادیث کے مطابق یہ جنگ اتنی خوفناک ہو گی کہ ایک پرندہ لاشوں کے اوپر اڑے گا اور بیٹھنے کی جگہ ڈھونڈے گا لیکن اسے کہیں جگہ نہیں ملے گی یہانتکہ وہ تھک کر لاشوں کے اوپر ہی گر پڑے گا۔"

"جرابلس شہر میں داخل ہونے سے پہلے آپ کو بلند پہاڑیوں سے گزرنا پڑتا ہے. ان پہاڑوں کی اترائی کی جانب آئیں تو آپ کے سامنے تقریباً پانچ سو کلو میٹر تک پھیلا ہو اوسیع میدان نظر آئے گا۔ اتنا بڑا میدان کہ اس کا کوئی دوسرا سرا نظر نہ آئے۔"

"اس بڑے میدان میں ترکی کی سرحد سے تقریباً چودہ کلو میٹر دور دامق کا گاؤں ہے۔ اس کے نزدیک ہی اعماق کا گاؤں ہے۔ ان دونوں مقامات کی اس قدر تفصیل اس لئے درج کی ہے کہ یہ وہ میدان ہے

جہاں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بتائی گئی پیش گوئیوں کے مطابق روئے زمین پر حق وباطل کا بہت بڑا اور آخری معرکہ ہونے والا ہے۔"

"کوئی اس میدان کو دیکھے اور پھر چاروں جانب اس کی وسعت کا اندازہ کرے تو اسے یقین ہونے لگے کہ یہ مقام واقعی کسی بڑی جنگ کو اپنے دامن میں سمو سکتا ہے۔ احادیث کی کتب میں اس آخری بڑی جنگ "ملحمتہ الکبریٰ" کا مرکز و محور شام کا خطہ ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر اہل شام میں خرابی آئی تو پھر تم میں کوئی خیر باقی نہ رہے گی۔ وہاں ایک گروہ ہمیشہ برسرِ پیکار رہے گا۔ اللہ کی نصرت و فتح ان کے ساتھ ہو گی۔ انہیں کسی کی پرواہ نہ ہو گی کہ انہیں کون رسوا کرتا ہے۔" (ترمذی، مسند احمد، ابن ابی شیبہ).

"دیگر ایسی احادیث کو سامنے رکھیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اس جنگ سے پہلے قسطنطنیہ (استنبول، ترکی) مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھن چکا ہو گا اور اس جنگ کے بعد دوبارہ مسلمان قسطنطنیہ اہل روم سے واپس لے لیں گے۔"

"اب اگر تازہ ترین حالات کو دیکھیں تو ترکی مسلسل اپنا موقف سخت کرتا جا رہا ہے۔ چاہے کوئی بھی معاملہ ہو۔"

"1923 میں جب خلافت عثمانیہ ٹوٹی تھی۔ اس وقت ایک معاہدہ ہوا تھا۔ جس میں ترکی کو اس بات کا پابند بنایا جائے گا کہ ترک خلافت کو ختم کیا جائے گا۔"

”اس کی جگہ سیکولر ریاست قائم کی جائے گی۔ خلیفہ کو ملک بدر کیا جائے گا۔ اس کے سارے اثاثے ضبط کر لیے جائیں گے۔ ترکی اپنے ملک کے حصے موصل وغیرہ میں بھی تیل کے ذخائر نہیں نکال سکے گا۔ ترکی اپنے سمندروں سے گزرنے والا بحری جہازوں سے فیس بھی وصول نہیں کرے گا۔ ان شرائط پر عمل کرتے ہوئے مصطفی کمال اتاترک نے سیکولر حکومت کی بنیاد رکھی۔“

”اب 2023 میں یہ سو سال کا معاہدہ ختم ہو رہا ہے۔ جس کے بعد ترکی تیل نکالنے اور فروخت میں آزاد ہو گا۔ ترکوں نے سخت ترین پابندیوں کے باوجود غیر کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ اپنے کم وسائل میں ترقی کا سفر جاری رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ چند سالوں میں ترقی خود بول رہی ہے۔ صدر اردوگان کے دورِ حکومت میں ترکی معاشی طور پر ابھرتا ہوا ملک ثابت ہو رہا ہے۔ جس کی سب سے بڑی نشانی ترک صدر نے

IMF

کا تمام قرض ختم کر کے اسے عالمی معاشی چنگل سے نکال باہر کیا ہے۔“

”ترکی بہت تیزی سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اب جب 2023 میں پابندیاں ختم ہوں گی تو اسی ترقی کو وہ پر لگ جائیں گے کہ ترکی بہت سے یورپین ممالک کو پیچھے چھوڑ دے گا۔“

”اسی بات کو بہت سے یورپی ممالک تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ دوسری طرف ترکی اور روس ایک دوسرے کے قریب ہیں۔“

”ان حالات میں ترکی کے ہمسایہ ملک آرمینیا اور آذربائجان میں جنگ کا چھیڑنا معنی خیز ہے۔ لگتا یہ ہے کہ یہ صورتحال روز بروز بگڑتی جائے گی یہاںتک جنگ ہو گی جس میں ترکی اپنا بہت سا حصہ بشمول استنبول کھو بیٹھے گا۔ جسے مسلمان بعد میں پھر حاصل کر لیں گے۔“

”احادیث میں ہمیں حضرت امام مہدی کے دور میں یا دور سے پہلے دو محاذ ملتے ہیں۔ ایک تو یہ جو اعماق اور دابق کے مقام پر قائم ہو گا۔ جبکہ دوسرا محاذ ہندوستان میں قائم ہو گا۔ اس بارے میں احادیث ہیں۔“

”پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوستان کا ذکر فرمایا اور ارشاد کیا:“

”ضرور تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جنگ کرے گا۔ اللہ ان مجاہدین کو فتح عطا فرمائے گا۔ حتیٰ کہ وہ ان کے بادشاہوں کو زنجیروں میں جکڑ کر لائیں گے اور اللہ ان کی مغفرت فرمائے گا پھر جب وہ مسلمان لوٹ کر آئیں گے تو عیسیٰ ابنِ مریم کو شام میں پائیں گے۔“

”حضرت ابوہریرہؓ نے یہ سنا تو فرمایا: اگر میں نے وہ غزوہ پایا تو اپنا نیا اور پرانا سب مال بیچ دوں گا اور اس غزوے میں شرکت کروں گا۔ اللہ نے ہمیں فتح عطا کر دی تو میں ایک آزاد ابوہریرہ ہوں گا جو ملک شام میں عیسیٰ ابن مریم کو پائے گا، پھر میں ان کو بتاؤں گا کہ میں آپؐ کا صحابی ہوں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا اٹھے اور کہا۔

”بہت مشکل۔۔۔ بہت مشکل۔‘ اس حدیث کو نعیم بن حماد نے اپنی کتاب ’الفتن‘ میں روایت کیا ہے۔ اسحاق بن راہویہ نے بھی اس حدیث کو اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔“

”سنن نسائی حدیث 3177 میں فرمایا کہ ’میری امت کے دو گروہ جہنم سے آزاد کر دیے گئے، پہلا وہ جو غزوۂ ہند لڑے گا اور دوسرا وہ جو عیسیٰ ابن مریم کا ساتھ دے گا۔“

”ایک اور حدیث ہے کہ ’ خراسان سے ایک ایسا لشکر نکلے گا جس کے ساتھ کالے جھنڈے ہوں گے، کوئی طاقت ان کو روک نہیں سکے گی اور یہ لشکر ہندوستان کو فتح کرلے گا، پھر ایلیاہ یعنی بیت المقدس میں جاکر رکے گا۔“ یہ حدیث حضرت ثوبانؓ نے روایت کی۔ حیدر نے یہ احادیث سنی تو چپ نہ رہ سکا اور بولا۔

"ٹوکنے کے لیے معذرت لیکن غزوہ تو وہ جنگ ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود شرکت کی ہو، لیکن اس غزوہ ہند میں یہ کیسے ممکن ہے؟“ ماسٹر حیدر کی بات سن کر مسکرا اٹھے اور کہنے لگے۔

”عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ غزوہ اس جنگ کو کہا جاتا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرکت کی ہو لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ غزوہ ہر اس جنگ کو کہا جاتا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کو ترتیب دیا ہو۔ روانہ کیا ہو۔“

”اس جنگ میں شرکت کے لیے بیعت لی ہو یا اس جنگ میں شرکت کا حکم دیا ہو‘ یہی وجہ ہے کہ غزوہ موتہ کو بھی غزوہ موتہ کہا جاتا ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔“

”اب اس محاذ پر دیکھیں تو امریکی افواج کی افغانستان سے واپسی جاری ہے۔ وہاں طالبان مضبوط سے مضبوط تر ہو رہے ہیں۔ وہ اسلامی قانون نافذ کرنے کے حامی ہیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت کرتا

چلوں افغانی حکومت، افغانی فوج اور ان کے حامی افغانیوں اور افغان طالبان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ افغانی پاکستان کو سرعام گالیاں نکالتے ہیں اور سخت خلاف ہیں۔"

"پاکستان کے مقابلے میں وہ انڈیا سے ہمدردیاں رکھتے ہیں جبکہ افغان طالبان کا موقف اس سے الٹ ہے۔"

"جب ایک جگہ ایک ایسی حکومت قائم ہو جائے۔ جہاں عدل و انصاف فراہم کیا جاتا ہو تو لازماً وہ اپنے اردگرد اثر ڈالتا ہے۔ اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب ایک خالص اسلامی حکومت وجود میں آئے گی اس کا اثر افغانستان کے آس پاس والے ممالک پر بھی پڑے گا۔ جس کی وجہ سے آس پاس والے ممالک کی عوام جو اپنے حکمرانوں سے تنگ آچکی ہے خود اس نظام کی حمایت کرے گی۔ اسلامی حکومت قائم کرنے کا مطالبہ کرے گی یا پھر کوئی ایسا حکمران آئے گا جو وہ نظام لے کر آئے گا۔"

"دونوں ہی صورتیں ممکن ہیں اور یہ جو غزوہ ہند ہو گا۔ میرا خیال ہے یہ صرف پاکستان یا کوئی ایک ملک نہیں لڑے گا بلکہ تمام مسلمان متحد ہو جائیں گے۔ پاکستان کی فوج اور ہتھیار یقیناً اس جنگ میں ایک سپہ سالاری والا کردار ادا کرے گی۔"

"اب میں آتا ہوں اس طرف کہ یہ سارا پس منظر میں نے کیوں بتایا۔ یہ دور فتنوں کا دور ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اس دور میں احادیث کے پیش نظر ہمارے پاس دو راستے ہیں۔"

"نمبر ایک' سب چیزوں سے کٹ کر، ہر چیز میں دلچسپی لینا چھوڑ کر خاموشی سے حلال روزی کمائیں اور اپنی عبادات میں مصروف رہیں۔ فرائض اور سنتیں پوری کرتے رہیں۔ اللہ سے ہدایت مانگتے رہیں۔"

”دوسرا راستہ یہ ہے کہ ایک حدیث کا مفہوم ہے۔ دور فتن میں وہی شخص اس سے بچ سکے گا جو ان فتنوں کا علم رکھتا ہو گا اور جو علم رکھتا ہو گا۔ وہ ان کے خلاف زبان، قلم اور ہاتھ سے جہاد بھی کر سکے گا۔“

”میرا تعلق بھی ایک ایسی تنظیم سے ہے جو ان فتنوں کے خلاف اور آنے والے حالات کے پس نظر تیاری کر رہی ہے تاکہ وہ اس غزوہ ہند میں شرکت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارتوں کے مستحق ٹھہر سکیں۔“

”آپ سب لوگ جن سے میں مخاطب ہوں۔ میں اپنا راز شیئر کر رہا ہوں کیونکہ میں آپ سب کو جانتا ہوں کہ آپ سب اس قابل ہیں کہ کسی راز کو راز رکھ سکیں۔ اس تنظیم میں شامل ہر فرد اپنا حلال روزی کا ذریعہ بنانے کے ساتھ ساتھ اس تنظیم میں دیے گئے اہداف کو بھی پورا کرتا ہے۔“

”اس کے ساتھ ساتھ ہم کوشش کر رہے ہیں یہ آگاہی اور حقیقتیں لوگوں کو بتا کر ان کو حقیقت سے روشناس کروا سکیں اور وہ بھی ہمارا ساتھ دے سکیں۔ آپ لوگوں کو پابند نہیں کیا جا رہا لیکن اگر کوئی اس تنظیم میں شامل ہونا چاہے تو وہ اپنے اپنے ٹریز سے رابطہ کر سکتا ہے مگر ایک بات ذہن میں رکھیں کہ ہر تنظیم میں کچھ اصول وضوابط ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی خلاف ورزی پر سزائیں بھی دی جاتی ہیں۔“

”اور ناقابل معافی لغزش یا عمل, غداری کی صورت میں موت کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ جو شامل ہونا چاہیں گے ان کو مزید ہدایات دے دی جائیں گی۔ اس لیے آپ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لیں۔ اللہ ہم سب کو ہدایت دے اور ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل فرمادے۔ آمین ثم آمین، فی امان اللہ امید ہے۔

آپ اپنے سیکھے گئے علم سے لوگوں کو فائدہ دیں گے۔ جزاک اللہ۔" یہ کہہ کر ماسٹر خاموش ہو گئے اور لیپ ٹاپ وغیرہ آف کرنے میں مصروف ہو گئے۔

حیدر خاموشی سے اٹھا اور ماسٹر کے پاس جا کر کھڑا ہوا اور ادب سے ماسٹر کے ہاتھ پکڑ کر ان پر بوسہ دیا اور پھر نم آنکھوں سے کہنے لگا۔

"ماسٹر! میں آپ کا شکریہ نہیں ادا کر سکوں گا ساری زندگی بھی، نہ جانے وہ کون سا لمحہ تھا۔ میری کس نیکی کا صلہ ملا جب آپ سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس تنظیم میں شامل ہونا چاہوں گا اور میں یہ عزم کرتا ہوں کہ ان شاءاللہ میں آپ کا سر کبھی شرم سے جھکنے نہیں دوں گا۔" ماسٹر نے کرسی سے کھڑے ہو کر حیدر کو گلے لگا لیا۔ حیدر نے ماسٹر کو زور سے بھینچ لیا۔ ماسٹر نے حیدر کے کان کے پاس سرگوشی میں کہا۔

"گھر جاؤ اور چند ہفتے اپنے گھر والوں کو دو' اس کے بعد میں ایک نمبر دے رہا ہوں اس پر رابطہ کر لینا اور بس اپنا نام بتا دینا۔ تمہیں مزید ہدایات مل جائیں گے کہ کیا کرنا ہے۔" ماسٹر یہ کہہ کر خاموش ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ کب حیدر اسے چھوڑے لیکن نہ جانے حیدر کو کیا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اسی طرح ماسٹر سے لپٹا رہے۔ ایک عجیب سا سکون تھا جو حیدر کو اپنے جسم میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

آخر جب ماسٹر نے ایک شفقت بھری تھپکی حیدر کے کاندھے پر دی تو نم آنکھوں کے ساتھ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لیے حیدر ماسٹر سے الگ ہو گیا۔

وہ یہ سوچ کر مسکرا رہا تھا کہ اب ماسٹر سے ہمیشہ ایک تعلق رہے گا اور وہ ماسٹر کے ساتھ مل عملی طور پر کچھ کام کر سکے گا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ اس کی ماسٹر کے ساتھ زندگی کی آخری ملاقات تھی۔

عائزہ مائک پکڑ کر کچھ دیر تو خاموش رہی اور پھر بولنے لگی۔

"محبت، عشق اور شادی کے حوالے سے آپ کے کیا نظریات ہیں؟ اگر وضاحت سے ان کے جواب دے دیں تو نوازش ہو گی۔" اس کا سوال سن کر ہال میں موجود تمام لوگوں کی نظریں اشتیاق اور دلچسپی سے عمر کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

عمر ٹیبل پر نظر جمائے کچھ دیر تو چپ رہا اور کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر آنکھیں بند کیں۔ کرسی سے ٹیک لگا کر بولا۔

"کون سی محبت کے بارے میں بتاؤں؟ اس محبت کے بارے میں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتی ہے؟ یا اس محبت کے بارے میں بتاؤں جو محبت کی اصل روح ہے جو محبت واقعی ہی محبت ہوتی ہے۔"

"دونوں ہی بتا دیں۔" عائزہ نے مختصر سا جواب دیا۔ عمر سیدھا ہو کر بیٹھا اور مائک منہ کے سامنے لا کر نظریں ٹیبل کی سطح پر گاڑ کر بولنے لگا۔

"اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے الودود، جس کے معنی ہے بہت محبت کرنے والا، چونکہ محبت کا ذکر اللہ کے حوالے سے آیا ہے تو ہم اسی حوالے سے محبت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پورے قرآن میں صرف دو مرتبہ ودود کا لفظ آیا ہے۔ ایک سورت ہود آیت نمبر 90 وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ، جس کا ترجمہ ہے:

”اور اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف پلٹ آو“

”بے شک میر ارب نہایت رحم والا، بہت محبت والا ہے۔ دوسری بار ذکر سورت بروج میں آیت نمبر 14 میں وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ، جس کا ترجمہ ہے:

”اور وہی ہے جو بے حد بخشنے والا، نہایت محبت کرنے والا ہے۔“

”پہلی جگہ لفظ رحیم کے ساتھ ودود کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ رحمٰن اور رحیم دونوں کے معنی ملتے جلتے ہیں لیکن ان میں فرق ہے۔ رحمن، وہ ہے جس کی رحمتیں سب کے لئے عام ہیں۔ جیسے ہوا، پانی وغیرہ جیسی نعمتیں کافروں اور مسلمانوں دونوں کے لیے عام ہیں۔ یہ رحمٰن ہونے کی صفت ہے۔“

”جبکہ رحیم وہ ہے جس کی رحمتیں مومن بندوں کے لئے خاص ہیں۔ مطلب رحیم صرف ان لوگوں لیے ہے جو اللہ کے لیے خاص لوگ ہیں۔ اسی لفظ کے ساتھ ودود کا لفظ آیا ہے۔ مطلب یہ کہ جو اللہ کے نزدیک خاص لوگ ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ کو بہت محبت ہے۔ دوسری جگہ اللہ نے ودود کے لفظ کچھ لوگوں کے لیے استعمال کیا ہے اور وہ لوگ کون تھے اسکے لیے یہ واقعہ پتہ ہونا ضروری ہے۔“

”مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگلے زمانے میں ایک بادشاہ کے ہاں ایک جادوگر تھا۔ جب جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت آرہا ہے مجھے کوئی بچہ سونپ دو تو میں اسے جادو سکھا دوں۔“

”چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو وہ تعلیم دینے لگا۔ لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستے میں ایک راہب کا گھر پڑتا۔ جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں مشغول ہوتا۔ یہ بھی کھڑا ہو جاتا اور اس کے طریق

عبادت کو دیکھتا۔ وعظ سنتا۔ آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا۔ جادوگر بھی مارتا اور ماں باپ بھی کیونکہ وہاں بھی دیر میں پہنچتا اور یہاں بھی دیر میں آتا۔"

"ایک دن اس بچے نے راہب کے سامنے اپنی یہ شکایت بیان کی' راہب نے کہا کہ جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگ گئی تو کہہ دینا گھر والوں نے روک لیا تھا اور گھر والے پوچھیں تو کہہ دینا کہ آج جادوگر نے روک لیا تھا۔ یونہی ایک زمانہ گزر گیا۔"

"ایک طرف تو جادو سیکھتا تھا اور دوسری جانب کلام اللہ اور دین اللہ سیکھتا تھا۔ ایک دن وہ دیکھتا ہے کہ راستے میں ایک زبردست ہیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے، اس نے لوگوں کی آمدورفت بند کر رکھی ہے۔ ادھر والے ادھر اور ادھر والے ادھر نہیں آسکتے۔ سب لوگ ارگرد حیران و پریشان کھڑے ہیں۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج موقعہ ہے کہ میں امتحان کرلوں کہ راہب کا دین اللہ کو پسند ہے یا جادوگر کا؟"

"اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ اے اللہ اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کردے تاکہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے۔ پتھر کے لگتے ہی وہ جانور مر گیا۔ لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا پھر جا کر راہب کو خبر دی۔ اس نے کہا پیارے بچے تو مجھ سے افضل ہے۔ اب اللہ کی طرف سے تیری آزمائش ہو گی اگر ایسا ہوا تو کسی کو میری خبر نہ کرنا۔ اب اس بچے کے پاس حاجت مند لوگوں کا تانتا لگ گیا۔ اس کی دعا سے مادر زاد اندھے کوڑھی، جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔"

”بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کے کان میں بھی یہ آواز پڑی‘ وہ بڑے تحائف لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفاء دیدے تو یہ سب تجھے دے دوں گا۔ اس نے کہا شفاء میرے ہاتھ نہیں‘ میں کسی کو شفاء نہیں دے سکتا۔ شفاء دینے والا اللہ «وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ» ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں گا۔ اس نے اقرار کیا۔ بچے نے اس کے لیے دعا کی اور اللہ نے اسے شفاء دے دی۔“

”وہ بادشاہ کے دربار میں آیا۔ جس طرح اندھا ہونے سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا مگر آنکھیں بالکل روشن تھیں۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ تجھے آنکھیں کس نے دیں؟ اس نے کہا میرے رب نے۔“

”بادشاہ نے کہا۔ ہاں‘ یعنی میں نے۔ وزیر نے کہا۔ نہیں نہیں، میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ اچھا تو کیا میرے سوا تیرا کوئی اور بھی رب ہے؟ وزیر نے کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ عزوجل ہے۔ اب اس بادشاہ نے اسے مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچانے لگا۔ پوچھنے لگا کہ تجھے یہ تعلیم کس نے دی؟“

”آخر اس نے بتا دیا کہ اس بچے کے ہاتھ پر میں نے اسلام قبول کیا۔ بادشاہ اسے بچے کو بلوایا اور کہا اب تو تم جادو میں خوب کامل ہو گئے ہو کہ اندھوں کو دیکھتا اور بیماروں کو تندرست کرنے لگ گئے۔ بچے نے کہا غلط ہے‘ نہ میں کسی کو شفاء دے سکتا ہوں نہ جادو، شفاء تو اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہے۔ کہنے لگا ہاں یعنی میرے ہاتھ میں ہے کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں۔ بچے نے کہا ہرگز نہیں۔ بادشاہ نے کہا پھر کیا تو میرے سوا کسی اور کو رب مانتا ہے؟“

”وہ بچہ کہنے لگاہاں! میر ااور تیر ارب اللہ تعالیٰ ہے۔ بادشاہ نے اب اسے بھی طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ راہب کا پتہ لگالیا۔ راہب کو بلا کر اس نے کہا کہ تو اسلام کو چھوڑ دے اور اس دین سے پلٹ جا، اس نے انکار کیا تو اس بادشاہ نے آرے سے اس کے چہرے کو چیر دیا اور دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔“

”پھر اس بادشاہ نے نوجوان سے کہا کہ تو بھی دین سے پھر جا مگر اس نے بھی انکار کر دیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمارے سپاہی اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جائیں اور اس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین چھوڑ دینے کو کہیں۔ اگر مان لے تو اچھا ورنہ وہیں سے لڑھکا دیں۔“

”چنانچہ یہ لوگ اسے لے گئے۔ جب وہاں سے دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی۔“

«اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ» اللہ جس طرح چاہ مجھے ان سے نجات دے۔ اس دعا کے ساتھ پہاڑ ہلا اور وہ سب سپاہی لڑھک گئے۔ صرف وہ بچہ بچا رہا، وہاں سے وہ اترا اور ہنسی خوشی پھر اس ظالم بادشاہ کے پاس آگیا۔ بادشاہ نے کہا یہ کیا ہوا؟ میرے سپاہی کہاں ہیں؟ فرمایا:

”میرے اللہ نے مجھے ان سے بچالیا۔ اس بادشاہ نے کچھ اور سپاہی بلوائے اور ان سے بھی یہی کہا کہ اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ، اور بیچوں بیچ سمندر میں ڈبو کر چلے آؤ۔ سپاہی اسے لے کر چلے بیچ میں پہنچ کر جب سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی کہ بار الٰہی جس طرح چاہ مجھے ان سے بچا۔ موج اٹھی اور وہ سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے۔ صرف وہ بچہ ہی باقی رہ گیا۔ یہ پھر بادشاہ کے پاس آیا، اور کہا میرے رب نے مجھے ان سے بھی بچالیا۔ اے بادشاہ تو چاہے تمام تدبیریں کر ڈال لیکن مجھے ہلاک نہیں کر سکتا۔ ہاں جس طرح میں کہوں اس طرح اگر کرے تو البتہ میری جان

نکل جائے گی۔ اس نے کہا کیا کروں؟ فرمایا تو لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر پھر کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے ترکش میں سے ایک تنکا نکال میری کمان پر چڑھا اور «بِسۡمِ اللّٰہِ رَبِّ هٰذَا الۡغُلَامِ» یعنی اسی اللہ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے کہہ کر وہ تیر میری طرف پھینک وہ مجھے لگے اور اس سے میں مروں گا۔“

”چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا۔ تیر بچے کی کنپٹی میں لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور شہید ہو گیا۔ اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین آ گیا۔ چاروں طرف سے یہ آوازیں اٹھنے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لا چکے۔ یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے مصاحب گھبرائے اور بادشاہ سے کہنے لگے اس لڑکے کی ترکیب ہم سمجھے ہی نہیں، دیکھئیے اس کا یہ اثر پڑا کہ یہ تمام لوگ اس کے مذہب پر ہو گئے۔“

”ہم نے تو اسی لیے قتل کیا تھا کہ کہیں یہ مذہب پھیل نہ جائے لیکن وہ ڈر تو سامنے ہی آ گیا۔ سب مسلمان ہو گئے۔ بادشاہ نے کہا اچھا یہ کرو کہ تمام محلوں اور راستوں میں خندقیں کھدواؤ، ان میں لکڑیاں بھرو اور اس میں آگ لگا دو۔ جو اس دین سے پھر جائے اسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے اس آگ میں ڈال دو۔“

”ان مسلمانوں نے صبر و ضبط کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کر لیا اور اس میں کود کود گرنے لگے۔ البتہ ایک عورت جس کی گود میں دودھ پیتا چھوٹا بچہ تھا۔ وہ ذرا ہچکچائی تو اس بچہ کو اللہ نے بولنے کی طاقت دی۔ اس نے کہا اماں کیا کر رہی ہو۔ تم تو حق پر ہو صبر کرو اور اس میں کود پڑو۔ [صحیح مسلم:3005] یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور صحیح مسلم کے آخر میں بھی ہے۔“

”اسی واقعہ کو قرآن میں قُتِلَ أَصۡحَابُ الۡأُخۡدُودِ[4] النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُودِ، مارے گئے اس خندق والے۔ [4] جو سراسر آگ تھی بہت ایندھن والی۔سے مراد لیا جاتا ہے۔“

”ان ایمان والوں کے لیے اللہ نے ودود کا لفظ استعمال کیا ہے کہ اللہ ان سے بہت محبت رکھتا ہے۔“ یہاں پہنچ کر عمر خاموش ہو گیا۔ پورے ہال میں اتنی خاموشی تھی جیسے سب کو سانپ سونگھ چکا ہو۔ عمر نے قدرے توقف سے کہا۔

”یہ تو قرآن کریم میں سے محبت کے ایک پہلو کا تعارف، اب آتے ہیں احادیث کی طرف اور احادیث سے جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ محبت کیا ہے؟
بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ جن سے واقفیت بھی نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ان سے لگاؤ محسوس ہوتا ہے۔ دل ان کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے اور بعض مرتبہ کچھ لوگ جو کہ اچھے بھی ہوتے ہیں لیکن ان سے عجیب سی چڑ ہو جاتی ہے۔ اچھے ہونے کے باوجود ہمیں وہ اچھے نہیں لگتے۔ اسی کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ روحوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہیں، پھر جنھوں نے ان میں سے ایک دوسرے کی پہچان کی تھی۔ وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے الفت و محبت کرتی ہیں اور جو وہاں الگ تھیں یہاں بھی الگ رہتی ہیں۔“(صحیح بخاری/3336، صحیح مسلم/6376)۔

”مطلب ایک لنک ہے جو نہ جانے کب سے چلا آ رہا ہے۔ محبت ایک انتہائی پاکیزہ جذبہ ہے۔ جسے آج کل ایسے استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ لفظ محبت تقریباً اپنا تقدس کھو چکا ہے ورنہ درحقیقت اس لفظ کا مقام کیا ہے۔ بدقسمتی سے اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ میں تھوڑا اس محبت کے لفظ کا مقام بتانا چاہتا ہوں ذرا توجہ سے سنیے گا۔“

”جب انسان اللہ محبت کو اپناتا ہے تو زمین کے سارے لوگوں کے دلوں میں اس محبت کرنے والے کی محبت کو اتار دیا جاتا ہے۔ آسمانوں پر فرشتوں کو حکم ہوتا ہے اس محبت کرنے والے سے محبت کرو، جبرائیل فرشتوں کے سردار کو حکم الٰہی ہوتا ہے اس محبت کرنے والے سے محبت کرو، خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس محبت کرنے والے سے محبت کرتا ہوں' میں یہ کوئی اپنا فلسفہ نہیں پیش کر رہا ہے۔ حدیث سنا رہا ہوں۔“

”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے۔ تم بھی اس سے محبت رکھو' چنانچہ جبرائیل علیہ السلام بھی اس سے محبت رکھنے لگتے ہیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام تمام اہل آسمان کو پکارتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت رکھتا ہے۔ اس لیے تم سب لوگ اس سے محبت رکھو، چنانچہ تمام آسمان والے اس سے محبت رکھنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد روئے زمین میں اس کی مقبولیت نازل کر دی جاتی ہے۔۔۔“ (صحیح بخاری/3209، صحیح مسلم/2637)۔

”بندہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے لیکن اس بندے کی بندے سے محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس بندے کو وہ مقام عطا کرے گا قیامت کے دن کہ جس پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔ اللہ اکبر کبیرا! اس سے بڑھ کر میں محبت کرنے والے کا اور اس لفظ محبت کا مقام کیا بتاؤں کہ وہ مقام ہے جس پر افضل ترین انسان انبیاء کرام اور شہداء بھی رشک کریں۔ یہ بھی میں حدیث سنا رہا ہوں کوئی اپنی سوچ نہیں بتا رہا۔“

”اب سمجھنا یہ ہے کہ بندہ کسی دوسرے بندے سے کیسے یہ محبت کرے کہ محبت کی اس روح کو پالے، محبت کے اس مقام کو پالے۔ اب میں آتا ہوں اس طرف اور اس محبت قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ محبت ہوتی کیسے ہے؟ اس میں کیا کچھ کیا جاتا ہے؟ اس کے کیا اصول و ضوابط ہیں؟“ عمر اتنا کہہ کر چپ ہوا تو پورے ایڈیٹوریم میں اتنے سٹوڈنٹس ہونے کے باوجود ایسی خاموشی تھی کہ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے لوگ سانس لینا بھی بھول گئے ہیں۔

عمر جس انداز میں بات کر رہا تھا۔ یہ واقعی وہ انداز تھا جس انداز سے آج تک نہ کسی نے سنا تھا نہ کسی نے جانا تھا۔ عمر خاموش ہوا اور ٹیبل پر پڑی بوتل سے گلاس میں پانی انڈیل کر پینے لگا۔ لیکن یہ مختصر سا دورانیہ بھی ہال میں موجود لوگوں پر بھاری پڑ رہا تھا۔ کئی سٹوڈنٹس تو باقاعدہ اپنی جگہ پر پہلو بدل رہے تھے۔ اضطراب ان کے چہروں سے عیاں تھا۔ جیسے وہ جلد سے جلد یہ جان سکیں کہ بندہ، بندے سے محبت کرے مگر مقام وہ ملے جس پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں وہ محبت کیسے ہوتی ہے؟ اور اس میں کیا ہوتا ہے؟

عمر نے پانی پی کر دوبارہ مائک اٹھایا۔ ایک ٹھنڈا سانس بھر کر گویا ہوا۔

”ایسے مقام والی محبت کا بس ایک ہی اصول ہے۔ ایک ہی شرط ہے اور وہ ہے اللہ کی رضا۔ اسی بات کو حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ ،م آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میری عظمت و بزرگی کے لیے آپس میں محبت کرنے والوں کے لیے قیامت کے دن نور کے ایسے منبر ہوں گے جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔“ (سنن الترمذی / 2390)

"ایک اور جگہ ارشاد ہے، میری رضا کے لئے آپس میں محبت کرنے والوں کے لئے میری محبت واجب ہو گئی۔" (مسند احمد / 22030)

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا:۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو میری بزرگی اور اطاعت کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ آج کے دن میں ان کو اپنے سایہ میں رکھوں گا۔ اور آج کے دن کوئی سایہ نہیں ہے سوائے میرے سایے کے۔" (صحیح مسلم / 2566)۔

"اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان سات لوگوں کا ذکر ہے۔ جن کو عرش کا سایہ نصیب ہو گا۔ ان میں سے اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے بھی ہوں گے"۔ (صحیح بخاری / 660، صحیح مسلم / 1031)

"یہ احادیث ہم سب کو محبت کرنے والے کا مقام بتا رہی ہیں۔ یہاں ایک اہم وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی سے محبت کا معیار للہ فی اللہ رکھا ہے، یعنی اگر کسی سے محبت یا نفرت کرے تو صرف اور صرف اللہ کی رضا و خوشنودی کو پیش نظر رکھ کے۔ اس محبت کے ساتھ کوئی بھی دنیاوی غرض یا شہوت و ناجائز اشتیاق نہ ہو۔ اگر ذاتی خواہشات درمیان میں آگئی تو یہ اس محبت کی روح کو مار دیتی ہے بلکہ بسا اوقات اللہ رب العزت کی ناراضگی اور سزا و عذاب کا سبب بھی بنتی ہے۔"

"صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ایک دوسرے سے یہی محبت تھی۔ جس کی وجہ سے خون کے پیاسے ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے والے بن گئے تھے۔"

”رہی بات لڑکے اور لڑکی کی آپس میں محبت، تو اس کا وجود ہمیں قرآن و حدیث اور اصحاب کی زندگیوں میں نہیں ملتا۔ بس اتنا ضرور ہے کہ جو آپ کو پسند ہو ان سے نکاح کر لو۔ والدین کو حکم ہے اولاد کی پسند کا خیال رکھیں اور اولاد کو حکم ہے والدین کی فرمانبرداری کریں۔“

اب آتے ہیں عشق کی طرف، عاشق، معشوق، » عاشقی، ان سب الفاظ کا ماخذ ایک ہی ہے۔ پورے قرآن اور تمام احادیث اور تمام صحابہ کی زندگیوں میں ہمیں عشق کا لفظ نہیں ملتا۔ عام طور پر یہ کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ محبت کی انتہا کو عشق کہا جاتا ہے لیکن میں اس چیز کو نہیں مانتا کیونکہ محبت کی انتہا بھی محبت ہی ہے۔ عشق لفظ کو میں معیوب سمجھتا ہوں کیونکہ یہ لفظ سامنے آتے ہی ذہن کے پردے پر نامحرم کی محبت، لڑکے اور لڑکی کی محبت کا خیال آتا ہے۔“

” ایک ماں سے زیادہ کون اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے؟ لیکن پھر بھی ہم اس کے لیے کبھی عشق کا لفظ استعمال نہیں کرتے کہ ماں کو اپنے بیٹے سے عشق تھا۔ باپ کے لیے کبھی یہ لفظ استعمال نہیں کرتے حالانکہ وہ بھی اپنی اولاد سے انتہا کی محبت کرتا ہے عموماً۔ یہ سب باتیں اس چیز کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ عشق ایک معیوب لفظ ہے۔ جس کا استعمال اللہ اور اسکے رسول کے لیے استعمال کرنا درست نہیں۔“

”عشق کے اندر شہوت کے ساتھ محبت اور چاہت کا مفہوم پایا جاتا ہے جو کہ کسی بھی طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مناسب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکیزہ رشتوں کے لئے کبھی بھی اس کا استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔“

”قرآن میں عزیز مصر کی بیوی اور حضرت یوسف کا ذکر جہاں آیا ہے۔ وہاں بھی عشق کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اسی طرح حدیث کی کتابوں میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مغیث کا اپنی بیوی بریرہ کے لئے فرط محبت کا تذکرہ ہے۔ جو مغیث کو چھوڑنا چاہ رہی تھی اور مغیث ان کے پیچھے روتے اور آنسو بہاتے ہوئے جا رہے تھے۔ ان کی داڑھی آنسو سے تر تھی، یہ دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”یا عَبَّاسُ، أَلَا تَعْجَبُ مِن حُبِّ مُغِيثٍ بَرِيرَةَ، ومِنْ بُغْضِ بَرِيرَةَ مُغِيثًا۔“

” اے عباس آپ کو مغیث کی بریرہ سے محبت اور بریرہ کی مغیث سے نفرت پر تعجب نہیں ہے۔“
(صحیح بخاری / 5283)

”مطلب کسی بھی جگہ عشق کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا لیکن دوسروں کی دیکھا دیکھی یہ لفظ عام سے عام ہوتا چلا گیا۔“

”اب آخری بات کی طرف کہ شادی کے حوالے سے کیا ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں ایک مثال پیش کر کے وضاحت کرنا چاہوں گا۔ ایک شخص ایک ترک رئیس آدمی کے باغ میں مالی کا کام کرتا تھا۔ ایک دن باغ کا مالک باغ میں آیا تو اپنے غلام کو کہا۔ اے مبارک! باغ سے ایک میٹھا انار لے آؤ' وہ گئے اور ایک انار لے آئے جو ترش نکلا مالک نے دوبارہ میٹھا انار لانے کو کہا تو دوسرے پودے سے توڑا گیا بھی ترش نکلا۔ غرض تین بار ایسا ہوا تو مالک نے غلام سے کہا کہ میں نے تم کو میٹھا انار لانے کے لئے کہا تھا اور تم ہر بار ترش لے آتے ہو تو اس غلام مبارک نے جواب دیا کہ میں کس طرح معلوم کر سکتا ہوں کہ کون سے درخت سے انار میٹھے اترتے ہیں اور کون سے درخت سے ترش۔“

"جس کسی نے ان درختوں سے کھایا ہے وہ جانتا ہے۔ مالک نے کہا کہ تم نے اب تک کوئی انار نہیں کھایا؟ مبارک نے کہا کہ آپ نے میرے ذمہ اس باغ کی حفاظت و نگہبانی لازم کی ہے کھانے اور چکھنے کی اجازت نہیں دی۔ میرے ذمہ جو خدمت لازم ہے اس کو بجالاتا ہوں - باقی جو پھل آپ ہمیں دیتے تھے۔ وہ ہم کھاتے تھے تو کوئی ترش نکل آتا تھا تو کوئی میٹھا۔"

"مالک اس غلام کی اس دیانت داری پر بڑا خوش ہوا اور کہا کہ تم اس قابل ہو کہ میری مجلس میں رہو۔ باغبانی کسی دوسرے شخص کے سپرد کر دی۔ اس غلام مبارک کو اپنے گھر ملازم رکھ لیا۔ ایک دن اپنے مالک کو پریشان دیکھ کر غلام نے پوچھا کہ کیا بات ہے آقا! آپ پریشان نظر آرہے ہیں۔ مالک نے کہا، بیٹی جوان ہو چکی ہے۔ اس کا رشتہ کرنا ہے۔ سمجھ نہیں آرہی کس سے کروں۔ غلام نے کہا یہ تو کوئی بڑا مسئلہ نہیں، اس کا حل میں آپ کو بتاتا ہوں اگر عرب کے جاہلانہ طرز پر شادی کرنا چاہتے ہیں تو کوئی اونچے حسب نسب والا لڑکا ڈھونڈیں، اگر آپ یہودیوں کے طریقے پر رشتہ طے کرنا چاہتا ہیں تو مال و دولت دیکھیں کیونکہ یہودی مال و دولت کو دیکھ کر کرتے ہیں۔ اگر عیسائیوں کے طریقے پر کرنا چاہتے ہیں تو کسی حسین و جمیل لڑکے کو دیکھ لیں کیونکہ عیسائی شکل و صورت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگر اسلامی طریقے کے مطابق کرنا چاہتے ہیں تو کسی متقی اور پرہیز لڑکے کو ڈھونڈ لیں۔"

"یہ سن کر مالک خوش ہو کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور اسے سارا قصہ سنایا۔ کہنے لگا کہ میں نے ابھی تک اس نوجوان سے زیادہ متقی کسی کو نہیں دیکھا کیوں نہ اسی سے شادی کر دوں۔

بیوی کہنے لگی، لوگ کیا کہیں گے کہ ایک غلام سے شادی کر دی؟ مالک نے کہا مجھے لوگوں کا نہیں اللہ کا خیال ہے اور اپنی بیٹی کی شادی مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کر دی۔"

”جن کا ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، جو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ جنہوں ایک ہزار سے زائد اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ جن میں امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات شامل ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک کو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ بخاری شریف، مسلم شریف اور ترمذی شریف لکھنے والی ہستیوں نے عبد اللہ بن مبارک سے بہت استفادہ حاصل کیا۔“

”جب شادیاں ایسی ہوں اور شادی کرنے والے ایسے ہوں پھر اولاد بھی ایسی ہی ہو گی ان شاء اللہ۔ یہ ہی میرے نظریات ہیں اور یہی میرے جوابات ہیں۔“ عمر نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

عمر کے چپ ہو جانے کے بعد بھی کافی دیر ہال میں خاموشی چھائی رہی۔ کچھ عمر کی آواز، اور کچھ ایسا لہجہ تھا عمر کا جو سیدھا دل پر اثر انداز ہوتا محسوس ہوتا تھا۔

سٹیج سیکرٹری کی آواز ہال میں گونجی تو سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو کہہ رہا تھا۔

”اگلا سوال کون کرے گا؟“

ہال کی ایک طرف پہلی قطار کے انتہائی دائیں جانب ایک پروفیسر صاحب کو مائک دیا گیا۔ جب وہ بولے تو عمر نے چونک کر ان کو دیکھا اور دل میں سوچا۔ کیا ٹیچرز بھی موجود ہیں یہاں؟

”ویسے تو یہ سٹوڈنٹس کا اپنا ایک پروگرام ہے لیکن مجھے امید ہے یہاں سٹاف کے چند لوگوں کی موجودگی کا آپ برا نہیں مانیں گے۔ خیر اگر برا مان بھی لیں گے تو ہمارا کیا بگاڑ لیں گے۔“ پروفیسر نے

مسکراتے ہوئے کہا تو ہال میں موجود سب کے چہروں پر مسکراہٹیں دوڑ گئیں۔ کچھ نے تو کافی بلند آواز سے قہقہے بھی لگائے۔

"بیٹا عمر! میں آپ سے کافی متاثر ہوا ہوں۔ میرے چند سوال ہیں۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمہاری تربیت کس نے کی ہے؟ تم نے اپنی زندگی کا مقصد کیا طے کیا ہے؟ اور زندگی کا مقصد کیسے طے کرنا چاہیے؟ امید ہے ان سوالوں کے جواب سے کافی لوگوں کی رہنمائی ہو جائے گی۔" پروفیسر صاحب سوالات کر کے بیٹھ گئے۔

عمر: "استاد تو استاد ہی ہوتا ہے۔ بے شک وہ درست سمجھ رہے ہیں کہ جو کچھ میں بول رہا ہوں۔ جیسی میری سوچ ہے، یہ میرا کمال نہیں بلکہ اللہ کی رحمت ہے اور اس کے بعد مجھے اس مقام تک پہنچانے والے میرے بابا جی ہیں۔ جو میرے سگے والد تو نہیں لیکن والد سے بڑھ کر، کسی دوست سے بڑھ کر ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے آج میری یہ سوچ ہے اور یہ مقام ملا ہے۔"

"بیٹا! کون ہیں وہ؟ ان کا نام کیا ہے؟ ایسی شخصیت سے تو ملنا بھی اعزاز کی بات ہے۔" پروفیسر نے عمر کی بات آگے بڑھنے سے پہلے سوال کرتے ہوئے پوچھا تو عمر نے سر جھکا لیا۔

عمر سوچنے لگا اور عمر پر انکشاف ہوا۔ اتنی قریب ہستی کے بارے میں تو وہ کچھ جانتا ہی نہیں۔ نہ بابا جی کا نام، پتہ، انکا کام، کچھ بھی تو عمر کو پتہ ہی نہیں۔

جب بھی بابا سے بات ہوتی تھی تو بابا کی باتیں ایسی ہوتی تھیں کہ عمر ان میں ہی کھو کر رہ جاتا تھا۔ اگر کبھی بابا کے بارے میں جاننے کی خواہش پیدا ہوئی بھی تو عمر بابا کی باتوں میں کھو کر پوچھنا بھول گیا اور ایک دو بار پوچھا بھی تو بابا نے خوبصورتی سے ٹال دیا۔

”بیٹا! اگر تم نہیں بتانا چاہتے تو کوئی بات نہیں۔“ انہی پروفیسر نے کہا تو عمر نے فوراً جواب دیا۔

”نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ در حقیقت میں ان کا نام تک نہیں جانتا۔ میری ان سے ملاقات چھوٹے سے گاؤں کی ایک چھوٹی سی مسجد میں ہوتی ہے ہمیشہ' میں ان کی باتوں میں ہی اتنا کھو جاتا ہوں کہ ان کے بارے میں پوچھنے کا خیال تک نہیں آتا۔“

”چلیں کوئی بات نہیں۔ باقی سوالوں کے جواب دے دو۔“ پروفیسر صاحب نے شفقت سے کہا۔

عمر:۔ ”تربیت کس نے کی؟ یہ تو میں بتا چکا ہوں۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کو راضی کر کے مرنا چاہتا ہوں۔“ عمر نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور پھر کہنے لگا۔

”مقصد یہ ایک المیہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں تقریباً اسی سے نوے فیصد لوگ بنا مقصد کے زندگی سے گزارتے ہیں اور ایسے ہی مر جاتے ہیں۔ میں یہاں ہال میں موجود لوگوں سے پوچھنا چاہوں گا کہ ایمانداری سے بتائیں۔ کتنے لوگ ہیں جنہیں اپنی زندگی کے مقصد کا پتہ ہے؟ اور وہ اس مقصد کو پانے کے لیے پلان بناتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں۔“

ہال میں موجود سب سٹوڈنٹس ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ یہ واقعی سچ تھا کہ بہت کم لوگ ہی اس بارے میں سوچتے ہیں کہ آخر انکا مقصد کیا ہے؟ چند لوگوں نے اپنے ہاتھ کھڑے کیے۔ عمر نے سٹیج سیکرٹری کو مخاطب کر کے کہا۔

”کسی ایک سے پوچھیں کہ اس کا مقصد کیا ہے؟“ سٹیج سیکرٹری نے ایک لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"جی اگر آپ مناسب سمجھیں تو بتا دیں کہ آپ کی زندگی کا کیا مقصد ہے؟" لڑکی بولی۔

"میرے والد درجہ چہارم کے سرکاری ملازم تھے۔ ہم ابھی چھوٹے تھے کہ وہ فوت ہو گئے۔ ان کی پنشن تو ملتی تھی لیکن وہ اتنی کم تھی کہ ہمارے گھر کا نظام اس سے چلنا ممکن نہیں تھا۔ امی نے کپڑے سلائی وغیرہ کر کے ہمیں پڑھایا اور گھر کا نظام چلایا۔ اب الحمد للہ میں اور میری چھوٹی بہن ٹیوشنز وغیرہ پڑھا کر نہ صرف اپنا خرچہ پورا کر رہی ہیں بلکہ گھر کے نظام میں اپنی امی کی مدد بھی کر رہی ہیں۔ ہمارے بھائی ابھی چھوٹے ہیں اس لیے وہ اس قابل نہیں کہ گھر کا نظام چلا سکیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میں یہاں پڑھ کر ایک اچھی پوسٹ پر چلی جاؤں اور پھر اپنی امی کو آرام دے سکوں۔ اکیلی گھر کا نظام چلا سکوں۔ اپنے بہن بھائیوں کی شادیاں کر سکوں۔ بس یہی مقصد لے کر چل رہی ہوں۔" لڑکی جونہی خاموش ہوئی تو بے اختیار ہال میں موجود لوگوں نے لڑکی کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے تالیاں بجانے لگے۔

عمر جو کہ سر جھکائے اپنے جوتوں پر نظر جمائے بیٹھا تھا۔ ان تالیوں سے بے نیاز ہو کر بولنے لگا۔

"فرض کریں آپ کو اچھی پوسٹ مل گئی۔ آپ گھر کا نظام بھی چلانے لگی ہیں' اپنے بہن بھائیوں کی شادیاں بھی کر دیں۔ تو کیا آپ کا مقصد پورا ہو گیا؟" لڑکی گڑبڑا کر بولی۔

"ظاہر ہے اگر ایسا ہو جاتا ہے تو میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔"

عمر:۔ "معاف کیجیے گا۔ جو آپ کہہ رہی ہیں وہ زندگی کی ضروریات میں تو آ سکتا ہے مگر اسے زندگی کا مقصد نہیں کہہ سکتے۔" ہال میں ہونے والی چہ میگوئیاں اور سرگوشیاں دم توڑ گئیں۔ ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ عمر نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”مقصد کی تین خصوصیات ہوتی ہیں۔ نمبر ایک، مقصد کبھی پورا نہیں ہوتا۔ ہمیشہ مرتے دم تک جاری رہتا ہے۔“

”نمبر دو، مقصد سے عوام الناس کو فائدہ پہنچتا ہے۔“

”نمبر تین، مقصد ہمیشہ عظیم ہوا کرتا ہے“ قدرے توقف سے عمر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”سی ایس ایس پاس کر کے اچھا عہدہ لینا ہے۔ پڑھ لکھ کر اچھی جاب کرنی ہے۔ سہولت کے لیے گاڑی لینی ہے۔ اپنا گھر بنانا ہے، ڈاکٹر بننا ہے، یہ تمام چیزیں ضروریات زندگی تو ہو سکتی ہیں مگر مقصد زندگی نہیں۔“

”قائداعظم کا مقصد تھا مسلمانوں کے لیے ایسا ایک الگ ملک بنانا جہاں مسلمان بغیر پابندی کے اپنے دین پر عمل کر سکیں اور یہ ملک زیادہ سے زیادہ ترقی کرے۔ اسی مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کرتے کرتے وہ فوت ہو گئے۔ ایدھی صاحب کا مقصد انسانیت کی خدمت کرنا تھا، اسی مقصد کو پورا کرتے کرتے وہ دنیا سے چلے گئے۔“

”یہ اصل مقصد ہوتے ہیں۔ آپ سب لوگوں سے کہنا چاہوں گا کہ اپنی زندگی کا کوئی مقصد ضرور بنائیں جو واقعی مقصد ہو۔ ایک مقصد ہمیں اللہ تعالیٰ بھی بتاتے ہیں کہ انسان کا اپنی عبادت کے مقصد کے لیے پیدا کیا اور یہ مقصد ایسا مقصد ہے جو تمام نیک اور عظیم مقاصد کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔“

”لیکن افسوس ہم ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے تو پلان بناتے ہیں۔ ان کے لیے کوشش کرتے ہیں لیکن مقصد زندگی کو پورا کرنا تو در کنار ہم میں سے اکثریت کو مقصد طے کرنے کا خیال تک نہیں آتا۔“

”ڈاکٹر بننا آپکی یا آپکے والدین کی خواہش ہے تو ضرور بنیں لیکن انسانیت کو فائدہ پہنچاؤں گا۔ غریب لوگوں کی خدمت کروں گا۔ ان کو سہولت دوں گا یا دوں گی۔ ایسا مقصد طے کریں۔ زندگی کے کسی بھی شعبے میں جائیں لیکن اسی شعبے میں ایک مقصد بنا لیں کہ میں نے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے مرتے دم تک کوشش کرنی ہے۔ دراصل یہی اصل مقصد ہوتا ہے۔“

اس کے بعد مزید تقریباً ایک گھنٹہ اسی طرح سوال ہوتے رہے۔ عمر اپنے مخصوص انداز میں جواب دیتا رہا۔ آخر میں تمام تنظیموں نے ایک بار پھر عمر کی حمایت اور اس کو اپنا متفقہ لیڈر ہونے کا اعلان کیا۔ سب کو اس معاملے میں سپورٹ کرنے کا کہا گیا۔ اس کے ساتھ ہی نشست برخاست کر دی گئی۔ لیکن جب عمر اٹھا اس کے اٹھتے ہی سب نے تالیاں اور نعرے لگا کر عمر کو خراج تحسین پیش کیا۔

باہر نکلتے ہوئے غیر ارادی طور پر عمر کی نظر عائزہ پر پڑی جو نظریں جھکائے کرسی پر سکون سے بیٹھی تھی۔ عمر کو یک دم شرمندگی کا احساس ہونے لگا۔

وہ بھول چکا تھا کہ اس معاملے میں بابا سے مشورہ کرنا تھا۔ اسنے دل ہی دل میں ارادہ کیا کہ پہلی فرصت میں ہی وہ بابا سے اس بارے میں بات کرے گا۔

۔******************۔

عبید اور ام ہانی کو جب ہوش آیا تو انہوں نے خود کا انجان جگہ پر پایا۔ وہ دونوں کرسی پر بندھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے پانچ کرسیوں پر موجود افراد آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ مگر ان کی زبان ان دونوں کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

ان کو ہوش میں آتا دیکھ کر وہ پانچوں ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

دونوں بچوں کے چہروں پر پہلے خوف کے سائے لہرائے۔ ام ہانی کی تو ہلکی سی چیخ بھی نکلی۔ وہ گبھرا کر کبھی ان افراد کو اور کبھی اپنے بھائی عبید کو دیکھ رہی تھی۔ عبید بھی پریشانی سے آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخر اس نے ہمت مجتمع کرتے ہوئے ان لوگوں سے پوچھا۔

”کون ہو تم لوگ؟ ہم کہاں ہیں؟“

ان لوگوں میں ایک اٹھ کر عبید کی طرف بڑھا اور عبید کے منہ پر زوردار تھپڑ مار کر نفرت سے کہا۔

”خولہ کون ہے؟ اس کا نمبر دو۔ ورنہ تمہارے سامنے تمہاری اس چھوٹی سی بہن کا وہ حشر کریں گے کہ تمہاری ساری زندگی بھی موت کی تمنا کرتے ہوئے گزری گی۔“ بے اختیار ام ہانی کے منہ سے سسکی ابھری لیکن حالات کی نزاکت کو اب وہ محسوس کرتے ہوئے اس نے خود پر قابو پایا۔ وہ اس چیز کو ذہن میں بٹھا رہی تھی کہ جتنا ہو سکے خاموش رہنا ہے تاکہ کوئی اس کی طرف دھیان نہ دے۔

عبید اکیلا ہوتا تو شاید ان سے بھڑ جانے کی کوشش کرتا لیکن حالات عبید کے حق میں نہیں تھے۔ سب سے بڑھ کر ام ہانی تک وہ ان درندوں کے ہاتھ نہیں پہنچنا دینا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ تیزی سے بولا۔

”خولہ ہماری آپی ہیں۔ وہ کسی تنظیم میں ہیں لیکن وہ کیسی تنظیم ہے مجھے نہیں پتہ، نمبر میں دے دیتا ہوں۔“ اسکے ساتھ ہی عبید نے خولہ کا نمبر دہرا دیا۔ ڈیوڈ نے نمبر نوٹ کیا اور پھر پوچھا۔

”اور کون کون اس تنظیم میں شامل ہیں؟“ عبید نے مصنوعی معصومیت بھرے لہجے میں کہا۔

”انکل! بڑے بچوں کو ایسی باتیں کہاں بتاتے ہیں؟ یہ بھی خولہ آپی کے منہ سے سنا تھا ایک بار کہ وہ کسی تنظیم کے لیے کام کرتی ہیں۔“

”میں تمہارا انکل نہیں۔“ ڈیوڈ نے درشت لہجے میں کہا۔ وہ دوبارہ جا کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد پھر وہ سب آپس میں کسی نامانوس سی زبان میں بات کرنے لگے۔ چند ہی لمحوں بعد وہ سب اٹھے اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد ام ہانی روہانسی ہو کر عبید سے کہنے لگی۔

”بھیا! یہ ہم کہاں پھنس گئے۔ نہ جانے اب کیا ہو گا؟“ عبید نے ام ہانی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”پریشان نہ ہو، مجھے یقین ہے خولہ آپی، پاپا اور بابا سب کچھ ٹھیک کر دیں گے۔“ ام ہانی نے جواباً کچھ کہا تو عبید اسے تسلیاں دینے لگا مگر حقیقتاً عبید خود بھی بہت پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔

۔*****************۔

خولہ، ضرار، نور، سرمد اور حیدر کے قہقہوں سے کمرہ گونج رہا تھا۔ وہ سب ٹریننگ کے دوران ملنے والی سزاوں اور اس وقت کی اپنی اپنی سوچیں ایک دوسرے کو بتا رہے تھے۔ جب خولہ کے فون پر بیل آئی۔

خولہ نے چونک کر موبائل کی سکرین پر دیکھا۔ ایک عجیب سے نمبر سے کال آرہی تھی۔ بیل کے بجتے ہی کمرے میں خاموشی سے چھا گئی۔ خولہ نے کال اٹینڈ کرتے ہوئے موبائل کان سے لگا کر "ہیلو" کہا تو دوسری طرف سے کسی کو تھپڑ مارے جانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ان آوازوں کے درمیان اسے ایک آواز ابھرتی سنائی دی جو کہہ رہی تھی۔

"تمہیں پچھتانا پڑے گا اور جتنا تم مار رہے ہو اس کا بدلہ میں تم سے ضرور لوں گا۔" انہی آوازوں کے پیچھے پس منظر میں ایک اور چیختی روتی ہوئی آواز بار بار ابھر رہی تھی۔

"میرے بھائی کو مت مارو پلیز، میرے بھائی کو مت مارو۔"

ساتھ ہی کسی ایک زوردار چٹاخ کی آواز کے ساتھ کسی بچی کی چیخ کی آواز ابھری۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" کسی بچے کے چیخنے کی آواز آئی۔ خولہ بے اختیار اچھل کر کھڑی ہوئی اور زور زور سے چیخنے لگی۔

"ہیلو! عبید، ام ہانی، عبید، ہیلو! عبید کہاں ہو تم؟" ساتھ بیٹھا ضرار بھی اضطراب میں اٹھ کر کھڑا ہوا۔ اس نے خولہ کے ہاتھ پکڑ کر اس کے موبائل کا لاؤڈ سپیکر آن کر دیا۔

"اگر ان بچوں کی سلامتی چاہتی ہو تو دو گھنٹوں کے اندر اندر جو ایڈریس بتا رہا ہوں وہاں اکیلی پہنچ جاؤ۔ اگر تمہارے ساتھ کوئی ہوا یا کسی سے بھی مدد لینے کی کوشش کی تو ان بچوں اور اپنے انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی" ایک انتہائی سرد سی آواز آئی اور ساتھ ہی اس نے ٹھہر ٹھہر کر ایک ایڈریس دہرا دیا پھر کال کاٹ دی۔

خولہ نے دل ہی دل میں اس کا بتایا گیا پتہ دہرایا اور تیزی سے باہر لپکنے کی کوشش کی لیکن اس کی راستے میں نور آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ کہنے لگی۔

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ بابا جانی کو اطلاع دیتے ہیں اور تھوڑی ڈسکیشن کر لیتے ہیں۔ جو بابا جانی نے ہدایات دیں گے ان پر عمل ہو گا۔"

"لیکن تم نے سنا نہیں! وہ کہہ رہا تھا اگر کوئی بھی ساتھ ہوا تو نہ جانے وہ ان بیچارے معصوم بچوں کے ساتھ کیا کریں گے۔" خولہ نے نور کو زبردستی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"خولہ نور ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمارے پاس ابھی وقت ہے۔ جو ایڈریس بتایا گیا ہے وہاں چالیس منٹوں میں بھی پہنچا جا سکتا ہے۔ ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہو گا۔" ضرار نے بھی آگے بڑھ کر خولہ کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

ادھر حیدر نے بابا جانی کا نمبر ملا کر لاؤڈ اسپیکر آن کر دیا۔ بیل جانے کی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔ چند سیکنڈز کے بعد بابا کی ٹھہری ہوئی آواز سنائی دی۔

”کوئی کہیں نہیں جائے گا۔ جہاں ہو وہیں رہو۔ تھوڑی دیر تک میں مزید ہدایات دیتا ہوں۔ ان پر ہی عمل کیا جائے۔“

حیدر نے ہیلو کہنا ہی چاہا تھا لیکن بابا نے کوئی موقع دیے بغیر اپنی بات مکمل کی اور کال کاٹ دی۔ سب بے یقینی سے حیدر کے فون کو گھورنے لگے۔

بابا کو کیسے پتہ چلا۔ ابھی ہی تو اغوا کرنے والوں کی کال آئی تھی اور بابا کو فوراً ہی یہ بھی پتہ چل گیا۔ یہ بھی پتہ چل گیا کہ خولہ جانے کو تیار بیٹھی ہے۔ مگر کیسے؟ یہ ایک سوال وہاں موجود پریشان لوگوں کے ذہنوں میں گردش کر رہا تھا۔

۔*************۔

حیدر نے چھٹیوں میں بڑی بے چینی سے آنے والے نئے ایڈونچر کا انتظار کیا۔ آخر کار جب اس کی چھٹیاں ختم ہوئیں تو اس نے ماسٹر کے دیے گئے نمبر پر کال کی۔

”السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ“ کال اٹینڈ ہوتے ہی حیدر نے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ“ دوسری طرف سے ایک باوقار بھاری آواز میں جواب دیا گیا۔

”میں حیدر بات کر رہا ہوں۔ مجھے کہا گیا تھا کہ۔۔۔“ حیدر نے ابھی اتنا کہا ہی تھا کہ دوسری طرف سے حیدر کی بات کاٹ کر کہا گیا۔

”میں جو ایڈریس بتا رہا ہوں۔ اس ایڈریس پر پہنچ جاؤ۔“ دوسری طرف سے ایڈریس بتا کر کال کاٹ دی گئی۔

حیدر نے اچنبھے سے اپنے فون کی طرف دیکھا اور پھر کندھے اچکاتا ہوا باہر کی طرف چل پڑا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ دیے گئے ایڈریس والی عمارت کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ جو نسبتاً شہر کے آخر میں قدرے پر سکون جگہ پر واقع تھی۔

بیل پر ہاتھ رکھنے ہی لگا تھا کہ گیٹ کھلنے کی آواز پر چونک کر گیٹ کی طرف دیکھا جو آٹو میٹک طریقہ کار سے کھل رہا تھا۔ بیل کے ساتھ لگے چھوٹے سے سپیکر سے آواز آئی۔

"اندر آجاؤ۔" حیدر نے قدم آگے بڑھائے اور پر اسرار دکھنے والی عمارت کے اندر چلا گیا۔

وہ جیسے ہی پورچ کراس کر کے ہال نما کمرے میں پہنچا ایک نامعلوم جگہ پر لگے سپیکر سے آواز آئی۔

"اپنے دائیں طرف والے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آجاؤ۔" حیدر نے اس کمرے کا دروازہ کھولا تو سامنے ہی ایک ٹیبل کے پیچھے ایک کرسی پر ایک بارعب ادھیڑ عمر شخص بیٹھا تھا۔ حیدر نے قریب جا کر سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دے کر کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حیدر کو بیٹھنے کا کہا۔

"مسٹر حیدر! کیا آپ اچھی طرح سوچ سمجھ کر اس تنظیم میں شامل ہونا چاہتے ہیں؟" سامنے والے نے بنا کسی تکلفات کے سیدھا کام کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

"جی۔" حیدر نے بھی مختصر جواب دیا۔

"تم مجھے بابا کہہ کر پکار سکتے ہو۔ آج سے آپ کے دو روپ ہوں گے۔ ایک عام سا تاجر جو دنیا کے سامنے ہو گا۔ اس معاملے میں آپ کو گائیڈ کر دیا جائے۔ یہ روپ آپ کی زندگی کی ضروریات کو پورا کرے

گا۔ دوسرا روپ جو صرف ہمارے اور آپ کے اپنے سامنے ہو گا۔ اس روپ میں آپ کو وہ کام کرنے ہوں گے جو تنظیم آپ کو کرنے کے لیے کہے گی۔ کیا آپ کو منظور ہے ؟"

"جی، منظور ہے۔" حیدر نے بلا ہچکچاہٹ جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ آئیں اور اب حلف دیں جو کہ تنظیم میں شمولیت کے وقت دینا لازم ہے۔" اسی بارعب شخص نے آگے جھکتے ہوئے حیدر کی طرف دیکھ کر کہا۔

حیدر نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیے۔

اس دن سے حیدر نے ایک دہری زندگی جینا شروع کر دی۔ بعد میں حیدر نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی تھی کیونکہ اس تنظیم نے واقعی اسے ایک جینے کا مقصد دے دیا تھا۔

۔************۔

خولہ بے چینی سے کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اڑ کر عبید اور ام ہانی کے پاس پہنچ جائے۔ حیدر کے چہرے پر بھی فکر مندی کے آثار تھے۔

تقریباً پانچ منٹ کے بعد ہی حیدر کا موبائل بج اٹھا۔ حیدر نے تیزی سے فون باہر نکال کر کال اٹینڈ کر کے سپیکر آن کر دیا۔ دوسری طرف بابا جان تھے جو حیدر کو کہہ رہے تھے۔

"""تم اپنی ٹیم، ضرار اور سرمد کو لے کر ایک بلڈنگ پر ریڈ کرو، کوشش کرو خولہ نہ جائے لیکن اگر زیادہ ضد کرے تو لے جانا لیکن اسے بیک اپ کوور کے لیے رکھنا۔ خیال رہے وہاں شدید مزاحمت کا سامنا

کرنا پڑ سکتا ہے۔ پوری تیاری کے ساتھ جانا اور پولیس وغیرہ آنے سے پہلے وہاں سے واپسی ہونی چاہیے ہر صورت میں۔ آپریشن اس طرح ہو کہ عمارت کے اندر دو بچے عبید اور ام ہانی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"لیکن جو پتہ بتایا گیا ہے وہ تو اس پتے کے مخالف سمت میں ہے اور اس جگہ سے کافی دور ہے؟" حیدر نے قدرے حیرانی سے کہا۔

"حیدر! دشمنوں سے دو قدم آگے رہنا کب سیکھو گے؟" بابا نے کہا تو حیدر چپ ہو گیا۔ پھر تھوڑی ہچکچاہٹ سے بولا۔

"ہمارے پاس وقت کم ہو گا اس پتے پر پہنچنے کے لیے بھی ڈیڑھ گھنٹہ چاہیے اور ڈائیریکٹ ایکشن بھی نہیں کر سکتے۔ مگر ہمارے پاس ٹائم لمٹ دو گھنٹے ہے۔ جس میں سے دس منٹ یہاں ہی گزر چکے ہیں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم اندھا دھند کام نہیں کرتے بلکہ ٹاسک ملتے ہی اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے لیتے ہو۔ خیر تمہارے پاس وقت ہو گا بہت کیونکہ خولہ اس پتے پر جائے گی جو بتایا گیا ہے۔"

"مگر خولہ تو ہمارے ساتھ ہو گی پھر کیسے جائے گی۔" حیدر نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"نور! تم یہیں رکو، تم نے خولہ بن کر جانا ہے اس پتے پر' تیاری کر لو۔"

"جی بابا! میں تیار ہوں۔" نور نے پرجوشی سے جواب دیا۔

"مگر یہ اکیلی کیسے وہاں کوور کرے گی۔ وہاں دشمن بہت تیاری کے ساتھ بیٹھا ہو گا۔ ان سے نمٹنے کے لیے تو ایک بڑی ٹیم کی ضرورت ہو گی۔" سرمد بے اختیار بول اٹھا۔

”ہم ٹیم کا استعمال وہاں نہیں کر سکتے، کیونکہ اس جگہ کے آس پاس دور دور تک کوئی آڑ یا مکان نہیں۔ اس لیے یہ رسک نہیں لیا جا سکتا اگر ٹیم بھی جائے گی تو ٹیم کا بھی نقصان ہو گا اور بچوں کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“

”مگر نور اکیلی کیسے جائے گی پھر، وہ کیسے کوور کرے گی؟“ حیدر نے کہا تو دوسری طرف سے بابا کی پرسکون آواز سنائی دی۔

”کس نے کہا نور اکیلی جائے گی؟ اس کے ساتھ میں خود جاؤں گا۔“

”نہیں، آپ نہیں۔“ وہاں موجود سب افراد کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”میں نور کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں۔“ سرمد نے تیزی سے کہا۔

”میں تیار ہوں‘ میں جاتا ہوں۔“ حیدر اور ضرار نے بھی تیزی سے کہا۔

”یعنی تم سب یہ سمجھتے ہو کہ تم سب مجھ سے زیادہ قابل ہو؟“ بابا کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”نہیں، وہ بات نہیں ہے لیکن ہم آپ کو کسی رسک میں نہیں ڈال سکتے۔“ حیدر نے تیزی سے کہا۔

”وقت ضائع مت کرو‘ جو کہا ہے وہ کرو۔ کسی کو کوئی بھی کسی رسک سے نہیں بچا سکتا۔ جاؤ تم سب۔ صرف نور یہاں رکے۔“ بابا نے سنجیدگی سے کہا اور کال کاٹ دی۔ سب نے بے اختیاری سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور خاموشی سے باہر کی طرف چل دیے۔

انہیں پتہ تھا بابا کا فیصلہ سب کو ہی ماننا پڑتا ہے۔ نور اضطراب میں ادھر ادھر ٹہلنے لگی اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ آنے والے ہنگامہ خیز حالات سے نبٹنے کے لیے خود کو تیار کرنے لگی۔

ابھی نور کو بیٹھے دس منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور بابا اندر داخل ہوتے دکھائی دیے۔ جو معمول سے ذرا بھاری دکھائی دے رہے تھے جیسے پہلے سے موٹے ہو چکے ہوں۔

"آؤ میرے ساتھ۔" یہ کہہ کر وہ مڑے اور واپس چل پڑے۔ نور تیزی سے ان کے پیچھے ہولی۔

کچھ کمروں اور راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ ایک بڑے سے کمرے میں پہنچے جو عجیب و غریب چیزوں سے بھرا پڑا تھا۔

بابا نے ایک سکن کلر کا عجیب سے کپڑے کا بنا ہوا ڈریس اٹھایا اور نور کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔

"واش روم میں جاؤ اور اس لباس کو سب سے نیچے پہن لو۔ اس کے ساتھ دستانے اور موزے بھی ہیں وہ بھی ایسے پہن لو کی جسم کا کوئی حصہ رہ نہ جائے جو اس کپڑے سے نہ ڈھکا ہو۔ اس کے بعد یہ والا لباس اس کے اوپر پہن لینا۔" بابا نے ایک اور ڈریس کی طرف اشارہ کر کے کہا جو قدرے بھاری محسوس ہو رہا تھا۔

نور نے بابا کی ہدایات کے مطابق ڈریسنگ کر لی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ بابا کے ساتھ کار میں اغوا کندگان کے دیے گیے پتے کی جانب رواں دواں تھے۔ بابا کے چہرے پر ایسی سنجیدگی تھی کہ نور انہیں مخاطب کرنے کی ہمت نہ کر سکی۔

"جب فاصلہ تھوڑا رہ جائے گا تو کار تم ڈرائیو کرو گی۔ اس کار کے نیچے کچھ جگہ ایسی بنائی گئی ہے جہاں ایک انسان کچھ وقت کے لیے چپک کر سفر کر سکتا ہے۔ باقی کا فاصلہ ان شاءاللہ آسانی سے میں نیچے رہ کر لوں گا۔ جیسے ہی تم وہاں پہنچو گی وہاں کے حالات کے مطابق تمہیں ایکشن لینے کی اجازت ہے۔

لیکن اس کے لیے سب سے بہتر یہی ہو گا کہ سب سے پہلے وہاں موجود افراد اور ان کی پوزیشنز کے بارے میں جاننے کی کوشش کرنا۔ خود کو مکمل بے بس نہ ہونے دینا۔ جیسے ہی ایسی کوشش ہو فوراً ایکشن میں آجانا۔" بابا نے پتھریلی سنجیدگی چہرے پر سجائے نور کو ہدایات دیتے ہوئے کہا۔ نور نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"جی بابا ان شاءاللہ میں آپ کی ہدایات پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گی۔"

"میں موقع دیکھ کر احتیاط سے باہر کی صفائی کرتا ہوا اندر آنے کی کوشش کروں گا۔ ہمیں اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ ان کو موقع نہ ملے کہ وہ دوسری لوکیشن پر موجود اپنے ساتھیوں کو بچوں کو نقصان پہنچانے کا نہ کہہ سکیں۔"

نور نے اس کے جواب میں بس اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ جیکٹ کے اندر والی جیب میں رکھ لو۔ تمہارے کام آئے گی۔" بابا نے دو عجیب سی ساخت کی گنیں نکال کر دیتے ہوئے کہا جن میں بس ایک ٹریگر تھا اور کچھ ایکسٹرا ہی لمبی پتلی سی نالی تھی۔ گنوں کا دہانہ بہت باریک تھا جس سے گولی بھی نہیں نکل سکتی تھی جبکہ باقی ساری گن میں پانی کی سی رنگت کا لیکوئیڈ بھرا ہوا تھا۔

"یہ پریشر سے پھینکے گے ڈائی ایتھائل زنک

Diethylzinc

اور مجھے یقین ہے کہ یہ بتانے کی مجھے ضرورت نہیں کہ یہ کیا ہے" پہلی بار بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی جی پتہ ہے۔ جیسے ہی یہ کیمیکل آکسیجن کو چھوتا ہے فوراً نیلے رنگ کی آگ پکڑ لیتا ہے اور جلنا شروع کر دیتا ہے۔ اووو! کیا یہ ائیر ٹائیٹ ہے؟" نور نے دلچسپی سے پلاسٹک سے بنی اس عجیب ساخت کی گن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے، ورنہ تمہیں بھی پتہ ہے کیا ہوتا۔" بابا نے کہا اور پیچھے پڑا ایک بیگ اٹھایا۔ اس میں سے گول گول گیندیں اٹھا کر باہر نکالیں جس میں پانی جیسا بھی کچھ تھا، تھوڑا سے حصے میں سرمئی سیاہ مائل رنگت کا معجون ٹائپ کچھ تھا اور زیادہ تر حصہ سفید رنگت کے مانند پتھر کی طرح کے ٹکڑے پر مشتمل تھا۔ بابا نے پانچ چھ گیندیں باہر نکال کر رکھیں اور کہنے لگے۔

"اس میں زیادہ حصہ سوڈیم، تھوڑا سا حصہ پوٹاشیم اور تھوڑا سا نیک الائے

Nak alloy

کا ہے جبکہ باقی حصہ ہائڈروجن اور آکسیجن کے مالیکیولز پر مشتمل ہے۔"

"واؤ! امیزنگ، میں جانتی ہوں انہیں کیسے استعمال کرنا ہے۔ سوڈیم، پوٹاشیم اور نیک الائے جب پانی سے ملتے ہیں تو انگارے بنتے ہیں جو دھماکے کی صورت میں ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں۔" نور نے بڑے اشتیاق سے گیندوں کو، ان کے اوپر لگے ایک چھوٹے سے بٹن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بٹن دبانے کے بعد تمہارے پاس صرف دو سیکنڈ ہوں گے۔" بابا نے نور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں میں اسی لیے ساتھ لایا ہوں کیونکہ تم ان کیمیکلز کے بارے میں زیادہ علم رکھتی ہو اور ایکشن والی صورت حال میں ٹھنڈے دماغ سے کام لیتی ہو۔" بابا نے نور کو ساتھ لانے کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کی امیدوں پر پورا اترنے کی کوشش کروں گی۔" نور نے یقین دہانی کرواتے ہوئے کہا۔

۔***********۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی شہر سے نکلے ہوئے کہ بابا نے گاڑی سڑک کی ایک طرف روکی۔ نیچے اتر آئے اور گاڑی کے نیچے لیٹ گئے۔ نور جھک کر بابا کو دیکھنے لگی جو اب خود کو اوپر اٹھا کر گاڑی کے نیچے بنی مخصوص جگہ پر خود کو فٹ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"بس کوشش کرنا کوئی ایسا جمپ نہ لگے جس سے گاڑی کا نچلا حصہ زمین پر ٹکرائے۔" بابا نے آخری ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ بابا کے اشارے پر نور نے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور محتاط ہو کر اس نے گاڑی آگے بڑھانا شروع کی۔ بابا کے دیے ہوئے ہتھیار اس کی اندرونی جیبوں میں منتقل ہو چکے تھے۔

نور نے گاڑی نے مرکزی شاہراہ سے اترتی ایک چھوٹی سی سڑک پر موڑ دی جو شاید کسی فارم ہاؤس کی طرف جا رہی تھی۔ سڑک پر تھوڑی دیر گاڑی چلانے کے بعد سڑک کے اختتام پر واقع ایک عمارت کا ہیولا واضح ہونے لگا۔ جس کے آس پاس کوئی اور عمارت نہیں تھی۔ عمارت نظر آتے ہی بے اختیار نور کے چہرے پر سختی آ گئی۔

جیسے ہی گاڑی عمارت کے گیٹ کے سامنے پہنچی۔ تو ایک آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی۔

”جو جو بھی گاڑی میں موجود ہے نیچے اتر آئے۔“

نور نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور باہر آ کر کھڑی ہو گئی۔ چند منٹ اسی طرح گزر گئے۔ شاید اندر موجود لوگ کار کے اندر کا جائزہ لینے میں مصروف تھے۔

تھوڑی دیر بعد گیٹ کا دروازہ کھلا گن تانے دو نقاب پوش افراد باہر آتے دیکھائی دیے۔

”گاڑی سے دور ہو جاؤ۔“ گاڑی کے قریب پہنچ کر ایک نے درشت لہجے میں کہا۔ نور خاموشی سے ایک طرف ہٹ کر گاڑی سے دور ہو گئی۔

آنے والے افراد نے بڑے احتیاط سے گاڑی کے دروازے کھولے اور اندر کا جائزہ لینے لگے۔ ڈگی وغیرہ کھول کر بھی انہوں نے اپنی تسلی کی پھر نور کی طرف اشارہ کیا۔

”گاڑی اندر لاؤ۔“ تحکمانہ لہجے میں نور کو گاڑی اندر لانے کا کہا گیا۔ نور نے اسٹیرنگ سنبھالا اور گاڑی عمارت کے پورچ میں لے گئی۔

نور کو پتہ تھا اس نے اپنا کیا رول ادا کرنا ہے۔ گاڑی سے بے صبری سے نیچے اتری اور روہانسی سی ہو کر تڑپ کر بولی۔

”میرے بچے کدھر ہیں، خدا کے لیے ان سے ملوا دو۔“ ان میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ایک نے گن کی نالی کو نور کی کمر میں چبھوتے ہوئے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا جدھر ایک میٹل ڈیٹیکٹر واک تھرو گیٹ تھا۔

نور آنسو بہاتی آگے بڑھی اور گیٹ میں کے پار گزر گئی لیکن کوئی میٹل ڈیٹکشن کی آواز نہیں آئی۔اسی چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے بابا نے نور کو تیاری کروائی تھی کیونکہ ان کو اندازہ تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ پہلے پیادوں کو آگے بھیج کر تسلی کروائی جائے گی پھر ان کے سامنے پیش کیا جائے گا جو اس سارے کھیل کے اصل ذمہ داران ہیں۔

نور کو لیتے ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ ایک کمرے میں پہنچ گئے۔جہاں چار غیر ملکی نظر آنے والے افراد بیٹھے تھے۔ان کی نظریں نور پر گڑیں تھیں۔

نور راستے میں بھی ان دونوں افراد کو واسطے دیتی آئی تھی اور یہاں کمرے میں پہنچ کر بھی نور نے ان افراد کو دیکھتے ہی کہا۔

"میں کب سے چیخ رہی ہوں۔بچے کہاں ہیں؟پلیز ان سے ملوا دیں۔ان کو جانے دیں' میں یہیں ہوں جیسا آپ نے کہا ویسا ہی کیا۔بچوں کے امی ابو کو بھی نہیں بتایا۔" نور نے مسلسل روتے ہوئے کہا۔

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ایک شخص نے اپنا فون نکالا اور کوئی نمبر ملا کر بات کرنے لگا۔

"کیا پوزیشن ہے؟" ڈیوڈ نے فون کان سے لگا کر انگلش میں پوچھا۔

"سب او کے۔" دوسری طرف سے مدھم سی آواز نور کو سنائی دی۔

"یہاں بھی سب ٹھیک ہے۔ٹارگٹ اکیلا یہاں پہنچ چکا ہے۔یہ مشرقی لوگ بھی افسانے بنانے میں ماہر ہوتے ہیں۔مجھے تو لگتا ہے کہ جیکب بھی غلطی سے ان کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔انتہائی جذباتی ہوتے ہیں

یہ لوگ۔ ہم نے کیا کیا تیاری کی لیکن بات وہی ہوئی کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ ایک کال کی تو لڑکی دوڑتی ہوئی بچوں کی خاطر یہاں پہنچ گئی۔" ڈیوڈ نے طنزیہ نظروں سے نور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

نور نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ انہیں نہیں پتہ کہ خولہ کون ہے؟ کیسی دکھتی ہے ورنہ اسے شروع میں ہی دھر لیا جاتا اور حالات سارے الٹی سمت چلنا شروع ہو جاتے۔ دوسری طرف سے جوزف نے بھی قہقہہ لگا کر کہا۔

"واقعی بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ مشرقی جذباتی لوگ بات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ جب سے آئے ہیں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوا۔ سب کچھ ہماری مرضی سے ہوتا چلا جا رہا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ ذرا اس لڑکی کی خیر خبر لے کر کال کرتا ہوں۔" ڈیوڈ نے یہ کہتے ہوئے کال کاٹ دی۔ نور نے پھر سے واویلا مچانا شروع کر دیا لیکن درحقیقت سارے رستے یہاں آتے ہوئے وہ آس پاس سب چیزیں نوٹ کرتی آئی تھی۔ یہاں آکر بھی اس نے کن اکھیوں سے سارے کمرے کا جائزہ لے لیا تھا۔

"خاموش" ڈیوڈ کے ساتھ بیٹھے جارج نے جھڑکتے ہوئے نور کو کہا۔

"میرے بچے۔۔۔ پلیز ان کو چھوڑ دو۔ مجھ سے ملوا دو۔" نور نے بہتے آنسوؤں سے اپنی رٹ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”پہلے ہم جو جاننا چاہتے ہیں وہ بتاؤ، کس تنظیم سے تعلق ہے تمہارا؟ کون سربراہ ہے اس کا؟ کیا مقاصد ہیں اس تنظیم کے؟ جیکب کو کس نے مارا تھا؟“ سامنے بیٹھے افراد کی قطار کے آخر میں بیٹھے شمعون نے پوچھا۔

”میں سب کچھ بتادوں گی، بس بچوں کو بلالیں یہاں، میں بس ایک بار انہیں دیکھ لوں۔“نور نے بلکتے ہوئے کہا۔

جارج اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ نور کی طرف بڑھتا ہوا کہنے لگا۔

”تمہیں ایسا لگتا ہے کہ تم اپنی کوئی بھی شرط یا بات منوانے کی حیثیت رکھتی ہو اس وقت؟“

نور نے ایک بار پھر کمرے کا جائزہ لیا۔ دونوں افراد جو نور کو لے کر آئے تھے وہ ایک کونے میں کھڑے تھے۔ جارج اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ باقی سب بیٹھے ایسے جارج اور نور کو دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی دلچسپ کھیل کو دیکھنے جا رہے ہوں۔

”تم نے جو کہا وہ ہی میں نے کیا۔ اب تو بچوں کو شکلیں ہی دکھا دو۔ میں سب کچھ بتانے کے لیے تیار ہوں۔“ نور کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی آگئی۔ نور کے لہجے میں بدلاؤ کو محسوس کر کے اس کی طرف بڑھتا جارج ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا۔ لیکن پھر جارحانہ تیوروں سے نور کی طرف بڑھا۔

”بڑی زبان چل رہی ہے تمہاری، جب یہاں جو کچھ تمہارے ساتھ ہونے جا رہا ہے وہ ہو گا نا تو تم خود ہی طوطے کی طرح بولنے لگو گی۔ ویسے بھی ہم ترسے ہوئے ہیں، کئی دنوں سے عورت کا ذائقہ نہیں چکھا۔“ جارج نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میرے قریب مت آؤ۔" نور نے خوفزدہ ہوتے ہوئے اور پیچھے کی جانب الٹے قدم چلتے ہوئے کہا۔ لیکن چلتے چلتے نور کی پشت دیوار سے جا ٹکرائی۔ جارج مسلسل نور کی طرف پیش قدمی کرتا رہا۔

نور نے دل میں سوچا کہ ایکشن کا وقت آ گیا ہے۔ یہ سوچ آتے ہی بے اختیار نور کا جسم سخت ہو گیا۔ وہ ذہنی طور پر ممکنہ ایکشن کے لیے خود کو تیار کرنے لگی۔

جارج ابھی نور سے چند قدم دور ہی تھا جب ایک زوردار دھماکہ ہوا جس سے کمرا بھی لرز اٹھا۔ کرسیوں پر بیٹھے افراد بھی چونک کر اور تڑپ کر کھڑے ہوئے۔

ذرا سی دیر کے لیے ان کی توجہ نور سے ہٹی تو نور نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے فوراً اپنی جیب سے دو گیندیں نکالیں اور ایک زور سے کونے میں موجود اسلحہ سنبھالے افراد کی طرف پھینک دی۔

دوسری گیند کرسیوں سے اٹھنے والے افراد کے پاؤں میں دے ماری۔ پھر فوراً اپنی جیب سے پلاسٹک کی گنیں نکال کر دونوں ہاتھوں میں پکڑ لی اور حیران و پریشاں ششدر کھڑے جارج اور باقی تینوں پر تان لی۔

جیسے ہی گیندیں زمین سے ٹکرائیں۔ اس سے پہلے کوئی اپنی جگہ سے ہلتا۔ دو ہلکی شدت کے دھماکے ہوئے اور آگ کی چنگاریاں پورے کمرے میں پھیلنے لگی۔ ساتھ ہی نور اچانک ہوا میں اچھلی اور فرنٹ کک جارج کے منہ پر لگی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جا گرا۔

نور نے تیزی سے گول گول گھومنا شروع کر دیا۔ اس کی انگلیوں نے ہاتھ میں پکڑی گنوں کے ٹریگرز کو دبا دیا۔ ہوا میں نیلے رنگ کی آگ کے لپیٹیں نکلنا شروع ہو گئیں اور کمرا بہت سی چیخوں سے گونج اٹھا۔

ہر طرف نیلے رنگ کی آگ کے لپیٹیں پھیل رہیں تھیں۔ ساتھ ہی پورے کمرے میں وقفے وقفے سے سرخ آگ کے انگارے بنتے اور ہلکے دھماکے سے پھٹتے جا رہے تھے۔

نیلے اور سرخ رنگ کی آگ پورے کمرے میں ایسا منظر پیش کر رہی تھی جیسے آسمان سے سرخ اور نیلے رنگ کی آگ کی بارش برس رہی ہو۔

یہ سب کچھ صرف تین سے چار سیکنڈ میں ہوا۔ لیکن اب کمرے میں موجود تمام افراد اپنے کپڑوں میں لگی آگ بجھانے میں مصروف تھے۔

ڈیوڈ کے دونوں ہاتھ اس کی آنکھوں پر تھے اور اس کے منہ سے واشگاف چیخیں نکل رہیں تھیں۔
دونوں گارڈز کا جسم بھی مختلف جگہوں سے انگاروں کی وجہ سے جھلس چکے تھے۔

کمرے میں کسی کو کسی دوسرے کا تو کیا اپنا ہوش نہیں رہا تھا۔ اس منظر میں نور گھومتی ہوئی رکی۔ اس نے نیچے لیٹے جارج کو تیزی سے اٹھتے اور باہر جانے والے دروازے کی جانب لپکتے دیکھا۔ جس کے ایک ہاتھ میں موبائل اور دوسرے ہاتھ میں گن تھی۔

بے اختیار نور کا ہاتھ بلند ہوا۔ لمبی سی نال کے آخر سے ایک آگ کی لپیٹ نکلی اور جا کر جارج کے فون والے ہاتھ سے جا ٹکرائی۔

ایک بلند چیخ سے جارج کے ہاتھ سے فون چھوٹ کر نیچے گرا مگر دوسرے ہی لمحے وہ ایک لمبی چھلانگ لگا دروازے کے پاس پہنچا اور فوراً باہر نکل گیا۔

کمرے میں موجود قالین اور دوسرا لکڑی کا فرنیچر آگ پکڑتا جارہا تھا۔ نور بس کچھ سیکنڈز کے لیے رکی۔ وہاں موجود چیختے ایک ایک دشمن کے منہ میں نیلے رنگ کی آگ کی لہر ڈالی۔ کمرے میں موجود افراد اس آخری وار سے ایسے تڑپنے لگے جیسے کند چھری سے آدھا گلا کاٹ دیا گیا ہو۔

نور تیزی سے باہر جارج کے پیچھے لپکی۔ کمرے سے باہر نکل کر نور کو احساس ہوا کہ باہر بھی مختلف جگہ آگ لگی ہوئی ہے اور ہر طرف فائرنگ کی آواز گونج رہی ہے۔

نور کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ جارج کس طرف کو گیا ہے۔ وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی اور بڑی مشکل سے بڑھکتی آگ سے بچ کر وہاں موجود دو پسٹل اٹھا کر جیبوں میں ٹھونسے۔ ہاتھ میں رائفل اٹھا کر تیزی سے باہر نکلی۔

فرش پر موجود کچھ خون کے قطرے اور جلے ہوئے لباس کے کچھ ٹکڑوں نے نور کو جارج کے پیچھے جانے کی راہ دکھائی۔ وہ تیزی سے اس سراغ کے پیچھے چلتی ہوئی پورچ تک آئی۔ اس سے پہلے وہ آگے بڑھتی ایک گولی چلنے کی آواز تھوڑی ہی دور سے آئی اور نور نے خود کو کسی وجود کا خود پر بوجھ محسوس کیا اور نیچے گرتی چلی گئی۔ تڑپ کر نور نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کے اوپر چھائے وجود نے سرگوشی کی۔

”یہیں لیٹی رہو۔“ بابا کی آواز سن کر نور کی جان میں جان آئی۔ بابا نے اٹھ کر تیزی سے ایک ستون کی آڑ لینے کی کوشش کی۔ بابا کی کوشش تو کامیاب ہوگئی لیکن اس کوشش میں ایک گولی بابا کے پیٹ میں پیوست ہو چکی تھی۔

آڑ میں پہنچتے ہی بابا کا بازو گھوما اور وہاں کھڑی بابا کی گاڑی سے آگے والی گاڑی کے پاس دھماکہ ہوا اور نور کو جارج کی چیخ کی آواز سنائی دی۔

نور بابا کو لگتی گولی دیکھ چکی تھی۔ وہ تڑپ کر اٹھی اور رائفل سیدھی کر کے بے اختیار مسلسل گولیاں برساتی جارج کی پوزیشن کی طرف دوڑتی چلی گئی۔

جیسے ہی نور گاڑی کے پاس پہنچی۔ رائفل سے ٹرچ کی آواز کے ساتھ ہی گولیاں ختم ہو گئیں۔ نور نے رائفل پھینک کر فوراً جیب سے پسٹل نکال لیا۔

ٹرچ کی آواز کے ساتھ جارج کا سر گاڑی کے پیچھے سے ابھرا ہی تھا جو یہ سمجھا تھا کہ گولیاں ختم ہو گئیں ہیں اور شکار سامنے ہے لیکن نور کے ہاتھ میں موجود پسٹل نے شعلہ اگلا اور گولی جارج کے جبڑے کے آر پار ہو گئی۔ وہ الٹ کر پیچھے جا گرا۔

نور سامنے آئی اور نفرت سے جارج کی طرف دیکھنے لگی جو شدید زخمی ہونے کے باوجود بھی سانس لے رہا تھا۔ نور نے نفرت سے پسٹل کا رخ اس کے چہرے کی طرف کیا اور پورا پسٹل اس کے چہرے پر خالی کر دیا۔ جارج کا بے جان وجود فرش پر لڑھک گیا۔ جس کا چہرہ گوشت کے لوتھڑوں اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا مکسچر بن چکا تھا۔

اس سے پہلے نور کچھ اور کرتی۔ اسے اپنے کندھے پر دباؤ محسوس ہوا۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بابا کھڑے تھے جن کے کندھے اور پیٹ سے خون نکل رہا تھا۔

"یہاں سے نکل چلو، یہ عمارت تباہ ہونے والی ہے۔" بابا نے سرگوشی میں کہا۔نور تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگی اور ساتھ ہی بابا کو سہارا دینے کی کوشش کرنے لگی۔

لیکن بابا اپنے سہارے تیزی سے آگے بڑھے اور کار کا دروازہ کھول کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے۔نور نے تیزی سے گاڑی ریورس کی اور آدھے،ٹوٹے اور لٹکے گیٹ سے گاڑی باہر نکالی۔اس نے تیزی سے واپسی کے سفر پر گاڑی اندھادھند بھگادی۔

تھوڑی ہی دور جاکر نور نے گاڑی روکی اور بابا کے کندھے سے ذرا نیچے اور پیٹ پر موجود گولیوں کے زخموں پر پٹیاں باندھنے لگی۔بابا کا چہرہ پیلا پڑتا جارہا تھا۔پٹیاں باندھنے اور خون کا بہاؤ روکنے کے بعد نور نے تیزی سے گاڑی آگے بڑھائی۔اس نے انتہائی تیز رفتاری سے گاڑی سڑک پر دوڑانے لگی۔

بے اختیار ہی نور کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔وہ بے آواز رونے لگی۔اندھادھند گاڑی بھگاتے وہ کن اکھیوں سے بابا کو بھی دیکھتی جارہی تھی جو سیٹ سے ٹیک لگائے اطمینان سے آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے۔

"حیدر کی کال آئے تو اسے کہنا اپنے والدین کو بھی ساتھ لے کر آئے،میرے موبائل میں عمر فاروق اور خدیجہ کے نام سے نمبر سیو ہیں اس پر کال کر کے عمر کو میرا بتادینا اور خدیجہ کو کہنا کہ اپنی نئی دوست اور اسکے والدین کو لے کر آجائے۔ایک اور کام بھی کرنا میرے موبائل میں ایک نمبر ہے۔ٹی ایف کے نام سے اس پر میسج کر دینا کہ راہی منزل کی جانب چل پڑا ہے۔" بابا کی آواز آخر میں بہت مدھم ہوگئی تھی۔

"آپ پلیز بات مت کریں۔ آپ نے جو کچھ کہا ہے۔ اس پر عمل ہو گا۔" نور نے آنسوؤں کو پیتے ہوئے کہا۔ وہ دل ہی دل ہی دعائیں کرتی جا رہی تھی کہ بابا کو کچھ نہ ہو۔

نور نے ایک ہاتھ سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے فون نکالا اور ایک نمبر نکال کر ملانے لگی۔ دوسری طرف کال اٹینڈ ہوئی تو نور نے فوراً بولنا شروع کر دیا۔

"بابا میرے ساتھ ہیں' میں انہیں آپ کے پاس لا رہی ہوں۔ انہیں دو گولیاں لگی ہیں۔" اتنا کہہ کر نور نے کال کاٹ دی۔

اب وہ دل ہی دل میں پھر دعا کرتی جا رہی تھی کہ اللہ کرے میری عمر بھی بابا کو لگ جائے۔ تھوڑی ہی دیر میں گاڑی تنظیم کے مخصوص ہسپتال کے سامنے جا کر رکی۔ نور تیزی سے اتری۔ وہاں پہلے سے موجود دو وارڈ بوائز نے سہارا دے کر بابا کو سٹریچر پر لٹایا۔ تیزی سے آپریشن تھیٹر کی طرف لے گئے۔ نور بھی ان کے پیچھے تیزی سے چلنے لگی۔

جیسے ہی بابا کو آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا۔ باہر لگی سرخ لائٹ روشن ہو گئی۔ نور کرسی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے بلک بلک کر رونے لگی۔

کچھ دیر رونے کے بعد نور کو بابا کی ہدایات یاد آئیں اور ساتھ ہی خیال آیا کہ بابا کو اس وقت دعاؤں کی خاص ضرورت ہے۔ وہ فوراً اٹھی اور دوڑ کر کار تک پہنچی۔ کار کا دروازہ کھولتے ہی اسے بابا کے موبائل کی رنگ ٹون سنائی دی۔ اس نے جلدی سے بابا کی سیٹ پر پڑا موبائل اٹھایا تو سکرین پر حیدر کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس نے فوراً کال اٹینڈ کی۔ دوسری طرف سے حیدر کہنے لگا۔

”سر مشن مکمل ہو چکا ہے، ایک اسرائیلی ایجنٹ ہمارے قبضے میں ہے۔ بچوں کو بنا کسی نقصان کے بازیاب کرا لیا گیا ہے۔ ٹیم نے زبردست کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ مجھے آپ کی طرف سے پریشانی تھی۔ آپ اپنا بتا دیں کیا ہو رہا؟ کیا سب خیریت ہے؟ میں ٹیم لے کر آپ ہی کی طرف آ رہا ہوں۔“ حیدر نے پرجوش انداز میں مسلسل بولتے ہوئے کہا۔

”حیدر بابا ہسپتال میں ہیں۔ ان کا آپریشن چل رہا ہے۔ ان کو گولیاں لگی ہیں۔“ نور نے روتے ہوئے کہا۔ اسے فون میں بریک لگنے کی تیز چڑچڑاہٹ سنائی دی۔ دوسری طرف تھوڑی دیر خاموشی رہی اور پھر حیدر کی درد بھری آواز سنائی دی۔

”کیا وہ ٹھیک ہیں؟ زیادہ خطرے کی بات تو نہیں؟“

”مجھے کچھ نہیں پتہ، وہ آپریشن تھیٹر میں ہیں۔“ نور اب اپنا حوصلہ کھو بیٹھی اور بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور پھر چیخ چیخ کر کہنے لگی۔

”میری وجہ سے ہوا ہے ایسا۔ انہوں نے مجھے بچانے کے لیے اپنی جان داؤ پر لگا دی۔ کاش میں مر جاتی انہیں کچھ نہ ہوتا، سارا میرا قصور ہے۔ میں ہی اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔ میں نے بابا کو.......“ حلق کے بل چیختے چیختے نور اپنا فقرہ مکمل نہیں کر سکی بے اختیار اس نے اپنا ہاتھ زور سے ڈیش بورڈ پر مارا۔

"دیکھو، تم ایسا مت سوچو۔ کوئی بھی کام اللہ کی مرضی کے بغیر نہیں ہوتا۔ ان شاء اللہ بابا کو کچھ نہیں ہو گا۔ ہم بھی بس آ رہے ہیں، تم حوصلہ رکھو۔“ حیدر نے تیزی سے کہا لیکن نور نے فوراً بولی۔

”تم ایسے مت آؤ، اپنے امی ابو کو ساتھ لے کر آؤ۔“

"کیا؟ اپنے امی ابو کو کیوں؟" حیدر کے لہجے میں حیرت ابھری۔

"مجھے نہیں پتہ کیوں؟ مجھے بابا نے کہا تھا کہ حیدر کو کہنا کہ اپنے والدین کے ساتھ لے کر آئے۔" نور نے سسکیوں میں کہا۔

"ٹھیک ہے اگر بابا نے کہا ہے تو میں لے کر آتا ہوں۔" حیدر نے تیزی سے کہا اور کال کاٹ دی۔ نور نے کانٹیکٹس میں سے عمر کے نام کا نمبر ملایا، نہ جانے کون تھا جسے نور نہیں جانتی تھی۔

کال اٹینڈ ہوتی ہی ایک دھیمی، خوشگوار اور پر وقار سی آواز آئی۔

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔"

"وعلیکم السلام" نور نے ادھورا جواب دیا اور اس کے کچھ کہنے سے پہلے بولی۔

"بابا زخمی حالت میں ہسپتال میں ہیں۔ ان کا آپریشن ہو رہا ہے۔ مجھے کہا گیا تھا آپ کو اطلاع دے دوں۔"

"کیسے؟ کہاں؟ کون سے ہوسپیٹل میں ہیں؟" دوسری طرف سے بے اختیار اضطراب بھرے لہجے میں پوچھا گیا۔ جواب میں نور نے بس ہسپتال کا پتہ دہرایا اور کال کاٹ دی۔

نہ جانے نور کیسے یہ کام کر رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ بس چیخ چیخ کر روتی رہے اور کوئی اسے نہ چھیڑے نہ کوئی بلائے۔ لیکن بابا کی ہدایات تھیں اور بابا کی ہدایات کو وہ کیسے نظر انداز کر سکتی تھی۔

اگلی کال اس نے خدیجہ کے نام سے سیو کانٹیکٹ کو کی۔ بابا کا پیغام دیا اور ہسپتال کا پتہ بتا کر کال کاٹ دی۔

اب بس ایک آخری کام باقی تھا۔ اس نے ٹی ایف کے نام سے سیو نمبر پر میسج کیا۔

"راہی اپنی منزل کی طرف چل پڑا ہے۔"

۔ * * * * * * * * * * * * * * ۔

تین گھنٹوں بعد........

نرسیں نور کا ٹریٹمنٹ کرنے کی کوشش کر رہیں تھیں لیکن نور بار بار کہہ رہی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے بس بابا کے پاس جانے دیں۔" پاس کھڑے سرمد، خولہ اسے تشویش بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ نور کو تو احساس نہیں ہوا لیکن نور بھی زخمی تھی۔ اس کا لباس کئی جگہ سے جلا ہوا تھا مگر اس لباس کے نیچے موجود ایک اور لباس نے جسم کو جلنے سے بچا لیا تھا البتہ نور کی گردن کے کچھ حصے پر جھلسنے کے نشان تھے۔ جسم میں کہیں کہیں سے خون رس رہا تھا۔

"نور بس ڈریسنگ کروالو پھر بابا کے پاس ہی جانا ہے۔ وہ ٹھیک ہیں اب۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ خطرے کی کوئی بات نہیں۔" خولہ نے نور کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

بڑی مشکل سے نور نے ڈریسنگ کروائی اور سب کے ساتھ چلتی ہوئی وہ بابا کے کمرے میں پہنچی۔ جہاں باقی سب بھی موجود تھے۔ کمرے سے باہر بھی کچھ لوگ کرسیوں اور بینچوں پر بیٹھے تھے۔

بابا بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ نور کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ نور کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ بابا نے نور کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ نور بابا کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ بابا نے نور کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہنے لگے۔

"الحمدللہ، سب ٹھیک ہو گیا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" نور کچھ نہ بول سکی۔ بابا نے کہا۔

"سب باہر چلے جاؤ' بس حیدر اور اسکے والدین، خولہ اور اسکی آپی، ضرار، راشد کو اندر بھیج دو۔" سارے باہر جانے لگے۔ حیدر بھی اپنے والدین کو لینے باہر چلا گیا جو باہر بیٹھے تھے۔ خولہ وہیں کھڑی رہی۔

"تم بھی باہر جاؤ، تھوڑی دیر بعد سب کے ساتھ اندر آجانا۔" خولہ بھی خاموشی سے باہر چلی گئی۔

بابا نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے بیگ کو دیکھا جو ڈاکٹر نے بابا کے کہنے پر منگوا کر وہاں رکھا تھا۔ بابا نے ہاتھ بڑھا کر بیگ سے کچھ نکالا اور منہ پر فٹ کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد بابا کے بلائے گئے سب افراد کمرے میں داخل ہوئے تو بابا کے منہ پر چادر تھی۔ حیدر نے بابا کے قریب کھڑے ہو کر کہا۔

"بابا جن لوگوں کو آپ نے بلایا، وہ سب آچکے ہیں۔" چادر میں جنبش ہوئی اور ایک چہرہ چادر کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ مگر اس چہرے کو دیکھتے ہی سب کی آنکھیں بے یقینی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کچھ کے منہ سے تو حیرت کی شدت سے ہلکی سی چیخیں بھی نکل گئیں۔

سب حیرت سے اس مسکراتے چہرے کو دیکھ رہے تھے جو بابا کے چہرے سے مختلف تھا۔ حیرت اور شاک کی ایسی کیفیت تھی کہ سب کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئیں تھیں۔

"ماسٹر! آپ........" حیدر بھی حیرت کی شدت سے اتنا ہی کہہ سکا۔ اس سے پہلے کوئی اور کچھ کہتا کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک باوقار ادھیڑ عمر شخص اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک طائرانہ نظر سب پر

ڈالی۔ بابا پر آکر اس کی نظر چند لمحوں کے لیے ٹکی۔ بے اختیار اس کی آنکھوں میں اضطراب ابھرا لیکن وہ کسی سے کچھ کہے بغیر بابا کے بیڈ کی ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔ سب کے لیے وہ اجنبی تھا۔

”آؤ آؤ، میرے پیارے بچپن کے دوست۔“ بابا نے ماسٹر کی آواز میں اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”آپ سب لوگوں کو شاید حیرت ہو رہی ہو گی۔ لیکن ماسٹر بھی میرا ہی ایک روپ تھا لیکن یہ روپ بھی ملک و قوم کی خدمت کے لیے دھارا تھا۔ یہ شخص جو میرا بچپن کا دوست بھی ہے یہ آئی ایس آئی کے ایک اعلیٰ افسر رہ چکے ہیں۔“ بابا نے ماسٹر کی آواز میں مسکراتے ہوئے اس شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

حیدر کو کچھ اور تو نہ سوجھا۔ وہ جھکا اور بابا کا ہاتھ پکڑ کر اس پر بوسہ دینے لگا۔ جبکہ باقی لوگ ابھی تک شاک کی سی کیفیت میں تھے۔

”اچھا! یہ حیرت کا اظہار بعد میں کرتے رہنا۔ میں اصل مدعے کی بات پر آتا ہوں۔ جس کے لیے آپ سب کو یہاں بلایا ہے۔“ وہ حیدر کے والد خان کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔

”حیدر جتنا آپ کا بیٹا ہے اتنا ہی اسے میں اپنا بیٹا مانتا ہوں اور باپ ہونے کے ناطے اس کی بہتری کا سوچتا ہوں۔“ بابا نے اتنا ہی کہا تھا کہ خان بول اٹھے۔

”حقیقتاً جتنا آپ نے باپ ہونے کا فرض نبھایا ہے اتنا تو میں بھی نہیں نبھا سکا۔ آپ کو یہ سب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، آپ میرے بیٹے کے بارے میں جو فیصلہ کریں گے وہ مجھے منظور ہو گا۔“ خان نے دو ٹوک انداز میں اپنا فیصلہ سناتا ہوئے کہا۔

”بیٹا میں تمہاری زندگی کا اگر کوئی فیصلہ کروں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔“ بابا نے خولہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ خولہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”میری خواہش ہے کہ حیدر اور خولہ کا نکاح کر دیا جائے۔ یہ بس میری خواہش ہے کوئی زور کوئی زبردستی نہیں۔ میں جو بہتر سمجھ رہا ہوں وہ میں کر رہا ہوں۔ اگر کسی کو بھی اعتراض ہو تو میں بخوشی اپنا فیصلہ بدل دوں گا۔“ بابا کی بات سن کر ایک دفعہ تو سب خاموش ہو گئے۔ حیدر نے تڑپ کر کہا۔

”بابا آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں یہ فیصلے تو بعد میں بھی ہو جائیں گے۔“

”بیٹا میں پہلے ہی ان فیصلوں میں دیر کر چکا ہوں۔ اب مزید دیر نہیں کرنا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں یہ معاملات ابھی طے ہو جائیں۔“ بابا نے سنجیدگی سے کہا۔

”بابا! میرے زندگی کے فیصلوں پر مجھ سے زیادہ آپ کو حق ہے۔ آپ جو بھی کہیں گے مجھے منظور ہو گا۔“ خولہ نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

”مجھے بھی آپ کے ہر فیصلہ پر اعتماد ہے اور آپ کی ہر بات مجھے قبول ہے ماسٹر۔“ حیدر نے بھی بابا کے فیصلہ کی توثیق کرتے ہوئے کہا۔

"اللہ تم دونوں کو خوش رکھے۔ میں تم دونوں کے لیے دعا گو رہوں گا۔ ان شاء اللہ آج ہی نکاح کی تقریب ہو گی اور نکاح میں خود پڑھانا چاہتا ہوں۔ جاؤ جا کر تیاری کر لو' صبح فجر کی نماز کے بعد ان شاء اللہ نکاح ہو گا۔ اب باہر ایک لڑکا نور، سرمد، عمر، خدیجہ، عائزہ اور اسکے والدین ہوں گئے۔ ان کو اندر بھیج دیں۔" بابا نے کہا تو سب چپ چاپ باہر چلے گئے سوائے اس ایک شخص کے جو بابا کا دوست تھا وہ وہیں بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر بعد بلائے گئے سب افراد اندر داخل ہوئے۔ عمر تیزی سے آگے بڑھا اور بابا کے پاس آکر بابا کا ہاتھ پکڑ کر رونے لگا۔

"بابا یہ سب کیسے ہوا؟ آپ ہی تو میرا سب کچھ ہیں۔ میرے دوست، میرے باپ میرا سب کچھ۔ بابا اب سے میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہی رہنا ہے۔" عمر نے جذباتی ہو کر کہا جبکہ یہی حال خدیجہ کا تھا۔ وہ بابا کے دوسری طرف آکر کھڑی ہو گئی اور چپ چاپ رونے لگی۔ بابا نے شفقت سے خدیجہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

عائزہ نے قدرے حیرت سے عمر کو دیکھا کہ وہ یہاں کیسے؟ اور اتنے تحمل مزاج اور سنجیدہ انسان کو وہ پہلی باریوں بلکتے اور جذباتی ہوتے دیکھ رہی تھی۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"کیا یہ وہی بابا جی ہیں جن کے بارے میں آپ نے بتایا تھا؟" عمر نے عائزہ کی طرف دیکھے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔ عائزہ کی نظر بے اختیار عقیدت کے طور پر بابا کے چہرے کا طواف کرنے لگی۔

اس کے بعد بابا نے وہی باتیں جو حیدر سے کی تھیں، عمر سے کیں تو عمر نے تہہ دل سے، خوشی سے بابا کے ہر فیصلے کو قبول کرنے کا اظہار کیا۔

اس کے بعد بابا عائزہ کے والدین کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے۔

”آپ کی بیٹی بہت اچھی ہے۔ وہ عمر کو اچھی طرح جانتی ہے اور شاید عائزہ کے ہی ذریعہ ہی آپ بھی عمر سے کچھ حد تک واقف ہوں۔ یہ خدیجہ بھی میری ہی بیٹی ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرے اس بیٹے عمر کا رشتہ آپ کی بیٹی عائزہ سے ہو جائے۔ رشتے آتے ہیں، ضروری نہیں ہر رشتے کو قبول بھی کیا جائے، آپ رد کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ میں خود چل کر آپ کے دولت کدہ پر آتا لیکن ان حالات میں میں مجبور ہوں۔ اس لیے آپ لوگوں کا یہاں بلانے کی زحمت دی۔ جس کے لیے میں بہت معذرت خواہ ہوں۔ آپ چاہیں تو وقت لے سکتے ہیں اور اگر آپ کو یہ نامناسب لگتا ہو تو ابھی ہی نہ بھی کر سکتے ہیں۔“

”ہم آپ کو نہیں جانتے لیکن خدیجہ اور عمر سے اچھی طرح واقف ہیں۔ میری بیٹی جس ڈپریشن کے دور سے گزری تھی۔ اس نے تو کوشش کی تھی ہمیں کچھ پتہ نہ چلے لیکن ہم والدین ہیں۔ سمجھ گئے تھے اس کے بعد میں نے اپنے طور پر عمر کے بارے تحقیق کی تھی۔ اس جیسا نیک اور شریف النفس لڑکا میں نے آج تک کسی کو نہیں پایا۔“

”خدیجہ تو ہمارے گھر کے قریب ہی رہتی ہے۔ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میری خواہش تھی کہ ان لوگوں سے ملوں جنہوں نے خدیجہ اور عمر کو تربیت دی۔ یہ نہیں پتہ تھا ان دونوں کو تربیت دینے والی شخصیت ایک ہی ہے۔ میں آپ کو سلام پیش کرتا ہوں آج کے دور میں آپ نے بچوں کی وہ تربیت کی جو کہ ہر کسی کے بس میں نہیں۔ مجھے بہت خوشی ہو گی کہ اگر میری بیٹی کی شادی ایسے لڑکے سے ہو اور مجھے یقین ہے کہ عائزہ بھی اس رشتے سے بہت خوش ہو گی۔“ عائزہ کے والد نے بابا کی بات کا جواب دیتے ہیں ہوئے کہا۔

عائزہ بے یقین نگاہوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے کبھی جو خواب دیکھا تھا اس کی اتنی جلدی یوں بھی تعبیر ملتی ہے۔ بے شک اب وہ عمر کو بھولنے کی کوشش میں کافی حد تک کامیاب ہو چکی تھی لیکن پھر بھی یہ ایک ایسا خواب تھا جو کبھی کبھی اپنے سحر میں گرفتار کر لیتا تھا۔

بے اختیار اسے ایک حدیث کا مفہوم یاد آیا۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"اگر تم اپنی چاہت کو قربان کر دوگے میری چاہت پر، پھر میں تم کو وہ بھی دے دوں گا جو تمہاری چاہت ہے اور بے شک ہو گا تو وہی جو تیرے رب کی چاہت ہے۔" اور جب اللہ راستے نکالنے پر آتا ہے تو ایسی جگہ سے راستہ نکالتا ہے جو انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔

عائزہ کی آنکھوں سے بے اختیار شکرانے اور خوشی کے آنسو نکلے اور رخسار کی زمین پر سجدہ ریز ہو گئے۔

دوسرے سجدے نہ جانے مقبول ہوں یا نہ ہوں مگر اللہ کی محبت اور ڈر سے نکلنے والے آنسو جب رخسار کی زمین پر سجدہ ریز ہوتے ہیں تو یہ تقدیر کو بدلنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔ ان کی پرواز کو ساتوں آسمان بھی نہیں روک سکتے اور ایسی پرواز ہوتی ہے ان کی، جو سات آسمانوں کو پار کر کے عرش کے سامنے جا کر رکتی ہے۔
آنسوؤں کا سجدہ رخسار سے شروع ہو کر عرش کے سامنے اللہ کے حضور سجدے پر ختم ہوتا ہے۔

"میں چاہتا ہوں، نکاح آج ہی ہو اور یہ نکاح میں خود پڑھانا چاہتا ہوں۔ بے شک رخصتی آپ بعد میں کر دینا لیکن یہ میری خواہش ہے۔" بابا نے قدرے التجائیہ انداز میں کہا تو عائزہ کے والد ہچکچاتے ہوئے کچھ کہنے کو ہی تھے مگر عائزہ نے اپنے والد کا ہاتھ پکڑ کر دبا دیا۔

عائزہ کے والد نے عائزہ کی آنسو بھری آنکھوں میں ابھرتی التجا کو شاید پڑھ لیا۔ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

"جی ٹھیک ہے جیسے آپ کو مناسب لگے۔ ہمیں منظور ہے۔" جس عظیم شخص نے پلک جھپکتے عائزہ کے خواب کو تعبیر بخشی اس کی ہر خواہش کا احترام عائزہ کے لیے فرض تھا۔

"اللہ ان معاملات میں خیر و برکت ڈالے۔ میں دعا گو رہوں گا۔" بابا نے یہ کہہ کر آنکھیں موند لیں۔

"آپ سب لوگ باہر جا کر تیاری وغیرہ کر لیں۔ تھوڑی دیر کے لیے ہمیں تنہا چھوڑ دیں اور برائے کرم کسی کو اندر مت آنے دیں کچھ دیر کے لیے۔" اب تک خاموش بیٹھے شخص نے سب کو مخاطب کر کے کہا تو سب نے اس شخص کو دیکھا اور پھر چپ چاپ باہر چلے گئے۔

"کتنا وقت ہے تمہارے پاس۔" طیب نے سنجیدگی اور کرب سے بابا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وقت ہی وقت ہے پیارے۔" بابا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم اپنی ٹیم کو بیوقوف بنا سکتے ہو مجھے نہیں۔" طیب نے ذرا خفگی سے کہا۔

"مجھ پر یقین نہیں تو ڈاکٹر سے پوچھ لو۔" بابا نے ایسے کہا جیسے انہیں یہ بات کہتے ہوئے مزہ آ رہا ہو۔

"ڈاکٹر نے جو کچھ سب سے کہا وہ مجھے بھی پتہ ہے اور یہ بھی پتہ ہے وہ ڈاکٹر بھی تمہاری ٹیم کا حصہ ہے۔ اس بیچارے نے وہی سکرپٹ پڑھا اور وہی کچھ کہا جو تم نے اسے کہنے کو کہا ہو گا۔" طیب نے پژمردگی بھرے لہجے میں کہا۔

"اچھا یہ سب چھوڑو، تم سے کچھ اہم باتیں کرنی تھیں۔" بابا نے یکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”کرو، ہمیشہ جب بھی ملتے ہو کوئی اہم بات ہی کرنی ہوتی ہے۔“ طیب نے چڑ کر کہا۔

”میری ٹیم کے بہت سے ممبران دوسرے ملکوں میں بھی کام کر رہے ہیں۔ یہ پیغام ان تک پہنچا دینا خاص کر ان تک جو یورپی ممالک میں رہ رہے ہیں۔ عنقریب ایسے حالات پیدا ہونے والے ہیں جب ان ممالک کی سرزمین تمام مسلمانوں کے لیے تنگ کر دی جائے گی۔“

”کوئی بھی مسلمان چاہے وہ لبرل ہو، نام کا مسلمان ہو، مذہبی ہو یا شریعت پر عمل کرنے والا ہو۔ جو بھی مسلمان ہو گا ان پر مظالم کی انتہا کر دی جائے گی۔ یہاں تک تہذیب کے علمدار اور انسانی حقوق کے نعرے چیخنے والی قوم اور ملک بھی سرعام مسلمانوں کے بچوں اور عورتوں تک کو قتل کرے گی۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ اتنا لمبا ہو جائے گا کہ کوئی بھی مسلمان ان ممالک میں زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اس کام کی ابتدا فرانس اور امریکہ میں ہو چکی ہے اور یہ سلسلہ دراز ہوتا جائے گا۔“ بابا نے سنجیدگی سے کہا۔

”یہ سب تم کس بنیاد پر کہہ رہے ہو۔“ طیب نے بھی سنجیدگی سے پوچھا۔

”حالات کو دیکھتے ہوئے اور قرآن و احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے۔ بے شک ان لوگوں کی جان جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے (جب) فرشتہ قبض کرتے ہیں تو ان سے کہیں گے کہ تم کس کام میں تھے، وہ بولیں گے ہم اس ملک میں بے بس تھے۔ فرشتے کہیں گے کہ اللہ کی سرزمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے۔“ (سورۃ النساء، 97)

”میں ہر ایسے مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دونوں اتنی دور رہیں کہ ان میں سے کوئی دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکے۔“ (ترمذی، النسائی)

”کتاب الفتن میں میں ایک لمبی حدیث کا بیان ہے۔ جس میں آیا ہے کہ ایک قتلِ عام کا ذکر ہے،۔ فرمایا؛

”رومی باقی ماندہ عربوں پر حملہ کر دیں گے۔ انہیں قتل کریں گے یہاں تک کہ روم کی زمین میں کوئی عربی مرد، نہ عورت اور نہ ہی عربی بچہ باقی رہے گا۔ سب قتل کر دیئے جائیں گے۔“ (کتاب الفتن: الاعماق وفتح القسطنطنیہ)

”یہ تمام اشارات بتا رہے ہیں کہ کہ غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں پر کڑا وقت آنے والا ہے۔ دورِ فتن کا آغاز کب سے ہو چکا ہے۔“ بابا نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔

”ٹھیک ہے جو ذمہ داریاں تم نے مجھے سونپی ہیں۔ ان شاء اللہ وہ پوری ہوں گی۔“ طیب نے سنجیدگی سے کہا اور اٹھ کر بابا کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

بابا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر طیب بابا کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ دونوں دوستوں کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ طیب نے بابا کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔

”میں نکاح کی تقریب میں پہنچ جاؤں گا۔“ یہ کہتے ہی وہ باہر نکل گیا۔

۔*************۔

خولہ جیسے ہی کمرے سے باہر نکلی تو اسے ایک اور حیرت کا جھٹکا لگا۔ راشد کے پاس کھڑے لڑکے کو دیکھ کر وہ بے اختیار اس کی جانب بڑھی۔ ان کے پاس پہنچ کر حیرت سے بول اٹھی۔

”عمار! تم مگر یہاں کیسے؟“

”السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ“ عمار نے جواب دینے کی بجائے متانت سے کہا۔

”وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔“ خولہ نے جھینپتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟ میرے یہاں آنے پر پابندی لگی ہوئی تھی کیا؟“ ہلکی سی مسکراہٹ نے ساتھ عمار نے کہا۔

”نہیں پابندی نہیں، لیکن اتنے عرصے بعد یہاں اچانک تمہیں دیکھ کر حیرت ہو رہی۔“خولہ نے بھی متانت سے جواب دیا۔

”عمار میرا خاص شاگرد بن چکا ہے اور آج کل یہ اکثر میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔“ عمار کی بجائے راشد بھائی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”او اچھا! کیسی چل رہی ہے یونیورسٹی؟“ خولہ نے پوچھا۔

”تمہارے اور قاسم کے جانے کے بعد سب بورنگ ہو گیا تھا۔ وہ تو شکر ہے ایک بار سر راشد کے پاس گیا۔ پھر آہستہ آہستہ سر راشد سے کلوز ہوتا چلا گیا تو تمہارے اور قاسم کے بارے میں پتہ چلا۔ مجھے قاسم کے ساتھ گزارے وقت پر شرمندگی ہونے لگی تھی۔ خیر سر راشد کا احسان ہے جو انہوں نے مجھے اس اکیلے پن میں سہارا دیا۔ میرے لیے خصوصی وقت نکالنے لگے۔ انہوں نے مجھے وہ نصب العین دیا جس کے راستے پر چل کر مجھے پتہ چلا، اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنا سہارا خود بننا پڑتا ہے۔ اس

دنیا میں سہارا کون بنتا ہے؟ جب انسان خود کو ہی سہارا دینے کی کوشش نہ کرے۔" عمار نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"بیسٹ آف لک فار یور فیوچر۔" خولہ نے وش کرتے ہوئے کہا اور اپنی آپی کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے بہت سے معاملات ڈسکس کرنے تھے۔ اس کی شادی ایسے ہو گی؟ یہ سوچ تو دور کی بات، اس نے تو کبھی اپنی شادی کے بارے میں نہیں سوچا تھا کہ شادی بھی کرنی ہے۔

۔*************۔

اگلے دن کا سورج طلوع ہوا۔ مگر آج کا سورج کئی زندگیوں میں ایک نیا سورج طلوع کرنے والا تھا۔ بابا ویسے تو ہنستے مسکراتے نظر آ رہے تھے۔ مگر ان کی نقاہت ان کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔

یہ اسی گاؤں کی ایک مسجد تھی جہاں عمر بابا سے ملنے جاتا تھا۔ مسجد آج لوگوں سے بھری بھری لگ رہی تھی۔ مسجد کے ساتھ والے مکان میں تین لڑکیاں دلہن کا لباس پہنے بیٹھیں تھیں۔

خولہ، عائزہ اور نور۔ ان کے دلہے حیدر، عمر اور ضرار سفید شلوار قمیض میں ملبوس بابا کے سامنے بیٹھے تھے۔ مکان کے صحن کی طرف مسجد کی ایک کھڑکی کھلی تھی۔ ایجاب و قبول کا مرحلہ طے پا چکا تھا۔ اب بابا جانی منبر پر بیٹھے تھے۔ بابا نے ایک مختصر سا عربی میں خطبہ پڑھا اور پھر گویا ہوئے۔

"ہر چیز کی تعمیر اور بنانے میں اس کی بنیاد بہت معنی رکھتی ہے۔ آج کل شادیاں ہوتی ہیں، طلاقیں بھی بہت ہو رہی ہیں۔ گھروں میں سکون نہیں ہے۔ چپقلش ہوتی ہے اور لڑائی جھگڑے رہتے ہیں۔ اس کی

بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن ایک بڑی وجہ میرے نزدیک یہ بھی ہے کہ نکاح جیسی سنت کو ہم جس ماحول میں ادا کرتے ہیں وہ سنت کا مذاق اڑانے کا قریب ہے۔"

"ایک گھر اور دو افراد کے ملنے کی ابتداء ہی جب اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنے کے کاموں سے شروع کی جائے تو اس رشتے اور گھر میں برکت کہاں رہے گی؟ خوشی منانا اسلام میں منع نہیں لیکن اس کا بھی ایک طریقہ کار ہے لیکن ایسے موقع پر ہم ساری حدود پار کر جاتے ہیں۔ لوگوں کو دکھاتے ہیں دیکھو ہم بڑے دھوم دھام سے شادی کر رہے ہیں۔ ویسے پر یار خصتی کے کھانے پر پیسے دیے جاتے ہیں وہ بھی یہ سوچ کر کہ انہوں نے ہماری شادی میں اتنے پیسے دیے تھے، ہم نے ان پیسوں سے زیادہ دینے ہیں اور پھر ہماری شادی میں وہ زیادہ دیں گے۔ یعنی یہاں بھی سود لینے اور دینے کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔"

"ایک وقت تھا جب شادیوں اور نکاح کے تقریب مساجد میں ہوا کرتی تھی۔ نکاح مسجد میں پڑھایا جاتا تھا۔ ان رشتوں اور گھروں میں بھی برکت ہوتی تھی۔ مگر آج ایسا کرنا تو در کنار ایسی سوچ بھی نہیں آتی۔"

"اس بات کا فیصلہ آپ خود کریں کہ ایک نکاح کی تقریب جو مسجد، اللہ کے گھر میں ہو جس میں سب وضو کر کے فرشتوں کے ماحول میں بیٹھے ہوں، دولہا اور دلہن وضو کر کے ایجاب و قبول کا مرحلہ طے کریں۔ اس میں اور اس تقریب میں جہاں رسم و رواج اور شریعت کی حدود کو توڑ کر موسیقی کے ماحول میں نکاح کیا جائے۔ کیا ان دونوں تقریبوں کا اثر رشتے پر ایک جیسا پڑے گا؟ یہ بنیاد ہے۔ کیا ان دونوں بنیادوں پر ایک سا گھر اور رشتہ قائم ہو سکتے ہیں؟ یہ فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔"

”اب آتے ہیں ایک اور اہم بات کی طرف۔ آج اکثر لوگوں کا شکوہ ہوتا ہے کہ اولاد نافرمان ہے۔ بے ادب ہے اور بے شمار شکوے ہوتے ہیں۔

اولاد کی ابتداء اور بنیاد کو دیکھیں۔ اولاد جو پیدا ہوتی ہے اس کی ابتداء ایک نطفے سے ہوتی ہے۔ اب کیا وہ بنیاد آپ ٹھیک طریقے سے رکھ رہے ہیں؟ کیا سب کچھ سنت کے مطابق کیا؟ یہ وہ باتیں ہیں جو آج کل اکثر مسلمانوں کو پتہ ہی نہیں نہ ہی منبروں سے ایسی باتوں کو بیان کیا جاتا ہے۔ دین سیکھنے کے معاملے میں کوئی شرم نہیں۔“

”آپ سب کو پتہ ہونا چاہیے کہ حق ازدواجیت ادا کیسے کرنا ہے؟ صحبت نکاح کے بعد حلال ہے مگر اس کو ادا کس طریقے سے کرنا ہے۔ اس معاملے میں ہمارے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہدایات دے چکے ہیں۔“

”زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کے بارے میں اسلام ہمیں نہ بتاتا ہو۔ اس لیے میں خاص کر آج نکاح کرنے والوں کو یہ نصیحت کرنا چاہوں گا کہ ان سنتوں پر عمل کریں جو آج اکثر لوگوں کو پتہ ہی نہیں۔ ان پر عمل ہی سے گھروں اور اولادوں میں برکت ہوتی ہے۔ خواتین بھی میری باتیں سن رہی ہوں گی۔ شرم وحیا کے تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے اور وقت کی کمی کے باعث میں آپ کو ایک کتاب بتا دیتا ہوں۔ آپ وہ پڑھ لینا ’آداب مباشرت‘ یہ ایک مختصر سی کتاب ہے۔ جو آسانی سے گوگل سے ڈاؤنلوڈ ہو جائے گی۔“

”ہر مسلمان، خاص کر شادی شدہ افراد کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے تاکہ انہیں زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی مل سکے۔ ہمارے گھروں، رشتوں اور اولادوں میں برکت ہو سکے۔ جو کچھ کہا۔ سنا اس پر عمل

کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کوئی لغزش ہو گئی ہو تو اپنے لطف و کرم سے معاف فرمائے۔ آمین ثم آمین۔"

سب نے بابا کے ساتھ آمین ثم آمین کہا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

شروع شروع میں تو بابا کی آواز جاندار تھی لیکن دعا کے اختتام تک بابا کی آواز میں لرزش آ گئی۔

دعا کے اختتام کے بعد بابا نے عمر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ عمر کے قریب جانے پر وہ عمر کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے اور مسجد کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا۔ عمر کے سہارے اس کونے کی طرف چل پڑے۔

یہ وہی کونا تھا جہاں اکثر بابا بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اس کونے میں پہنچ کر بابا زمین پر التحیات کی شکل میں بیٹھ گئے۔

"بابا! آپ کو ہوسپیٹل لے چلتے ہیں۔" عمر نے گبھرا کر کہا۔

"نہیں۔" بابا نے کہا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگے۔ جو واحد فقرہ عمر کی سمجھ میں آیا وہ یہی تھا۔

"اے اللہ! میں آپ سے بہت اچھا گمان رکھتا ہوں اور آپ کے دیدار کا شوق رکھتا ہوں۔ میرے صغیرہ کبیرہ گناہ معاف فرما۔" اس کے علاوہ وہ کیا کہہ رہے تھے عمر کو سمجھ نہیں آئی لیکن نہ جانے کیوں عمر کو اپنا اندر خالی ہوتا محسوس ہونے لگا۔

بابا نے نماز کی نیت باندھ لی۔ باقی سب کشمکش میں عمر اور بابا کو دیکھ رہے تھے۔ بابا نے بیٹھ کر ہی رکوع کیا اور جب سجدے میں گئے تو کافی طویل سجدہ کیا۔ جب سجدہ کافی طویل ہوا تو عمر نے ہلکے سے ان کے جسم کو ہلایا تو وہ ایک طرف کو گر گئے۔

عمر نے وحشت سے بابا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکان اور آنکھوں میں نمی تھی۔ نہ جانے کتنی زندگیوں کو روشن کرنے والا تھک کر آج غروب ہو چکا تھا۔

بقول علامہ اقبال:-

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پُوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے

شاید بابا بھی انہیں لوگوں میں سے تھے جن کی زندگی شان والی اور موت ایمان والی تھی۔

عمر کو بابا سے پہلی ملاقات یاد آنے لگی۔ حیدر کو ماسٹر سے ملاقات کا پہلا دن یاد آنے لگا۔ نہ جانے کن کن کو کیا کیا یاد آنے لگا۔ جلد ہی خبر مکان میں مکین عورتوں تک بھی جا پہنچی اور ان کے رونے اور سسکیوں کی آواز مسجد تک پہنچنے لگی۔

خولہ کو بچانے والا بابا،

عمر کو راہ دکھانے والا بابا،

حیدر کو سیکھانے والا بابا،

خدیجہ کو خدیجہ بنانے والا بابا،

نہ جانے کتنوں کا رہبر، کتنوں کا رہنما، کتنوں کو اپنا سہارا خود بنا سکھانے والا آج اس کے پاس پہنچ گیا۔ جس کو سوا کوئی سہارا نہیں بنتا۔

جس کو اس ذات نے بے سہارا کیا۔ اسے سہارا کوئی نہ دے سکا۔ جس کا سہارا وہ بنا۔ اسے کسی کے سہارے کی ضرورت نہ رہی۔

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران، 68)

جنہوں نے ان کا کہنا مانا اور یہ نبی اور جو لوگ ایمان لائے۔ مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ ہی ہے۔

کچھ ہی دیر میں خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی۔ رابطے ہونے لگے۔ جنازہ ظہر کے بعد رکھا گیا۔ چاہے جنازے پر آنے والے مرد چاہے مکان میں میت پر پہنچنے والی عورتیں تھیں اکثر کی زبان پر اسی طرح کے الفاظ تھے۔

وہ ہمارے بابا تھے، ہمیں انہوں نے ہی پالا، ہمیں انہوں ہی نے ٹریننگ دی تھی، میں تو خودکشی کرنے والا تھا لیکن بابا مل گئے، میں چھوٹی سی تھی امی ابو فوت ہو گئے، چچا انجانی جگہ چھوڑ آئے تھے وہاں سڑک کے کنارے ٹھٹھر رہی تھی تب بابا نے مجھ پر چادر دی تھی اور مجھے اپنے گھر لے گئے تھے۔

جتنی زبانیں تھیں اتنی کہانیاں تھیں۔ نہیں کہانیاں کہاں، حقیقتیں تھیں جو ایک دوسرے پر کھلتی جا رہیں تھیں۔

۔**************۔

کمرے کا دروازہ دھڑام سے کھلا اور رائفل سنبھالے ایک چالیس سالہ مرد کمرے میں تیزی سے داخل ہوا۔ اس نے تیزی سے مڑ کر گیٹ کو اچھی طرح لاک کر دیا۔ اسے دیکھ کر سب گھر والے چونک گئے۔

ایک نو سالہ بچہ بھاگا بھاگا آیا اور اس مرد کی ٹانگوں سے لپٹ گیا اور زور زور سے چلانے لگا۔

"ابو آ گئے، ابو آ گئے۔"

مرد نے بچے کو اپنی گود میں اٹھایا اور اسے پیار کرتے ہوئے بچے کی ماں، اپنے بوڑھے باپ اور بہنوں کی طرف دیکھتے ہوئے تیزی سے کہنے لگا۔

"جلدی جلدی ضروری چیزیں سمیٹ لو، ہمیں یہاں سے جانا ہے جلدی۔ وہ کتے کبھی بھی پہنچ سکتے ہیں یہاں۔"

اس کی بات سنتے ہی گھر میں جیسے افراتفری سی مچ گئی ہو۔ سب بھاگم بھاگ کام کرنے لگے۔ کوئی کچھ سمیٹنے لگا، کوئی کچھ سمیٹنے لگا۔ بچہ حیرت سے سب کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک انہیں کیا ہو گیا۔

ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی اچانک فضا جیپوں کے انجنوں کی گڑگڑاہٹ سے گونجنے لگی۔ ساتھ ہی بھاری بوٹوں کی زمین پر کودنے کی دھمک گھر کے اندر سنائی دینے لگی۔

مرد نے فوراً اپنے بچہ کو بازو سے پکڑا اور تقریباً کھینچتا ہوا گیٹ کے ساتھ ہی گلی والی دیوار کے ساتھ بنے مرغی کے ڈربے کے پاس لے گیا اور پھر بچے کے کان کے قریب سرگوشی میں کہنے لگا۔

"ابو دجانہ! میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرنا/ چاہے کچھ ہو جائے۔ ہم سب مر جائیں۔ جہاں میں چھپانے لگا ہوں وہاں سے باہر مت نکلنا، رات کو جب کوئی نہیں ہو تو اپنے چچا شہزاد کے پاس چلے جانا اور سب کچھ بتا دینا۔ ایک آخری نصیحت سن لو، اپنے سارے راز کبھی کسی کو مت دینا۔ اپنے دوست کو بھی نہیں۔ اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنا سہارا خود بننا، کسی کا سہارا مت لینا۔"

یہ کہتے ہی اس مرد نے مرغیوں کا ڈربہ کھولا اور اس میں اس بچے کو پیچھے دیوار سے لگا کر اینٹوں نما ڈیزائن کا ایک بڑا لکڑی کا تختہ آگے رکھ دیا۔ جو بھی ڈربہ کھولتا، اسے یہی لگتا کہ پیچھے دیوار ہے۔

ابھی اس مرد نے چھوٹا سا دروازہ بند ہی کیا تھا کہ لاؤڈ سپیکر پر ایک آواز گونجنے لگی۔

"ریحان! تمہارا گھر گھیرے میں لیا جا چکا ہے۔ اگر اپنی اور اپنے گھر والوں کی جان بچانا چاہتے ہو تو اپنے ہتھیار پھینک کر ہاتھ اوپر کر کے باہر آ جاؤ۔ ورنہ اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔ تمہارے پاس صرف پانچ منٹ ہیں۔"

بچے نے ڈربے کو لگی باریک جالی کے ایک کونے سے باہر جھانکنا چاہا تو اسے بس صحن اور صحن سے ملحقہ برآمدہ نظر آیا۔ اسے اپنے ابو نظر آئے جو اشاروں اور دھیمی آواز سے سب گھر والوں کو کچھ کہہ رہے تھے۔

ابو دجانہ نے اپنی دو پھپھوں کو دیکھا جو رائفلیں سنبھالے گھر کی دوسری منزل کی طرف جاتی سیڑھیوں کی طرف بھاگ رہی ہیں۔ اپنے دادا کو دیکھا جو ایک ستون کی آڑ لے رہے تھے۔ اس کی امی اور ابو ایک ایک تھیلہ سنبھالے۔ مخالف سمتوں میں بھاگ رہے تھے۔

اس چھوٹی سی جگہ پر اسے اپنے دل کی دھڑکن بھی سنائی دے رہی تھی۔

اچانک زور زور سے گیٹ توڑنے کی آواز سے ابو دجانہ کا دل دہل سا گیا۔ ایک دھماکہ ہوا اور گیٹ کی زمین پر گرنے کی آواز آئی۔

تھوڑی ہی دیر میں ابو دجانہ کو فوجی وردیوں میں ملبوس چار افراد صحن میں پوزیشنز لیے آگے بڑھتے نظر آئے۔ ابھی وہ آدھے صحن میں ہی تھے۔ کہ ستون کے پیچھے سے تڑتڑاہٹ کی آواز آئی اور چاروں فوجیوں کو اس نے زمین پر گرتا دیکھا۔

اس کے ساتھ گلی میں ایک زوردار دھماکہ ہوا اور چیخیں صحن میں بھی گونجیں تو دھماکے کے ساتھ ہی گلی میں بھی گونجنے لگیں۔

کسی کی گالیاں دینے اور دھاڑنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی گلی کی طرف سے کوئی چیز اڑتی ہوئی گھر کے سامنے والے حصے سے ٹکرائی۔ ایک دھماکے کے ساتھ گھر کا کچھ حصہ منہدم ہو کر صحن میں گرا۔

دھماکوں اور فائرنگ کی وہ آوازیں گونجنے لگیں کہ ابو دجانہ نے بے اختیار اپنے کان بند کر لیے۔ صحن میں دھوئیں اور گرد و غبار کے ایسے بادل چھا چکے تھے کہ کچھ بھی دیکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔

بیس منٹ ایسے ہی گزر گئے۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے فائرنگ اور دھماکے بند ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد گرد و غبار اور دھویں کے بادل چھٹنا شروع ہوئے۔ ابو دجانہ نے دیکھا کہ اس کا آدھے سے زیادہ گھر زمین بوس ہو چکا ہے۔ کئی جگہوں پر آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ ہر طرف فوجی ہی فوجی نظر آ رہے ہیں۔

اسے صحن کے بیچوں بیچ کچھ کٹے پھٹے جسم نظر ائے۔ کپڑوں سے اسے پہچان ہوئی کہ ایک دادا کا ہے اور ایک جسم اسکے ابو کا۔ دور نگین ملبوسات میں ایک امی تھیں اور ایک پھپھو۔ ابو دجانہ کو اپنا کرتہ گیلا محسوس ہوا تو اسے احساس ہوا نہ جانے کب سے اس کے آنسو بہہ بہہ کر اس کی کرتے کو تر کر چکے تھے۔

اس نے دیکھا کہ وہ فوجی اپنے بوٹوں سے ان کے جسم کچل رہے ہیں۔ ان کے اوپر تھوک رہے ہیں۔ ابو دجانہ کا دل چاہا کہ وہ جا کر ان کے ساتھ بھڑ جائے لیکن اسے بار بار اپنے ابو کی نصیحت یاد آ رہی تھی۔ اچانک اس کے قریب سے ہی آواز ابھری۔

”سوگند بھگوان کی, اتنا نقصان ہو گیا، ہم کو اندازہ تو تھا کہ اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں آئے گا لیکن یہ نہیں پتہ تھا کہ اتنا نقصان کر جائے گا۔ بائیس فوجی مارے گئے، تین گاڑیاں تباہ ہو گئیں۔“

”میں نے تو آپ کو بتایا بھی تھا کہ وہ کوئی عام مجاہد نہیں ہے بلکہ لیڈروں میں سے ہے۔“
ابو دجانہ وہ آواز سن کر بری طرح چونکا۔ یہ آواز تو ابو کے ایک بہترین دوست رضا کی تھی۔

”تم نے بہترین کام کیا۔ کاش یہ زندہ ہاتھ لگ جاتا۔“ وہ شاید کوئی فوجی افسر تھا۔

”میرا معاوضہ؟“ رضا کی ممناتی ہوئی آواز آئی۔

”ہاں! کیوں نہیں۔ تم نے آئندہ بھی ہمارے لیے بہت کام سرانجام دینے ہیں۔“ وہ باتیں کرتے کرتے ابو دجانہ کے بالکل سامنے آ چکے تھے۔ اس فوجی افسر نے نوٹوں کی ایک بڑی سی گڈی رضا کو دی تو رضا کے چہرے پر چمک سی آ گئی۔

ایک دفعہ پھر ابو دجانہ کا دل حلق میں آ گیا جب کسی نے مرغی کا ڈربہ کھولا۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا لیکن مرغیوں کے شور سے جھنجھلا کر پھر لات مار کر دروازہ بند کر دیا۔

اپنا آپریشن مکمل کر کے فوجی وہاں سے چلے گئے تو گاؤں کے لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے۔ لیکن ابو دجانہ باہر نہیں نکلا۔ اپنی مدد آپ کے تحت انہوں نے دوسری پھپھو کا ٹکڑے ٹکڑے ہوا جسم ملبے کے نیچے سے نکالا اور کفن دفن کی تیاری کرنے لگے۔

پڑوسیوں کی ایک بوڑھی عورت جسے وہ دادی کہتا تھا اس نے سب سے پہلے چیخ پکار کی کہ ابو دجانہ کہاں ہے؟ ایک بچہ نہیں ملا ابھی تک۔ لوگوں نے ملبہ ہٹا کر ڈھونڈنا چاہا لیکن کافی تلاش بسیار کے بعد سب مایوس ہو گئے۔ عشاء کے بعد جنازے کا اعلان ہوا۔

میتیں ساتھ والے گھر میں رکھی گئیں۔ جب جنازے اٹھا کر قبرستان لے جانے لگے تب ابو دجانہ ایک چادر کے ساتھ منہ چھپاتا جنازوں کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

جنازہ پڑھ کر ابو دجانہ درختوں کے پیچھے چھپ گیا۔ جب سب لوگ دفن کر کے واپس چلے گئے تو ابو دجانہ تازہ بنی قبروں پر آیا اور اب تک کیا گیا سارا حوصلہ دم توڑ گیا۔

وہ نو سالہ معصوم بچہ نہ جانے کیسے اتنا کچھ دیکھ گیا لیکن اب وہ دہاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ کبھی ابو کی قبر سے لپٹتا تو کبھی امی کی قبر سے لپٹتا تو کبھی دادا کی قبر پر جا کر باتیں کرتا۔
رات انتہائی گہری ہو چکی تھی۔ لیکن جسے پہلے قبرستان سے ڈر لگتا تھا آج اسی کی آواز قبرستان کا سناٹا چیر رہی تھی۔

دل پر جبر کر کے وہ اٹھا اور اس سڑک کی طرف چل پڑا جو دوسرے شہر کو جاتی تھی۔ جہاں اس کے چچا شہزاد رہتے تھے۔ قبرستان کے کنارے اس نے مڑ کر ایک آخری نظر ان تازہ قبروں پر ڈالی اور پھر آگے چل پڑا۔

اس دن صرف اس کا گھرانہ دفن نہیں ہوا تھا۔ اس کا بچپنا بھی ان کے ساتھ ہی دفن ہو چکا تھا۔

سڑک پر پہنچنے کے لیے اسے گاؤں سے گزرنا تھا۔ اس نے چادر میں منہ چھپایا اور تیز تیز قدموں سے گاؤں کی ویران گلیوں سے گزرنے لگا۔ ایک مکان کے پاس پہنچ کر بے اختیار اس کے قدم رک گئے اور نفرت کی ایک تیز لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔

وہ واپس مڑا اور اپنے جلے ٹوٹے گھر میں آیا۔ گھر کے ایک کونے میں موجود ایک جگہ کھودنے لگا۔ کافی گہرائی میں جا کر اس کا ہاتھ ایک شاپر سے ٹکرایا۔

اس نے شاپر باہر نکالا۔ اس کے اندر سے پسٹل کو باہر نکالا اور غور سے اسے دیکھنے لگا۔ کچھ منظر اس کے ذہن کی سکرین پر لہرانے لگے۔

”بیٹا یہ میگزین ہے۔ اس میں ایسے گولیاں ڈالتے ہیں۔ ایسے لوڈ کرتے ہیں اور یہاں سے ٹریگر دبا کر گولی چلاتے ہیں۔“

”اور ابو یہ لمبی سی نالی کیسی ہے؟“

”بیٹا اسے سائلنسر کہتے ہیں۔ اس کو ایسے فٹ کرتے ہیں تاکہ گولی چلنے کی آواز نہ آئے اور ایسا تب کیا جاتا ہے جب آپ کو کوئی خفیہ کاروائی کرنی ہو کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے اور کام بھی ہو جائے۔“

”ابو یہ میں لے لوں۔“ اس نے اشتیاق سے کہا تھا۔

”بیٹا ایک مجاہد کی وراثت اسلحہ ہی ہوا کرتا ہے۔ یہ تم رکھ لو لیکن اس کو استعمال تم تب کرو گے جب میں کہوں گا۔ تم اچھے بچے ہو، جو میں کہتا ہوں تم مانتے ہو۔“ تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد اس کے ابو نے کہا تھا۔

”اگر میں مر جاؤں اور اللہ کے پاس چلا جاؤں تو پھر یہ تم ہر وقت اپنے پاس رکھنا لیکن احتیاط سے استعمال کرنا کیونکہ تمہیں گولیاں آسانی سے نہیں ملیں گی۔“

”آپ اللہ کے پاس کیوں جائیں گے؟“ اسے اپنا کیا گیا سوال یاد آیا۔

”تاکہ وہاں اپنے بیٹے کے لیے ایک بہت بڑا گھر بنا سکوں اور پھر وہاں ہم سب ہنسی خوشی رہیں گے۔“ ابو کا جواب یاد آیا۔

”وہاں تو آپ کئی دنوں کے لیے گھر سے نہیں جائیں گے نا۔“

”نہیں، وہاں سے میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ یہ اب تم چھپا کر رکھ دو۔“

ابو دجانہ نے ہاتھ میں پکڑے پسٹل کو دیکھا اور اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔ سائلنسر فٹ کرنے کے بعد اس نے اضافی گولیاں جیب میں ڈالیں۔ واپس اس گھر کی طرف چل پڑا۔ جس سے اسے بے انتہا نفرت ہو چکی تھی۔

دیوار پھلانگ کر وہ اندر داخل ہوا۔ سارے گھر کا نقشہ وہ جانتا تھا کیونکہ وہ وہاں آتا رہتا تھا۔

رضا کے کمرے کے سامنے پہنچ کر وہ رکا۔ آہستہ سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر وہ لاک تھا۔ اس نے لاک کی جگہ گن کی نال رکھی اور ٹریگر دبا دیا ایک ہلکی سی سٹک کی آواز ابھری اور لاک ٹوٹنے کی آواز آئی تو وہ تیزی سے کمرے میں داخل ہو گیا۔

سامنے بیڈ پر رضا لاک ٹوٹنے کی آواز سے چونک کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی بیوی بھی اٹھ چکی تھی۔

ابو دجانہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت اور شاک کے تاثرات ابھرے لیکن ابو دجانہ کے ہاتھ میں گن دیکھ کر وہ گبھرا سا گیا۔ اس کی بیوی بھی حیرت سے ابو دجانہ کو دیکھ رہی تھی۔

"غدار، دھوکے باز، انڈیا کے کتے، تو نے مخبری کر کے میرا سارا گھر اجاڑ کر رکھ دیا لیکن یہ کیسے بھول گیا کہ مکافات عمل بھی ہوتا ہے۔" ابو دجانہ نے پھنکار کر کہا تو رضا کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

"بیٹا! دیکھو یہ چل جائے گی۔ آرام سے بات کرتے ہیں۔ تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔" رضا نے دھیرے سے ہاتھ اپنے تکیے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اپنے ہاتھ قابو میں رکھو ورنہ سب سے پہلے گولی اسی ہاتھ پر چلے گی۔" ابو دجانہ نے نفرت سے کہا۔

اس سے پہلے رضا یا اس کی بیوی کچھ کہتے سٹک سٹک کی دو آوازیں ابھریں اور رضا کی پیشانی اور چہرے پر دو سوراخ ہو گئے۔ رضا کی بیوی کے منہ سے چیخ نکلی۔

"اگر دوبارہ آپکی آواز نکلی تو آپ کو بھی گولی مار دوں گا۔" اس نے سختی سے کہا تو رضا کی بیوی نے اپنے ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔

"کرسی پر بیٹھو اور یہ اپنے دوپٹے سے کس کر اپنے پاؤں باندھو۔" اس نے پسٹل سے اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ اٹھی اور دوپٹے سے کرسی کے ساتھ جھک کر اپنے پاؤں باندھنے لگی۔

"اگر سہی نہ بندھے ہوئے تو دونوں پاؤں میں ایک ایک گولی اتار دوں گا۔" ابو دجانہ نے کہا تو وہ سختی سے اپنے پاؤں باندھنے لگی۔

اس کے بازو پشت پر باندھ کر اور منہ میں کپڑا ٹھونس کر ابو دجانہ تیزی سے باہر نکلا۔ سڑک پر پہنچ کر بے تحاشا دوسرے شہر کی طرف دوڑنے لگا۔

نجانے کیسے وہ اپنے چچا شہزاد کے پاس پہنچا۔ جس نے نہ جانے کس طرح اسے مقبوضہ کشمیر کی سرحد پار کروا کر آزاد کشمیر پہنچایا جہاں سے وہ اسلام آباد پہنچا۔

اس دلخراش حادثے کے بعد اس بچے نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے باپ کی نصیحتوں پر عمل کرے گا۔ اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنا سہارا خود بنے گا۔ اپنے سارے راز کسی کو نہیں دے گا۔

چچانے جس دوست کے پاس اس بچے کو بھیجا تھا۔ وہ اس بچے کو بوجھ محسوس کرنے لگا۔

جب بچے کو اس کا احساس ہوا تو اس نے ایک سرکس والوں کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ جس کا مالک ایک نیک دل انسان تھا۔

پڑھائی کے ساتھ وہ بچہ سرکس میں کام کرنے لگا۔ جہاں سے اس نے جمناسٹک میں مہارت حاصل کی۔

اس کی مہارت دیکھ کر ایک چائینیز شاؤلن ٹمپل کے ماسٹر کے دل کو وہ بچہ بھا گیا اور اس نے اس بچے کو فری مارشل آرٹ سیکھانے کی آفر کی جو اس بچے نے قبول کر لی۔

اس بچے نے ہر وہ ہنر سیکھا جو سیکھنے کا اسے موقع ملا۔ میری اس بچے سے پہلی ملاقات تب ہوئی جب مجھے میرے سکول کے لڑکے مار رہے تھے اور وہ وہاں گلی سے گزر رہا تھا۔ میں اکیلا تھا اور وہ چار تھے۔

یہ منظر دیکھ کر میری مدد کو آپہنچا اور وہ ہاتھ پاؤں جھاڑے کہ دو بچوں کا خون جاری ہو گیا منہ سے اور دو لنگڑاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اپنا سہارا خود بنو۔" تو جواب میں، میں نے کہا تھا۔

"تم جیسا دوست مل جائے تو اپنے سہارا کی بھی ضرورت نہیں۔"

وہ بچہ یہ سن کر قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔

"میرا کوئی دوست نہیں، نہ کسی نے دوست بننے کی آفر کی ہے تو چلو دیکھ لیتے ہیں کہ کتنے قابل اعتماد ہو۔" وہ دن ہماری دوستی کا پہلا دن تھا۔ میرے پاپا آرمی میں تھے۔ ان سے ضد کر کے میں نے اس کا

داخلہ سکالر شپ پہ اپنے سکول میں کروالیا۔ اس کے بعد اب تک اس سکول میں ہماری دوستی کی مثالیں دی جاتی ہیں۔

میں آرمی میں چلا گیا۔ اس کو بھی کہا لیکن وہ نہ مانا۔ اس کے بعد وقت کی کمی ہونے لگی لیکن ہماری دوستی اسی طرح قائم رہی۔

جب میں آئی ایس آئی کے لیے کام کرنے لگا تو ایسے ہی اس کی جاسوسی کرنے لگا تب یہ انکشاف ہوا کہ وہ تو بہت اعلیٰ کام کر رہا ہے۔

وہ یتیم بچوں اور معصوم بچوں کو گود لیتا ہے اور ان کی تربیت کرتا ہے۔ لیکن ایک جگہ دو یا تین سے زیادہ بچوں کو نہیں رکھتا۔ اس نے اپنا بزنس بھی شروع کیا جو بہت تیزی سے پھیلتا گیا کیونکہ وہ عجیب اور انوکھے آئیڈیا کے کر آتا تھا مارکیٹ میں۔ پھر اس نے تنظیم کی بنیاد رکھی اور اس کا نام رکھا۔

"منزل شہادت ہے۔" جو اپنے طور پر ملک دشمن عناصر کے خلاف کام کرنے لگی اور لوگوں کی تربیت کرنی لگی۔ خاص کر انڈیا کے خلاف۔

ایک بار پوچھا کہ تم کرنا کیا چاہتے ہو ایسی تنظیم بنا کر؟ تو اس نے جواب دیا تھا کہ میں وہ لشکر اور ایسے نوجوانوں کی ٹیم تیار کرنا چاہتا ہوں جو غزوہ ہند لڑے گی۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ اس تنظیم نے ہماری بہت مدد کی، بہت سے معاملات میں اور جواب میں ہم نے بھی اس تنظیم کا شور شرابہ نہیں کیا اور ان کو فری ہینڈ دے کر رکھا لیکن یہ سب کچھ آفیشل نہیں تھا۔

بعض دفعہ ہم نے اس تنظیم کے ممبرز کی مدد کی۔ کچھ عرصہ سے میں ریٹائر ہو چکا ہوں لیکن ابو دجانہ نے میرے ذمہ کچھ ذمہ داریاں لگائی ہیں جو مجھے پوری کرنی ہیں۔

میں جانتا ہوں آپ میں سے اکثر جو یہاں موجود ہیں وہ یہی سمجھتے ہوں گے کہ وہ آپ کے بابا تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ میں سے کوئی بھی ان کا سگا بیٹا یا بیٹی نہیں ہے۔ آپ سب کو یتیم خانوں، سڑکوں، اور ایسی ہی دوسرے ذریعوں سے بابا اپنے گھر یا ٹریننگ سنٹر لاتے تھے اور آپ لوگوں کی تربیت کرتے تھے۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ سب کو ان کی شخصیت کا یہ عظیم پہلو بھی پتہ ہونا چاہیے اور آپ سب خود اس بات کے گواہ ہیں کہ انہوں نے آپ کے لیے وہ سب کیا جو کہ ایک اچھے باپ کو کرنا چاہیے۔

جب کوئی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر اپنا سہارا خود بننے کے قابل ہو جاتا تھا تو وہ آپ کو چھوڑ کر یا تنظیم میں شامل کر کے خود اوروں کی تلاش میں نکل جاتے تھے۔ ان کا ماسٹر کا روپ مرتے دم تک چل رہا تھا۔

میں ان کا دوست ہونے کا دعویٰ تو کرتا ہوں لیکن یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ انکی زندگی کے سبھی رازوں سے میں واقف نہیں ہوں لیکن اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کے ہر قدم اور ہر فیصلہ نے اس ملک، قوم اور لوگوں کی مدد کی ہے اور ان کو فائدہ پہنچایا ہے۔

انہوں نے شادی بھی کی تھی لیکن شادی کے چار سال بعد ان کی بیوی، بیٹا اور ایک بیٹی موساد اور را کے ایک مشترکہ آپریشن میں انتقام کے طور پر ایک کار بم دھماکے میں شہید کر دیے گئے تھے۔

جس کا بعد وہ ایک لمبے عرصے کے لیے ڈپریشن کے دور سے گزرے تھے لیکن انہوں نے پھر اپنے آپ کو سنبھالا اور اپنے مشن کی تکمیل میں لگ گئے۔

میں جتنا جان سکا ہوں وہ یہی ہے۔

وہ تصوف کی راہ میں ایک استاد کا درجہ رکھتے تھے اور اس راستے پر نہ جانے کتنے لوگ عمر جیسے بنے اور اللہ کی قربت کی راہ پر چل پڑے۔

نہ جانے کتنے حیدر انہوں نے تیار کیے۔

نہ جانے کتنی لڑکیوں کو انہوں نے خولہ اور خدیجہ بنایا۔

یہ ان کی تنظیم دن بدن بڑی ہوتی جا رہی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے پودا لگا دیا ہے۔ ان شاء اللہ یہ پودا غزوہ ہند تک ایک تناور درخت بن جائے گا۔ جس کے پھول گلشن میں بہار کا سماں پیدا کریں گے۔

اور نہ جانے ان کی زندگی کے کتنے پہلو ہوں گے جو ہمیں نہیں پتہ۔ مجھے جو پتہ تھا وہ آپ سب کو بتا دیے۔

آخر میں بس اتنا کہنا چاہوں گا وہ پارس پتھر کی طرح تھے۔ جو ان کو چھوتا تھا وہ سونا بن جاتا تھا۔

طیب نے اپنی بات ختم کی تو ہال میں سب کے چہرے آنسوؤں سے تر تھے۔ یہ وہی ہال تھا جہاں منصور کی شہادت کے وقت بابا نے قرآن خوانی کی تقریب رکھی تھی۔ آج بھی قرآن خوانی کی تقریب تھی بس بابا نہیں تھے اور بابا کی جگہ ان کے دوست طیب کھڑے تھے۔ جنہوں نے بابا کی زندگی کے صرف وہ پہلو بتائے تھے جن سے وہ واقف تھے۔

ہر شخص گم صُم بیٹھا بابا کے ساتھ گزرے وقت کی یادوں میں گم تھا۔ ہاں سب لوگوں میں ایک سوچ مشترک تھی کہ وہ ایک ایسا انسان کھو چکے ہیں جس کی جگہ شاید اب کوئی نہیں لے سکے گا۔

ایک ابو دجانہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے۔ جنہوں نے غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کا حق ادا کیا تھا۔

غزوہ احد میں ان کے بہادری کے کارنامے اسلامی تاریخ کا حصّہ ہیں۔ انہوں نے بدر و احد کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تمام جنگوں میں شرکت فرمائی۔ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اس تلوار کا حق کون ادا کرئے گا۔"

لوگ اس کے لیے آگے بڑھے لیکن آپ نے انہیں تلوار نہیں دی۔ اتنے میں ابو دجانہ کھڑے ہوئے اور پوچھا:

"اس کا حق کیا ہے؟"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"حق یہ ہے کہ اس سے دشمن کو اتنا مارو کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے" (اور دشمن دم دبا کر بھاگ جائے) چنانچہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر تلوار لی اور لال پٹی سر پر باندھ لی۔ کہتے ہیں جب وہ سرخ پٹی سر پر باندھ لیتے تھے تو انصاری کہتے تھے ابو دجانہ نے موت کی پٹی باندھ لی ہے۔ جب اکڑتے ہوئے دشمن کی صف میں جا گھسے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی چال دیکھ کر فرمایا:

"یہ ایسی چال ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، مگر اس مقام پر نہیں۔"

غزوہ احد میں ایک وقت وہ آیا جب عقب سے خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے اور سامنے سے کفار نے اچانک حملہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے حملہ کی شدت سے صحابہ کا مجمع تھوڑا منتشر ہو گیا تھا۔ اس وقت دو صحابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہ کر کفار کے حملوں کا منہ توڑ جواب دے رہے تھے۔

ان میں ایک مصعب بن عمیر اور دوسرے ابو دجانہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد کئی قبائل اسلام سے مرتد ہو گئے اور مسلمہ کذاب ان کا لیڈر بن گیا۔ چنانچہ ان مرتدین نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اعلانَ جہاد کیا۔ مرتدین کی سرکوبی کے لیے جو لشکر روانہ ہوا۔ اس میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یمامہ کے مقام پر بنو حنیفہ کے مرتدین سے جو جنگ ہوئی۔ اس میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے بہادری کے وہی جوہر دکھائے جو رسالت مآب ﷺ کے دور میں دکھائے تھے۔

یمامہ میں ایک بڑے باغ کے درمیان قلعہ تھا۔ جس میں مرتدین جمع تھے، وہ قلعہ بند ہو کر لڑائی کر رہے تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے تھے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی شخص قلعہ کے اندر کود جائے اور قلعے کا دروازہ کھول دے تاکہ مجاہدین قلعے میں داخل ہو سکیں۔

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

کسی طرح مجھے اٹھا کر قلعے کے اندر اُتار دو تاکہ میں دروازہ کھول سکوں۔ ساتھیوں نے تامل کیا کہ انہیں اکیلا دشمن کے نرغے میں نہ چھوڑا جائے۔

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے بڑے زور سے اپنے مطالبے کو دہرایا۔ جب ادھر سے انکار ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور ساتھیوں کو مجبور کیا کہ انہیں لازماً قلعہ میں اُتارہ جائے۔ چنانچہ سپاہیوں نے ان کو اُٹھا کر قلعے میں اُتارا۔ جب انہوں نے دیوار سے چھلانگ لگائی تو ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ مگر ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے ٹانگ کی قطعاً کوئی پروانہ کی۔ اپنی تلوار اُٹھائی اور مرتدین سے اکیلے ہی قلعے کے اندر لڑائی شروع کردی۔ وہ لڑتے لڑتے دشمنوں کو دروازے کی طرف لے آئے اور اچانک دروازہ کھول دیا۔

ادھر مسلمان دروازہ کھلنے کے منتظر تھے۔ وہ طوفان کی طرح اندر داخل ہوئے۔ ادھر ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اپنی ٹانگ کے درد کو چھپائے مسلسل لڑتے رہے۔ لڑائی کے دوران ان کی ٹانگ کثرتِ حرکت کی وجہ سے اور زیادہ خراب ہوگئی اور درد میں بے تحاشا اضافہ ہوگیا۔

ادھر مرتدین ان کی تاک میں تھے۔ بالآخر یہ بہادر مجاہد زمیں پر گرپڑے۔ کثرت سے خون بہنے کی وجہ سے وہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوگئے۔ ان ابو دجانہ نے حضور کی تلوار حق ادا کیا تھا۔

اور اس ابو دجانہ جسے سب بابا کے نام سے جانتے تھے۔ انہوں نے شاید امتی ہونے کا حق ادا کیا تھا۔ لیکن اپنے پیچھے وہ حیدر کو چھوڑ گئے تھے جسے کئی اور حیدر تیار کرنے تھے۔

عمر کو چھوڑ گئے تھے جس نے اور نہ جانے کتنے عمر تیار کرنے تھے۔

خدیجہ، خولہ، راشد اور نہ جانے کتنے ایسے تھے جو بابا کی اولاد تھے اور بابا کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے پر عزم تھے۔

۔٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭٭۔

پندرہ سال بعد

عبید اور ام ہانی یونیورسٹی کی ایک کلاس میں بیٹھے تھے۔

"عبید آخری دو پیریڈ کس کے ہیں بھلا۔" ام ہانی نے شرارتی انداز میں عبید سے پوچھا۔

"سنا ہے کوئی بہت سخت پروفیسر صاحب ہیں۔ انتہائی کھڑوس قسم کے ہیں، بولنے کی تمیز بھی نہیں ہیں انہیں اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔""

"یو شٹ اپ۔" عبید کی بات کاٹ کر عبید سے اگلے بینچ پر بیٹھی لڑکی اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔ غصے سے اس کا چہرہ لال پیلا ہو رہا تھا۔

"نہ جانے کہاں سے اٹھ کر آجاتے ہیں ایسے لوگ۔ وہ یونیورسٹی کے سب سے بیسٹ پروفیسر ہیں۔ اور موسٹلی سٹوڈنٹس کے وہ موسٹ فیورٹ پروفیسر ہیں۔ جتنا علم ہے نا ان کے پاس اتنا شاید ہی کسی کے پاس ہو۔ ہر بات کو قرآن و حدیث اور سائنس سے ریلیٹ کر کے سمجھاتے ہیں۔ اور تم جیسے گھٹیا سوچ کے لوگوں کو نہ جانے ان سے کیوں جیلسی اور چڑ ہوتی ہے۔ اگر نہیں پسند تو جاؤ کسی آزاد خیال یونیورسٹی یا یورپ کی کسی یونی میں ایڈمیشن لے لو۔" لڑکی نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا تو کلاس کے باقی سب سٹوڈنٹس بھی ان کی طرف دیکھنے لگے۔

عبید نے انگلی کان میں ڈال کر کان کو ہلایا اور خلا میں گھورنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد پھر کان میں انگلی ڈال کر ہلانے لگا۔ جیسے کان میں کچھ چلا گیا ہو۔ وہ لڑکی کی طرف دیکھ کر معصومیت سے کہنے لگا۔

"ایکسکیوزمی! آپ کچھ کہہ رہیں تھی۔ دراصل میرے کان کا پردہ تھوڑی دیر کے لیے اٹھ گیا تھا تو آواز نہیں آئی۔ دوبارہ دہرادیں کہ کیا کہا ہے آپ نے۔"" لڑکی دانت پیستے ہوئے بیٹھ گئی اور نہ جانے کیا بڑبڑانے لگی۔

ام ہانی اور عبید نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کھکھلا کر ہنس پڑے۔

"انکل عمار تو کافی مشہور ہیں یہاں پر، گھر پر اس طرح بنتے ہیں جیسے ان سے بڑھ کر سادہ اور عام سا انسان کوئی نہیں۔" ام ہانی نے پروفیسر عمار پر اپنا کمنٹ پاس کرتے ہوئے دھیمی آواز میں عبید سے کہا۔

"وہ زیادہ تر خاموش رہتے ہیں لیکن حقیقت میں واقعی بہت علم رکھتے ہیں۔ پاپا بھی ان پر فخر کرتے ہیں۔ بچپن سے سنتے آرہے ہیں کہ انہیں عمار جیسا کوئی سٹوڈنٹ نہیں ملا۔" عبید نے بھی دھیرے سے کہا۔

""ویسے ان کی کلاس میں انہیں انکل نہ کہنا۔ ایویں پوری کلاس کی نظروں میں آجائیں گے اور پاپا نے بھی سختی سے منع کیا ہے کہ خبردار جو ان کو کلاس میں انکل کہا۔" ام ہانی نے مسلسل منہ چلاتے ہوئے کہا۔

"جب پاپا پڑھاتے تھے تب خولہ آپی بھی یہاں پڑھتی تھیں۔ وہ بھی گھر پر راشد بھائی اور یہاں سر راشد کہتیں تھیں۔ پتہ نہیں وہ کیسے اپنی زبان پر کنٹرول کر لیتی تھیں۔ مجھے تو لگتا ہے میرے منہ سے انکل نکل ہی جانا ہے۔ اب جو زبان پر چڑھا ہو وہی نکلتا ہے نا۔" عبید نے پریشان ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

"نکال لینا، پھر مجھے بھی تمہاری زبان کو باہر نکلتے دیکھنے میں مزہ آئے گیا جب امی، پاپا اور سر عمار گھر پر مل کر تمہاری زبان واقعی باہر نکال دیں گے۔" ام ہانی نے چٹخارہ بھرتے ہوئے کہا۔

"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ کہ منصور اور نور کب آ رہے ہیں ہمارے گھر، قسم سے ان بچوں کو دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔" عبید کے تصور میں نہ جانے کون سا خیال آیا کہ وہ مسکرانے لگا۔

" خولہ آپی اور حیدر بھائی تو ان سے تنگ آئے پڑے ہیں۔ تین سکولز سے نکالا جا چکا ہے انہیں۔ اب چوتھے سکول میں ڈالا ہے پرسوں۔ دونوں شرارتیں بھی ایسی کرتے ہیں کہ بڑوں بڑوں کا دماغ گھوم جاتا ہے۔" ام ہانی نے بیگ کھولتے ہوئے کہا۔

"اسی لیے وہ مجھے سب بچوں سے زیادہ پسند ہیں۔" عبید نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

باقی سارا دن دونوں کا لیکچر سنتے اور نوٹس بناتے گزرا۔ جب آخری دو پیریڈز کا وقت آیا تو کلاس میں ایک پرجوشی سی پھیل گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک باوقار سی شخصیت پروفیسر عمار کلاس میں داخل ہوئے۔ پوری کلاس کھڑی ہو گئی اور سب نے بلند آواز سے کہا۔

"''السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ سر!"

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ بچو!"

اس کے بعد باقی وقت تو وہ بھی پڑھاتے رہے لیکن اپنا لیکچر زانہوں نے پندرہ منٹ پہلے ختم کر لیا اور اب وہ کہہ رہے تھے۔

"اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں رہنمائی دیتا ہے۔"''"

"سر! وسکی

(Whisky)

پینے سے اتنا زیادہ نشہ تو نہیں ہوتا کہ انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ پھر کیوں حرام ہے؟ پگ (خنزیر) بھی تو اللہ کی مخلوق ہے اس کا گوشت کھانا کیوں حرام ہے حالانکہ ہوتا تو گوشت ہی چاہے اب وہ بکرے کا ہو یا پگ کا؟"""

"جہاں حکم اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آجائے وہاں بر لاجک ختم ہو جاتی ہے۔ مگر پھر بھی اس کی لاجک بتا دیتا ہوں۔"""

تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے عمار کی جگہ پروفیسر راشد کھڑے ہوتے تھے۔

اب ان کی جگہ ان کا شاگرد، پروفیسر عمار کھڑا تھا۔

شمع سے شمع روشن ہو چکی تھی۔

۔**************۔

پاکستان کا نیا حکمران انتہائی سخت طبیعت کا تھا۔ جو ہنگامی بنیادوں پر پورے ملک کا نظام اسلامی شریعت کے اصولوں کی بنیادوں پر قائم کرتا جا رہا تھا۔

جب سے پڑوسی ملک افغانستان میں اسلامی قانون نافذ ہوا تو اس نظام کی کامیابی نے دوسرے قریبی ملکوں پر بہت بڑا اثر ڈالا تھا۔

قریبی مسلمان ممالک کی عوام بھی اسلامی قانون کے نفاذ کا بھرپور مطالبہ کر رہی تھی۔ سب آمریت اور جمہوریت سے تنگ آچکے تھے۔ جس نے پچھلے نوے سالوں میں پورے ملک کا بیڑہ غرق کر کے رکھ دیا تھا۔ نیا حکمران ایک نئی سیاسی و مذہبی تنظیم سے تھا جو پچھلے پندرہ سالوں میں یک دم ابھر کر منظر عام پر آئی تھی۔ اور یہ تنظیم مکمل اسلامی قانون کے نفاذ کا بیانیہ لے کر چلی تھی جو آج کامیاب ہو چکا تھا۔

یورپ کے ممالک میں مسلمانوں پر حملے بہت بڑھ چکے تھے۔ موجودہ پاکستان کے حکمران نے ان ممالک میں رہنے والوں سے مسلمانوں سے اپیل کی تھی کہ وہ ہجرت کر کے مسلمان ممالک میں چلے جائیں۔ جمہوریت اور انسانی حقوق کا نقاب اوڑھنے والوں کا چہرہ بے نقاب ہو چکا تھا۔

سپر پاور امریکا اور چین، ایک قصہ پارینہ بن چکے تھے۔ اب دو بلاک تیزی سے ایک دوسرے کے سامنے آتے جا رہے تھے۔ ایک طرف تمام یورپی ممالک کا گٹھ جوڑ تھا اور دوسری طرف مسلمان ممالک خاص کر ترکی، یمن اور وسطی ایشیاء کے مسلمان ممالک کا گٹھ جوڑ تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دونوں کے درمیان جنگ عظیم کبھی بھی چھڑ سکتی ہے۔

انڈیا کے اندر بھی پاکستان کے خلاف نفرت کا لاوا پک کر تیار ہو چکا تھا۔ وہاں کے مسلمان مظالم سے تنگ آکر اب بغاوت پر اتر آئے تھے۔ انڈیا اس کے الزام بھی پاکستان کے سر تھوپ رہا تھا کہ پاکستان ایسے تنظیموں کو سپورٹ کر رہا ہے جو انڈیا کی حکومت سے بغاوت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

_**************_

عمر مسجد میں اسی کونے میں بیٹھا تھا جس میں کبھی بابا بیٹھا کرتے تھے۔اس کے سامنے ایک نوجوان بیٹھا کہہ رہا تھا۔

"بابا میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ اس نظر کی حفاظت سے میں نے کیا پایا ہے۔یقین کریں ایسی حلاوت ملی ہے کہ میں لفظوں میں بتا نہیں سکتا۔" اور عمر اس نوجوان کے چہرے کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا کہ عمر کا موبائل وائبریٹ ہونے لگا۔

عمر نے چونک کر موبائل نکالا تو اس کی سکرین پر ایک نام کلیم جگمگا رہا تھا جو کہ اس وقت کی سب سے مضبوط مذہبی و سیاسی تنظیم کا سربراہ تھا۔عمر مسجد سے باہر آیا اور فون کان سے لگا کر سلام کرنے لگا۔

دوسری طرف سے کلیم نے سلام کا جواب دے کر پھر وہی بات دہرانے لگا۔

"میں خود کو اس عہدے کے لائق نہیں سمجھتا۔آپ سے کتنی بار کہہ چکا ہوں آپ اپنی پوسٹ سنبھالیں جو آپ دس سال پہلے چھوڑ چکے ہیں۔"

"دیکھو کلیم ہر کام شریعت اور سامی نظریات کے مطابق ہو رہا ہے نا تو کیا فرق پڑتا ہے سربراہ کون ہے؟ویسے بھی تم ہر بات میں مجھ سے مشورہ کرتے ہو تو ایک لحاظ سے میں ہی عہدے پر ہوں تو پھر کیوں بار بار یہی ٹاپک لے کر بیٹھ جاتے ہو۔تم بہترین طریقے سے چل رہے ہو۔بس ایسے ہی چلتے رہو۔مجھے اس سے بھی ضروری کام کرنے ہوتے ہیں۔"""

دوسری طرف سے نہ جانے کیا بڑبڑاتے ہوئے ہوئے کال کاٹ دی گئی۔

ادھر عمر بابا کا کردار ادا کر رہا تھا تو ادھر حیدر بھی نئے جوانوں کی ٹریننگ پر اسس کا جائزہ لے کر ماسٹر کی شکل میں بابا کا کردار ادا کر رہا تھا۔

تنظیم اتنی بڑی ہو چکی تھی کہ اب وہ کسی سے بھی ٹکڑ لے سکتی تھی۔ آئی ایس آئی اور تنظیم کافی مشن مل کر سرانجام دے رہے تھے۔

*********۔

یہ ایک پانچویں کلاس تھی جس میں ایک میڈم بچوں کو پڑھا رہی تھیں۔ میڈم بچوں کو کہہ رہی تھی۔

"یہ جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ اس لیے یہ دنیاوی تعلیم بہت ضروری ہے۔ دیکھو یورپ ٹیکنالوجی میں کتنا آگے چلا گیا ہے اور ہم کتنا پیچھے ہیں۔"""

"ایکسکیوزمی میڈم! ٹیکنالوجی ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔ امریکا جدید ترین ٹیکنالوجی ہوتے ہوئے بھی پوری طرح ٹوٹ چکا ہے۔"""

میڈم نے نظریں اٹھا کر اس بچے کو دیکھا جو ابھی پرسوں ہی نیا اس سکول میں داخل ہوا تھا۔

"ٹیکنالوجی سے ہٹ کر بھی وہ لوگ ہر معاملے میں ہم سے آگے ہیں۔ وہاں کے معاشرے میں انصاف ہے، امن ہے اور سکون ہے اور اسلامی ملک میں ایسا کچھ نہیں۔ کہاں ہے اسلام؟" میڈم نے سنجیدگی سے کہا۔

”میڈم! اب مسلمان ہی مسلمان نہ بنیں حقیقی معنوں میں تو اس میں اسلام کا کیا قصور؟ اسلام کو تو بدنام نہ کریں۔“ بچے کے ساتھ بیٹھی بچی نے ناگواری سے کہا۔ میڈم بھی لبرل خیالات رکھنے والی عورت تھیں۔ بھڑک کر بولیں۔

”اگر اتنے ہی اسلامی بننے کا شوق ہے تو جاؤ کسی مدرسے میں' کسی جاہل عالم یا مولوی سے پڑھو۔ یہاں ایک انٹرنیشنل لیول کے سکول، آکسفورڈ اور کیمبرج کا سلیبس پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”علماء انبیاء کے وارث ہیں اور مدرسے بھی ہم جاتے ہیں۔ یہاں ہم بھاری فیس دے کر دنیاوی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور آپ کوئی خیرات کے طور پر ہمیں نہیں پڑھا رہیں۔ اس پڑھانے کی ہم آپ کو پیسے دیتے ہیں۔ کوئی احسان نہیں کر رہیں آپ۔ اور جاہل آپ ہیں جو آپ کو علماء کے بارے میں بات کرنے کی تمیز نہیں۔“ بچے نے تلخ لہجے میں کہا تو ساری کلاس حیرت سے گنگ اس بچے کو دیکھ رہی تھی جو میڈم سے الجھ رہا تھا اور میڈم بھی ایسی، جس کی سختی پورے سکول میں مشہور تھی۔

"Enough is enough"۔

”میرے ساتھ آؤ، ابھی پرنسپل کے دفتر میں۔“

میڈم نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

بچے نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے اور میڈم کی طرف آنے لگا۔ بچے کے پیچھے پیچھے وہ بچی بھی ساتھ آنے لگی جو بچے کے ساتھ بیٹھی تھی۔

پرنسپل کے دفتر کے پاس پہنچ کر انہیں تو باہر کھڑا کر دیا گیا۔ میڈم اندر جا کر پرنسپل سے نہ جانے کیا کچھ کہنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد بلاوا آیا تو دونوں اندر داخل ہو گئے۔

"بیٹا منصور! اسلام اخلاق کا درس دیتا ہے۔ ہمیں سب کی رائے کا احترام کرنا چاہیے۔ کون کیا ہے یہ آخرت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اب مرزائی کافر ہیں یا مسلمان، یہ فیصلہ کرنے کے لیے تم بہت چھوٹے ہو۔" پرنسپل کے آخری الفاظ سن کر منصور کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔

"جو یہ کہتا ہے کہ مرزائی مسلمان ہیں یا کافر، ایسی بات کرنے والے کو بھی میں کافر سمجھتا ہوں۔" منصور نے بھڑک کر کہا۔

"یو شٹ اپ، اٹھاؤ اپنے بیگ اور نکل جاؤ اس سکول سے، میں تم دونوں کو خارج کرتا ہوں۔ تمہارے ماں باپ کو کال کر دیتا ہوں وہ آکر تمہیں لے جائیں گے۔" پرنسپل نے گرجتے ہوئے کہا۔

"ہم خود بھی ایسے گھٹیا سکول میں پڑھنا نہیں چاہیں گے۔" منصور کے ساتھ کھڑی نور نے کہا۔

"چلو نور! چلتے ہیں۔" منصور نے نور سے مخاطب ہو کر کہا۔ تو نور سر ہلاتے ہوئے اپنے بھائی کے ساتھ چل پڑی۔

کلاس میں آکر دونوں نے ایک دوسرے کو عجیب سی نظروں سے دیکھا اور بیک وقت بولے۔

"کچھ تو ہونا چاہیے۔"

بیگ اٹھا کر دونوں واپس مڑے اور پرنسپل کے آفس کی طرف چلنے لگے۔ منصور تو الگ ہو کر سیڑھیوں والی سمت چل پڑا جبکہ نور دفتر میں داخل ہو گئی۔ جہاں وہ میڈم بھی ابھی تک بیٹھی ہوئی تھی۔

میڈم کے پاس سے گزرتے ہوئے نور لڑکھڑا کر گرنے لگی تو اس نے بے اختیار میڈم کا سہارا لیا۔ لیکن جب ایسا ہوا تو میڈم کو اپنے کندھے پر سوئی کی چبھن کا احساس ہوا۔

لیکن نور بنا میڈم کی طرف دیکھے آگے پرنسپل کی طرف جانے لگی۔ پرنسپل کے پاس پہنچ کر اس کے پاؤں میں الجھے اور وہ زمین پر گر گئی۔

اٹھتے ہوئے اس نے پرنسپل کی ٹانگ پکڑی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن ایسے کرتے وقت پرنسپل کو بھی سوئی کی سی چبھن محسوس ہوئی۔

"میں بس یہ کہنے آئی تھی کہ ہم گیٹ کے پاس گارڈ کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ جب تک ہمارے امی ابو نہیں آجاتے۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

باہر نکل کر اس نے آہستہ سے پرنسپل آفس کا دروازہ باہر سے کنڈی لگا دی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اسے منصور بھاگتا ہوا اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔

"کام ہو گیا۔" منصور نے ہانپتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں پرنسپل آفس کے دروازے سے تھوڑا دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اندر سے قہقہوں اور چیزیں گرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ دونوں نے کچھ دیر تو انتظار کیا پھر جلدی سے آگے بڑھ کر کنڈی کھول دی اور بھاگ کر سیڑھیوں کے پیچھے چھپ گئے۔

تھوڑی دیر بعد ہی اتنا شور شرابا، اتنے اونچے اونچے قہقہے لگنا شروع ہو گئے کہ دوسری ٹیچرز بھی کلاسز چھوڑ کر پرنسپل کے آفس کی طرف چلنے لگیں لیکن اس سے پہلے کوئی پرنسپل آفس کے دروازے کے پاس پہنچتا۔

دروازہ دھڑم سے کھلا اور موٹے اور بھاری جسم والی میڈم عجیب سا رقص کرتے ہوئے اور قہقہے لگاتی باہر آئی۔ باہر آتے ہی قہقہہ لگانے کی کوشش کرنے اور ہاتھ پاؤں مارنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے وہ دھڑام سے زمین بوس ہو گئی۔

اس کے پیچھے پیچھے پرنسپل صاحب بھی لڑکھڑاتے ہوئے باہر نکلے اور ان کے منہ سے نکلا۔

”ہیلپ۔“

اس کے ساتھ ہی پاؤں میں پڑی میڈم سے ٹکرائے اور میڈم کے اوپر ہی ڈھیر ہو گئے۔

بڑی مشکل سے دونوں ڈرم نما وجود ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور رقص کرتے قہقہے لگاتے دوسری ٹیچرز کی طرف بڑھنے لگے۔ کبھی کبھی ان کے منہ سے نکل جاتا تھا۔

”ہیلپ می۔“

تمام بچے اور ٹیچرز حیرت سے آنکھیں پھاڑے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے ہی میڈم ناچتی کودتی ایک فی میل ٹیچر کی طرف بڑھیں تو بیچاری ٹیچر نے ایک زوردار نسوانی چیخ ماری اور تیزی سے میڈم سے دور چلی گئی۔ ایک طوفان بد تمیزی مچ چکا تھا پورے سکول میں۔

حیرت کا جھٹکا ختم ہو چکا تھا۔ ہنسی، اور قہقہوں کا دور شروع ہو چکا تھا۔ سارے بچے اور سٹاف ان دونوں کے اس رقص اور قہقہوں کے ملے جلے پوز اور ڈانس سٹیپس کو دیکھ رہے تھے جو انہوں آج تک کسی فلم میں بھی نہیں دیکھے تھے۔

کچھ ٹیچرز نے تو باقاعدہ مووی بنانا بھی شروع کر دی تھی۔

دونوں گوشت کے پہاڑ جدھر بڑھنے کی کوشش کرتے، ادھر سے سب طالب علم اور سٹاف ممبران ایک طرف کو ہو جاتے۔

اس سارے شو کے ہیرو اور ہیروئن سیڑھیوں پر بیٹھے قہقہے لگا رہے تھے لیکن تھوڑی دیر بعد نور بولی۔

”آج ممی پاپا نہیں چھوڑیں گے۔ یہ ہمارا چوتھا سکول تھا۔“““

”ہم نے جب بھی کچھ کیا ان کے خلاف ہی کیا۔ جو ہم جیسے معصوم بچوں کے ذہنوں میں زہر گھولتے ہیں اور عقائد خراب کرتے ہیں۔“ منصور نے اطمینان سے جواب دیا۔

”ہم معصوم ہیں؟“ نور نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تو اور کیا۔ بچے تو معصوم ہوتے ہیں، ہم بھی تو بچے ہیں۔“ منصور نے کہا تو دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس پڑے۔